سیدنا

مروان بن الحَکَم رضی اللہ عنہما

شخصیت و کردار

﴿حصہ اوّل و دوم﴾

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

کتاب: سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما ____ شخصیت و کردار
(حصہ اول و دوم)
مصنف: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
طبع اول: مارچ 2017ء
کمپوزنگ: محمد صابر حیدری
(0321-9814745)
ضخامت: 576 صفحات
ناشر: قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی مرکزی جامع مسجد
سیدنا معاویہ ؓ چوک حویلیاں۔ہزارہ
زرتعاون: روپے
پریس:

سڈاکسرٹ :/ملنے کے پتے:
☆ قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی
مرکزی جامع مسجد۔سیدنا معاویہ ؓ چوک حویلیاں۔ہزارہ 0313-5617873
☆ سید مروان بن بادرشاہ۔حیات آباد پشاور (0300-5983283)

﴿ انتساب ﴾

راقم الحروف اس ادنیٰ کاوش کو

آخری حکمران صحابی ،

بقول سیدناعلی المرتضیٰؓ:"سیدمن شباب قریش"

بقول سیدنامعاویہؓ:"القاری لکتاب اللہ ، الفقیہ فی دین اللہ الشدیدفی حدوداللہ"

اور بقول قاضی ابوبکر ابن العربی:

"رجل عدل من کبار الائمۃ عندالصحابۃ والتابعین وفقہاء المسلمین"

سیدنامروان بن الحکم رضی اللہ عنہما ،

ابنائے امیرشریعتؒ خصوصاً مولاناسیّد ابومعاویہ **ابوذربخاریؒ**

وسیّد **عطاء المحسن بخاریؒ**

جنھوں نے تیرہ صدیاں بعد ۱۳۸۱ھ/1961ء میں پہلی بار تجدیداسماء صحابہ بالخصوص سیّدنامعاویہؓ ، سیّدنامغیرہؓ اور سیّدنامروانؓ کے حوالے سے صبرآزماتحریک اورکٹھن مہم چلاکرنہ صرف رافضیت وسبائیت اورصحابہ دشمنی کاطلسم پاش پاش کیابلکہ اپنی "خاندانی عصبیت"قربان کرکے عوامی سطح پراوربالخصوص برّصغیر کے"سادات"کی تاریخ میں پہلی مرتبہ خوداپنے بچوں کے نام"محمدمعاویہ" اور"محمدمغیرہ"تجویزکرکے"دفاع صحابہؓ"اور"تجدید اسماء صحابہؓ" کی جدوجہدجاری رکھی ـــــ اور

متلاشیانِ حق کے نام

منسوب کرنے کی سعادت حاصل کررہاھے۔

پروفیسرقاضی محمدطاہرعلی الہاشمی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

کنتم خیر امّۃ اخرجت للنّاس....

(آل عمران 110)

تم سب سے بہتر امت ہو (تم امت کے بہترین لوگ ہو) جنہیں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم:

خیر النّاس قرنی ثمّ الّذین یلونھم ثمّ الّذین یلونھم

(صحیح بخاری ، کتاب الرقاق۔باب مایحذّر من زھرۃ الدنیا والتناقس فیھا۔ رقم الحدیث 6429، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ۔ باب فضائل اصحاب النبیؐ....رقم الحدیث 3651، کتاب الشھادات۔ باب لایشھد علٰی شھادۃ جور اذا اشھد۔رقم الحدیث 2652)

میرے زمانے کے لوگ سب سے اچھے ہیں۔پھر جو ان کے بعد آئیں گے، پھر جو ان کے متصل ہوں گے۔

خیر امّتی قرنی ثم الّذین یلونھم ثمّ الّذین یلونھم....

(کتاب فضائل اصحاب النبیؐ ۔باب فضائل اصحاب النبیؐ ....رقم الحدیث 3650)

میری امت میں بہتر زمانہ، میرا زمانہ ہے (یعنی صحابہ کا) پھر ان لوگوں کا جو اُن کے بعد ہیں (یعنی تابعین کا) پھر ان لوگوں کا جو اُن کے بعد ہیں ....

☆☆☆☆☆☆

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	عرضِ مصنف	8
2	سیدنا مروان ؓ کی منقبت (نظم)	42
3	سیدنا مروان ؓ کا شجرہ نسب	44
4	سیدنا الحکم بن ابی العاص القرشی الاموی ؓ	46
5	سیدنا الحکم ؓ کا قبول اسلام	49
6	سیدنا مروان ؓ کی ولادت	53
7	سیدنا مروان ؓ کی صحابیت	58
8	سیدنا مروان ؓ کے حالات قبل از خلافت	77
9	سیدنا مروان ؓ عہد عثمانی میں	79
10	مدینہ منورہ میں حضرت مروان ؓ کا گھر	80
11	سیدنا مروان ؓ بحیثیت کاتب	82
12	حضرت عثمان ؓ کے محاصرہ کے وقت سیدنا مروان ؓ کا کردار	85
13	سیدنا مروان ؓ عہد مرتضوی میں	88
14	سیدنا مروان ؓ بحیثیت گورنر	99
15	سیدنا مروان ؓ بحیثیت امیر حج	101
16	''عین الزرقاء'' کا اجراء	103
17	سیدنا معاویہ ؓ اور سیدنا مروان ؓ کے مابین مراسلت	104
18	سیدنا مروان ؓ بحیثیت قاضی	107
19	سیدنا مروان ؓ اور خشیت الٰہی	113
20	سیدنا مروان ؓ کا جذبہ قبول حق	116
21	سیدنا مروان ؓ بحیثیت خلیفہ	120
22	سیدنا مروان ؓ کا علمی مقام	128
23	مرویات سیدنا مروان ؓ	140

24	الموطا امام مالکؒ (م۔179ھ)	141
25	الموطا امام محمد (م۔189ھ)	147
26	المسند امام احمد بن حنبل (م۔241ھ)	151
27	الصحیح البخاری امام بخاری (م۔256ھ)	157
28	کیا حضرت مروان ﷛ حدیث میں "متہم" ہیں؟	166
29	شہادت سیدنا مروان ﷛	173

حصہ دوم

سیدنا مروان ﷛ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ

30	سیدنا مروان ﷛ بے گانوں اور یگانوں کی نظر میں	181
31	مفتی جعفر حسین	183
32	ترجمان شیعیت غلام حسین نجفی	185
33	شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م 1239ھ)	188
34	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م۔1323ھ)	195
35	شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (م۔1339ھ)	200
36	علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ (م 1352ھ)	208
37	مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ (م 1995ء)	211
38	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م 1362ھ)	220
39	امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ (م 1381ھ)	222
40	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م 1399ھ)	225
41	شارح خلافت و ملوکیت ملک غلام علیؒ	229
42	مولانا عبدالرشید نعمانیؒ (م 1420ھ)	236
43	امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ (1430ھ/2009ء)	238
44	خلاصۂ بحث	240
45	1۔سیدنا حکم ﷛ کی جلاوطنی کی حقیقت	242

46	2۔سیدنا مروان ﷜ کی مدینہ بدری کا قصہ	258
47	3۔ملعون ابن ملعون کے الزام کی حقیقت	261
48	4۔الوزغ ابن الوزغ کے الزام کی حقیقت	274
49	5۔مبغوض قبیلے سے تعلق کا الزام	280
50	6۔طلیق ابن طلیق کا الزام	284
51	7۔امورِ خلافت میں مداخلت کا الزام؟	300
52	8۔سیدنا عثمان ﷜ کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا الزام؟	307
53	9۔معاملات کو بگاڑنے کا الزام؟	310
54	10۔باہمی تعلقات خراب کرنے کا الزام؟	313
55	11۔دھمکی آمیز تقریر کرنے کا الزام؟	315
56	12۔گورنر مصر کے نام خط لکھنے کا الزام؟	319
57	13۔خط میں لفظ ''فاقبلوه'' کو ''فاقتلوه'' میں تبدیل کرنے کا الزام؟	331
58	14۔سیدنا مروان ﷜ پر قتل عثمان ﷜ کا باعث بننے کا الزام؟	359
59	15۔سیدنا مروان ﷜ پر جھوٹی گواہی دینے کا الزام	366
60	16۔سیدنا مروان ﷜ پر جنگ جمل میں پہل کرنے کا الزام؟	373
61	17۔سیدنا مروان ﷜ پر سیدنا طلحہ ﷜ کو قتل کرنے کا الزام؟	376
62	18۔''ناصبیت'' کا الزام؟	395
63	19۔سیدنا علی ﷜ کو گالیاں دینے کا الزام؟	406
64	20۔سیدنا حسن ﷜ کی تدفین میں رکاوٹ ڈالنے کا الزام؟	427
65	21۔سیدنا مروان ﷜ پر خطبہ کو نماز عید سے مقدم کرنے کا الزام؟	442
66	22۔سیدنا مروان ﷜ پر سیدہ عائشہؓ کو قتل کرنے کا الزام	474
67	22۔مظالم حرہ میں حصہ لینے کا الزام؟	485
68	23۔ کیا سیدنا مروانؓ حدیث "هلكة امتى ....." کا مصداق ہیں؟	523
69	24۔کیا سیدنا مروانؓ کو قتل کیا گیا تھا؟	545
70	خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (اختتامیہ)	553
71	مصادر و مراجع	565

عرض مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لأهله والصّلوٰة علیٰ أهلها.........امّا بعد

زیرِنظر کتاب میں بعض علمائے اہل سنت اور مروجہ تاریخ کے برعکس سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کی اصل شخصیت اور کردار کو محدثین، فقہاء اور اکابرامت کے اقوال کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔ سیدنا مروانؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت مسور بن مخرمہؓ کے ہم عمر جب کہ حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ سے عمر میں بڑے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے بڑے وثوق کے ساتھ فرمایا ہے کہ:

"فلایمکن الجزم بنفی رؤیته النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم...."

پس یقین کے ساتھ ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

امام ذہبی نے رؤیت کے اقرار کے ساتھ روایت کے اعتبار سے ''کبار تابعین'' کے عنوان کے تحت ان کا ذکر پہلے نمبر پر کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے قرار دیا ہے کہ:

"هو صحابی عند طائفة کثیرة لأنه ولد فی حیات النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم"

وہ (یعنی سیدنا مروان رضی اللہ عنہ) کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں ''القسم الثانی'' کے تحت صغار صحابہ کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ علامہ ابن حسن دیار بکری نے واضح طور پر لکھا ہے کہ:

"و کان مروان قد لحق النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم"

حضرت مروانؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے۔

طبقات کی کتابوں میں صحابی ہی کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث میں بیان کردہ صحابہؓ کے مناقب و فضائل علیٰ حسب مراتب سیدنا مروانؓ کے لیے بھی

ثابت ہوں گے۔اور وہ تمام آثار ولوازم صحابیت اور صحابہ کے وہ تمام حقوق جو کتاب وسنت نے امت پر عائد کیے ہیں وہ سب کے سب سیدنا مروانؓ کے حق میں بھی تسلیم کرنے پڑیں گے۔ہمیں تاریخی طور پر نہیں بلکہ بطور عقیدہ کے اس پر ایمان لانا پڑے گا کہ سیدنا مروانؓ بوجہ صحابی ہونے کے "متقی، عدول، پاک باطن، صاف ظاہر، حبّ جاہ ومال سے بری، ہوسِ اقتدار سے بالاتر اور ان تمام رذائل نفس" سے پاک تھے جو ان مقدسین سے بنصِ کتاب وسنت زائل کردیے گئے ہیں۔

اسی طرح "اعدائے صحابہ" کا کتاب وسنت میں جو حکم مذکور ہے اس کا اطلاق بلاشبہ معاندین مروان رضی اللہ عنہ پر بھی ہوگا۔

جن منکر روایات کی بناء پر سیدنا مروانؓ کو ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے علامہ ابن قیم اور ملا علی قاری نے انہیں "موضوع" قرار دیا ہے۔مگر مذکورہ تصریحات کے باوجود بعض علمائے اہل سنت نے ان کی (مختلف فیہ) صحابیت اور (متفق علیہ) تابعیت کے باوجود ان کی ذات گرامی کو شدید ترین تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ایسے علماء کی تنقید پر قاضی ابوبکر ابن العربی نے کس قدر برمحل، جاندار اور صحیح تبصرہ کیا ہے کہ:

"و أما قول القائلین فی مروان والولید فشدید علیهم وحکمهم علیهما بالفسق، فسق منهم۔مروان رجل عدل من کبار الامۃ عند الصحابۃ والتابعین وفقهاء المسلمین" (العواصم من القواصم 90-89)

مروان رضی اللہ عنہ اور ولید کے متعلق ناقدین کا قول اور ان دونوں پر فسق کا حکم، خود ان پر شدید اور ان ہی کے فسق کی دلیل ہے۔مروان رضی اللہ عنہ صحابہ، تابعین اور فقہائے مسلمین کے نزدیک عادل شخص اور اکابر امت میں سے ہیں۔

سیدنا مروانؓ کی یہ عظیم فضیلت ہے کہ وہ خیر القرون میں مسجد نبوی میں تقریباً دس سال تک بحیثیت گورنر خطبات جمعہ وعیدین ارشاد فرماتے رہے اور حضرات حسنین کریمینؓ سمیت صحابہ وتابعین ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے رہے۔یہی نہیں بلکہ صحابہ وتابعین نے

سیدنا مروانؓ کی زیرِ امارت و قیادت پانچ سال تک حج کا فریضہ بھی ادا کیا۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ صحابی رسول حضرت سہیل بن سعد الساعدی نے ''اعتماداً'' ان سے حدیث روایت کی ہے اور خود انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت بُسیرہ بنت صفوان سے احادیث بیان کی ہیں۔ جنہیں سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، مجاہد اور زین العابدین جیسے اکابر تابعین نے ان سے روایت کیا ہے۔

سیدنا مروانؓ کی ان مرویات کو مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، مسند احمد بن حنبل، صحیح بخاری اور سنن اربعہ میں نقل کر کے ان تمام محدثین اور فقہاء نے ان پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ علامہ محب الدین الخطیب ''معتمدین اور ناقدین'' میں موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''وکلهم أعلى مرتبة في الاسلام من الّذين يبردون الغل الّذي في قلوبهم باالطعن في مروان۔'' (العواصم من القواصم ص 89)

سیدنا مروانؓ سے روایت کرنے والے تمام حضرات اسلام میں ان لوگوں کی بہ نسبت نہایت ہی اعلیٰ مقام و مرتبہ کے حامل ہیں جو سیدنا مروانؓ پر طعن و تشنیع کر کے اپنے دلوں میں مخفی بغض و کینہ کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔

سیدنا مروانؓ غالباً دنیا کے پہلے شخص ہیں جو ''ولادت'' سے پہلے ہی ہدفِ تنقید بنا دیئے گئے۔ کبھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ''زبان'' سے ان کے بارے میں یہ الفاظ ادا کرائے گئے کہ:

''ولكن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم لعن أبامروان ومروان في صلبه''
(المستدرك للحاكم جلد4ص 481 كتاب الفتن)

کبھی ام المؤمنین کے بھائی سیدنا عبدالرحمٰن بن أبي بکر کی زبانی کہلوایا کہ:

''ألست ابن اللعين الّذي لعنه رسول الله صلّى الله عليه وسلّم''
(فتح الباری جلد8ص 577)

اور کبھی خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کرایا کہ:

"لعن اللّٰه الحكم وماولد"(مستدرك للحاكم جلد4ص 481)

سیدنا مروانؓ کی مظلومیت کا اندازہ لگائیں کہ بقول ناقدین: ولادت کے بعد جب انہیں "دعا" اور "تحریک" کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الوزغ ابن الوزغ ، الملعون ابن الملعون"

(مستدرك للحاكم جلد4ص479 كتاب الفتن والملاحم)

سیدنا مروانؓ پر اس قدر رپورشوں کے باوجود جب ناقدین کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو انہوں نے ان کے پورے قبیلے بنو امیہ کو ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبغوض قبیلہ قرار دے دیا کہ:

"كان أبغض الأحياء الىٰ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم بنواميّة وحنيفة وبنوثقيف"(مستدرك للحاكم جلد4ص 481۔كتاب الفتن والملاحم)

فتح مکہ کے موقع پر سیدنا مروانؓ کے والد سیدنا حکمؓ جب مشرف بہ اسلام ہوئے (ظاہر ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جن کی عمر اس وقت 7/6 سال تھی) تو اس کے معاً بعد اس سات سالہ بچے کو بھی بغیر کسی قصور کے "مدینہ منورہ" سے "طائف" کی طرف جلاوطن کرا کے "طلقاء" کے طبقے میں شامل کرا دیا گیا۔ "جلاوطنی" کی یہ سزا بقول ناقدین، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد خلافت تک جاری رہی۔

بعد ازاں ان پر امور خلافت میں مداخلت، حضرت عثمانؓ کے لیے مشکلات پیدا کرنے، معاملات کو بگاڑنے، صحابہ کے مابین باہمی تعلقات خراب کرنے، مجمع صحابہ میں دھمکی آمیز تقریر کرنے، گورنر مصر کے نام خط لکھنے، اس میں لفظ "فاقبلوه" کو "فاقتلوه" میں تبدیل کرنے، قتل عثمانؓ کا باعث بننے، جنگ جمل میں پہل کرنے، سیدنا طلحہؓ کو قتل کرنے، سیدنا علیؓ پر سب و شتم کرنے، خطبہ کو نماز عید سے مقدم کرنے، نواصب کا سرغنہ ہونے، سیدنا حسنؓ کی

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین میں رکاوٹ ڈالنے، واقعہ حرّہ میں مظالم کے بپا کرانے کے الزامات عائد کرنے کے علاوہ ناقدین نے انہیں حدیث "هلكة امتي على يدي غلمة من قريش" کا بھی مصداق قرار دے دیا۔ ان الزامات کی انتہا یہ ہے کہ مرتے وقت بھی ان پر یہ الزام عائد کر دیا گیا کہ وہ بیوی کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔

اس طرح سیدنا مروانؓ عنہ بلا شبہ دنیا کے پہلے مظلوم ترین فرد بن گئے ہیں جو نہ صرف قبل از ولادت تا وفات ہدف تنقید بنے رہے بلکہ آج تک اغیار کے ساتھ ساتھ بعض نامی گرامی علمائے اہل سنت بھی ان پر یلغار جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان علماء کے الزامات کا جواب آگے زیر نظر کتاب کے حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

1960ء کی دہائی میں مولانا مودودی صاحب کو یہ "شرف" حاصل ہوا کہ انہوں نے اپنے ایک طویل مضمون "خلافت راشدہ سے ملوکیت تک" میں حضرت عثمان، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہم کی خوب توہین و تنقیص کی۔ ان مضامین کو پہلی بار اکتوبر 1966ء میں کتابی صورت دی گئی جو "خلافت وملوکیت" کے نام سے لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کے خلاف علماء کرام نے اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پہلے "البلاغ" میں اس کتاب کا جواب لکھتے رہے جسے بعد میں انہوں نے "حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" کے نام سے 1971ء میں کتابی صورت میں شائع کیا۔ (راقم الحروف کے پاس اس کا جو ایڈیشن ہے اس پر تاریخِ طباعت جمادی الثانیہ 1401ھ / اپریل 1981ء درج ہے) جس کا جواب الجواب وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج اور جماعت اسلامی کے ترجمان جناب ملک غلام علی صاحب نے ماہنامہ ترجمان القرآن میں "خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ" کے نام سے دیا۔ جو کتابی صورت میں پہلی مرتبہ اکتوبر 1972ء میں شائع ہوئی۔ راقم الحروف کے پاس اس کتاب کا پانچواں ایڈیشن (نومبر 1984ء) ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے حضرت مروانؓ کے خلاف مودودی صاحب کی "مستدل"

اس روایت (کہ "مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جب کہ مروان ابھی تک اس کی صلب میں تھا۔" خلافت وملوکیت ص 151) کو پہلے "البلاغ" (ذی الحجہ 1390ھ / فروری 1971ء) میں مشکوک ومشتبہ قرار دیا لیکن بعد میں ملک غلام علی صاحب کے دلائل سے متاثر ہو کر اس "دعویٰ" سے رجوع کرلیا۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"یہاں ایک بات کا اعتراف کرنا میں دیانۃً ضروری سمجھتا ہوں اگرچہ وہ براہ راست موضوع سے متعلق نہیں اور وہ یہ کہ میں نے مروان بن حکم کی مذکورہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے ضمناً یہ بھی لکھا تھا کہ اس روایت کے آخری الفاظ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ "لعن اللّٰہ الحکم وما ولد" بہت مشکوک اور مشتبہ ہیں۔

مجھے اس وقت تک اس حدیث کی تحقیق نہیں تھی۔ ملک غلام علی صاحب کے توجہ دلانے پر میں نے مستدرک حاکم کی طرف رجوع کیا۔ ملک صاحب کے دیے ہوئے حوالے کے مطابق اس کے صفحہ 481 جلد 2 پر مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی جس کی امام ذہبیؒ نے بھی توثیق کی ہے۔" (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص 176-175۔ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی جمادی الثانیہ 1401ھ / اپریل 1981ء)

اس طرح موصوف نے حضرت مروانؓ کے خلاف امام حاکم کی اس موضوع روایت کو امام ذہبی کی توثیق کے ساتھ صحیح تسلیم کرتے ہوئے دیانۃً اپنے سابقہ قول سے رجوع کرلیا۔ فیا اسفا!

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس "رجوع" پر بھی زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک ہی قائم رہ سکے پھر اس "رجوع" سے بھی "رجوع" کرلیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"احقر نے ذی الحجہ (1390ھ) کے البلاغ میں لکھ دیا تھا کہ ملک صاحب کے دیئے ہوئے حوالے کے مطابق مستدرک صفحہ 481 جلد 4 پر مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی جس کی حافظ ذہبی نے بھی توثیق کی ہے۔ اب ربیع الثانی (1391ھ) کے بیّنات میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے میری اس عبارت پر گرفت کر کے حدیث کی مکمل تحقیق درج فرمائی ہے۔

اب میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہم کی تحقیق پر مطمئن ہوں اور اس تنبیہ پر ان کا شکر گزار۔ مجھے مدیر بیّنات (مولانا محمد ادریس میرٹھی) کے ان الفاظ سے بھی پورا اتفاق ہے کہ ہمارے بزرگوں کا ذوق یہی ہے کہ مروان کو نہ صحابہ کرام کے مخصوص لقب رضی اللہ عنہ سے جا بجا یاد کرتے ہیں نہ اس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔" (ماہنامہ البلاغ۔ جمادالاولی 1391ھ / جولائی 1971ء بحوالہ خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 483)

موصوف کے اس "رجوع عن الرجوع" پر تبصرہ کرتے ہوئے ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اب البلاغ کی یہ مراجعت کیا اس امر کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے گروہ کی حد تک "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کی روش پر کاربند ہیں۔ صحیح بات سے ہٹنا اور غلط بات پر ڈٹنا ان کے لیے بالکل سہل ہے جسے یہ اپنے حلقے کا آدمی سمجھتے ہیں وہ اگر نہایت کمزور اور واہی بات کہہ دے تب بھی اسے لپک کر لیں گے اور جو ان کی یونین کا ممبر نہ ہو اس کے معاملے میں ان کی "فراخ دلی" فوراً ان کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ ان حضرات سے میری یہ گذارش ہے کہ "جمہور اہل سنت کے مسلک" اور "آپ کے اکابر کے ذوق" کی تحقیق کے تقاضے محض ستائش باہمی سے پورے نہیں ہوسکتے۔ نہ علمی بحثوں میں بودا اور غیر محکم استدلال محض اس طرح کی پھبتیوں سے مؤثر اور جاندار ہوسکتا ہے ...

دلیل سے بات ملایئے اور منوایئے، محض طعن و تشنیع اور رمز ولمز سے کام نکالنے کی سعی ناکام نہ فرمایئے۔" (خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 483-484 طبع پنجم۔ نومبر 1984ء)

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پر ملک صاحب کی اس "نصیحت" کا بھی خاطر خواہ اثر ہوا اس لیے انہوں نے مفتی ولی حسن صاحب کو تو البلاغ جمادی الاولی 1391ھ / جولائی 1971ء میں یہ اعلان کر کے مطمئن کر دیا کہ "میں ان کی تحقیق پر مطمئن ہوں اور اس تنبیہ پر ان کا شکر گزار" کہ حدیث "لعن اللّٰہ الحکم وما ولد" صحیح نہیں ہے۔

اور ملک غلام علی صاحب کو یوں مطمئن کر دیا کہ آپ کی "مستدل" حدیث صحیح ہے جس

کی توثیق امام ذہبی جیسی شخصیت کرچکی ہے اس لیے میں نے اپنے سابقہ الفاظ کہ "لعن اللہ الحکم و ما ولد" مشکوک اور مشتبہ ہیں سے تو پہلے ہی رجوع کر کے البلاغ ذی الحجہ 1390ھ / فروری 1971ء میں دیا تھا اس کا با قاعدہ اعلان کر دیا تھا۔

بعد میں جب مفتی ولی حسن صاحب نے اس "رجوع" پر میری گرفت فرمائی (ملاحظہ ہو بیّنات ربیع الثانی 1391ھ / جون 1971ء) تو "ادباً" میں نے ان کی تحقیق کے ساتھ بھی اتفاق کا اعلان البلاغ جمادی الاولی 1391ھ / جولائی 1971ء میں کردیا لیکن وہ صرف البلاغ کے اسی شمارے تک محدود رہے گا اور اپنے سابقہ رجوع کو ہی کتاب کا حصہ بنا دیا جائے گا جس سے حدیث "لعن اللہ الحکم و ما ولد" کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے (العیاذ باللہ)

اگر راقم الحروف کا یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے تو حضرت عثمانی صاحب خود ہی اس بات کی وضاحت فرما دیں کہ:

جب آپ اور ملک صاحب دونوں نے البلاغ اور ترجمان القرآن کے سلسلہ مضامین کو (قلمی بحث کے اختتام پذیر ہونے کے بعد) کتابی صورت میں شائع کیا تو جس طرح ملک غلام علی صاحب نے اس سلسلہ میں ترجمان القرآن کے تمام مندرجات کو (مع اضافات) اپنی کتاب کا حصہ بنایا تو آپ نے مفتی ولی حسن صاحب کی تحقیق کے ساتھ اتفاق کے اعلان (البلاغ جمادی الاولی 1391ھ / جولائی 1971ء) کو اپنی مایہ ناز کتاب "حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" کا حصہ کیوں نہیں بنایا؟

نیز اس کتاب کو خلافت و ملوکیت کے جواب میں البلاغ کی آخری قسط (ذی الحجہ 1390ھ) تک ہی کیوں محدود رکھا؟ جب کہ آپ کی کتاب بھی مفتی ولی حسن صاحب کی تحقیق کے ساتھ "اتفاق" کے اعلان (البلاغ جمادی الاولی 1391ھ) کے بعد شائع ہوئی تھی اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں۔

کیا یہ قابل افسوس بات نہیں ہے کہ حضرت عثمانی صاحب کی کتاب میں حدیث "لعن اللہ الحکم و ما ولد" کے بارے میں ملک غلام علی صاحب کے ساتھ "اتفاق" کا

''دیابتاً'' اعلان تو موجود ہے لیکن پوری کتاب میں مفتی ولی حسن صاحب کی تحقیق کے ساتھ اتفاق کا کہیں اشارتاً و کنایتاً بھی ذکر نہیں ملتا؟

کیا کتاب ''حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' کے قارئین اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کریں گے کہ آپ اپنے اس ''رجوع'' پر اب بھی قائم ہیں کہ؟ ''یہاں ایک بات کا اعتراف کرنا میں دیانتاً ضروری سمجھتا ہوں اگر چہ وہ براہ راست موضوع سے متعلق نہیں اور وہ یہ کہ میں نے مروان بن حکم کی مذکورہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے ضمناً یہ بھی لکھا تھا کہ اس روایت کے آخری الفاظ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ ''لعن اللّٰہ الحکم وماولد'' بہت مشکوک اور مشتبہ ہیں۔

مجھے اس وقت تک اس حدیث کی تحقیق نہیں تھی۔ ملک غلام علی صاحب کے توجہ دلانے پر میں نے مستدرک حاکم کی طرف رجوع کیا۔ ملک صاحب کے دیے ہوئے حوالے کے مطابق اس کے صفحہ 481 جلد 2 (4) پر مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی جس کی امام ذہبیؒ نے بھی توثیق کی ہے۔''

(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص 175-176۔ طبع اپریل 1981ء)

حضرت عثمانی صاحب کے اس ''رجوع'' اور حدیث ''لعن اللّٰہ الحکم وماولد'' کی تصحیح و توثیق کے بعد ان کے متعدد قارئین حضرت حکم رضی اللہ عنہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یقیناً بدظنی اور ضلالت کا شکار ہوں گے۔

جہاں تک حضرت مفتی ولی حسن صاحب اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب مدیر بیّنات کے اس ''ارشاد'' کہ ''ہمارے بزرگوں کا ذوق یہی ہے کہ مروان کو نہ صحابہ کرام کے مخصوص لقب رضی اللہ عنہ سے جابجا یاد کرتے ہیں نہ اس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں'' کے ساتھ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے ''اتفاق'' کا تعلق ہے تو اس کے جواب میں ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مدیر البلاغ اور مدیر بیّنات نے یہ جو دعویٰ کیا تھا کہ ہمارا اور ہمارے بزرگوں اور

اکابر کا مسلک اور ذوق یہ ہے کہ مروان کو نہ صحابہ کرام کے مخصوص لقب رضی اللہ عنہ سے یاد کیا جائے، نہ اس کے خلاف طعن کی زبان کھولی جائے۔

اس کے متعلق میں پہلے عرض کر چکا کہ اس انوکھے مسلک کی خلاف ورزی شاہ عبدالعزیز صاحب، مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے تو اس طرح کی کہ مروان کے خلاف برملا زبانِ طعن درازکی اور خود مدیر بیّنات نے اس طرح اس مسلکِ متوازن کی خلاف ورزی کی کہ مروان بن حکم کو رضی اللہ عنہما کہنے کی مجھے نصیحت فرمائی....

اب ایک طرف دیوبند کے وہ اکابر ہیں جو مروان کو شیطان، ملعون (شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ) خبیث (امام ربانی قطب الاقطاب حضرت گنگوہیؒ)، ظالم، فحّاش، سنت نبوی کو پس پشت ڈالنے والا اور بے ادب (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف ان اکابر کے یہ اخلاف ہیں جو حضرت مروانؓ کے یہ مناقب وفضائل بیان فرمارہے ہیں۔"

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 489-491)

ملک غلام علی صاحب "دیوبندی اکابر کا مسلک" کے عنوان کے تحت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، مولانا احمد علی سہارنپوری محشّی بخاری، شیخ المشائخ مولانا محمود حسن، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حضرت مروانؓ کے خلاف باحوالہ اقتباسات نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

"پھر غضب بالائے غضب یہ ہے کہ فاضل مدیر بیّنات (مولانا محمد ادریس صاحب) مروان کے ساتھ حکم کو بھی شریک کر کے دونوں کے حق میں رضی اللہ عنہما کی قرأت کا التزام چاہتے ہیں اور غالباً مدیر موصوف پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکم کو بھی رضی اللہ عنہ بنانے کی سعی فرمائی ہے۔

حکم وہ شخص ہے جو منافقین مدینہ سے سازباز رکھ کر انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے راز اور خفیہ امور سے آگاہ کرتا تھا محدثین ومؤرخین کا بیان ہے کہ وہ کبھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نطق مبارک کی نقل اتارتے ہوئے ایک مصنوعی انداز میں بولتا تھا، کبھی چلتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی رفتارِ مبارک کی نقلیں اتارتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں اس کو شمار کیا گیا ہے کہ اس شخص کی گفتار و رفتار میں ایک طرح کا تصنع اور

فساد پیدا ہو گیا تھا کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "کن کذالک۔" بعض اقوال کے مطابق یہ شخص گھروں میں جھانکتا تھا۔ غرض یہ کہ ان حرکات کی بناء پر اسے نبی اکرمؐ نے مدینہ بدر کرکے طائف میں قید کردیا تھا اور کوشش کے باوجود حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں واپس آنے کی اجازت اسے نہ مل سکی....

اب اگر ایسا باپ اور بیٹا بھی رضی اللہ عنہما ہیں تو پھر کہہ دیجیے کہ عبداللہ بن ابی بھی رضی اللہ عنہ ہے۔ وہ مرتے دم تک مدینے میں مسلمانوں کے معاشرے میں رہا ہے اور مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ بھی پڑھایا اور اس کے کفن کے لیے اپنا پیرہن مبارک بھی عطا فرمایا۔" (حوالہ مذکور ص 481-483)

ملک غلام علی صاحب اگرچہ مولانا مودودی صاحب کے ترجمان اور وکیل ہیں لیکن انہیں حضرت مروان اور حضرت حکم رضی اللہ عنہما کے خلاف اس انتہا تک پہنچانے میں ہمارے اکابر کا بھی یقیناً اہم کردار ہے۔

حضرت مروانؓ کی صحابیت "مختلف فیہ" ہی مان لی جائے لیکن ان کا کبار تابعین میں سے ہونا تو متفق علیہ ہے؛ کیا وہ ان اکابر سے مقام و مرتبہ میں کہیں بڑھ کر (چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک) ایک "تابعی" جیسے احترام کے بھی مستحق نہیں ہیں؟ اور جہاں تک حضرت حکمؓ کا تعلق ہے تو ان کی صحابیت میں کوئی "منافق اعتقادی" ہی شک کرسکتا ہے۔ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر 8ھ میں اسلام قبول کرکے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی اور 32ھ میں بحالتِ اسلام ہی مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی۔ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امامت واقتداء میں صحابہ و تابعین کی کثیر تعداد نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ جمہور علمائے اہل سنت کے نزدیک ایک ایسے شخص پر جس کا نبی اکرم صلی الله علیہ وسلم کے دست اقدس پر اسلام لانا بھی ثابت ہو اور اسلام ہی کی حالت میں اس کی موت بھی واقع ہوئی ہو اس پر صحابی ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت حکمؓ کے متعلق ملک غلام علی صاحب کے مذکورہ "خیالات" پڑھ کر شاید عام

قارئین انہیں مودودی صاحب کا وکیل اور ترجمان سمجھ کر نظر انداز بھی کردیں مگر علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے داماد، علمائے حق کے ترجمان، فاضل دیوبند اور مؤلف ''انوار الباری شرح صحیح البخاری'' مولانا سید احمد رضا بجنوری کے اس ''توثیقی'' ارشاد کو کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ کہ:

''مروان کا باپ حکم بھی بہت بدکردار تھا۔ وہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے حجروں پر جاسوسی کیا کرتا تھا، ان میں وہ جھانکتا تھا اور راز کی خبریں لوگوں کو پہنچایا کرتا تھا، حضور علیہ السلام کی نقلیں اتارا کرتا تھا وغیرہ۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اس کو اور اس کے بیٹے مروان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کر کے طائف بھیج دیا تھا پھر وہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں بھی نہ آ سکا اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں باپ بیٹے دونوں مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الفتن میں حدیث "هلاك امتي على يدي أغيلمة سفهاء" کے تحت لکھا ہے کہ:

بہت سی احادیث حکم اور اس کی اولاد کے ملعون ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جن کی تخریج طبرانی وغیرہ نے کی ہے۔ ان میں زیادہ تو محل نظر ہیں مگر بعض جید بھی ہیں''
(جن سے حکم اور اس کی اولاد کا ملعون ہونا ثابت ہو جاتا ہے)

(انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 17 ص 194۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

کیا مذکورہ عبارت میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ترین توہین اور تنقیص نہیں پائی جاتی؟ کیا ''اکابر'' پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے اس ''غارت ایمان'' عبارت کو قبول لیا جائے؟

علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''امام بخاری کی حدیث الباب میں مروان سے روایت ہے اور مجھے یہ بات اوپری معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مروان فتنہ پرداز، خون ریزیوں کا باعث اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنا ہے۔ اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تا کہ خود صاحب حکومت بنے۔ جنگ جمل کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کون ہے

جو حرم نبی پر دست درازی کرتا ہے؟ پھر کوئی آیا اور اونٹ کے تلوار ماری جس سے عماری گرنے لگی اور حضرت علیؓ نے دیکھ کر فوراً پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو گرنے سے بچایا اور جنگ ختم ہوگئی اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مدینہ طیبہ کو لوٹ گئے۔ مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مارا اور زخمی کر دیا جس سے وہ شہید ہوئے۔ مروان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے اور کوئی میدان سے نہ جائے۔ غرض مروان کے اندر حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی اس قدر تھی کہ ٹھکانہ نہیں ہے۔ اسی نے حضرت محمد بن ابی بکر کے لیے بجائے "فاقبلوہ" کے "فاقتلوہ" لکھ دیا تھا....

مولانا عبداللہ خان کرتپوری تلمیذ رشید حضرت شاہ صاحبؒ (امام بخاری پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے یہاں جرح و توثیق میں قوتِ دلیل کا سوال نہیں بلکہ خود ان کے رجحانِ طبع پر فیصلہ ہے۔ قابلِ اعتماد سمجھ لیں تو مروان بن الحکم کو جس کی پیشانی پر اصحاب نبی کے خون کا ٹیکہ لگا ہوا ہو اور جس کو سفاک امت کہنا بھی بے جا نہیں اور ضعیف سمجھ لیں تو رأس التابعین حضرت اویس قرنی کو۔

راقم الحروف (یعنی سید احمد بجنوری) عرض کرتا ہے کہ:

مروان کی حدیث کو اگر حدیث کے بارے میں بھروسہ کر کے لے بھی لیا جائے تب بھی ان کو ثقہ و ثبت تو نہیں مانا جا سکتا اور جس نے "قبل" کو خط میں "قتل" بنا دیا ہو وہ کیسے ثقہ ہو سکتا ہے؟.....

امام بخاری نے امام اعظم پر امت کے اندر خون ریزی کرانے کا الزام دھرا تھا کیا اکابر حنفیہ مروان سے بھی زیادہ قصور وار تھے کہ سارے ہی ائمہ حنفیہ اور کبار محدثین حنفیہ کو ترک کر کے مروان جیسوں سے صحیح بخاری میں روایات درج کیں۔ والی اللہ المشتکیٰ۔" (انوار الباری اردو شرح صحیح البخاری جلد 16 ص 337-339۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

حضرت شاہ صاحبؒ نے مذکورہ "ریمارکس" صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب القرأۃ فی المغرب" کے تحت ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرمائے ہیں۔ یہ وہی

الزامات ہیں جو سبائیوں نے لگائے تھے۔ "فاقبلوہ" کو "فاقتلوہ" بنانے والے بھی سبائی فتنہ پرداز اور مفسدین خود ہی تھے۔ سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحب جیسی علمی شخصیت نے حضرت مروانؓ کے بارے میں سبائیوں کی وضع کردہ روایات کو صحیح سمجھ کر کیسے نقل کر دیا؟ ان تمام الزامات کا مفصل و مدلل و مسکت جواب کتاب کے دوسرے حصے میں آ رہا ہے۔

مولانا سید احمد رضا بجنوری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"یہاں جو واقعہ مروان کا بیان ہوا ہے وہ اس زمانہ کا ہے جب وہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ طیبہ کا گورنر تھا اور حضرت شاہ صاحب (علامہ کاشمیری) نے اس موقع پر فرمایا کہ:

مروان رجال بخاری سے ہے اور وہ بڑا فتنہ پرداز تھا اور اس نے صحابی کو قتل کیا ہے۔ قبل نماز کے خطبہ اس لیے کیا تھا کہ حضرت علیؓ پر سب و شتم کرے اور لوگوں کو ستائے۔ امام بخاری اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ ایسے شخص کو کیوں راوی بنایا؟....

محدث شہیر حافظ اسماعیلی نے امام بخاری پر سخت نقد کیا کہ انہوں نے اپنی صحیح بخاری میں مروان کی حدیث کیوں ذکر کی؟ اور اس کے نہایت بد بختانہ اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے یوم جمل میں حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر شہید کیا تھا پھر خلافت بھی بزورِ تلوار حاصل کرنے کی کوشش کی۔

حضرت طلحہؓ نے حضور علیہ السلام کی حفاظت کرتے ہوئے اپنا ہاتھ بے کار کر دیا تھا.... اسی پر حضور علیہ السلام نے خوش ہو کر فرمایا تھا کہ طلحہؓ کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ ایسے جنتی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا حوصلہ صرف مروان جیسا شقی ہی کر سکتا تھا.... پھر جس طرح بلوہ کے دنوں میں بلوائیوں کو مروان نے بار بار مشتعل کیا (کیونکہ وہ قتل عثمانؓ جیسے "نیک" کام کے لیے تشریف لائے تھے لہٰذا ان بلوائیوں کو مروان نے بار بار مشتعل کیوں کیا؟) اور حضرت علیؓ کے بہتر مشوروں کو حضرت عثمانؓ محض مروان کی وجہ سے نہ مان سکے۔ حضرت معاویہؓ کے دوسرے گورنروں کے بارے میں تو یہ بحث کسی حد تک چل سکتی ہے کہ وہ خطبہ جمعہ و عید میں سبِّ علیؓ کرتے تھے یا نہ کرتے تھے مگر مروان کے بارے میں یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ وہ اپنے عاملِ مدینہ ہونے کے زمانے میں ضرور ایسا کرتا تھا اور اسی لیے اس نے

خطبہ عید کو بھی نماز پر مقدم کر دیا تھا۔

حضرت علیؓ کے علاوہ اس سے حضرت حسنؓ کے بارے میں بھی فحش کلامی ثابت ہے۔ حضرت حسنؓ کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے ان کو اپنے نانا جانؐ کے پاس دفن ہونے کی اجازت دے دی تھی مگر مروان ہی نے شدید مخالفت کی تھی حالانکہ اس وقت وہ امیر مدینہ بھی نہ تھا....

واقعہ حرہ 63ھ میں بھی اگر چہ مروان امیر مدینہ نہیں تھا مگر اس نے اور اس کے بیٹے عبدالملک نے ہی لشکر شام کو بنی حارثہ کے راستہ سے مدینہ طیبہ میں داخل کرا دیا تھا....

اور پھر لشکر یزید نے تین دن تک مدینہ طیبہ میں لوٹ مار اور قتل عام کا بازار گرم کیا اور اس نے ایسے ایسے مظالم کیے جن کو لکھنے سے ہمارا قلم عاجز ہے....

مستدرک حاکم ص 481/2 میں یہ حدیث ہے جس کی سند صحیح ہے اور اس کی توثیق علامہ ذہبی نے بھی کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حکم اور اس کی اولاد پر لعنت کی ہے....

64ھ میں مروان کو بھی 9 ماہ کے لیے حکومت مل گئی اور اس کی موت اس کی بیوی کے ذریعے ہوئی تھی جس نے اس کو اس کی ایک بے ہودہ حرکت کی وجہ سے سونے کی حالت میں گلا دبا کر قتل کر دیا تھا اور اس کا بیٹا بدلہ بھی نہ لے سکا اس بدنامی کے ڈر سے کہ لوگ کہیں گے کہ مروان ایسا بڑا بادشاہ ایک عورت کے ہاتھوں مارا گیا....

مروان ایسے فتنہ پرداز، سفاک، ظالم، غیر ثقہ شخص کو رواۃ ورجال بخاری میں دیکھ کر بڑی تکلیف وحیرت بھی ہوتی ہے اور اسی لیے محدث اسماعیلی، محدث مقبلی یمانی وغیرہ نے تو سخت ریمارک کیے ہیں کہ یہ کیا ہے امام محمد جیسے عظیم وجلیل محدث وفقیہ، استاذِ امام شافعی سے تو بخاری میں روایت نہ لی جائے اور مروان سے لے لی جائے جس کی کوئی بھی توثیق نہیں کر سکتا لیکن مقدرات نہیں ٹلتے جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔'' (انوارالباری شرح صحیح البخاری جلد 17۔ص 194 تا 191۔مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

حضرت بجنوری صاحب کا قلم جس بات کے لکھنے سے عاجز آ گیا تھا اس بات کو مولانا یوسف بنوری نے ہمت کر کے بالآخر لکھ ہی ڈالا کہ: "تواقض فیھا الف علماء علی ما یقال''

یعنی واقعہ حرہ میں ایک ہزار دوشیزاؤں کی عصمت دری کی گئی جیسا کہ کہا گیا ہے۔(ملاحظہ ہو: یزید اکابر علماء اہل سنت دیوبند کی نظر میں۔مطبوعہ شاہ نفیس اکادمی لاہور ص 128)

اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ''ابوحسان'' صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں تو ''اکابر پر اعتماد اور ان کی پیروی'' کا ایک ہی اصول بندے کو تمام دینی فتنوں اور گمراہیوں سے بچانے کے لیے کافی اور شافی ہے.... لیکن نسبتاً آسان اور ''شارٹ کٹ'' راستہ یہ بھی ہے کہ جن اکابر اور بزرگوں کے واسطے سے ملنے والے پورے دین کو معتبر و محقق مانا جا رہا ہے یزید کے بارے میں بھی ان ہی کی تحقیقات پر اعتماد کر لیا جائے اور رجوہ بتلائیں اسے تسلیم کر لیا جائے۔''(ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک ص 62-63۔نومبر 2014ء)

کیا حضرت بنوریؒ کی اس تحقیق پر اعتماد کر کے اس بات کو بغیر کسی شرعی شہادت کے قبول کیا جا سکتا ہے کہ مدینۃ النبیﷺ میں اور خیر القرون میں ایک اسلامی لشکر کے ہاتھوں پوری ایک ہزار (یعنی تابعیات) کی عزت لوٹی گئی؟

جب کہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے ''تحقیق'' کا ''حق'' ادا کرتے ہوئے ان ہزار حاملہ دوشیزاؤں میں سے آٹھ سو بچے بھی برآمد کرا لئے جنہیں بقول ان کے ''اولاد الحرۃ'' کہا جاتا تھا البتہ باقی دو سو حاملہ لڑکیوں کے بارے میں ''تحقیق'' ادھوری چھوڑ دی کہ آیا قبل از ولادت ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا یا پھر وہ کوفہ کے کسی ''میٹرنٹی ہوم'' میں داخل ہو ئی تھیں۔(ملاحظہ ہو: کشف الباری۔کتاب الجہاد والیسر جلد دوم ص 107 تحت ''واقعہ حرہ کی تفصیلات'')

یہ ملحوظ رہے کہ واقعہ حرہ کے تمام مظالم میں بشمول اجتماعی عصمت دری حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو برابر کا شریک قرار دیا گیا ہے۔

اس نوعیت کے ایک الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار عادل اور عینی گواہ جب کہ ایک ہزار دوشیزاؤں پر الزام ثابت کرنے کے لیے چار ہزار گواہوں کی ضرورت ہے جو ''قیل وقال'' کے الفاظ سے تو ہرگز پوری نہیں ہو سکتی البتہ الزام لگانے والے، اسے پھیلانے

والے اور اسے صحیح سمجھ کر نقل کرنے والے ضرور از روئے نص قرآنی "حد قذف" کے مستحق ثابت ہو جاتے ہیں جو فی مقدمہ اسی کوڑے ہیں۔ایک ہزار پاک باز دوشیزاؤں پر الزام لگانے ے والے کیا از روئے قانونِ شریعت 80x1000=80,000 یعنی اسی ہزار کوڑوں کی سزا کے مستحق نہیں ہیں؟

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

"عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا بدعت سیئہ ہے او رمروان کی عادت تھی کہ خطبہ میں صحابہ کو برا کہتا تھا اس لیے مسلمان نماز سے فارغ ہو کر بغیر خطبہ سنے چل دیتے تھے۔" (تقریر ترمذی باب فی صلوٰۃ العیدین قبل الخطبۃ ص 149 تقدیم ونظر ثانی شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی فاروقی نے علامہ ابن اثیر جزری کی معروف کتاب "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ" کا اردو ترجمہ کیا ہے اس میں حضرت حکمؓ کے حالات میں ابن اثیر کی اس روایت کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص (یعنی حکم) کی نسل سے میری امت کی خرابی ہوگی۔" کی تشریح کرتے ہوئے نیچے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ان کے بیٹے مروان سے جو، جو فسادات پھیلے اور جیسی کچھ تباہی مسلمانوں پر آئی، ظاہر ہے۔" (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ۔اردو حصہ سوم ص 46۔ تحت الحکم بن ابی العاص۔مطبوعہ مکتبہ نبویہ۔گنج بخش روڈ لاہور)

محترم جناب محمد رضی عثمانی ابن مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے ادارے "دار الاشاعت" کراچی سے ایک کتاب "تاریخ مذہبِ شیعہ" شائع کی ہے۔یہ کتاب لکھنؤ میں امام اہل سنت کے ایماء و مشورے سے شائع ہوئی جسے حضرت نے بے انتہا پسند فرمایا تھا۔اس لیے اس کے ٹائٹل پر بھی "پسند فرمودہ" امام اہل سنت لکھا ہوا ہے۔

اس کتاب میں زیرِ عنوان "حضرت عائشہؓ کی بصرہ کو روانگی" مؤلف لکھتے ہیں کہ:

"روانہ ہوتے وقت مروان بن الحکم بھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے میر منشی تھے مکہ پہنچ گئے اور ساتھ ہوئے۔ یہ سند یافتہ مفسد تھے۔" (تاریخ مذہب شیعہ ص 125۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

سخت تعجب ہے کہ امام اہل سنت جیسے محقق عالم دین نے بھی گورنر مصر کے نام سبائیوں کی طرف سے لکھے گئے جعلی خط کو اصلی قرار دے دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"خط پہچانا گیا تو معلوم ہوا کہ مروان کا لکھا ہوا ہے.... مگر حضرت عثمانؓ نے مروان کو دینے سے انکار کر دیا۔ مروان ان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ ان کی مروت نے گوارا نہ کیا کہ مروان کو اپنے اختیار سے ایذا پہنچائیں۔" (خلفائے راشدینؓ ص 197)

اس عبارت میں حضرت مروانؓ پر الزام کے علاوہ حضرت عثمانؓ پر بھی الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ کس طرح کے خلیفۂ راشد تھے کہ انہوں نے اسلامی عدل و انصاف اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے محض رشتہ داری اور مروت کی خاطر مروان کے سنگین "جرم" کو نظر انداز کر دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ حکم دیا ہے کہ:

یایها الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شهدآء لله ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین..." (سورة النساء آیت 135)

اے ایمان والو! مضبوط کھڑے ہو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ کے۔ اگرچہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

کیا حضرت عثمانؓ جیسے خلیفۂ راشد نے رشتہ داری اور مروت کا پاس کرتے ہوئے اس حکم ربانی کی خلاف ورزی کی تھی؟

سب سے زیادہ تعجب تو امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ پر ہے جنہوں نے بغیر کسی موقع اور ربط کے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو "فرعون مصر" کے ساتھ تشبیہ دے دی۔ فیا اسفا!

چنانچہ وہ "وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ o" (سورة الذریٰت آیت 38) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا نام اس کا ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ دادا ریان وہ ہے جس نے یوسف علیہ السلام کے لیے تخت خالی کر دیا تھا۔ یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھ کر حکومت یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دی تھی۔ کہنے لگا۔ حضرت ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ آپ کا کلمہ پڑھنے کے بعد بادشاہ رہوں۔ آج کوئی کرسی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے چاہے وہ کتنی ٹوٹی پھوٹی کیوں نہ ہو۔ اس نے بادشاہی چھوڑ دی۔ چھوٹی بات نہیں ہے۔ خدا کی شان اور قدرت کہ دادا کتنا نیک اور نرم اور پوتا کتنا بد اور سخت۔ ایک نے پیغمبر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور دوسرے نے پیغمبر کا مقابلہ کیا۔ جیسے ہماری تاریخ میں مروان بن حکم اپنے زمانے میں بڑا ظالم تھا اس نے بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ اس کا بیٹا عبدالعزیز قدرے اچھا تھا اور پوتا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد بنا اور پہلی صدی کا مجدد تھا۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرتیں ہیں۔ تو فرمایا بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلی سند دے کر....

(ذخیرۃ الجنان جلد 19 ص 262)

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے سابق استاذ حدیث مولانا عبدالرشید نعمانی حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"اس امر کا تو ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی مجلس (عثمان غنی رضی اللہ عنہ کراچی) کے ممدوح شیر بہادر نے اس روز (شہادت عثمانؓ کے دن) بہادری خوب دکھائی تھی مگر قدرت کی اس ستم ظریفی کا کیا علاج کہ جناب مروان نے اس روز زخم کھائے سب پیچھے ہی کی طرف سے کھائے۔ چنانچہ اس بہادری کے صلہ میں اسی روز سے تاریخ میں جناب کا لقب "مضروب القفاء" (جس کی گدی پر ضرب رسید کی گئی ہو) پڑ گیا اور "خیط باطل" (جھوٹ کا دھاگا) کا خطاب تو پہلے ہی سے حاصل تھا اور کیوں نہ ہوتا جناب نے اپنی ذہانت سے کاروائی ہی ایسی فرمائی تھی کہ جس سے اصلاح کی بنی بنائی صورت حال بگڑ کر فوری اشتعال پیدا ہو گیا اور پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھل سکا اور آخر حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوا....

(موصوف آگے چل کر حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو "نواصب" کا سربراہ اور سرغنہ

قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ:)

اور جو شخصیتیں (تاریخ اسلام) میں نفرت کا نشان رہی ہیں ان کی عظمت بٹھائی جائے ،ان کی خوبیاں گنائی جائیں۔اسی غرض سے یہ لوگ مروان اور یزید کے دیوانے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرات حسنینؓ کی عیب چینی کرتے ہیں۔"

(حادثہ کربلا کا پس منظر ص 107، 118۔مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور)

اس ضمن میں اگر چہ اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جاتے ہیں لیکن۔

افسوس صد ہزار سخن ہائے گفتنی

خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

اکابر کی منقولہ واضح اور صریح عبارات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ وہ حضرت مروانؓ کے بارے میں کسی غلط فہمی یا "سبقت لسانی وقلمی" کا شکار نہیں ہوئے جس کے لیے "تاویلات" کا سہارا لیا جا سکے۔حضرت مروانؓ کے خلاف سبائیوں کی طرف سے عائد کردہ تمام الزامات کو اکابر علماء کا صحیح باور کر کے ان کے خلاف انتہاپسندانہ رائے قائم کر لینا یقیناً کسی سانحے اور المیے سے کم نہیں ہے۔

کیا یہاں ماہنامہ الحق کے فاضل مبصر کی اس نصیحت پر عمل کیا جا سکتا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں تو اکابر پر اعتماد اوران کی پیروی کا ایک اصول بندے کو تمام دینی فتنوں اور گمراہیوں سے بچانے کے لیے کافی اور شافی ہے..لیکن نسبتاً آسان اور شارٹ کٹ راستہ یہ ہے کہ جن اکابر اور بزرگوں کے واسطے سے ملنے والے پورے دین کو معتبر اور محقق مانا جارہا ہے یزید کے بارے میں بھی ان ہی اکابر کی تحقیقات پر اعتماد کر لیا جائے اور جو وہ بتلائیں اسے تسلیم کر لیا جائے۔"(ماہنامہ الحق ص-6263-نومبر 2014ء)

کیا صحابی رسولؐ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اکابر کی مذکورہ تحقیقات پر اعتماد کر کے انہیں درست تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

بنو امیہ اور مروانؓ دشمنی میں یا سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان اکابر نے صحابی

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاویہؓ اور سیدنا الحکمؓ کو بھی نہیں بخشا بلکہ حضرت مروانؓ کی مرویات صحیح بخاری میں شامل کرنے کی بناء پر امام بخاری کی بھی خوب "خبر" لی کہ انہوں نے مروان جیسے شقی، بدبخت، ظالم جابر، سفاک امت، قاتل صحابہؓ، گستاخ صحابہؓ، غیر ثقہ اور بدکردار کی روایات کیوں قبول کیں۔

اکابر کی منقولہ عبارات والزامات کو ان پر اعتماد کرتے ہوئے اگر صحیح سمجھا جائے تو پھر حضرت مروانؓ کو (العیاذ باللہ) "ملعون ابن ملعون، الوزغ ابن الوزغ، شیطان، بدنیت، اس کا فعل صریح خیانت پر مبنی، بے حد، پرلے درجے کا ظالم، جابر، سفاک امت، قاتل صحابہؓ، سرغنۂ نواصب، ام المؤمنین پر دست درازی کرنے والا، قتل عثمانؓ کا باعث، خودغرض، سازشی، اقتدار کا بھوکا اور بدعت سیئہ کا مرتکب" قرار دینے کے علاوہ ان کے والد محترم صحابی رسولؐ سیدنا الحکمؓ کو بھی "انتہائی بدکردار، سازشی، منافقین کو اہم راز پہنچانے والا، ازواج مطہرات کے حجروں میں تانک جھانک کرنے والا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارنے والا" تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

نعوذباللّٰہ من تلك الخرافات۔ لاحول ولا قوۃ الّا باللّٰہ العلیّ العظیم۔

لہٰذا انصاف پسند قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اکابر کے عائد کردہ الزامات کو لغو اور بے بنیاد قرار دیتے ہوئے سیدنا مروانؓ کے بارے میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدین، حضرت عروہ بن زبیرؒ و دیگر تابعین و تبع تابعین امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری و مؤلفین و جامعین سنن اربعہ کی آراء کو ترجیح دیں۔

اکابر کی منقولہ عبارات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت مروانؓ کے خلاف سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے ہیں اور انہوں نے تاریخی روایات کی تحقیق سے کام نہیں لیا اور شیعہ و روافض کی روایات کو قبول کر کے ان ہی پر اپنی تحقیق و تجزیہ کی بنیاد رکھ دی۔

اسماء الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں اور سبائیوں کے گمراہ کن نظریات نے ہر دور میں بعض صحیح العقیدہ علمائے دین کو بھی کلی یا جزوی طور پر متاثر کیا۔

مفسرین، محدثین، متکلمین اور فقہاء میں سے بعض ائمہ فن ایسے بھی ملتے ہیں جو تمام تر علم و فضل کے باوجود سبائی، خارجی اور ناصبی تھے یا پھر ان کے نظریات سے جزوی طور پر متاثر تھے۔ان کے حالات ایک مستقل کتاب کے متقاضی ہیں۔

امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں جابجا ان کے علم و فضل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کی خاص ''علت'' کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔انہوں نے جہاں بعض حضرات کو:

"الامام، الحافظ، الحجة، الاعلام، الفقيه، القدوة، العابد، المحدث، الامام الجوّال، العارف، الصدوق، الحافظ الكبير، من اوعية العلم، امام المحدثين، الحافظ الثبت، الحبر العالم" جیسے القابات سے یاد کیا ہے تو وہیں ساتھ ہی ساتھ:

"كان عثمانياً، فيه خارجية، فيه تشيع قليل، كان تشيّع، كان شيعا محترقا، غال في التشيع، نقموا عليه التشيع، كان شديد التعصّب للشيعة في الباطن وكان يظهر التسنن في التقديم والخلافة، وكان منحرفاً عن معاوية واله متظاهراً بذلك ولا يعتذر منه" وغیرہ الفاظ کے ذریعے ان ''اکابر'' کے چہروں پر سے ردائے تقیہ اتار کر انہیں ''بے نقاب'' بھی کر دیا ہے۔

سیدنا مروانؓ کی طرح ان کے ہم عصر سیدنا عبدالرحمٰن القاریؓ کا شمار بھی صغار صحابہ میں ہوتا ہے۔اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے انہیں کافر، قاتل، ڈاکو اور خوک شیطان یعنی شیطان کا خنزیر قرار دے دیا۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک بار عبدالرحمٰن القاری (کافر تھا) اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آپڑا، چرانے والوں کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا، اسے قرأت سے قاری نہ سمجھ لیں بلکہ قبیلہ بنی قارہ سے تھا....

اس عبدالرحمٰن القاری سے پہلے کسی لڑائی میں ان سے وعدہ جنگ ہو لیا تھا یہ وقت اس کے اس وعدہ کے پورا کرنے کا آیا۔وہ پہلوان تھا۔اس نے کشتی مانگی انہوں نے قبول فرمائی۔اس محمدی شیر نے خوک شیطان کو دے مارا، خنجر لے کر اس کے سینہ پر سوار ہوئے۔اس نے کہا میری

بی بی کے لیے کون ہوگا؟ فرمایا: "نار"، اور اس کا گلا کاٹ دیا۔" (ملفوظات اعلیٰ حضرت جلد دوم ص 163-166۔ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

حالانکہ اونٹوں کو لوٹنے والا کافر عبدالرحمٰن فزاری تھا (صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد والسیر باب غزوۃ ذی قرد وغیرہا) جب کہ اعلیٰ حضرت نے "فزاری" کو "قاری" بنا کر اس بات کی تصریح بھی کر دی کہ "اسے قرأت سے قاری نہ سمجھ لیں بلکہ قبیلہ بنی قارہ سے تھا۔"

کتب طبقات میں سیدنا عبدالرحمٰن القاریؓ کو صغار صحابہ میں شامل کیا گیا ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے روایت بھی لی ہے۔ وہ 78 سال کی عمر میں 80ھ میں فوت ہوئے۔ ملاحظہ ہو: ("انبیائے عظام اور صحابہ کرامؓ پر اعتراضات کا علمی جائزہ" ص 258 تا 261۔ مؤلفہ ڈاکٹر ابوسلمان سراج الاسلام حنیف صاحب)

اکابر نے تو اپنی کتب (اصول بزودی ص 159، نورالانوار ص 183، اصول الشاشی ص 75، حسامی ص 14) میں سیدنا ابو ہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو "غیر فقیہ" تک قرار دے دیا۔ جن کی دیکھا دیکھی میں غلام احمد قادیانی نے بھی (حقیقۃ الوحی ص 34) انہیں "کم تدبر والا" صحابی لکھ دیا ہے۔ (حوالہ مذکور ص 234)

امام ابن جوزی، حافظ ابن عراقی اور امام سیوطی جیسے اکابر نے "بیعت رضوان" میں شامل ایک جلیل القدر صحابی سیدنا عبدالرحمٰن بن عدیسؓ کو موضوع اور جھوٹی روایتیں بیان کرنے والا بتا دیا۔ (حوالہ مذکور ص 221)

اسی طرح جدید و قدیم مفسرین کی ایک بڑی تعداد نے ایک بدری صحابی سیدنا ثعلبہ بن حاطب انصاریؓ کو "اعتقادی منافق" قرار دے دیا ہے جنہیں لسانِ نبوت سے یہ نوید سنائی گئی کہ:

"اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری۔ رقم الحدیث 3007، 3081، 3083)

مولانا خان بادشاہ صاحب نے 387 صفحات پر مشتمل ایک مستقل اور ضخیم کتاب لکھی ہے جس میں مرزائی، شیعہ، دیوبندی، بریلوی اور سلفی 76 مفسرین کی نشاندہی کی ہے جو اس

غلط فہمی میں مبتلا ہوئے۔ملاحظہ ہو: ("التنبیہ لطالب علی علم نفاق ثعلبة بن حاطب" مؤلفہ مولانا خان بادشاہ، "تسلیة الطالب فی دفاع ثعلبة بن حاطب" از شیخ التفسیر مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلویؒ۔مقالات نیلوی جلد ہشتم ص 29 تا 52، "مقام صحابہ اور سیدنا معاویہؓ" ص 72 تا 75 مؤلفہ پروفیسر حافظ اظہر محمود، "مناهج المفسرين" ص 308 تا 314۔مؤلفہ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف صاحب، "انبیائے عظام اور صحابہ کرامؓ پر اعتراضات کا علمی جائزہ" ص 224 تا 230۔مؤلفہ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف صاحب، "المجموعة فی الاحادیث الضعیفة والموضوعة" ص 367 تا 373۔ مؤلفہ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف صاحب)

یہ ملحوظ رہے کہ مذکورہ تمام حضرات میں ڈاکٹر سراج الاسلام صاحب کو اس غلطی کی نشاندہی میں تقدم، اوّلیت اور سبقت حاصل ہے۔باری تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

کیا ان اکابر کے صحابہ کرامؓ کی توہین (تکفیر) اور تنقیص پر مبنی کلمات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

اس ایک "اشارے" سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ "اکابر" اپنے مخصوص ماحول سے کلی یا جزوی طور پر ضرور متاثر ہوتے رہے ہیں اس لیے صحابہ کرامؓ کے بارے میں کتاب وسنت اور کتب عقائد اہل سنت میں بیان کردہ شرعی مقام ومرتبے کے مقابلے میں بعض اکابر کے صحابہ کرامؓ کے کردار کو داغدار کرنے والے اقوال کو بلا ادنیٰ توقف رد کر دیا جائے گا۔

علامہ سید محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ:

کیا کوئی معمولی قسم کا متقی اور پرہیز گار آدمی ان جگر پاش اتہامات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرے گا؟ اگر نہیں ___ اور یقیناً نہیں ___ تو کیا صحابہ کرامؓ ہم نالائقوں سے بھی گئے گزرے تھے؟ کہ ایک دو نہیں بلکہ مثالب وقبائح اور اخلاقی گراوٹ کی ایک طویل فہرست ان کے نام جڑ دی جائے۔پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اسے اچھالا جائے اور روکنے اور ٹوکنے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔

کیا صحابہ کرامؓ کی عزت وحرمت یہی ہے؟ کیا اسی کا نام ذکر بالخیر ہے؟ کیا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابہؓ اسی احترام کے مستحق ہیں؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھول جانا چاہیے؟:

''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہی کہو: تم میں سے (یعنی صحابہ کرامؓ اور ان کے ناقدین میں سے) جو برا ہو اس پر اللہ کی لعنت'' (ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، بعد کی امت کے لیے حق و باطل کا معیار ہیں۔ انہیں معیت نبوی کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں۔ کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو یہ اس کے لیے مایہ صد افتخار ہے۔ اس لیے امت کے کسی فرد کا خواہ وہ اپنی جگہ مفکر دوران اور علامہ زمان ہی کہلاتا ہو، ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے۔''

(عصمت انبیاء و حرمت صحابہؓ ص 27 مطبوعہ مدرسہ اظہار العلوم چکوال)

دراصل اکابر کی پیروی اور اکابر پرستی میں فرق نہ کرنا سب سے بڑی گمراہی اور بے راہ روی ہے۔ جب انسان حقیقت ایمان و اسلام اور اطاعت الٰہی سے بے پرواہ ہو کر ادھر ادھر کی ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے اور خواہش نفس و شیطان کا اسیر ہو جاتا ہے تو اس کے نزدیک سب سے بڑا سہارا ''مکتب فکر'' کی عصبیت میں پناہ لینا اور اپنے پیروں اور بزرگوں کی ''کبریائی'' اور ''تقدیس'' کا اظہار کرنا اور اپنے اعمال ناشائستہ کو شائستہ ثابت کرنے کے لیے ''شرعی جواز'' کی صورتیں پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے سامنے جب کبھی قرآن و حدیث کے واضح احکام اور مسلمہ حقائق پیش کیے جاتے ہیں تو وہ اس کے جواب میں بھی اپنے ''حضرت اقدس، مجسم سنت اور نمونہ سابقین و اولین'' کا بلا دلیل قول پیش کر کے قرآن و حدیث اور عقل و فہم سے یہ کہہ کر صاف صاف بغاوت کر لیتا ہے کہ ہمارے ''حضرت اقدس'' تم سے زیادہ شریعت سے واقف اور تم سے زیادہ قرآن و حدیث کے عالم ہیں۔

درحقیقت یہی جاہلی عصبیت ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اکابر کے غلط افکار کے تعصب میں ایسا گرفتار ہو جائے کہ نہ ان پر کوئی جائز تنقید برداشت کرنے

کو تیار ہو اور نہ ہی ان کے غلط افکار کی جگہ صحیح افکار قبول کرنے پر آمادہ ہو۔

اکابر کے ساتھ شرعی حدود سے متجاوز ''خوش عقیدگی اور حسن ظن'' اندھی تقلید کو جنم دیتا ہے۔ اندھی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اکابر کے ساتھ اتنا حسن ظن ہو جائے کہ ان کو بجائے خود سند اور اتھارٹی تسلیم کر لیا جائے اور ان کے کسی قول و فعل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر، پرکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے۔

اگر جان بوجھ کر اور قصداً یہ روش اختیار کر رکھی ہے تو یہ ''غلو عقیدت'' کے ساتھ ساتھ ''کتمان حق'' بھی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک امر کو جانتے ہوئے اور اس کے اظہار کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بھی کسی طمع یا خوف کے سبب سے اس کے اظہار سے گریز کیا جائے۔ حق کی شہادت دینا اس امت کا حقیقی فرض منصبی ہے اور جو لوگ علم رکھتے ہوئے اس کو چھپاتے ہیں ان کے بارے میں حدیث میں یہ ''وعید'' آئی ہے کہ:

''من سئل عن علم علمه ثم كتمه الجم يوم القيامة بلجام من نار''

(مشكوة المصابيح كتاب العلم ص34)

جس سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کو وہ جانتا ہے پھر اس نے وہ بات چھپائی تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

صحابہ کرامؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کا عہد لیا ہے ان میں ایک نہایت ہی اہم بات یہ بھی ہے کہ:

''و علٰى أن نقول بالحق اينما كنّا لا نخاف فى اللّٰه لومة لائم''

(مشكوة المصابيح كتاب الامارة والقضاء ص319)

ہم ہر حال میں حق کہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں۔ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

یہ حدیث تو منبر سے لے کر دار تک اور مدارس و مساجد سے لے کر بادشاہوں کے درباروں تک ہر جگہ کلمۂ حق بلند کرنے کا مطالبہ کر رہی ہے۔ لیکن یہاں ''اکابر پرستی'' کا نتیجہ

یہ ہے کہ صحابہؓ کی کردار کشی کے باوجود "عقیدت مند" محض اس اندیشہ سے حق کا اظہار نہیں کرتے کہ کہیں حضرت اقدس کی روح ناراض نہ ہو جائے۔ انہوں نے "اظہار حق" کے بجائے "حق پوشی و کتمان حق" ہی کو دین بنالیا ہے اور مطعون وہ نہیں کیے جاتے جو حق کو چھپاتے ہیں بلکہ الٹا وہ لوگ کیے جاتے ہیں جو اظہار حق کی جرأت کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا اکابر کی ناراضی یا ان کی بدنامی یا ان کی بے ادبی کے خدشے کے پیش نظر اظہار حق سے خاموشی اختیار کی جا سکتی ہے؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جو "ادب" ضرورت کے وقت بھی اظہار حق کا روادار نہ ہو اس کو "ادب" سمجھنا ہی بڑا ظلم ہے۔

یہ اصول بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اکابر "مطاع مطلق اور معصوم عن الخطاء" نہیں ہیں کہ ہر بات میں ان کی غیر مشروط اطاعت کی جائے اور دلائل کے ساتھ بھی ان کی رائے سے اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ اور نبی اکرمؐ کی ذات ہی مستقل طور پر "مطاع" ہے۔ ان کے علاوہ ہر ایک کی اطاعت "معروف" کی قید کے ساتھ مقید ہے:

"لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق ، لاطاعة في معصية ، انّما الطاعة في المعروف" (مشكوة المصابيح ص 319، 321)

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کی اطاعت میں بھی "معروف" کی قید لگائی ہے:

"ولا يعصينك في معروف" حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو "معروف" ہی ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو پھر بھی معصوم عن الخطاء ہیں، ان کے بعد سب سے برگزیدہ اور مقدس طبقہ صحابہ کرامؓ کا ہے۔ ان کی پیروی سے متعلق بھی اصول فقہ میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ صحیح افعال و اقوال میں ان کی پیروی کی جائے نہ کہ خطاؤں میں۔ تو پھر بھلا عصر حاضر کے اکابر، علماء و مشائخ کی غیر مشروط اور بلا قید اطاعت کیونکر کی جا سکتی ہے؟

علامہ ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں کہ:

"ولا جل ذلك قال ائمتنا لايجوز لأحد أن يتبع زلات العلماء أي أنّ

بعض العلماء قد یؤدی اجتهاده الی أمر بعید جدًا من الأدلة والقواعد فیعد ذلك کالزلّة ویمنع غیره من تقلیده فیها" (تطهیر الجنان واللسان ص49)

اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے کہا ہے کہ:

کسی شخص کے لیے علماء کی لغزشوں کا اتباع جائز نہیں۔ یعنی بعض علماء سے کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے اس غلطی میں بھی ان کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔

جب کہ حضرت حکم اور حضرت مروانؓ کے بارے میں اکابر کی مذکورہ منقولہ ''خطائیں'' ہرگز اجتہادی نہیں ہیں۔ جب ''خطائے اجتہادی'' میں اکابر کی تقلید و اطاعت جائز نہیں ہے تو پھر بھلا ''خطائے عنادی'' اور ''خطائے منکر'' میں ان کا اتباع کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اکابر کے اقوال کا صحیح ہونا متعلقہ دلائل و شواہد کی بنیاد پر ہونا چاہیے محض شخصیات کو معیار صحت نہ گردانا جائے۔ اہل السنّت والجماعت کے اعتقاد کے مطابق انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد کوئی شخص بھی معصوم عن الخطاء نہیں ہے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا سید عبیداللہ سندھیؒ کے مابین ''اختلاف'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''لیکن مولانا گیلانی کا یہ توسع اور ان کی تمام عصریت و حکمت، تحریر و تعبیر اور استدلال ہی میں تھی۔ عقائد و نصوص اور حدود دین کے بارے میں وہ اتنے ہی متصلّب متشدد اور ویسے ہی غیور و حساس واقع ہوئے تھے جیسے ان کے استاتذہ و شیوخ کرام اور علمائے حق، جب کبھی وہ تحریف دین کی کوئی کوشش یا دین کی ترجمانی میں کوئی بے اعتدالی یا آزادی یا غلط اجتہاد دیکھتے تو برداشت نہ کر سکتے۔ مولانا سندھی مرحوم جب ہندوستان واپس آئے تو.... ان مرحوم نے بعض ایسے خیالات اور افکار کا اظہار کرنا شروع کیا جن میں توازن کی بڑی کمی تھی اور جو بڑی غلط فہمیوں اور مغالطوں کا باعث ہو سکتے تھے۔ ان کے کسی مضمون میں قرآن و حدیث و فقہ سے متعلق بعض ایسے نظریات و تحقیقات تھے، جو جمہور اہل اسلام کے عقیدہ سے مختلف تھے یا ان کی تعبیر میں کوتاہی تھی۔

مولانا (گیلانی) نے مدرسی و جماعتی عصبیت سے بالکل بے نیاز و بالاتر ہو کر اس مقالہ کی تردید میں ایک پُرزور مقالہ لکھا۔ بعض اہل علم معاصرین مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم سے ذاتی واقفیت کی بناء پر ان کو اس شدید مخالفت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے مولانا کی طرف سے کچھ صفائی پیش کی اور اپنے ذاتی معلومات کی بناء پر ان کے ساتھ نرمی اور حسن ظن کی تلقین کی۔ مولانا (گیلانی) نے اس موقع پر اپنے موقف کی حمایت اور مولانا سندھی مرحوم سے اظہار اختلاف اور ان کے افکار و آراء کی کھلی ہوئی تنقید و تردید کو دین کی حمایت کا تقاضا سمجھا۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے ان کے دینی جذبہ اور تصلّب فی الدین کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

"میرا مقصود ہی اس سے حدی را تیز تر می خواں چو ذوق نغمہ کم یابی تھا۔ یہی بتانا چاہتا تھا کہ خواہ وہ ہماری جماعت ہی کا آدمی کیوں نہ ہو، لوگوں میں اس کی بڑائی جس حد تک بھی مسلّم ہو لیکن حق کا قدم جب درمیان میں آئے گا تو پھر کسی کا کچھ لحاظ نہیں کیا جائے گا خواہ وہ کوئی ہو:

"ولو أنّ فاطمة بنت محمد أعاذها اللّٰه تعالٰی سرقت لقطعت یدھا"

ہمارے دین کا امتیازی نشان ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مرنے سے پہلے العیاذ باللہ، میں بھی اس کا قائل ہو جاؤں گا کہ ابوحنیفہ کی فقہ عجمیوں کے قانون سے متاثر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سرزمین عرب کے ایک خاص تاریخی دور کی اصلاح کی حد تک محدود ہے۔ قرآنی قوانین کی حیثیت صرف مثالی باتوں کی ہے۔ بخاری و مسلم، انجیل و تورات جیسی محرف کتابوں کے ہم وزن ہیں۔ العیاذ باللہ۔

کیا میں اپنی خودی کے اعتماد کو خدا اعتمادی سمجھنے لگوں گا۔ قبل اس کے کہ میرے اندر خدانخواستہ اس قسم کے خیالات کی صداقت واضح ہو، اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔"

(مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ) اس اقتباس سے جو اپنی حمیت اور حفاظت دین کے جذبہ میں ڈوبا ہوا ہے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عقائد و نصوص اور دین کی ہیئت و حقیقت

کی حفاظت میں مولانا کا قدم اور قلم کسی بڑے سے بڑے عالم راسخ سے پیچھے نہیں۔"

(پرانے چراغ حصہ اول ص 86-88۔ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی۔ بار دوم 1975ء)

اگر امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو "عجمیوں کے قانون سے متاثر" کہنے والے سے "اظہار اختلاف اور اس کے افکار و آراء کی کھلی ہوئی تنقید و تردید کو دین کی حمایت کا تقاضا" قرار دیا جاسکتا ہے تو پھر سیدنا حکم اور سیدنا مروانؓ کے بارے میں اکابر کے "تنقیصی" کلمات سے اظہار اختلاف کو حمایت دین اور دفاع صحابہؓ کا تقاضا کیوں نہیں قرار دیا جاسکتا؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ لغزشوں اور خطاؤں میں مجتہدین اور علماء کی اتباع جائز نہیں ہے۔ دلائل کی روشنی میں علماء کے اقوال کو رد بھی کیا جاسکتا ہے اور قبول بھی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہر حال اور ہر صورت میں "اکابر" کے اقوال ہی قبول کیے جائیں۔ یہ خصوصیت تو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپؐ کے سوا ہر آدمی کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور چھوڑی بھی جاسکتی ہے مگر آپؐ کی ہر اس بات میں جس کی آپؐ نے خبر دی تصدیق واجب ہے اور اس کام کی جس کا آپؐ نے حکم دیا ہے اطاعت لازم ہے۔ کیونکہ وہ معصوم ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(منهاج السنة لابن تيمية الجزء الثالث ص 175 طبع بيروت)

سنن دارمی کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیاد بن حدیر سے پوچھا کہ:

"هل تعرف ما يهدم الاسلام قلت: لا۔ قال: يهدمه زلة العالم وجدال المنافق بالكتاب وحكم الائمة المضلين" (مشکوٰۃ کتاب العلم)

کیا جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز گرا دیتی ہے۔ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: اسلام کو عالم کی لغزش، منافق کا قرآن میں جھگڑنا اور گمراہ سرداروں کی حکومت تباہ کردے گی۔

لیکن برا ہو تعصب اور اکابر پرستی کا کہ یہاں جو پورے ادب و احترام کے ساتھ اکابر کی کسی رائے کے ساتھ اختلاف یا عدم اتفاق کا اظہار کردے تو اسے "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" کی رو سے گستاخ اکابر اور "گردن زدنی" قرار دے دیا جاتا ہے۔

جو شخص کسی بزرگ کے ذاتی معاملات کو ہدفِ تنقید بنائے یا ان کی اخلاقی اور بشری کمزوریوں کی بناء پر ان کے کردار پر کیچڑ اچھالے تو یہ شخص بلاشبہ قابلِ مذمت ہے۔

لیکن دینی و اعتقادی غلطیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان پر، پردہ ڈالنا اور انہیں نظر انداز کرنا انتہائی مذموم اور امت کو گمراہی کے راستے پر ڈالنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ اکابر اپنے اپنے حلقۂ اثر میں "مقتداء" کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے ایسے طبقے کی اعتقادی و فکری خطاؤں کو طشت از بام کر کے ان کی اصلاح کرنا اور صحابہ کرامؓ کا دفاع کرنا اہم فریضہ ہے۔

لیکن مذکور نصوص و تصریحات کے برعکس سخت حیرت ہے کہ یہ "اکابر پرست" طبقہ نہ صرف اکابر کی واضح خطاؤں میں ان کی پیروی کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کر کے اپنا نام معاندین سیدنا حکم اور سیدنا مروانؓ کی فہرست میں شامل کر لیتا ہے۔

حضرت مروانؓ یا دیگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" کے تحت اکابر کی تنقیصی عبارات کا رد نہ کرنا یا ان کے عائد کردہ الزامات کا صحیح جواب نہ دینا یا ادباً سکوت اختیار کر لینا اسلام میں ناجائز اور حرام ہے۔ عام سماجی، خاندانی اور معاشرتی زندگی میں تو یہ مقولہ کسی حد تک درست قرار دیا جا سکتا ہے کہ ایسے مواقع پر اگر بزرگوں سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہیے لیکن "ادبی، علمی، دینی، لسانی اور اعتقادی" امور میں اسے کسی طور پر بھی صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ بعض اوقات اکابر کی زبان و قلم سے صادر غلطیاں اگر سوءِ ادب یا "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" کے مقولے کے تحت نظر انداز کر دی جائیں تو عام لوگ (بلکہ تعلیم یافتہ اور غالی عقیدت مند) اس غلطی کو بھی فرطِ عقیدت کی وجہ سے صحیح سمجھنے لگتے ہیں اس طرح "غلطی در غلطی" ہوتی چلی جاتی ہے اور اکابر کی "سند" کی وجہ سے اس خطا پر بھی مہر تصویب و تصدیق ثبت ہو جاتی ہے۔

لہٰذا سیدنا مروانؓ کے بارے میں اکابر کی "تنقیصی عبارات" کے ساتھ اختلاف کا اظہار نہ کرنے پر "لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی" کا مقولہ صادق آتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات بزرگوں کی غلطیوں، غلط بخشیوں اور غلط نویسیوں سے صرفِ نظر ممکن نہیں

ہوتا کیونکہ اس سے تو پھر صدیوں تک غلطی رائج ہو جائے گی۔

الحمدللہ! راقم الحروف اکابر علمائے حق کی دینی و علمی خدمات کا معترف اور "معروفات" میں ان کا پیرو ہے۔لیکن اکابر کی خطاء میں ان کی پیروی کو ناجائز اور اکابر کی صحابہ کرامؓ کے بارے میں توہین و تنقیص پر مبنی عبارات والزامات کی تائید و توثیق کو خود صحابہ کرامؓ کی توہین و تنقیص سمجھتا ہے۔اس فعل سے تو "بدعت" کی طرح توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے کیونکہ اسے نہ صرف نیکی اور حق سمجھ کر قبول کیا جاتا ہے بلکہ دوسروں سے بھی "اکابر پر اعتماد اور ان کی پیروی" کے نام سے تسلیم کرایا جاتا ہے۔اہل حق کا شیوہ "رجوع اور توبہ" ہے۔علامہ سید سلیمان ندویؒ نے صحابی رسولؐ حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت پر کچھ تنقید کر دی تو، توجہ دلانے پر فوراً حسب ذیل الفاظ کے ساتھ "رجوع و برأت" کا اعلان فرما دیا کہ:

"غزوہ بدر کی روایتوں کی تنقید کے سلسلے میں ایک مقام پر اس نافہم ہیچ مداں کے خطا کار قلم سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت پر نامناسب تنقید نکل گئی تھی جس سے ایک گونہ ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں سوءِ ظن کا پہلو پیدا ہوتا تھا جس پر مجھے شرمندگی ہے اور اب میں اپنی اس غلطی و نادانی کو مان کر اس عبارت کو قلم زد کر کے صحابی رسولؐ کی برأت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے عفو کا خواستگار ہوں۔" (سیرت النبیؐ جلد اول دیباچہ طبع چہارم مطبوعہ دارالمصنفین ص 4)

حضرت حکمؓ اور حضرت مروانؓ کے بارے میں جن اکابر کی زبان و قلم سے سہواً یا لاشعوری طور پر توہین و تنقیص پر مبنی کلمات والزامات عائد ہو گئے ہیں باری تعالیٰ ان کی اس خطاء کو بسلسلہ دین مبین ان کی دیگر خدمات کے عوض معاف فرما دے۔آمین۔

لَعَمْرِیْ لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ كَانَ نَائِمًا
وَأَسْمَعْتُ مَنْ كَانَتْ لَهُ أُذُنَانِ

آخر میں قارئین کو اس حقیقت سے آگاہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہ مرکزی جامع مسجد حویلیاں کے محراب پر انتہائی خوبصورت گول دائروں کی شکل میں سیدنا

مروان رضی اللہ عنہ سمیت تمام خلفاء صحابہؓ کرام کے اسمائے گرامی جلی حروف میں رقم کئے گئے ہیں۔ برصغیر کی تاریخ میں بھی پہلی مرتبہ اسی مرکزی جامع مسجد میں 29 اگست 2014 کو زیرعنوان "سیرت سیدنا مروانؓ کانفرنس" منعقد کی گئی ہے جس سے محترم جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری نے بحیثیت مہمان خصوصی انتہائی مفصل اور مدلل خطاب فرمایا۔ اس کانفرنس کی روداد ابومعاویہ تنویر الحسن احرار کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

"مرکزی جامع مسجد حویلیاں کی بنیاد قاضی چمن پیر الہاشمی رحمہ اللہ نے رکھی تھی۔ جہاں ایک عرصہ سے محقق اہلسنت قاضی محمد طاہر علی الہاشمی خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، ہزارہ ڈویژن میں اہل حق کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ مولانا سید عطاء المحسن بخاری سے لے کر اب تک خاندان امیر شریعت کا کوئی فرد جو اس علاقے میں جائے تو قاضی صاحب کے زور ضیافت سے نہیں بچ سکتا اور شاہ صاحبان بھی حضرت قاضی صاحب کی حق گوئی کی وجہ سے ان سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی محبت ہمیشہ غالب رہتی ہے۔

اس مرتبہ سفر میں حویلیاں کا صرف ملاقات کا پروگرام طے ہوا تھا، بندہ نے جب اطلاع دی تو حضرت قاضی صاحب نے ذاتی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے شاہ جی سے رابطہ کر کے جمعہ کا وقت طے کر لیا۔ اس مرتبہ سید محمد کفیل بخاری کے لئے قاضی صاحب نے جس عنوان کا انتخاب کیا وہ تھا "سیرت و کردار، فضائل و مناقب سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما"۔

سیدنا مروانؓ مظلوم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر اپنوں اور پرایوں نے خوب غصہ نکالا ہے۔ شاہ صاحب نے تفصیل کے ساتھ اس عنوان پر گفتگو کی اور صحابی رسول مروان بن حکمؓ کے فضائل و مناقب پہ روشنی ڈالتے ہوئے اعتراضات کا بھرپور جواب دیا۔"

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان اکتوبر 2014۔ص 51)

راقم الحروف وکیلِ صحابہ و اہل بیت اور مدیر ماہنامہ نقیب ختم نبوت جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری، مدیر ماہنامہ الاحرار جناب سید محمد معاویہ شاہ صاحب بخاری، مدیر ماہنامہ ضیائے توحید علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب، مدیر ماہنامہ شمس الاسلام جناب

صاحبزادہ ابرار احمد بگوی صاحب (جنہوں نے زیر نظر کتاب کی بعض اقساط اپنے رسائل میں شائع فرمائیں) ، ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی صاحب، عزیزم محمد صابر حیدری (کمپوزر کتاب ہذا)، جناب محمد اعجاز خان بہادر، جناب محمد افتخار تبسم صاحب سمیت اپنے جملہ احباب ومعاونین کا شکر گزار ہے جن کے پرزور اصرار اور مخلصانہ تعاون سے زیر نظر کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔

اللہ تعالی اس امت کے ایک مظلوم ترین فرد سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کے دفاع میں اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے اور ہم سب کو جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوءِ ظن اور بدگمانی سے بچا کر حسنِ ظن نصیب فرمائے۔ آمین

انظروا الی ما قال ولا تنظروا الی من قال۔ان أخطأت فمنّی وان اصبت فمن اللّٰہ۔
ان ارید الّا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الّا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ أنیب۔ربّنا تقبّل منّا انّك أنت السمیع العلیم

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
خطیب مرکزی جامع مسجد
سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں ۔ہزارہ
2 شعبان 1437ھ/10 مئی 2016ء

☆☆☆☆☆☆☆☆

منقبت

(محمد یوسف طاہر قریشی)

حضرت سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما

صدق و صفا کے پیکر مروانؓ بن حکمؓ تھے
جود و سخا کے خوگر، مروانؓ بن حکمؓ تھے
وہ خود بھی تھے صحابی، والد بھی تھے صحابی
سب تابعین سے بہتر مروانؓ بن حکمؓ تھے　(۱)
داماد اور کاتب عثمانؓ ذی حشم کے
اک صاحب تدبر مروانؓ بن حکمؓ تھے　(۲)
وہ دختران حیدرؓ ان کی بہو بنی تھیں
اتنے محبّ حیدر مروانؓ بن حکمؓ تھے　(۳)
حسنینؓ سے محبت اور زینؓ سے محبت
کرتے جو سب سے بڑھ کر مروان بن حکمؓ تھے　(۴)
حسنینؓ اقتداء میں ان کی نمازیں پڑھتے
کتنے ہی خوش مقدر، مروانؓ بن حکمؓ تھے　(۵)
مشہور تھے محدث اور اک فقیہ اکبر
سنت کے ایک پیکر مروان بن حکمؓ تھے　(۶)
مکتوب خود لکھا تھا مصری فسادیوں نے
الزام آیا جن پر، مروانؓ بن حکمؓ تھے
کذاب راویوں نے بہتان ان پہ باندھے
منصف اور عدل گستر مروانؓ بن حکمؓ تھے
ان پر رب تھا راضی، قرآن دے گواہی
تقویٰ کے ماہِ انور مروانؓ بن حکمؓ تھے
سب دشمنانِ مروانؓ جھوٹی حدیثیں گھڑتے
طاہر عظیم رہبر مروانؓ بن حکمؓ تھے

حواشی و حوالہ جات:

(1) سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ ان کی صاحبزادی سیدہ ام ابان رضی اللہ عنہا حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ (نسب قریش ص 112)

(2) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ رملہ رضی اللہ عنہا سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے نکاح میں تھیں۔ (جمہرۃ انساب العرب ص 87) (البدایۃ و النہایۃ ج 9 ص 69)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ایک اور صاحبزادی امیر المؤمنین عبدالملک بن مروانؒ کے نکاح میں تھیں۔ (البدایۃ والنہایۃ ج 9 ص 69)

(3) سیدنا زین العابدینؒ اکثر حضرت مروانؓ سے قرض لیتے تھے۔ سیدنا مروانؓ نے مرض الموت میں اپنے بیٹے عبدالملک کو وصیت فرمائی کہ سیدنا زین العابدینؒ کو جو قرض دیا ہوا ہے وہ بالکل نہ واپس لیا جائے۔ (البدایہ ج 8 ص 258)

(4) تاریخ صغیر للبخاری ص 57، البدایۃ والنہایۃ ج 8 ص 258

(5) آپ سے سعید بن المسیبؒ، حضرت عروہ بن زبیرؓ، عبدالملک بن مروانؒ، زین العابدینؒ نے روایت کی ہے ... حضرت معاویہؓ ان کو القاری لکتاب اللہ، الفقیہ فی دین اللہ، الشدید فی حدود اللہ سمجھتے تھے۔ (البدایہ ج 8 ص 251)

(6) علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت مروانؓ کو فقہا میں شمار کیا ہے۔ (منہاج السنہ ج 3 ص 189، الاصابہ ج 3 ص 455)

علامہ کمال الدین الدمیریؒ نے حیاۃ الحیوان ج 1 ص 211 میں لکھا ہے کہ سیدنا مروانؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بچپن میں پہنچ گئے۔ انہیں کئی بار مدینہ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔ سیدنا مروانؓ صغار صحابہ میں سے ہیں اور صحابہ کے اس زمرہ میں شامل ہیں جن میں سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

وھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لانہ ولد فی حیاۃ النبی ﷺ

(البدایۃ والنہایۃ ج 8 ص 257 بشکریہ ماہنامہ الاحرار ملتان مئی 2014ء ص 36)

حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب

مذکورہ بالا شجرہ طیبہ سے حسب ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

1۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عثمان بن عفان، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہم قبیلہ قریش کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

2۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قریش کی شاخ "بنو ہاشم" کے ساتھ ہے جب کہ حضرت عثمان، حضرت معاویہ، اور حضرت مروان رضی اللہ عنہم کا تعلق قریش کی شاخ "بنو امیہ" کے ساتھ ہے۔

3۔ حضرت عثمان، حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہم تینوں کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے مل جاتا ہے۔

4۔ حضرت مروانؓ کی والدہ کا نام "آمنہ بنت علقمہ بن صفوان بن امیہ" ہے۔اس اعتبار سے حضرت مروان نجیب الطرفین قریشی واموی ہیں۔(بحوالہ منتخب تواریخ باب سوم در ذکر بعضی از منافقین کہ عداوت داشتند با حضرت امیرؓ مؤلفہ محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی)

5۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت مروانؓ کی حقیقی پھوپھی صفیہ نبی اکرمؐ کی ساس ہیں۔

6۔ حضرت معاویہؓ کی علاتی بہن اور حضرت عثمانؓ وحضرت مروانؓ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن ام حبیبہؓ کو ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

7۔ مندرجہ بالا شجرہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ ہاشم بن عبد مناف اور عبد الشمس بن عبد مناف دونوں حقیقی بھائی ہیں۔اس رشتہ کے اعتبار سے امیہ بن عبد الشمس جناب ہاشم کے حقیقی بھتیجے ہیں۔لیکن بدقسمتی سے مفاد پرست اور سبائیت زدہ وسبائیت گذیدہ ارباب سیر ومؤرخین اور علماء سوء نے بنو ہاشم اور بنو امیہ کو دو متحارب قبائل کے طور پر پیش کیا حالانکہ قریش کی ان دونوں معزز شاخوں کے مابین عہد جاہلیت اور عہد اسلام کے ہر دور میں نسبی روابط اور ہر قسم کے گہرے تعلقات قائم رہے۔

سیدنا الحَکَم القرشی الاموی رضی اللہ عنہ (م 32ھ)

حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے والد الحکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ قبیلہ قریش کی شاخ بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مجد و شرف اور عزت و وجاہت کے اعتبار سے بنو ہاشم کے بعد بنوامیہ ہی کا مرتبہ و مقام تھا۔ چنانچہ قومی علم "عقاب" ان ہی کی تحویل میں رہتا تھا۔ علاوہ ازیں سپہ سالار اعظم کا منصب بھی اسی خاندان کے پاس تھا۔ "حرب فجار" (جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی تھی) میں "سپہ سالار اعظم" کے فرائض حضرت حکم رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا حرب بن امیہ نے سرانجام دیے تھے۔

حضرت حکمؓ کا سلسلہ نسب چوتھی پشت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے دیگر روساء قریش کی طرح یہ بھی اسلام کے سخت مخالف تھے۔

حضرت عثمانؓ نے جب اسلام قبول کیا تو وہ بھی اپنے اس چچا کے زیر عتاب رہے اور اللہ کی راہ میں اذیت پہنچائے گئے۔ حکم بن ابی العاص نے حضرت عثمانؓ کو رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ:

کیا تم نے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نئے دین کو اختیار کر لیا ہے؟ میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم اس دین سے پھر نہیں جاتے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا کو جواب دیا:

اللہ کی قسم! میں کبھی اس دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جب چچا نے دین پر استقامت اور ان کی اپنے موقف میں صلابت دیکھی تو انہیں چھوڑ دیا۔

(التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمانؓ ص 22)

غزوہ "احزاب" میں قریش مکہ کی ناکامی سے ان کی قوت مزاحمت بھی کافی حد تک

کمزور ہوگئی بلکہ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان سے ان کی ہمت مزید ٹوٹ گئی کہ:

"اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ إِلَيْهِمْ"

(صحیح البخاری۔کتاب المغازی۔باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب۔رقم الحدیث 4110)

اب ہم ان سے لڑیں گے وہ (اقدام کر کے) ہم سے نہیں لڑسکیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ غزوہ احزاب کے بعد مشرکین مکہ سے اقدام نہ ہوسکا بلکہ مسلمانوں نے ہی فتح مکہ میں اقدام کیا تھا۔

غزوہ احزاب کے بعد 6ھ میں نبی اکرمؐ 1400 رفقاء کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے لیکن مشرکین نے حدیبیہ کے مقام پر انہیں روک دیا۔مگر نبی اکرمؐ نے قریش کے ساتھ کسی تصادم سے بچنے کی خاطر مصالحت کی گفتگو کا ارادہ فرمایا۔اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر انتخاب حضرت عمرؓ پر پڑی تو انہوں نے عرض کیا کہ:

مکہ میں بنو عدی کا ایسا کوئی فرد موجود نہیں جو دیگر قریش کے مقابلے میں میری حمایت کر سکے اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے عثمانؓ کو بھیجا جائے کہ مکہ میں ان کے قبیلہ کے لوگ موجود ہیں۔چنانچہ اس تجویز پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا کہ:

آپ قریش کے پاس جائیں اور انہیں بتائیں کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ہم تو صرف عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں۔دیکھ لیں ہم حالت احرام میں ہیں اور قربانی کے جانور بھی ہمارے ساتھ ہیں۔

حضرت عثمانؓ اس حکمِ نبویؐ کی تعمیل کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت حکمؓ کے بھتیجے ابان بن سعید بن العاص نے پناہ دی اور سرداران قریش سے ملاقات کر کے ان تک پیغامِ نبویؐ پہنچا دیا۔قریش کے ہاں حضرت عثمانؓ کا بڑا مرتبہ اور وقار تھا۔اس کا

اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قریش کی عورتیں اپنے بچوں سے یوں مخاطب ہوتی تھیں کہ:۔

احبّك والرحمن   حبّ قريش لعثمانؓ

رحمان کی قسم میں تجھ سے اس طرح محبت کرتی ہوں جس طرح قریش عثمانؓ سے محبت کرتے ہیں۔ لہٰذا اسی جذبے کے تحت انہوں نے پیش کش کی کہ وہ عمرہ کر لیں لیکن آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر عمرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا حکم بن ابی العاص اور دیگر افرادِ خاندان سے بھی ملاقات کی اور ان ہی کے ہاں قیام پذیر رہے۔ چنانچہ اس سفارت کا حضرت حکمؓ اور دوسرے حضرات پر بڑا ہی خوشگوار اثر پڑا جس سے ان کے دل نرم ہو گئے۔

دوسری طرف اس تاخیر کی وجہ سے حدیبیہ میں ان کی شہادت کی خبر عام ہو گئی۔ جو بالآخر ''بیعت رضوان'' پر منتج ہوئی۔ اس بیعت کے بعد اہل اسلام اور مشرکین کے مابین باقاعدہ ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے اگلے سال یعنی 7ھ میں عمرہ ادا کیا گیا جو تاریخ میں ''عمرۃ القضاء'' کے نام سے مشہور ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت حکم رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمانؓ کی کامیاب سفارت کی وجہ سے حضرت حکمؓ اور قریش کے دیگر افراد کی قلبی کیفیت تبدیل ہو چکی تھی۔ فتح مکہ سے پہلے ہی حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے عظیم جرنیل اور حضرت عمرو بن عاصؓ جیسے سفارت کار نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ حضرت ابوسفیانؓ نے اس وقت اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود ہرقل کے دربار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ عمدہ الفاظ کے ساتھ کیا۔

اسی اثناء میں قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے حلیف قبیلے بنو بکر کی بنوخزاعہ پر حملے کی بھرپور حمایت کی تو بنوخزاعہ نے بھی حلیف کی حیثیت سے معاہدے کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کی درخواست کی جس کے نتیجے میں رمضان المبارک 8ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور حضرت حکم بن ابی العاص سمیت سینکڑوں قریش نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا ذکر طبقات و رجال کی تمام کتب میں پایا جاتا ہے۔

علامہ محمد بن سعد (م 230ھ) فرماتے ہیں کہ:

"حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس، ان کی والدہ رقیہ بنت الحارث بن عبید بن عمر ابن مخزوم تھیں۔ فتح مکہ پر اسلام لائے اور عثمان بن عفانؓ کی خلافت تک وہیں مقیم رہے۔ عثمانؓ نے بلایا تو مدینے چلے گئے اور وہیں 32ھ میں ان کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ الحکم حضرت عثمانؓ کے (حقیقی) چچا تھے۔

(طبقات ابن سعد (مترجم) حصہ پنجم ص 417۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

حافظ ابن عبدالبر اندلسی (م 463ھ) لکھتے ہیں کہ:

الحکم بن ابی العاص .... فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے ہیں۔

(الاستیعاب مع الاصابہ جلد اول ص 317)

امام ابن اثیر جزری (م 630ھ) لکھتے ہیں کہ:

ابو مروان حکم بن ابی العاص .... قرشی اموی ___ ان کا شمار اہل حجاز میں ہے۔ حضرت عثمانؓ کے چچا ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ تحت الحکم بن ابی العاص حصہ سوم ص 44)

علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) فرماتے ہیں کہ:

الحکم بن ابی العاص بن امیۃ بن عبد الشمس القرشی الاموی عمّ عثمان بن عفان و والد مروان: قال ابن سعد اسلم یوم الفتح۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابۃ مع الاستیعاب جلد اول ص 345)

مروانؓ کے والد اور عثمانؓ کے چچا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ .... نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت حکمؓ مکہ مکرمہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے بقول حجۃ الوداع میں بھی انہیں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (منہاج السنۃ الجزء الثالث ص 189)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت مروانؓ کے والد اور حضرت عثمانؓ کے حقیقی چچا حکم بن ابی العاصؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اصطلاح شریعت میں "صحابی" اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے حالت اسلام و ایمان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام ہی پر اس کی موت بھی واقع ہوئی ہو۔ ناقدین اور معترضین کے نزدیک بھی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت حکمؓ نے اسلام قبول کیا ہے، اسلام ہی کی حالت میں 32ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی موت واقع ہوئی اور خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھا کر جنت البقیع میں ان کو دفن کرا دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کی اقتداء

میں سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے بھی ان کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائی تھی۔ اس کے بعد حکمؓ کے صحابی ہونے میں تو کسی مومن کو ذرہ برابر بھی شک نہیں ہوسکتا۔ مگر سخت افسوس ہے کہ اس ''اعتراف'' کے باوجود حضرت حکمؓ کو نہ صرف ''صحابیت'' کے مشروعہ ومطلوبہ ادب واحترام سے محروم رکھا گیا بلکہ اعدائے صحابہ کے مذموم اور زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بعض علمائے اسلام نے بھی ان کے خلاف ''موضوع'' روایات کو صحیح سمجھ کر نقل کر دیا جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توہین ظاہر ہوتی ہے۔

چنانچہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس معاملہ میں مثال کے طور پر مروان بن حکم کی پوزیشن دیکھیے۔ اس کا باپ حکم بن ابی العاص جو حضرت عثمانؓ کا چچا تھا، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا اور مدینہ آ کر رہ گیا تھا مگر اس کی بعض حرکات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا اور طائف میں رہنے کا حکم دیا تھا۔

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکابر صحابہ کے ساتھ راز میں جو مشورے فرماتے تھے ان کی کسی نہ کسی طرح سن گن لے کر وہ انہیں افشا کر دیتا تھا۔

اور دوسری وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارا کرتا تھا حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔ بہر حال کوئی سخت قصور ہی ایسا ہوسکتا تھا جس کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے اس کے اخراج کا حکم صادر فرمایا۔'' (خلافت وملوکیت ص 110)

حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے داماد اور مؤلف انوار الباری مولانا سید احمد رضا بجنوری فاضل دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ:

''مروان کا باپ حکم بھی بہت بد کردار تھا وہ حضور علیہ السلام کی ازواج کے حجروں میں جاسوسی کیا کرتا تھا۔ ان میں وہ جھانکتا تھا اور ان کی خبریں لوگوں کو پہنچایا کرتا تھا۔ حضور علیہ

السلام کی نقلیں اتارتا تھا وغیرہ۔

اسی لیے حضور علیہ السلام نے اس کو اور اس کے بیٹے مروان کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کر کے طائف بھیج دیا تھا۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانوں میں بھی نہ آسکا اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں باپ بیٹے دونوں مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الفتن میں حدیث

"هلاك امتي على يدي اغيلمة سفهاء" کے تحت لکھا ہے کہ بہت سی احادیث حکم اور اس کی اولاد کے ملعون ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جن کی تخریج طبرانی وغیرہ نے کی ہے ان میں زیادہ تو محل نظر ہیں مگر بعض جید بھی ہیں۔"

(انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 17۔ ص 194)

پیچھے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت حکمؓ بالاتفاق صحابی ہیں کیونکہ رمضان 8ھ میں فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ان کا مشرف بہ اسلام ہونا بھی ثابت ہے اور 32ھ میں اسلام ہی کی حالت میں ان کا وفات پا جانا بھی ثابت ہے تو ایسے شخص کی صحابیت میں کوئی "سبائی" ہی شک کر سکتا ہے۔ مولانا احمد رضا بجنوری کا انداز تحریر یقینی طور پر "توہین صحابی" پر مبنی ہے۔ جب حضرت حکم رضی اللہ عنہ بلا شبہ صحابی ہیں تو قرآن و حدیث میں صحابہ کے بارے میں بیان کردہ تمام مناقب و فضائل ان کے لیے بھی ثابت ہوں گے۔

اسی طرح صحابہؓ کے وہ تمام حقوق جو اسلام نے امت پر عائد کیے ہیں وہ سب کے سب حضرت حکم رضی اللہ عنہ کے لیے بھی تسلیم کرنے پڑیں گے۔ نیز کتاب و سنت میں مخالفین صحابہؓ کے لیے جو "وعید" مذکور ہے اس کا اطلاق یقیناً حضرت حکم رضی اللہ عنہ کے موہن اور گستاخ پر بھی ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی ولادت

خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی اور داماد امیر المؤمنین سیدنا مروان رضی اللہ عنہ قبیلہ قریش کی ایک ممتاز شاخ بنوامیہ کے رئیس سیدنا حکم رضی اللہ عنہ (بن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف) کے ہاں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ کا اسم گرامی "ام عثمان آمنہ بنت علقمہ بن صفوان بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف" ہے۔ حضرت مروانؓ کی ولادت کے متعلق کتب تاریخ میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ قدیم مؤرخ علامہ محمد بن سعد (م 230ھ) لکھتے ہیں کہ:

"قالوا قبض رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ومروان بن الحکم ابن ثمان سنین ...." (طبقات ابن سعد جلد 5۔ص 36۔ مطبوعہ بیروت تحت ذکر مروان)

مؤرخین کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت مروانؓ کی عمر آٹھ برس تھی۔

حافظ ابن عبدالبر اندلسی (م 463ھ) لکھتے ہیں کہ:

"ولد علی عهد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سنة اثنتين من الهجرة .... ومات فی صدر رمضان سنة خمس وستّين وهو ابن ثلاث وستين وقيل ابن ثمانية وستين وقيل ابن اربع وستين" (الاستیعاب مع الاصابة الجزء الثالث ص 425، 428)

سیدنا مروانؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے .... اور 65ھ میں رمضان کے آغاز میں فوت ہوئے؛ اس وقت ان کی عمر 63 سال تھی اور کہا گیا ہے کہ 68 سال عمر تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس وقت عمر 64 سال تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) حضرت مروانؓ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:

"يقال ولد بعد الهجرة بسنتين وقيل باربع وقال ابن الشاهين مات النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وهو ابن ثمان سنين فيكون مولده بعد الهجرة بسنتين قال

وسمعت ابن ابی داؤد یقول ولد عام احد یعنی سنة ثلاث .....وقال ابن طاهر ولد هو والمسور بن مخرمة بعد الهجرة بسنتين لاخلاف فی ذلك كذا قال وهو مردود والخلاف ثابت۔" (الأصابه۔الجزء الثالث ص 477)

کہا جاتا ہے کہ سیدنا مروانؓ ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چار سال بعد۔ ابن شاہین نے کہا ہے کہ نبی اکرمؐ کی وفات کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی تو اس اعتبار سے ان کی ولادت کا تعین ہجرت کے دو سال بعد ہی ہوتا ہے۔ اس کی تائید ایک دوسرے قول سے بھی ہوتی ہے کہ "ولد بعد الهجرة بسنتين وقيل باربع" (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد۔ص 221)

یہاں انہوں نے "چار سال" کے قول کو "قیل" کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ابن ابی داؤد کہتے ہیں کہ وہ "احد" کے سال یعنی 3ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن طاہر نے کہا ہے کہ سیدنا مروانؓ اور سیدنا مسور بن مخرمہؓ ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ قول مردود ہے اور اس کا خلاف ثابت ہے۔

یہاں حافظ ابن حجرؒ نے سیدنا مروانؓ کی ولادت کے حوالے سے اگرچہ ہجرت کے 2 سال، 3 سال اور 4 سال بعد کے اقوال ذکر کیے ہیں لیکن ہجرت کے دو سال بعد کے قول کو زیادہ مبرہن کیا ہے۔ مگر اس کے باوجود ابن طاہر کے اس قول (کہ سیدنا مروانؓ کی ولادت ہجرت کے دو سال بعد ہوئی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے) کو "مردود" قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ "والخلاف ثابت" اس کا خلاف ثابت ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے یہاں اس "ثابت شدہ خلاف" کی وضاحت تو نہیں فرمائی لیکن اس سے ان کا مقصود یہی ہے کہ ابن شاہین اور ابن طاہر اور دیگر مؤرخین جو سیدنا مروانؓ کی ولادت ہجرت کے دو سال بعد قرار دے رہے ہیں وہ قول غلط اور مردود ہے کیونکہ ان کی ولادت ہجرت کے ایک سال بعد بلکہ ہجرت سے کئی سال پہلے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ موصوف اسی بحث میں آگے چل کر بعض حضرات کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ: "انه كان له عند الوفات النبوية ست سنين او ثمان او اكثر" (الاصابہ الجزء الثالث ص 478)

جس ''ثابت شدہ خلاف'' کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ "أو أکثر" کے الفاظ سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ وفات نبوی کے وقت ان کی عمر آٹھ سال سے زیادہ تھی اس کی تائید حافظ ابن عبدالبر کے قول سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے حضرت مروانؓ کی عمر وفات کے وقت 65ھ میں 68 سال بتائی۔ حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مروانؓ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م 728ھ) نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو "اقران ابن الزبیر....و اما اقرانه کالمسوربن مخرمة و عبدالله بن الزبیر...."

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کے طبقے میں شمار کیا ہے۔ یہ دونوں ہجرت کے پہلے سال پیدا ہوئے۔

اس قول کے اعتبار سے حضرت مروانؓ کی عمر وفات نبوی کے وقت 9 یا 10 سال بنتی ہے۔ امام ذہبی (م 748ھ) کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"مولده بمكة وهو اصغر من ابن الزبير باربعة أشهر...."

(سیر اعلام النبلاء۔ الجزء الثالث ص 476)

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی اور وہ عبداللہ بن زبیرؓ سے چار ماہ چھوٹے ہیں۔

علامہ کمال الدین الدمیری (م 808ھ) لکھتے ہیں کہ:

''مروان کی وفات 65ھ میں ہوئی .... دس ماہ خلافت کے منصب پر فائز رہے۔ ان کی عمر 83 سال ہوئی۔ (حیوۃ الحیوان اردو۔ ص 210-211 تحت "خلافت مروان بن الحکمؓ)

علامہ دمیری کے مذکورہ قول سے سیدنا مروانؓ کی ولادت ہجرت سے بھی اٹھارہ سال قبل ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح ان کی عمر اسلام قبول کرنے کے وقت 26 سال اور وفات نبوی کے وقت 28 یا 29 سال بنتی ہے۔ اس کی تائید امام بخاری کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے؛ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ: "مات مروان سنة ثلاث وستين وهو ابن احدى و

ثمانین "(التاریخ الصغیر، الجزء الاوّل ص 150۔طبع دار المعرفۃ بیروت)

حضرت مروانؓ 63ھ میں فوت ہوئے اور اس وقت ان کی عمر 81 برس تھی۔

امام بخاری کا یہ قول کہ حضرت مروانؓ کی عمر بوقت وفات 81 سال تھی، سے معلوم ہوتا ہے کہ 63ھ میں وفات کا قول سہو کتابت کا نتیجہ ہے ورنہ تمام مؤرخین 65ھ بتاتے ہیں۔اس طرح حضرت مروانؓ کی عمر بوقت وفات 81 سال اور بوقت وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم 26 سال بنتی ہے۔

علامہ ابن حسن دیار بکری (م 982ھ) لکھتے ہیں کہ:

"مات بدمشق سنۃ خمس و ستین وھو ابن ثلاث و سبعین ...."(تاریخ خمیس جلد 2 ص 308)

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے دمشق میں 65ھ میں وفات پائی اور ان کی عمر 73 برس تھی۔

اس حساب سے سیدنا مروانؓ کی ولادت ہجرت سے 8 سال پہلے ثابت ہوتی ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے فاضل مقالہ نگار "مروان بن الحکم" کے حالات میں لکھتے ہیں کہ: "پھر درماندہ و مضمحل ہو کر یہ ستر سالہ امیر 27۔رمضان 65ھ /7 مئی 685ء کو دمشق میں فوت ہو گیا....

ہمیں اس کی عمر بھی یقینی طور پر معلوم نہیں، روایت میں 61 و 81 سال کے انتہائی اندازوں سے اس کا تناقض ظاہر ہے۔بعض اوقات مروان کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ 63 سال کی عمر پا کر فوت ہوا۔اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اس کی پیدائش کا سال پھر 2ھ قرار پا جاتا ہے۔

بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ تخت نشینی کے وقت وہ بوڑھا (شیخ کبیر) تھا اور اس کا مقابلہ ایک "کہل" یعنی درمیانی عمر کے آدمی ابن الزبیر سے بیان کیا جاتا ہے حالانکہ وہ اس وقت ساٹھ برس کے لگ بھگ تھے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں حریفوں کی عمر میں معتد بہ فرق ہوگا۔اس لیے ہماری رائے میں مروان کی عمر ستر برس سے زیادہ ہوگی۔"

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔جلد 20۔ص 477،476)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے مدینہ منورہ سے حضرت حکمؓ کی جلاوطنی کے

وقت سیدنا مروانؓ کی عمر 7، 8 برس بتائی ہے۔ (خلافت وملوکیت ص 110)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی عمر 9، 10 سال تھی۔

شیعہ مصنف محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی لکھتے ہیں کہ:

''مروان بن حکم بن ابی العاص ـــــ ایں پسر عم عثمان ابن عفان ابن ابی العاص بود، وزیر و دبیر و کاتب عثمان بود و مادر مروان آمنہ بنت علقمہ بن صفوان بن امیہ است و مروان دوم ہجری متولی شد۔'' (منتخب التواریخ۔ باب سوم در ذکر بعضی از منافقین کہ عداوت داشتند با حضرت امیر) مروان بن حکم بن ابی العاص ـــــ جو حضرت عثمان بن عفان چچا ابن ابی العاص کا بیٹا تھا اور آپ کا وزیر، منشی اور کاتب تھا اور مروان کی ماں آمنہ بنت علقمہ بن صفوان بن امیہ تھی۔ سن دو ہجری میں مروان پیدا ہوا۔

ثقہ علماء و مؤرخین کے مذکورہ اقوال کے برعکس اور متضاد مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی ایک ''تحقیق انیق'' بھی ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے:

''یہ غلط ہے کہ مروان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے سزا کے طور پر نکالا تھا۔ مروان کی تو عمر ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے وقت بمشکل ایک سال کی تھی بلکہ بعض کہتے ہیں کہ وہ پیدا ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا۔'' (عبقات ص 243)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سیدنا مروانؓ کی عمر کے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان کی سن ولادت کے حوالے سے کتب تاریخ میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ البتہ ثقہ سنی و شیعہ مؤرخین و ارباب سِیَر اور دیگر ناقدین و معاندین کی آراء کی روشنی میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے دو سال بعد والے قول پر اکثر حضرات کا اتفاق معلوم ہوتا ہے جس کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر آٹھ سال یا نو سال ثابت ہوتی ہے۔

سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ کی صحابیت

''صحابی'' کا لفظ با تفاق اہل لغت ''صحبت'' سے مشتق ہے۔ یعنی صحابی ہونا، دوستی کرنا اور ساتھ زندگی گزارنا۔ ''صَحِبَ'' کا اسم فاعل "الصاحب" ہے۔ یعنی ساتھی اور ساتھ زندگی گزارنے والا۔ اس کی جمع ''اصحاب وصحابہ'' ہے۔

"الصحابی" "صحابہ کا اسم نسبت ہے۔ صحابہ کی طرف منسوب ایک صحابی۔

یعنی وہ ایک شخص جس نے صحبت حاصل کی مگر صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے مشتق نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوسکتا ہے جس نے کم یا زیادہ کسی کی صحبت اٹھائی ہو۔ لہٰذا صحبت کی تھوڑی یا زیادہ مقدار دونوں حالتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

اصطلاحِ شریعت میں ''صحابی'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے عمر کے کسی بھی حصے میں حالتِ ایمان و اسلام میں نبی اکرمؐ سے ملاقات کی ہو اور اسلام ہی پر اس کی موت بھی واقع ہوئی ہو۔

امام بخاری (م 256ھ) نے ''کتاب فضائل اصحاب النبیؐ'' کا باب ہی اس عنوان سے قائم کیا ہے کہ:

"من صحب النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم او راہ من المسلمین فھو من اصحابہ" (صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبیؐ)

جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت اسلام و ایمان دیکھ لیا تو وہ زمرہ صحابہ میں شامل ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852) فرماتے ہیں کہ:

"واصح ماوقفت علیہ من ذٰلک أنّ الصّحابی من لقی النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم مومناً بہ و مات علی الاسلام۔ و أطلق جماعۃ أن من رأی النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فھو صحابی وھو محمول علی من بلغ سن التّمییز اذ من لم یمیز لاتصح نسبۃ الرؤیۃ

الیہ ، نعم یصدق أن النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم راٰہ فیکون صحابیا من هٰذہ الحیثیة و من حیث الروایة یکون تابیعاً"

(الاصابۃ جلد اول ص 7 ۔تحت ألفصل الاول فی تعریف الصحابی)

''صحابی'' کی سب سے جامع وصحیح تعریف جس سے میں آگاہ ہوں یہ ہے کہ:

صحابی وہ ہے جس نے بحالت ایمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہواور اسلام ہی پر اس کی موت بھی واقع ہوئی ہواور (جماعت علمائے امت) نے مطلقاً کہا ہے جس نے بھی (حالت ایمان میں) زیارت کی ہووہ صحابی ہے اور یہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ اس وقت سن تمیز وشعور کو پہنچا ہو۔اور اگر وہ سن تمیز کو نہیں پہنچا تو اس کی طرف ''رویت'' کی نسبت صحیح نہیں ہے۔البتہ یہ بات صحیح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا ہوگا پس وہ اس حیثیت سے صحابی ہوگا جب کہ روایت کرنے کے اعتبار سے وہ تابعی ہوگا۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی (م 1239ء) فرماتے ہیں کہ:

"من صحب النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ولو ساعة من الایمان ومات مؤمناً" (النبراس شرح لشرح العقائد ص 546)

جس نے حالت ایمان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہوتو وہ صحابی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے صحابی ہونے کے لیے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

1۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان۔

2۔ اسی ایمان کی حالت میں آپؐ سے ملاقات۔

3۔ اور اسلام وایمان ہی کی حالت میں وفات۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''صحابی'' کی مذکورہ تعریف ہی کو سب سے زیادہ جامع اور صحیح قرار دیا ہے۔

اگر چہ بعض حضرات نے دیگر شرائط کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً:

اس نے ایک طویل عرصہ (کم از کم ایک سال) تک شرف صحبت حاصل کیا ہو،

یا حدیث کی روایت کی ہو،

یا کسی غزوہ میں شرکت کی ہو،

یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حصول علم وعمل کے لیے اختیار کی ہو،

یا حالت شعور یا حالت بلوغ میں ملاقات کی ہو۔

جناب محمود احمد عباسی صاحب نے مؤخر الذکر شرط (یعنی حالت بلوغ) کے پیش نظر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی صحابیت کی نفی کرتے ہوئے انہیں ''تابعین'' میں شمار کیا ہے اور اپنی تائید میں امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول پیش کیا ہے کہ:

''وقد روی صالح بن احمد بن حنبل عن ابیہ انہ قال فی الحسن ابن علیؓ انہ تابعی ثقۃ'' (البدایۃ والنہایۃ جلد 8 ص 150)

اور صالح بن احمد بن حنبل نے اپنے والد امام احمد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حسن بن علیؓ کے بارہ میں فرمایا کہ وہ ثقہ تابعی تھے۔

اس قول سے عباسی صاحب نے یہ قیاس کیا ہے کہ جب حضرت حسنؓ بھی امام احمد بن حنبل کے نزدیک صحابی نہ ہوئے تو حضرت حسینؓ بطریق اولیٰ تابعی ٹھہریں گے کیونکہ وہ عمر میں ان سے بھی ایک سال چھوٹے تھے۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اس تصور کی پُرزور تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حضرت حسینؓ کی سب سے بڑی فضیلت بلکہ ام الفضائل صحابیت تھی سو عباسی صاحب نے اس کی نفی کا ابہام پیدا کر کے دلوں میں اسے مشکوک اور مشتبہ بنا دینا چاہا ہے اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ ان کے صحابی ہونے کی نفی کا تصور ذہنوں میں بٹھلا دینے کی نامحمود سعی کی ہے....

عباسی صاحب نے ایک تو حضرت حسینؓ کی صحابیت کی نفی کے لیے صغر سنی کی حجت پیش کی ہے جو ان کے نزدیک صحابیت میں مانع ہے.... حالانکہ جہاں تک صحابیت میں کم سنی کے

مانع ہونے کا تعلق ہے ارباب فن کے یہاں وہ کوئی قابل التفات وتوجہ بات نہیں۔علامہ محدثین کے یہاں صحابی وہ ہے جسے ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لقاء وصحبت میسر آ جائے خواہ کسی بھی عمر میں ہو....

بعض علماء نے صحبت نبوی کے ساتھ ساتھ بلوغ کی قید لگائی تھی تو محدثین نے اسے رد کر دیا ہے۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

ومنهم من اشترط فی ذٰلك ان يكون حين اجتماعه بالغا وهو مردود لانه يخرج مثل الحسن ابن علیؓ ونحوه من احداث الصحابة والّذی جزم به البخاری هو قول احمدو الجمهور من المحدثين (فتح الباری جلد 7۔ص3)

اوران میں سے بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہونے کے وقت بالغ بھی ہو اور یہ قید مردود ہے کیونکہ یہ حسنؓ جیسے کم سن افراد کو(جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہونے کے وقت کم سن تھے) صحابیت سے خارج کر دیتی ہے۔امام بخاریؒ نے جس قول پر اعتماد اور جزم ویقین کیا ہے وہ قول امام احمد اور جمہور محدثین کا ہے۔

ظاہر ہے کہ فن اور جمہور ارباب فن کی ان تصریحات کے بعد کہ جو بھی ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ولقاء کا شرف پائے خواہ قبل البلوغ ہو یا بعد البلوغ وہ صحابی ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت حسینؓ کو صحابی نہ مانا جائے اور محض عمر کی وجہ سے ان کی صحابیت کا انکار کر دیا جائے یا اس میں شبہات نکالے جائیں....

(عباسی صاحب کے نزدیک وفات نبوی کے وقت حضرت حسینؓ کی عمر 5 سال تھی جب کہ حضرت قاری صاحب کے نزدیک 7 سال۔چنانچہ موصوف فرماتے ہیں) لیکن اگر وفات نبوی کے وقت حضرت حسینؓ کی پانچ ہی سال کی عمر پر زور دیا جائے جو عباسی صاحب کا منصوبہ ہے تو قطع نظر محدثین اور ارباب فن کی تصریحات کے جن کی رو سے اس (پانچ سال کی) عمر سے بھی ان کی صحابیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، تاریخی واقعات کی رو سے بھی یہ عمر ایسی بے مایہ نہیں مانی جاتی کہ اسے یہ کہہ کر کہ وہ سن تمیز کی عمر نہیں ہوتی "لا یعباء بہ" بنا دیا جائے...

بہر حال واضح ہو گیا کہ امام احمد بن حنبل اور جمہور محدثین کے نزدیک بھی صحابیت کے لیے بوقت ملاقات نبوی بالغ ہونا شرط نہیں۔ نابالغ اور کم سن بھی صحابی ہو سکتا ہے جس پر بخاریؒ نے جزم کیا ہے...

تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ صرف ائمہ ہدایت کی تصریحات سے صحابی اور صحبت یافتۂ نبوی ثابت نہیں ہوتے بلکہ مصداق قرآنی اور مدلول حدیث ہونے کی وجہ سے بھی نبی کے صحبت یافتہ اور صاحب معیت فرد ثابت ہو رہے ہیں۔ پس قرآن و حدیث بھی ان کے صحابی بلکہ اخص صحابہ میں سے ہونے کے گواہ ہیں۔

بہر حال قرآن، حدیث، جمہور ائمہ حدیث، امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، امام ذہبی، حافظ ابن عبدالبر، حافظ ابن حجر، حافظ ابن کثیر یعنی محدثین، فقہاء اور متکلمین وغیرہ سب اس پر متفق اللسان ہیں کہ حضرت حسینؓ صحابی ہیں اور وہ پانچ سالہ بھی ہوں تب بھی صحابی ہیں، جن کی صحابیت میں یہ صغر سنی حائل یا حارج نہیں....

اب اگر حضرت حسینؓ صحابی ہیں اور بلاشبہ صحابی ہیں، صاحب روایت صحابی ہیں اور اہل بیت صحابی ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے تو بلاشبہ وہ تمام آثار و لوازم صحابیت اور وہ تمام حقوق ان کے لیے ماننے پڑیں گے جو کتاب و سنت نے مقام صحابیت کے لیے ثابت کیے ہیں اور ہمیں تاریخی طور پر نہیں بلکہ بطور عقیدہ کے اس پر ایمان لانا پڑے گا کہ سیدنا امام حسینؓ بوجہ صحابی ہونے کے متقی، عدول، پاک باطن، صاف ظاہر، محبت جاہ و مال سے بری، ہوس اقتدار سے بالاتر اور تمام ان رذائل نفس سے پاک تھے جو ان مقدسین سے بنص کتاب و سنت دھو دیے گئے تھے۔ (شہید کربلا اور یزید ص 24 تا 76۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور 1976)

حضرت قاری صاحب نے تو بجا طور پر پانچ سال کی عمر کو ''سن تمیز و شعور'' قرار دیتے ہوئے نہ صرف حضرت حسینؓ کی صحابیت ثابت فرمائی ہے بلکہ اس عمر کے دیگر حضرات کو بھی اس شرف سے مشرف قرار دیا ہے لیکن مولانا قاضی مظہر حسین صاحب ''بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان'' ''نعرہ حق چار یار'' اور خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے تو تین ماہ

کے بچے کو بھی "صحابی" قرار دے دیا۔ قتل عثمان ذوالنورینؓ میں جناب محمد بن ابی بکرؓ کا جو حصہ ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے مگر حضرت قاضی صاحب ان کی برأت اور صفائی بیان کرتے ہوئے یوں استدلال فرماتے ہیں کہ چونکہ قتل عثمان ذوالنورینؓ میں کوئی صحابی ملوث نہیں تھا اس لیے محمد بن ابو بکرؓ اس میں شامل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"تو روایتاً و درایتاً دونوں طرح یہی بات صحیح ہے کہ حضرت محمد بن ابی بکر نے داڑھی چھوڑ دی اور وہاں سے نکل گئے۔ بعد میں دوسرے باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا۔ محمد بن ابی بکر کا وہاں سے چلا جانا ان کی توبہ کی دلیل ہے لہٰذا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو کسی صحابی نے قتل نہیں کیا....

حضرت محمد بن ابی بکر پر رحمت للعالمین صلی اللہ عنہ وسلم کی نظر رحمت تو پڑی ہوگی۔ اگرچہ کسی کتاب میں اس کی تصریح نہیں دیکھی۔ صحابہ کی جو متفق علیہ تعریف ہے اس میں وہ شامل نہیں ہوتے۔ تبرکاً ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں جنگ جمل وصفین میں بھی دونوں طرف جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ مقاتلہ بھی شدید ہوا۔ ہزارہا جانیں قربان ہوئیں اس کے باوجود اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ چونکہ فریقین کے صحابہ کرامؓ کی نیت صحیح تھی، اپنے اپنے اجتہاد کے تحت انہوں نے جنگوں میں حصہ لیا۔ اس لیے وہ قابل گرفت نہیں بلکہ اجتہادی خطا پر بھی ایک اجر ملتا ہے۔

جناب محمد بن ابی بکر نے بھی اگر عثمان ذوالنورینؓ کی مخالفت کی ہے تو اس خط کی بناء پر جو حضرت عثمانؓ کی مہر لگا کر ان کے قتل کرنے کے لیے گورنر مصر کو بھیجا گیا تھا۔ اس کے باوجود یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ وہ حضرت ذوالنورینؓ کے توجہ دلانے پر نادم ہوئے اور وہاں سے چلے گئے۔ لہٰذا ان پر کوئی الزام اس بارے میں باقی نہیں رہتا۔"

(ماہنامہ حق چار یار مارچ، اپریل 2005ء قائد اہل سنت نمبر۔ اشاعت خاص ص-384385)

وائے افسوس کہ حضرت قاضی صاحب نے خود سبائیوں کے تحریر کردہ ایک وضعی خط کو "اصلی" قرار دے دیا ہے۔ اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔ یہاں قارئین کو صرف یہ بتلانا

ہے کہ جناب محمد بن ابی بکر کی ولادت حجۃ الوداع کے موقع پر ذی قعد 10 ھ کے آخر میں ہوئی تھی اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً تین ماہ کے شیر خوار بچے تھے؛ انہیں بھی (صرف اس "گمان" پر کہ ان پر "رحمت للعالمین کی نظر رحمت تو پڑی ہوگی اگر چہ کسی کتاب میں اس کی تصریح نہیں دیکھی، صحابہ کی جو متفق علیہ تعریف ہے اس میں وہ شامل نہیں ہوتے تبرکاً ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا جائے گا۔") بالآخر صحابہ کرام کے طبقہ میں شمار کر لیا گیا۔ لیکن حضرت مروانؓ جن کی "صحابیت" کے بارے میں کتب میں باقاعدہ تصریح بھی پائی جاتی ہے اور صحابہ کی "قسم ثانی" کی متفق علیہ تعریف میں بھی وہ شامل ہیں مگر انہیں صحابی تسلیم کرنا گوارا نہیں ہے۔ اس کی تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں۔

صحابی کی معرفت:۔

محدثین کرام اور علمائے اسماء الرجال نے صحابی کی معرفت کے حسب ذیل طریقے یا اصول متعین کیے ہیں:

1۔ ایسا شخص جس کا صحابی ہونا تواتر سے ثابت ہو جیسے حضرات عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہؓ۔

2۔ ایسا شخص جس کا صحابی ہونا مشہور ہو یا مشہور روایات سے ثابت ہو اگر چہ تواتر کے درجے تک نہ پہنچا ہو۔ مثلاً ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محصن۔

3۔ کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ "حممہ بن ابی حممہ دوسی" صحابی ہیں۔

4۔ کسی صحابی کا یہ کہنا کہ میں فلاں شخص کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے فلاں شخص سے گفتگو فرمائی۔

5۔ اس کا صحابی ہونا تابعی کے قول سے ثابت ہو اور وہ شخص ایسے زمانے تک بقید حیات رہا ہو جس سے اس کے صحابی ہونے کا امکان پایا جاتا ہو۔ علماء نے یہ زمانہ 110 ھ

تک مقرر کیا ہے۔اس کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

1۔ نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص 83۔

2۔ الاصابہ فی تمیز الصحابۃ جلد 1 ص 8

3۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد 11۔ص 272۔وغیرھا من کتب اصول الحدیث۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ''صغار صحابہ'' کے لیے ''القسم الثانی '' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ:

ان صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صغیر السن بچے تھے اور ان میں مرد (مذکر) اور عورتیں (مؤنث) دونوں شامل تھے اور اس وقت وہ سن تمیز کو نہ پہنچے تھے؛ انہیں صحابہ میں شامل کرنا غلبہ ظن کی بناء پر بطور الحاق کے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا ہوگا۔ کیونکہ بچوں کی پیدائش پر صحابہ کرام انہیں "تحنیك" کے لیے، نام رکھنے اور برکت حاصل کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔اس سلسلے کی روایات بہت ہیں اور مشہور ہیں۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابۃ ص 5۔تحت "خطبۃ الکتاب۔القسم الثانی")

حافظ ابن عبد البر نے تو حضرت احنف بن قیس کو محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پانے کی وجہ سے صحابی تسلیم کر لیا ہے حالانکہ انہوں نے کبھی نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا ہے:

"قد أدرك النبيّ صلّى الله عليه وسلّم ولم يره ودعا له النبيّ عليه الصّلوٰة والسلام فمن هناك ذكرناه في الصّحابة لأنه أسلم على عهد النبيّ صلّى الله عليه وسلّم" (الاستيعاب مع الاصابة۔الجزء الاول ص 126)

''صحابی'' کی تعریف اور ''صحابی کی معرفت'' کے کسی ایک اصول یا طریقے سے کسی شخص

کا صحابی ہونا ثابت ہو جائے تو یقیناً اس کا ذکر صحابہ کرامؓ کے مقدس طبقے میں ہی کیا جائے گا۔
اس تمہید کے بعد اب اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ کیا حضرت مروانؓ کا ''صحابی کی تعریف'' صحابی کی معرفت'' کے کسی ایک طریقے کی رو سے صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

پیچھے زیرِ عنوان ''حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی ولادت'' یہ بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے 65ھ میں 63 یا 73 یا 81 سال کی عمر میں وفات پائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر ان کی عمر 18 یا 27 سال تھی۔ اس طرح انہیں ''صحابی کی معرفت'' کے ایک اصول کے تحت نبی اکرمؐ کی معاصرت حاصل ہو گئی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م 728ھ) نے حضرت مروانؓ کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت مسور بن مخرمہؓ کے طبقے میں شمار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرات عمر میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بڑے تھے اور یہ عمر ''تمیز'' اور ''شعور'' کی عمر سمجھی جاتی ہے بلکہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے تو 4 یا 5 سال کی عمر کو بھی ''سن تمیز و شعور'' ہی قرار دیا ہے۔

جہاں تک حضرت مروانؓ پر ''صحابی کی تعریف'' کے اطلاق کا تعلق ہے تو حافظ ابن عبدالبر (م 463ھ) نے الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (الجزء الثالث ص 425 تا 429) اور علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) نے الاصابہ فی تمییز الصحابة (الجزء الثالث ص 477-478) میں ''القسم الثانی'' کے تحت لا کر ان کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا شمار ''صغار'' صحابہ کے اس طبقہ میں ہوتا ہے جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسین، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت مسور بن مخرمہؓ کی ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ: ''و کان مولده بعد الهجرة بسنتين'' (الاصابہ الجزء الثالث ص 419)
حضرت مروانؓ کے والد حضرت حکمؓ رمضان المبارک 8ھ میں فتح مکہ کے موقع پر

مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت مروانؓ اس وقت ''سن تمیز وشعور'' کو پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی ہونے کی حیثیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی مقرب تھے۔ پھر اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طویل قیام بھی مکہ کے قرب و جوار میں تقریباً دو ماہ تک رہا لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے والد کے ہمراہ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے ہوں یا انہیں اس دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حاصل نہ ہوئی ہو۔

جن مؤرخین اور ارباب سِیَر کے نزدیک حضرت حکمؓ کی جلاوطنی مدینہ منورہ سے ''ثابت'' ہے تو انہوں نے اس موقع پر حضرت مروانؓ کا بھی ذکر کیا ہے جس سے ان کی جلاوطنی ثابت ہو یا نہ ہو البتہ ان کی ''رویت'' تو ضرور ثابت ہو جاتی ہے۔

جن حضرات کے نزدیک ''جلاوطنی'' کا قصہ موضوع اور من گھڑت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت حکمؓ اور حضرت مروانؓ کا قیام اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ ہی میں رہا تو اس صورت میں بھی ان کی ''رویت'' کا انکار ممکن نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہوئے اپنے بچے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے رہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی حضرت مروانؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم رہے ہوں؟

امام ابن تیمیہؒ (م 728ھ) لکھتے ہیں کہ:

''ومروان من اقران ابن الزبیر فھو قد أدرك حیاۃ النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم ویمکن انه راہ عام فتح مکة أو عام حجة الوداع ....وأیضاً فقد یکون أبوہ حج مع الناس فراہ فی حجة الوداع و لعلّه قدم الی المدینة فلا یمکن الجزم بنفی رؤیته للنبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم....''(منهاج السنة الجزء الثالث ص189)

حضرت مروانؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طبقے میں سے ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ انہیں فتح مکہ کے سال یا حجۃ الوداع کے سال شرف رویت حاصل ہوا ہو۔...اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت مروانؓ کے والد حضرت

حکمؓ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا تو اس موقع پر حضرت مروانؓ نے حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوگا۔

اور شاید وہ اس دوران مدینہ طیبہ بھی گئے ہوں؛ پس یقین کے ساتھ ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ جب کہ صحیح بخاری میں باقاعدہ یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا تھا جن میں سے ایک بچے کو آپؐ نے اپنے ساتھ آگے سوار کر لیا اور ایک کو پیچھے۔(ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔ کتاب المناسك باب استقبال الحاج القادمين)

ظاہر ہے کہ دیگر قبائل کے بچے بھی استقبال میں شریک تھے۔اس موقع پر حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی کس طرح پیچھے رہ سکتے تھے؟

امام شمس الدین ذہبی (م 748ھ) لکھتے ہیں کہ:

"وقيل: له رؤية ، و ذٰلك محتمل"

(سير اعلام النبلاء۔الجزء الثالث ص 476 ۔تحت "كبار التابعين")

اور کہا گیا ہے کہ حضرت مروانؓ کے لیے احتمالاً رؤیت ثابت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت مروانؓ کو "روایت" کے اعتبار سے "کبار التابعین" کے عنوان کے تحت پہلے نمبر پر ذکر کیا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ "رؤیت" کا انکار تو ممکن نہیں البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت اور سماع ثابت نہیں۔یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے "رؤیت" کا اقرار کیا ہے تو اس کے ساتھ ہی انہوں نے "سماع و روایت" کا انکار کیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی ابن ابی داؤد کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

"و قد كان في الفتح مميزا او في حجة الوداع ولكن لا يدرى أسمع من النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم شيئاً ام لا ــــ"(الاصابه الجزء الثالث ص 477)

حضرت مروان رضی اللہ عنہ فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر "سن تمیز" کو پہنچے ہوئے

تھے لیکن وہ نہیں جانتے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے یا نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی بھی حضرت مروانؓ کی ''رؤیت'' کے اقرار کے ساتھ ساتھ ''سماع عن النبیؐ'' کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"فلم يثبت له أزيد من الرؤية و أرسل عن النبيّ صلّى الله عليه وسلّم...."

پس ان کے لیے ''رؤیت'' سے زیادہ کچھ ثابت نہیں البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق ارسال کچھ روایات ثابت ہیں۔(حوالہ مذکور)

علامہ موصوف نے ایک دوسرے مقام پر بھی حضرت مروانؓ کے لیے یہ لکھا ہے کہ:

"يقال له رؤية (يعني رؤية الرسول عليه الصلوٰة والسلام) فان ثبت فلا يعرج على من تكلم فيه" (هدى السارى۔فتح البارى جلد 14ص 443۔ مطبوعه دار نشر الكتب الاسلامية شيش محل لاهور)

کہا جاتا ہے کہ ان کے لیے رؤیت ثابت ہے یعنی انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔اگر یہ ثابت ہو جائے تو اس کے بارے میں کلام و اعتراض کی گنجائش نہیں۔

موصوف یہاں تکلفاً ''اگر مگر'' کا سہارا لے رہے ہیں مگر اس کے باوجود وہ "يقال له رؤية" لکھ کر رؤیت کا اقرار بھی کر لیتے ہیں۔

مؤلف ''النبراس'' علامہ عبدالعزیز پرہاروی (م 1239ھ) شارح بخاری علامہ قسطلانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"مروان ولد في حياة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم لم يسمع منه"

(الناهية عن طعن امير المومنين معاوية رضى الله عنه ص45)

مروانؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا نہیں۔

نومبر 2012ء میں ''مکتبہ لدھیانوی'' نے شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے مختلف رسائل و مضامین کو ''مناقب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان پر اعتراضات کے

جوابات" (مرتبہ مولانا محمد زبیر طاہر) کے نام سے شائع کیا۔ اس میں موصوف نے "الناھیۃ" کے حوالے سے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے بارے میں صراحتاً یہ بات لکھ دی کہ "مروان کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوئی تھی اور اس کا سماع بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے" (مناقب حضرت امیر معاویہؓ 115) جب کہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ پُرہاروی نے امام قسطلانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"لم یسمع منہ" حضرت مروانؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا۔

علامہ ابن حسن دیاربکری (م982ھ) لکھتے ہیں کہ:

"وکان مروان قد لحق النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم" (تاریخ خمیس جلد 2 ص 306)

حضرت مروانؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے بھی تاریخِ خمیس کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"اس نے بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی۔"

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد 20۔ص 475)

علامہ ابن کثیر (م774ھ) صاف طور پر لکھتے ہیں کہ:

"ھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لأنہ ولد فی حیاۃ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم" (البدایۃ والنھایۃ جلد 8۔ص 257)

وہ (یعنی مروانؓ) کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے تھے۔

امام ابن کثیر نے وضاحت کردی ہے کہ اکثر لوگوں کے نزدیک حضرت مروان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں جب کہ بعض کے نزدیک ان کی "صحابیت" میں اختلاف ہے "رؤیت" میں نہیں کیونکہ یہ صحیح ہے کہ انہیں "صحبت نبوی" میسر نہیں ہوئی۔

امام ابن تیمیہؒ نے بھی "واختلف فی صحبتہ" لکھ کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (منہاج السنہ جلد سوم ص 189)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ" کے مقدمہ میں نہایت اصولی بات لکھی تھی کہ "القسم الثانی" کے تحت ان صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صغیر السن تھے انہیں غلبۂ ظن کی بناء پر صحابہ کے طبقہ میں شامل کیا گیا ہے اس احتمال پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا ہوگا۔" (الاصابہ جلد اول ص 5)

اس "احتمال" کے علاوہ علامہ موصوف نے مختلف مقامات پر "یقال لہ رؤیۃ" اور "فلم یثبت لہ أزید من الرؤیۃ" کے اقوال بھی نقل کیے ہیں جن سے ان کی "رؤیت" بہر حال ثابت ہو رہی ہے جب کہ "عدم سماع عن النبیؐ" میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسے انہوں نے "لایصح لہ من سماع" (تھذیب التھذیب جلد 6۔ص 221) کے الفاظ سے واضح کیا ہے۔ "عدم سماع" کا حضرت مروانؓ کی صحابیت پر مطلقاً کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ بیسیوں صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جو "عدم سماع" کے باوجود جماعت صحابہ میں شامل ہیں۔

حضرت مروانؓ کے بارے میں اگر محض "احتمال" بھی ہوتا اور کسی کتاب میں "رؤیت" کا ذکر نہ ہوتا تو پھر بھی وہ "غلبۂ ظن" کے اصول کے تحت "صحابی" ہیں لیکن یہاں تو "غلبۂ ظن" ہی نہیں بلکہ "رؤیت" کی جابجا "تصریحات" پائی جاتی ہیں جن کی بناء پر ان کے صحابی ہونے میں کسی ادنیٰ شک کی بھی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔:

"مروان من اقران ابن الزبیر والمسور بن مخرمۃ"، "فھو قد ادرک حیاۃ النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم" (منھاج السنہ جلد 3۔ص 189)،

"قبض رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم و مروان بن الحکم ابن ثمان سنین" (طبقات ابن سعد جلد 5 ص 36)

"ولد بعد الھجرۃ بسنتین ___ مات النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وھو ابن ثمان سنین" (طبقات ابن سعد جلد 5۔ص 36)،

"ولد بعد الھجرۃ بسنتین ___ مات النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم و ھو ابن

ثمان سنین "(الا صابہ جلد 3۔ص 477)۔

"مولدہ بمکۃ و ھواصغر من ابن الزبیر باربعۃ أشھر۔"(سیر اعلام النبلاء جلد 3۔ص 476)۔

"ویمکن انہ راہ عام فتح مکۃ او عام حجۃ الوداع ــــ فقد یکون أبوہ حج مع الناس فراہ فی حجۃ الوداع ــــ فلایمکن الجزم بنفی رؤیتہ للنبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم"(منہاج السنہ۔جلد 3۔ص 189)۔

"و قیل لہ رؤیۃ"(ھدی الساری۔فتح الباری جلد 14۔ص 443)۔

"لایصح لہ منہ سماع"(تھذیب التھذیب جلد 6۔ص 221)۔

"و کان مروان قد لحق النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم"

(تاریخ خمیس۔جلد 2۔ص 306)۔

"ھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لأنہ ولد فی حیاۃ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم"(البدایۃ والنھایۃ جلد 8۔ص 257)

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے اگر چہ بعض حضرات کا کہنا تو یہی ہے کہ یہ صحابی تھے لیکن ابواحمد عسکری فرماتے ہیں کہ "اکثر المحدثین لایصححون لہ صحبۃ" اکثر محدثین ان کا صحابی ہونا صحیح نہیں قرار دیتے۔(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص 59)

جب کہ حضرت مروانؓ کے بارے میں اکثر حضرات "صحابی" ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

بہر حال حضرت مروانؓ طائفہ کثیرہ کے نزدیک صحابی ہیں البتہ روایت کے اعتبار سے تابعی ہیں مگر اس شان کے کہ ان کی وثاقت "مسلّمات" کا درجہ رکھتی ہے اور خود صحابہؓ نے ان سے روایت کی ہے جس کا ذکر آگے ایک مستقل عنوان کے تحت آ رہا ہے۔

محدث جلیل شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی (م 1394ھ) فرماتے ہیں کہ:

"حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" میں حضرت مروانؓ کو رجال بخاری اور سنن

اربعہ کے رواۃ میں شمار کیا ہے اور صحابہ میں ان کا شمار قسم ثانی میں یعنی ان صحابہ میں کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے مگر سماع ثابت نہیں۔ بہر حال ان کے صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر صرف رؤیت" کو صحابیت کے لیے کافی سمجھا جائے اور یہی جمہور کا قول ہے تو اب ان لوگوں کے اقوال پر التفات نہ کیا جائے گا جو ان میں کلام کرتے ہیں یعنی تنقید کرتے ہیں۔" (برأت عثمانؓ ص 38-39)

جمعیت علماء ہند کے ممتاز رہنما، "علمائے ہند کا شاندار ماضی" کے مصنف اور صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ امینیہ دہلی مولانا سید محمد میاں صاحبؒ (م 1395ھ) فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے لیے تو مودودی صاحب کا یہ انداز تحریر بھی لرزہ خیز ہے۔ مروان اور حکم جیسے بھی ہوں ان کو یہ سعادت حاصل تھی کہ سید الانبیاء رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت حاصل ہوئی تھی، متاعِ ایمان بھی ان کے پاس تھا، شرف مشابہت بھی حاصل ہوا تھا۔ دنیا بھر کے اربوں اور کھربوں انسانوں میں صرف ڈیڑھ یا دو لاکھ انسان ہیں جن کو متاعِ ایمان کے ساتھ سعادتِ زیارت اور شرفِ ہم کلامی حاصل ہوا۔ ان کی یہ سعادت باعث رشک اور موجب صد احترام ہے۔ یہ مودودی صاحب (اور ان جیسے حضرات) ہی کی جسارت ہے کہ ان کے متعلق وہ انداز اختیار کر رہے ہیں جیسے کسی بازاری شخص کے ساتھ جو مجرم اور ملزم بھی ہو۔" (شواہد تقدس اور تردید الزامات ص 153)

مفکر اسلام مولانا محمد اسحاق سندیلویؒ (م 1416ھ) مودودی صاحب کی یہ عبارت:

"جب حضرت حکم کو خارج البلد کیا گیا ہے تو مروان اس وقت 8/7 برس کا تھا" نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

"اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی صحابیت سے انکار کی گنجائش مودودی صاحب کے لیے بھی نہیں رہی۔ اس لیے کہ اس عمر بلکہ اس سے کم عمر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت رتبۂ صحابیت تک پہنچا دینے کے لیے کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کم عمری ہی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ بھی اسی زمرے میں آتے

ہیں۔ان کے علاوہ متعدد ایسے حضرات ہیں جنہوں نے اس سے بھی کم عمر میں شرف زیارت حاصل کیا تھا۔ان کا شمار بھی جمہور علمائے اہل سنت نے صحابہ میں کیا ہے۔پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت مروانؓ کو صحابی نہ سمجھا جائے۔"(اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت جلد اول ص 264)

ممتاز سلفی عالم مولانا حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں کہ:

"حضرت مروانؓ کے کردار کو جس طرح آج کل مسخ کر کے پیش کیا جارہا ہے وہ انتہائی نامناسب حرکت ہے۔مروان رضی اللہ عنہ صغار صحابہ کے اس زمرے میں شامل ہیں جس میں حضرت حسنؓ و حسینؓ کا شمار ہے۔ان حضرات کی بعض کوتاہیوں کو بنیاد بنا کر سرے سے ان کے شرف صحابیت کا انکار کردینا یا کم از کم ان کا وہ احترام ملحوظ نہ رکھنا جو تقاضائے صحابیت ہے،اہل سنت کے مزاج وعقیدے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

کسی صحابی کا کبار صحابہ میں نہ ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ احترام صحابیت کے کم از کم درجے کا بھی مستحق نہ رہے۔یہ انداز فکر عام ہو جائے تو اس طرح ان ہزاروں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس خاک میں مل جائے گی جن کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے جن میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت حسنؓ اور حسینؓ بھی شامل ہیں۔یہ تینوں بھی مروان رضی اللہ عنہ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت عہد طفولیت میں تھے۔"(خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت ص 249)

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے اس احتمال پر صرف تین ماہ کے بچے محمد بن ابی بکر کو "صحابی" تسلیم کرلیا کہ ان پر رحمت للعالمین کی نظر رحمت تو پڑی ہوگی۔اگرچہ کسی کتاب میں اس کی تصریح نہیں دیکھی۔صحابی کی جو متفق علیہ تعریف ہے اس میں وہ شامل نہیں ہوتے۔تبرکاً ان کو صحابہ کرامؓ میں شمار کیا جائے گا۔

(ماہنامہ حق چاریار۔قائد اہل سنت نمبر۔اشاعت خاص 384)

جناب محمد بن ابی بکر کے برعکس حضرت مروانؓ جن کے بارے میں "صحابیت" کی باقاعدہ تصریح پائی جاتی ہے اور وہ صحابہ کی "قسم ثانی" کی متفق علیہ تعریف میں بھی داخل ہیں

ان پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں ۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (م 728ھ) حضرت مروانؓ اور محمد بن ابی بکر کا تقابل کرتے ہوئے صاف طور پر لکھتے ہیں کہ:

"ولا هو(ای محمدبن ابی بکر) اشهر بالعلم والدین منه(یعنی من مروان)بل أخرج اهل الصحاح عدة أحادیث عن مروان وله قول مع اهل الفتیا ....ومحمدبن ابی بکر لیس بهذا المنزلة عند الناس ولم یدرك من حیاة النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم الّا أشهرا قلیلة من ذی القعدة الی اول شهر ربیع الاول فانه ولدبالشجرة لخمس بقین من ذی القعدةعام حجة الوداع ومروان من اقران ابن الزبیرفهوقد أدرك حیاة النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم....

ومات النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ومروان لم یبلغ الحلم باتفاق أهل العلم غایته ان یکون له عشر سنین اوقریب منها وکان مسلماباطنا وظاهرا یقرأ القران ویتفقه فی الدین ولم یکن قبل الفتنة معروفا بشیء یعاب فیه فلاذنب لعثمان فی استکتابه وأما الفتنة فاصابت من هو افضل من مروان۔"

(منهاج السنةا لجزء الثالث ص189، 197)

اور نہ ہی محمد بن ابی بکر علم اور دین میں حضرت مروان سے زیادہ مشہور ہیں بلکہ اہل صحاح نے حضرت مروانؓ کی متعدد احادیث کی تخریج کی ہے اور انہیں اہل فتویٰ میں شمار کیا ہے ۔

جب کہ محمد بن ابی بکر کا اہل علم کے نزدیک یہ مقام و مرتبہ نہیں ہے اور نہ ہی انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے سوائے چند ماہ کے جو ذی قعدہ سے ربیع الاول کے آغاز تک ہیں کیونکہ وہ حجۃ الوداع کے سال جب ذی قعدہ کے ختم ہونے میں پانچ دن باقی رہ گئے تھے ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے ۔(اس کے برعکس) حضرت مروان رضی اللہ عنہ ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طبقے سے ہیں اور انہوں نے نبی اکرمؐ کا زمانہ پایا ہے ۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو باتفاق اہل علم حضرت مروانؓ بلوغت کو نہیں پہنچے تھے ۔زیادہ سے زیادہ ان کی عمر دس سال یا اس کے لگ بھگ تھی ۔

اور حضرت مروان ظاہراً و باطناً مسلمان تھے۔قرآن پڑھتے تھے اور دین کا علم حاصل کرتے تھے۔

اور بلوائیوں کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے محاصرہ یعنی ''فتنہ'' کے دور سے پہلے حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر کسی طرح کا کوئی اتہام نہ تھا تو پھر ایسے (لائق، فاضل و قابل اور اہل) شخص کو کاتب بنانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا قصور ہے؟ باقی رہا دورِ فتنہ تو اس میں مبتلا ہونے سے تو حضرت مروانؓ سے افضل لوگ بھی نہ بچ سکے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت مروانؓ بلاشبہ صحابی ہیں لہٰذا قرآن وحدیث میں صحابہ کی جو خصوصیات اور مناقب و فضائل ثابت ہوئے ہیں وہ سب کے سب لامحالہ حضرت مروانؓ کے لیے بھی ثابت ہوں گے۔

اور وہ تمام آثار و لوازمِ صحابیت اور صحابہ کے وہ تمام حقوق جو کتاب وسنت نے امت پر عائد کیے ہیں وہ سب کے سب حضرت مروانؓ کے لیے بھی ماننے پڑیں گے۔ہمیں تاریخی طور پر نہیں بلکہ بطور عقیدہ کے اس پر ایمان لانا پڑے گا کہ حضرت مروانؓ بوجہ صحابی ہونے کے متقی، عدول، پاک باطن، صاف ظاہر، حبِّ جاہ و مال سے بری، ہوسِ اقتدار سے بالاتر اور ان تمام رذائلِ نفس سے پاک تھے جو ان مقدسین سے بنصِ کتاب وسنت دھو دیے گئے تھے۔

علاوہ ازیں صحابہ کے خلاف اور مخالف اقدام کرنے والوں کا کتاب وسنت میں جو حکم ہے وہ بھی بلاشبہ مخالفین مروانؓ پر عائد ہونا، ناگزیر ہوگا۔(مستفاد از ''شہید کربلا اور یزید'' ص 76/52 مؤلفہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے حالات قبل از خلافت

سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما نجیب الطرفین قریشی و اموی ہیں ۔ہجرت نبوی سے 8 سال یا 17 سال پہلے جب کہ اکثر مؤرخین کے نزدیک ہجرت کے 2 سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت 18 سال ، 27 سال ، 10 سال یا 8 سال (علیٰ اختلاف الاقوال) عمر تھی ۔ارباب سِیَر اور اکثر مؤرخین نے حضرت مروانؓ کی عمر کے بارے میں مؤخر الذکر قول کو ترجیح دی ہے ۔

فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد حضرت حکمؓ اور خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک اپنے والد کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہی قیام پذیر رہے ۔قدیم مؤرخ علامہ محمد بن سعد حضرت حکمؓ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"الحکم ......اسلم یوم فتح مکة ولم یزل بها حتی کانت خلافة عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنه فاذن له فدخل المدینة فمات بها فی خلافة عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنه وهو ابو مروان وعم عثمان بن عفان"

(طبقات ابن سعد جلد 5 ص 331 تحت الحکم بن ابی العاص)

حضرت حکم رضی اللہ عنہ ....فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور خلافت عثمانی تک وہیں (یعنی مکہ میں) رہے ۔پھر حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے دوران مدینہ سکونت اختیار کرنے کی اجازت دے دی تو یہ مدینہ آگئے اور ان ہی کی خلافت میں ان (یعنی حکمؓ) کا انتقال ہوا ۔اور یہ مروانؓ کے والد اور عثمانؓ کے چچا ہیں ۔

حضرت حکمؓ کا تعلق قریش کی شاخ بنوامیہ سے تھا ۔بڑا خاندان ہونے کی وجہ سے اس کے کچھ افراد مکہ اور مدینہ کی طرح "طائف" میں بھی مقیم تھے ۔مکہ کے جنوب مشرق میں تقریباً 65 کلومیٹر کے فاصلے پر ، جبل غزوان پر واقع "طائف" عرب کے قدیم ترین

شہروں میں سے ایک ہے۔طائف اچھی آب وہوا اور زرخیزی و شادابی کے لیے مشہور ہے۔ یہاں پھل دار درختوں کی کثرت ہے۔زیادہ تر انگور،منقیٰ،کیلا اور انار پیدا ہوتا ہے۔

''طائف''ایک سرد علاقہ ہے اس لیے زمانہ قدیم سے یہ شہر اہل مکہ کا ''مصیف'' (گرمائی مقام) رہا ہے۔آج کل بھی یہ سعودی حکومت کا گرمائی صدر مقام ہے۔

اکثر رؤساءمکہ نے موسمِ گرما گزارنے کے لیے طائف میں مکانات تعمیر کر رکھے تھے؛ ان میں عتبہ،شیبہ اور حضرت حکمؓ بھی شامل تھے جن کی زمانہ جاہلیت میں بھی وہاں آمدورفت رہتی تھی۔ چنانچہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی حضرت حکمؓ نے اپنا معمول جاری رکھا تا آنکہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں حضرت حکمؓ،حضرت مروانؓ اور دیگر افرادِ کنبہ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔یہیں 32ھ میں حضرت حکمؓ انتقال فرما گئے۔حضرت عثمانؓ خلیفہ راشد نے ان کی نماز جنازہ پڑھا کر انہیں جنت البقیع میں دفن کر دیا۔

حضرت مروانؓ یزید کے دور آخر یعنی واقعہ حرہ تک مدینہ منورہ ہی میں قیام پذیر رہے۔سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کے منصب خلافت پر فائز ہونے سے پہلے ان کے ''حالات وخدمات'' کو مختلف ذیلی عنوانات:

''سیدنا مروانؓ عہد عثمانی میں،سیدنا مروانؓ بحیثیت کاتب،حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے وقت سیدنا مروانؓ کا کردار،سیدنا مروانؓ عہد مرتضوی میں،سیدنا مروانؓ بحیثیت گورنر، سیدنا مروانؓ بحیثیت امیر حج اور سیدنا مروانؓ بحیثیت قاضی'وغیرہم کے تحت نذر قارئین کیا جاتا ہے:

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ عہدِ عثمانی میں

حضرت مروان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے والد جناب حکم رضی اللہ عنہ اور دیگر افراد کنبہ کے ساتھ زیادہ تر مکہ مکرمہ اور طائف میں ہی قیام پذیر رہے۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ فن کتابت میں بھی مہارت حاصل کی جس میں ان کے خاندان کے بعض افراد ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں صغیر السن ہونے کی وجہ سے کوئی نمایاں کام ان کی طرف منسوب نہیں ہو سکا البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی صلاحیتیں بھی نکھر کر سامنے آتی گئیں۔

حضرت مروانؓ بڑے زیرک، معاملہ فہم، اچھے منتظم اور نہایت ہی جرأت مند انسان تھے۔ مکہ مکرمہ اور طائف دونوں شہروں میں عند الناس وہ بہت مقبول تھے۔ ان کی ان ہی دینی، انتظامی اور اخلاقی خوبیوں اور اوصاف کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت راشدہ میں انہیں مکہ مکرمہ اور طائف کا حاکم مقرر کر دیا۔ ملاحظہ ہو: (مسجد نبویؐ کے پاس صحابہ کے مکانات ص 74۔ مؤلفہ ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی)

بعد میں خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ کی طرف سے حضرت مروانؓ کو ''البحرین'' کے علاقہ کا والی و حاکم مقرر کیا گیا۔ چنانچہ قدیم مؤرخ خلیفہ بن خیاط بحرین کے والیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''...ومن ولّاہ علیھا مروان بن الحکم''

(تاریخ خلیفہ بن خیاط۔ الجزء الاول ص 159۔ تحت تسمیۃ عمّال عثمانی)

حضرت عثمانؓ کے دور میں جو لوگ بحرین کے علاقہ کے والی و حاکم بنائے گئے ان میں مروان بن حکمؓ بھی ہیں۔ حضرت مروانؓ عہد عثمانی میں والی و حاکم کے فرائض سرانجام دینے کے علاوہ جہاد و عسکریت کے محاذ پر بھی سرگرم رہے۔ افریقہ کی جنگ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کی امداد اور کمک کے لیے مدینہ منورہ سے جو عظیم لشکر بھیجا تھا ان میں حضرت مروانؓ بھی شامل تھے۔ (فتوح البلدان ص 234۔ تحت عنوان ''فتح افریقہ'')

مدینہ منورہ میں حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا گھر

ظاہر ہے کہ مکہ اور طائف میں تو ان کے اپنے مکانات موجود تھے جہاں انہوں نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ بسر فرمایا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے جہاں انہوں نے 30 سال سے زائد عرصہ تک مسجد نبوی کے پڑوس میں قیام کیا۔

ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں جنہوں نے نہایت ہی محنت اور عرق ریزی سے ''مسجد نبوی کے پاس سقیفہ بنو ساعدہ، جنازہ گاہ اور جنت البقیع کے علاوہ جنوباً، شمالاً، شرقاً و غرباً صحابہؓ کے 50 مکانات کا محل وقوع اپنی کتاب ''بیوت الصحابه رضی الله عنهم حول المسجد النبوی الشریف'' میں محفوظ کر دیا ہے۔

موصوف نے اس کتاب میں جنوبی جانب (جس طرف قبلہ ہے) صحابہؓ کے مکانات میں ''حضرت مروان بن حکم (رضی اللہ عنہما) اور ان کا مکان'' کا عنوان قائم کر کے شروع میں صاحب مکان کا مختصر تعارف بھی کرایا ہے کیونکہ ان کے اپنے قول کے مطابق ''مکین ہی کے مقام و مرتبہ سے مکان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

آپ (مروان رضی اللہ عنہ) کا مکان:۔

عبداللہ بن عمرؓ کے مکان سے مغرب اور مسجد نبوی سے جنوبی جانب واقع تھا۔ کچھ حصہ مسجد کی مغربی جانب مڑ کر ''باب السلام'' تک آتا تھا۔ مروانؓ کے بعد اس مکان کو مدینہ کے حکام نے اپنا مرکز بنایا جو مدینہ کا گورنر بن کر آتا وہ اسی میں قیام کرتا۔ بالآخر سلطان قلاوون آئے اور 686ھ میں اس گورنر ہاؤس کو وضو خانہ میں تبدیل کر دیا جو نویں صدی ہجری تک باقی رہا۔

پھر اس جگہ پر ''مدرسہ بشریہ'' بنا دیا گیا جو حکومت سعودیہ کی پہلی توسیع تک (جو شاہ عبدالعزیز مرحوم کے زمانہ میں 1372ھ میں ہوئی) باقی رہا۔ لیکن اس توسیع کے بعد اس مدرسہ کا کچھ حصہ مسجد کی جنوبی شاہراہ میں ضم ہو گیا اور کچھ حصہ پر ''محکمہ شرعیہ'' کی عمارت

بنائی گئی ۔ پھر یہ محکمہ بھی خادم حرمین شریفین شاہ فہد کی توسیع کے دوران منہدم کر کے اس کی زمین کو جنوبی ہال اور جنوبی صحن میں شامل کرلیا گیا ۔

(''مسجد نبوی شریف کے پاس صحابہؓ کے مکانات'' ص 74-75)

یہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی سعادت ہے کہ آج ان کا مکان مسجد نبوی میں شامل ہو گیا ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بحیثیت کاتب

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں مختلف علاقوں میں ایک والی وحاکم اور اسلامی جنگوں میں ایک مجاہد اسلام کی حیثیت سے گراں قدر خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی خلافت کے آخری دور میں ''کاتب'' کے منصب پر بھی فائز فرما دیا۔ اس منصب کو عصر حاضر کی اصطلاح میں ''سیکرٹری'' یا ''چیف سیکرٹری'' کی طرح سمجھنا بالکل خلاف واقع ہے۔ کیونکہ قبل ازیں خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے جب کہ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اس منصب پر اپنی خدمات سرانجام دے چکے تھے اور انہیں کسی نے بھی ''سیکرٹری'' قرار نہیں دیا۔ البتہ بنو عباس کے دور میں اس ''کاتب'' کے منصب کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ قدیم مؤرخ خلیفہ بن خیاط لکھتے ہیں کہ:

"... وکاتبہ مروان بن الحکم"

(تاریخ خلیفہ بن خیاط۔ الجزء الاول ص 157۔ تحت عمال عثمانی)

علامہ ابن حجر عسقلانی تو ''کاتب'' کے منصب سے ہی حضرت مروانؓ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیة بن عبدالشمس بن عبدمناف القرشی الاموی أبو عبدالملك وهو ابن عم عثمان وكاتبه في خلافته...."

(الاصابہ الجزء الثالث ص 477۔ تحت حرف المیم۔ القسم الثانی)

مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف القرشی الاموی۔ عبدالملک کے والد اور حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی ہیں اور ان کے عہد خلافت میں ان کے کاتب رہے ہیں...

حضرت عثمانؓ نے حضرت مروانؓ کو کسی قرابت کی بناء پر کسی بھی منصب پر ہرگز فائز نہیں کیا تھا بلکہ ہر منصب پر تقرری کرتے ہوئے میرٹ اور اہلیت کا خیال رکھا اور انہوں نے بھی ہر منصب پر اپنے انتخاب کو درست اور صحیح ثابت کر کے دکھایا۔ ''کاتب'' کا عہدہ بھی انہیں ''اہلیت و قابلیت'' کی بنیاد پر ہی دیا گیا۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون (م 808ھ) ''کاتب'' کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''خوب یاد رکھیے کہ کاتب کو اونچے طبقے کا ہونا ضروری ہے۔اس کے لیے مروت و حیا اور وسعت معلومات کا ہونا بھی لازمی ہے اور بلاغت میں تو اپنی مثال آپ ہو۔کیونکہ سلاطین کی مجلسوں میں جو شاہی احکام جاری ہوتے ہیں ان کی گہرائی تک پہنچنے اور ان کے نتائج مرتب کرنے کے لیے وسیع معلومات کی بے حد ضرورت ہے۔علاوہ ازیں شاہی مجالس میں اٹھنے بیٹھنے کے لیے اعلیٰ قسم کے آداب و اخلاق فاضلہ کی انتہائی ضرورت ہے اور حسب مقاصد فرامین لکھنے میں بلاغت و اسرار بلاغت کی بھی بہت زیادہ ضرورت ہے...(اس کے بعد علامہ ابن خلدون ''کاتب کے شرائط'' کے حوالے سے عبدالحمید کاتب کا ایک طویل خط نقل کرتے ہیں جو انہوں نے کاتبوں کو لکھا تھا اس میں سے چند امور ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:)

حق تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں اپنی رحمت میں گھیرے، تمہیں نیک عملوں کی توفیق دے اور ہدایت پر قائم رکھے....

اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے حد شریف پیشہ بخشا ہے، تمہیں ادیب و عالم اور ارباب مروّت و متانت بنایا، خلافت میں تمہاری ہی بدولت چار چاند لگتے ہیں۔وہ خوبصورت بنتی ہے، اس کے تمام کام ٹھیک ٹھاک رہتے ہیں اور حق تعالیٰ صرف تمہاری خیر خواہی کی وجہ سے لوگوں کے لیے سلطان کی اصلاح فرماتا ہے اور تمہارے ملک آباد رہتے ہیں....

اے کاتبو! آداب کی تمام قسموں کی طرف رغبت کرو، سب کو شوق سے سیکھو اور دینی علم حاصل کرو، اس میں گہری سمجھ بوجھ پیدا کرو۔پہلے اللہ کی کتاب کا علم (تفسیر اور فرائض) پڑھو۔

پھر عربی اور اس سے متعلقہ علوم سیکھو کیونکہ اسی سے تمہاری زبانیں صحیح و درست ہوتی ہیں۔پھر خوش خطی میں کمال پیدا کرو کیونکہ خوش خطی تمہارے خطوط کا حسن و جمال اور زیور ہے۔

عربی اشعار زیادہ سے زیادہ یاد رکھو،مشکل اشعار پہچانو،ان کے معانی سمجھو۔عرب و عجم کی تاریخیں پڑھو اور ان کے واقعات و حالات جانو کیونکہ یہ باتیں تمہارے پیشے کے لیے معاون ہیں...."(مقدمہ ابن خلدون حصہ دوم ص 85 تا 88)

حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے بحیثیت ایک"کاتب" بھی اپنے فرائض بطریق احسن سرانجام دیے۔اس پورے دور میں ان کی ذات اور اہلیت پر کوئی سوال نہیں اٹھایا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چند دن قبل ان کی طرف جو جعلی خط منسوب کیا گیا ہے اس کی تفصیل زیر نظر کتاب میں آگے زیر عنوان"حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ" آرہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے وقت سیدنا مروانؓ کا کردار

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت بارہ سالوں (محرم 24ھ تا 18 ذی الحج 35ھ) پر محیط ہے۔ اسلامی سلطنت کا رقبہ دور فاروقی کے رقبہ (22 لاکھ مربع میل/35 لاکھ 39 ہزار 8 سو مربع کلومیٹر) سے دوگنا بڑھ کر 44 لاکھ مربع میل (70 لاکھ 79 ہزار 6 سو مربع کلومیٹر) تک وسیع ہو گیا تھا۔ اسلام کی سرعت سے یہ ترقی یہود و مجوس کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اس لیے انکی شہ پر کوفہ، بصرہ اور مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت سے معزولی اور استعفیٰ کا مطالبہ کرتے ہوئے دار الخلافہ مدینہ منورہ کی طرف "لانگ مارچ" کر دیا۔ یہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے باقاعدہ "قصر خلافت" کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ دو قسطوں میں 49 دن، 40 دن، 22 دن (علیٰ اختلاف الاقوال) تک جاری رہا۔ پہلا محاصرہ 12 دن جب کہ دوسرا محاصرہ 28 دن کا تھا۔ اس طرح محاصرہ کی کل مدت 40 دن بنتی ہے جو اکثر مؤرخین کا قول ہے۔

"محاصرے اور دھرنے" کے پہلے 30 دنوں میں حضرت عثمانؓ مسجد میں آتے جاتے اور نماز پڑھاتے تھے لیکن اس کے بعد بلوائیوں نے نہ صرف مسجد میں آنے جانے اور نماز پڑھنے سے روک دیا بلکہ گھر میں پانی اور اناج کی ترسیل پر بھی پابندی لگا دی۔

گھر سے باہر حفاظت کے لیے حضرات عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حسن بن علی، حسین بن علی اور مروان بن الحکم رضی اللہ عنہم وغیرہم برابر موجود رہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو قسم دے کر کہا کہ:

جس شخص پر میرا کوئی حق ہے وہ باغیوں کے مقابلہ سے اپنا ہاتھ روک لے اور اپنے گھر چلا جائے۔

مگر اس حکم کے باوجود یہ حضرات خلیفہ وقت کی حفاظت اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، یہاں تک کہ بلوائیوں کی سنگ باری، تیر اندازی اور حملوں سے متعدد مرتبہ زخمی بھی ہوئے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

”و جرح عبداللہ ابن الزبیرؓ جراحات کثیرۃ و کذلك جرح حسن بن علیؓ ومروان بن الحکمؓ“(البدایة والنهایة جلد7۔ص 188)

اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شدید زخمی ہوئے اور اسی طرح حسن بن علی اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہم بھی شدید زخمی ہوئے۔

امام موصوف مزید لکھتے ہیں کہ”باغیوں نے گھر پہ دھاوا بول دیا، ان کے مقابلہ میں حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر، محمد بن طلحہ، مروان بن حکم، سعید بن العاص رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ جو ابنائے صحابہ تھے ڈٹ گئے اور قتال شروع ہو گیا۔“(حوالہ مذکور ص 190)

باغی آگے بڑھے اور دروازہ اور سائبان کو آگ لگا دی۔ گھر میں جو لوگ تھے بھڑک اٹھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا لیکن مغیرہ بن اخنس، حسن بن علی، محمد بن طلحہ، سعید بن العاص، مروان بن حکمؓ اور ابو ہریرہؓ نے ڈٹ کر قتال کیا....

اس دن قریش کے چار نوجوان زخمی ہوئے حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر، محمد بن حاطب اور مروان بن حکم جب کہ مغیرہ بن اخنس، نیار بن عبداللہ اسلمی اور زیاد فہری رضی اللہ عنہم قتل ہوئے۔ (تاریخ الطبری جلد 5۔ص 404، البدایة والنہایة جلد 7۔ص 196)

مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی لکھتے ہیں کہ:

”تاہم حضرت عثمانؓ کے مکان میں ان کی حفاظت کے لیے تقریباً سات سو کی جمعیت موجود تھی۔ اس جمعیت میں حضرات حسنؓ، حسینؓ، حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمد اور حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ، ابو ہریرہؓ، سعید بن عاصؓ، مروانؓ وغیرہ شامل تھے۔ ان محافظین کی مفسدین سے کئی مرتبہ جھڑپیں ہوئی۔ مروان تو اس قدر زخمی ہوا کہ زندگی کی کوئی توقع نہ رہی...“(تاریخ ملت جلد اول ص 247)

جملہ ارباب سیَر اور تاریخ نے محاصرہ عثمانی کے وقت حضرت مروانؓ کے مزاحمتی کردار اور زخمی ہونے کا صراحتاً ذکر کیا ہے لیکن جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ایک سابق استاذ

حدیث مولانا عبدالرشید نعمانی کو حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا یہ مزاحمتی کردار انتہائی ناگوار گزرا اور وہ تاریخ اسلام کے اس نازک موقع پر بھی حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے اس عظیم دفاعی کردار کو ہدفِ تنقید بنا گئے۔ چنانچہ موصوف طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اس امر کا تو ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی مجلس (عثمان غنیؓ) کے ممدوح شیر بہادر (مروان) نے اس روز بہادری خوب دکھائی تھی مگر قدرت کی اس ستم ظریفی کا کیا علاج کہ جناب مروان نے اس روز جتنے زخم کھائے سب پیچھے ہی کی طرف سے کھائے۔ چنانچہ اس بہادری کے صلہ میں اسی روز سے تاریخ میں جناب کا لقب "مضروب القفا" (جس کی گدی پر ضرب رسید کی گئی ہو) پڑ گیا اور "خیط باطل" (جھوٹ کا دھاگا) کا خطاب تو پہلے ہی سے حاصل تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا جناب نے اپنی ذہانت سے کاروائی ہی ایسی فرمائی تھی کہ جس سے اصلاح کی بنی بنائی صورتِ حال بگڑ کر فوری اشتعال پیدا ہو گیا اور پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھل سکا اور آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا...."

(حادثہ کربلا کا پس منظر۔ ص 107۔ مطبوعہ مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور)

بالآخر اسی محاصرہ کے دوران حضرت عثمانؓ جمعہ کے دن 18 ذی الحجہ 35ھ روزے اور تلاوت کی حالت میں قتل کر دیے گئے جن کی مظلومیت کا حال یہ تھا کہ ان کی نماز جنازہ میں بھی زیادہ سے زیادہ شرکاء کی تعداد 17 تھی۔

آپؓ کی نماز جنازہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے پڑھائی ہے۔ زبیر بن عوام، حکیم بن حزام، مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کا نام بھی اس سلسلہ میں مروی ہے لیکن راجح یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کو دفن کیا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وصیت کی تھی۔ ملاحظہ ہو:

(البدایة والنهایة جلد 7۔ ص 199۔ الموسوعة الحدیثیة مسند الامام احمد جلد 1 ص 555)

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ عہدِ مرتضویؓ میں

امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک اور الم ناک شہادت کا سانحہ فاجعہ جمعہ کے دن 18 ذی الحجہ 35ھ کو پیش آیا۔ تاریخِ اقوامِ عالم میں اس عظیم سانحہ سے زیادہ عبرت ناک واقعہ کوئی اور نہیں گزرا جس میں ایک شریف النفس اور حلیم الطبع مظلوم نے اپنے دفاع میں ہر قسم کی قدرت رکھنے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور امت کی خون ریزی سے اجتناب کی خاطر اپنا ہاتھ روک لیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے نازک، پُر آشوب اور ہنگامی دور میں جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو سب سے پہلے انہیں قصاص کے معاملے سے ہی دوچار ہونا پڑا؛ پھر پورا دور اسی کی نذر ہو گیا۔ تختِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپؓ کو ایک دن کے لیے بھی داخلی انتشار سے فراغت نہ ملی جس کی وجہ سے وہ نہ تو بیرونی فتوحات کی جانب متوجہ ہو سکے اور نہ ہی اس دور میں عمرہ یا حج ہی کی سعادت حاصل کر سکے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں قصاص عثمانؓ کے مطالبے کی صدا گونجنے لگی۔ ہر صوبے سے بیک وقت یہ آواز بلند ہوئی کہ قاتلین کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کے ہزاروں افراد نے بیعت سے انکار کر کے حتیٰ کہ سینکڑوں نے بیعت توڑ کر ''قصاص عثمانؓ'' کا مطالبہ کر دیا۔

کیونکہ حضرتؓ کا قتل نہ صرف ایک مسلمان کا، نہ صرف ایک صحابی کا بلکہ صحابہ کرامؓ کے سربراہ اور خلیفہ راشد کا قتل ہے بغیر کسی وجہ کے قتل ہے۔ مرکز اسلام مدینہ منورہ میں، روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں قتل ہے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ایک روزہ دار کا قتل ہے۔ اس سانحہ فاجعہ سے نہ صرف حضرت عثمانؓ کی ذاتی بے حرمتی ہوئی بلکہ ایک امام و خلیفہ راشد کی بے حرمتی ہوئی، منصب خلافت و دار الخلافہ کی بے حرمتی ہوئی (جس کا سارا دبدبہ و جلال خاک میں ملا دیا گیا) اور سب سے بڑھ کر مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور مسجد نبوی کی بے حرمتی بھی ہوئی۔ ان وجوہات سے خون عثمانؓ کے قصاص کی اہمیت کس قدر زیادہ ہو جاتی ہے۔

طالبین قصاص کا اس سے زیادہ کوئی مطالبہ نہیں تھا کہ قاتلین عثمانؓ (جنہوں نے خلیفہ وقت کے گردنہ صرف گھیرا ڈال رکھا ہے بلکہ وہ ان کے لشکر میں اعلیٰ مناصب پر بھی فائز ہیں) سے قصاص لیا جائے جس کے لینے کا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر ایک درخت کے نیچے بذریعہ "بیعتِ رضوان" پندرہ سو قدسی صحابہ سے عہد لیا تھا۔ یہ "بیعت" اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ اس کا ذکر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قرآن میں محفوظ کر دیا گیا۔ یہ ایک واضح حکم تھا کہ عثمانؓ کا خون اتنا ارزاں نہیں کہ جب وہ بہے تو لوگ خاموش بیٹھے رہیں۔

علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا آیت کریمہ "کتب علیکم القصاص فی القتلی...." کی نص صریح کے مطابق بھی فرض تھا۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس "فرض" سے غافل نہیں تھے اور طالبین قصاص کے موقف کے ساتھ متفق تھے۔ اختلاف صرف تعجیل و تاخیر کا تھا۔ چنانچہ جب حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے ان سے مدینہ منورہ ہی میں بیعت کے بعد قصاص کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا:

"بھائیو! جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی بے خبر نہیں ہوں مگر ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر.... اللہ کی قسم! میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آجانے دیجیے تا کہ لوگوں کے حواس بر جا ہو جائیں، خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق حاصل کرنا ممکن ہو جائے۔"

(خلافت و ملوکیت ص 127-128۔ مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور)

یقیناً حضرت علیؓ اس اہم فرض سے غافل نہ تھے لیکن ان کی تدابیر کو ان کے ساتھ سایے کی طرح رہنے والے سفاک قاتلوں نے نہ صرف ناکام بنا دیا بلکہ سازش کر کے انہیں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقابل بھی لا کھڑا کیا جو "جنگ جمل" کے نام سے موسوم ہے اور جس میں بقول مؤرخین دونوں طرف سے ہزاروں مخلص مسلمان جام شہادت نوش کر گئے۔

یہ جنگ اس قدر جانی نقصان کے باوجود بالآخر صلح پر منتج ہوئی۔ جنگ کے خاتمے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں طرف کے مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی اور باقاعدہ انہیں دفن کر دیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ دونوں ہی اس بات سے بے خبر تھے کہ سبائی سازش سے معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا اس لیے اس حادثہ پر دونوں نے اظہار ندامت و افسوس کیا۔

آیت "وقرن فی بیوتکنّ ...." کے تحت حضرت عائشہؓ کا اظہار ندامت بیان کر کے یک طرفہ طور پر "معاندین" ان کے اقدام کی تغلیط ثابت کرتے رہتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ام المؤمنینؓ کو قصاص عثمانؓ کی تحریک پر افسوس نہیں تھا اور نہ ہی وہ اور ان کے رفقاء اپنے اس اقدام کو غلط سمجھتے تھے بلکہ انہیں اس بات پر غم اور افسوس تھا کہ "مساعی مصالحت" کے باوجود سبائی مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کرانے میں کامیاب ہو گئے، انہیں "حزن" اس امر پر تھا کہ مسلمانوں کا محترم خون بہا اور اعداءِ دین یعنی مارِ آستین سبائی منافقین کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا، انہیں "رنج" اس بات پر تھا کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے برکات و انوار سے دنیا محروم ہو گئی اور انہیں "ملال" اس بات پر تھا کہ سبائی منافق شہدائے جنگ جمل کے لہو سے اپنے دامن داغ دار کیے ہوئے اب بھی کھلے بندوں دندنا رہے ہیں اور اپنے عقائدِ باطلہ و افکار فاسدہ سے فضا کو مسموم بنا رہے ہیں۔

اگر ندامت و شرمندگی یا اظہار تأسف "اقدام و موقف" کے غلط ہونے کی دلیل بن سکتا ہے تو یہ ندامت اور اظہار تأسف خود حضرت علیؓ سے بھی ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

1۔ "انّ علیًا قال یوم الجمل اللّٰھم لیس ھذا اردت اللّٰھم لیس ھذا اردت"

(المصنف لابن أبی شیبۃ جلد 15۔ ص 275 تحت کتاب الجمل۔ طبع کراچی)

حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا: اے اللہ میرا ایسا ارادہ نہ تھا، اے اللہ میرا ایسا ارادہ نہ تھا۔

2۔ "قال علیؓ یوم الجمل یاحسن لیت اباك مات منذ عشرین سنة۔فقال له:یا ابت قد کنت انهاك عن هذا قال یا بنیّ انّی لم ار انّ الامر یبلغ هذا"

(البداية والنهاية جلد7۔ص 240)

حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا اے حسنؓ: کاش تیرا باپ آج سے بیس سال قبل فوت ہوگیا ہوتا۔ تو حضرت حسنؓ نے ان سے عرض کیا اے ابا جان! میں نے تو آپ کو اس جنگ سے روکا تھا۔حضرت علیؓ نے فرمایا: اے بیٹے میں نہیں جانتا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

"غرض مفسدین ومجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا اور جب فتنہ فرو ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے....

اسی طرح حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰؓ کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا۔فتنہ فرو ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ:

کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیاً منسیاً ہوگیا ہوتا۔" (تفسیر معارف القرآن جلد 7۔ص 138)

بہر حال "قصاص عثمان" کے ایک خالص "دینی وشرعی" مطالبے کے لیے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سمیت ہزاروں صحابہ وتابعین ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زیر قیادت جمع ہو گئے۔اس لشکر میں حضرت مروان بن الحکمؓ (جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم تھے) بھی شریک ہوئے۔انہوں نے نہ صرف یہ کہ جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا بلکہ زخمی اور اسیر بھی ہوئے۔پھر انہیں حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کی سفارش پر رہا کیا گیا۔اس بات کا ذکر اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب میں موجود ہے۔

چنانچہ ممتاز سنی محدث جناب سعید بن منصور (م 227ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے

جنگ جمل کے اختتام پر یہ اعلان کرایا کہ:

"....من اغلق علیه باب داره فهو امن و من طرح السلاح امن۔قال مروان وقد کنت دخلت دار فلان ثم ارسلت الی حسن وحسین ابنی علیؓ و عبدالله بن عباس و عبیدالله بن عباس و عبدالله بن جعفر کلموه قال هو امن..."(السنن لسعیدبن منصور ص 366۔باب جامع الشهادة طبع مجلس علمی کراچی)

جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا اس کو امان ہے، جس شخص نے ہتھیار پھینک دیے اس کو بھی امان ہے۔

حضرت مروانؓ کہتے ہیں کہ میں (اس وقت) فلاں شخص کے گھر میں تھا میں نے حضرات حسن بن علی، حسین بن علی، عبداللہ بن عباس، عبیداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سے کہا کہ وہ حضرت علیؓ سے میری امان کے متعلق بھی بات کریں۔جب انہوں نے ان سے گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ اسے بھی امان حاصل ہے۔

مشہور شیعہ مؤرخ ابوالحسن علی بن حسین مسعودی (م 346ھ) لکھتے ہیں کہ:

"وتکلم الحسن والحسین فی مروان فامنه و امن الولیدبن عقبة"

(مروج الذہب جلد 2۔ص 329۔تحت وقعة الجمل کلام بین ابن عباس وعائشة)

حضرت حسن اور حضرت حسینؓ نے مروان کے بارے میں حضرت علیؓ سے سفارش کی تو آپ نے مروان اور ولید بن عقبہ کو امان دے دی (پھر رہا کر دیا)

سید ابوالحسن شریف محمد رضی لکھتے ہیں کہ:

"اخذمروان بن حکم اسیراً یوم الجمل فاستشفع الحسن والحسین علیهما السلام الی امیرالمؤمنین علیه السلام فکلماه فیه فخلی سبیله....."

(نہج البلاغہ ص 231۔خطبہ نمبر 71 مطبوعہ امامیہ پبلی کیشنز لاہور)

جنگ جمل کے موقع پر مروان بن حکم کو گرفتار کیا گیا تو اس نے حسن و حسین علیہما السلام سے استدعا کی کہ وہ امیرالمومنین علیہ السلام سے اس کی سفارش کریں۔چنانچہ ان دونوں حضرات

نے امیر المومنین سے اس سلسلہ میں بات چیت کی تو حضرتؓ نے اسے رہا کر دیا۔

سخت تعجب ہے کہ ممتاز دینی سکالر اور سابق جسٹس ڈاکٹر علامہ خالد محمود نے ایک شیعی روایت کی بنیاد پر بالکل غلط مفہوم اخذ کرتے ہوئے اکابر علمائے دیوبند کی تحسین کے ساتھ ایک صحابی رسولؐ حضرت حکمؓ کی توہین و تنقیص کے علاوہ حضرت مروانؓ کو بھی ''یہودی'' ہاتھ قرار دے دیا۔ فیا اسفا! ملاحظہ فرمائیں:

سوال: حضور سرورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کو اس کی سازشوں کے باعث مدینہ سے نکال دیا تھا پھر اسے حضرت عثمانؓ نے واپس آنے کی اجازت دے دی تھی مگر اس نے پھر سازشیں شروع کر دیں یہاں تک کہ جنگ جمل میں گرفتار ہو گیا اور حضرت علیؓ کے ہاتھ لگ گیا۔

سوال یہ ہے کہ ایسے مفسد کو حضرت علیؓ نے کیوں چھوڑ دیا۔ حضور آں سرورؐ صلی اللہ علیہ وسلم جسے مدینہ سے باہر نکالیں حضرت علیؓ اس پر اتنے مہربان کیوں ہوئے؟

سائل: قاضی مسعود الحسن کلور کوٹ

جواب: یہ غلط ہے کہ مروان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے سزا کے طور پر نکالا تھا۔ مروان کی تو عمر ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے وقت بمشکل ایک سال تھی بلکہ بعض کہتے ہیں کہ وہ پیدا ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا۔

پس مروان کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی سازش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ سزا کے طور پر مدینہ سے نکالا گیا ہو۔

یہ مروان مدینہ سے باہر اپنے باپ حکم کے ساتھ مقیم تھا۔ یہاں تک کہ اس نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ نے جب اس کی بیعت قبول فرمائی تو حضرت عثمانؓ نے اسے مدینہ شریف بلا لیا۔

(بقول علامہ خالد محمود صاحب خلیفہ وقت حضرت عثمانؓ کی موجودگی میں یہ ''روحانی'' بیعت تھی۔ شاید ''روحانی بیعت'' کا آغاز بھی مروان ہی سے ہوا ہو کیونکہ اس سے پہلے تو اس کا کہیں وجود ہی نہیں تھا)

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں تعلقات کچھ اس قسم کے تھے کہ وہ ایک دوسرے کی بات کو رَد نہ کرتے تھے۔اب یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ حضرت علیؓ تو اسے قبول فرمائیں اور حضرت عثمانؓ اسے رَد کردیں۔حضرت عثمانؓ نے تو اس کے باپ حکم کو بھی مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دی کیونکہ اب وہ اس قدر بوڑھا اور ناکارہ ہو چکا تھا کہ اس سے کسی سازش کا امکان باقی نہ رہا تھا۔

حضرت عثمانؓ مقام اجتہاد پر فائز تھے۔انہوں نے اجتہاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو معلل بہ علت سمجھا اور جب وہ علت اور سبب جاتے رہے تو انہوں نے اسے واپس آنے کی اجازت دے دی۔

باقی رہا اس کے بیٹے مروان کا مسئلہ سواسے حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی روحانی بیعت میں قبول فرمایا تھا مگر افسوس کہ اس نے اس کے باوجود پھر سازشیں شروع کردیں (پہلے کب کی تھیں؟) لیکن اس سے حضرت علیؓ یا حضرت عثمانؓ پر کسی قسم کا حرف نہیں آتا۔علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔یہ حضرات عالم الغیب ہرگز نہ تھے۔انہوں نے ظاہر حالات پر نظر کرکے ارشادِ نبوت کو علت پر موقوف قرار دیا تھا۔

پھر جنگ جمل کے دن یہ گرفتار ہوا تو شہزادۂ صلح ووفا حضرت حسنؓ اور شہید جور و وفا (یہاں ''جفا'' ہونا چاہیے تھا۔شاید سہو کتابت سے ''وفا'' ہوگیا ہے۔ازمؤلف کتاب ہٰذا) شہزادۂ گلگوں قبا حضرت حسینؓ نے اس کی سفارش فرمائی۔حضرت علیؓ نے ان کی سفارش پر انہیں رہا کیا تھا۔اگر یہ بزرگ اس کی سفارش نہ کرتے تو حضرت مرتضیٰ اسے کبھی معاف نہ کرتے۔یہاں یہ گمان نہ کیا جائے کہ حضرت علیؓ کا نظام حکومت اپنے رشتہ داروں کی سفارشوں پر چلتا تھا کیونکہ اس رہائی کے احکام کے پس پشت حضرت عثمانؓ کے فیصلے کا احترام بھی کارفرما تھا۔بایں ہمہ حضرت علی المرتضیٰؓ مروان سے ناراض تھے آپ نے اسے رہا تو فرمادیا مگر یہ بھی ارشاد فرمایا:

اولم يبايعني قبل قتل عثمان لا حاجة لي في بيعته انها كف يهودية

ترجمہ: کیا اس نے حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پہلے میری بیعت نہیں کی تھی (یعنی بیعت روحانی کیونکہ اس وقت بیعت خلافت کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا) اب مجھے اس کی بیعت (خلافت) کی کوئی حاجت نہیں۔ یہ ایک یہودی ہاتھ ہے جس میں وفا نہیں۔

حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا اس مروان کی سفارش کرنا اور حضرت علیؓ کا اسے قبول کرنا یہ بھی نہج البلاغہ کے اسی مقام میں موجود ہے۔"

(عبقات ص 243-244۔ مطبوعہ دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور)

یہ ملحوظ رہے کہ "نہج البلاغہ" کی مذکورہ عبارت کے اردو ترجمہ میں بین القوسین "توضیح" بھی حضرت علامہ صاحب کے قلم سے ہے۔ کتاب "عبقات" دراصل اہل السنّت والجماعت کے ترجمان رسالہ ہفت روزہ "دعوت" لاہور کے پہلے دو سالوں پر مشتمل "باب الاستفسارات" کے مقبول ترین کالموں کی کتابی صورت ہے جو حضرت علامہ صاحب کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہیں۔

کتاب کے پہلے صفحہ پر یہ عبارت "سینکڑوں عنوانوں کے گرد گھومتی ہوئی ایک علمی، تاریخی اور تحقیقی پیش کش" اگر نہ بھی تحریر ہوتی تو پھر بھی مضمون نگار اور کالم نگار کا نام ہی کافی تھا۔ لیکن صد افسوس زیر بحث "سوال و جواب" میں "علمی، تاریخی اور تحقیقی" کا کوئی تصور تک نہیں پایا جاتا۔ کاش موصوف "اصولِ روایت و درایت" سے کچھ کام لے لیتے تو وہ صحابہ کی توہین و تنقیص کے مرتکب تو نہ ہوتے اور نہ ہی انہیں "بیعت روحانی" کی دور از کار تاویل اختیار کرنا پڑتی۔

"نہج البلاغہ" کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ کتاب میں اس مقام پر "وَلَمْ يُبَايِعْنِي بَعْدَ قتل عثمان" لکھا ہوا ہے جسے علامہ صاحب نے "قبل قتل عثمان" بنالیا (یا ممکن ہے ان کے پاس نہج البلاغہ کے موجود نسخے میں "قبل" ہی لکھا ہوا ہو) پھر اس غلط بنیاد پر جو "علمی، تاریخی اور تحقیقی" جواب رقم فرمایا ہے وہ صحابہ کی توہین کے علاوہ بالکل ہی لغو، بے بنیاد اور خلاف حقیقت ہے۔ قارئین کرام اب نہج البلاغہ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

جنگ جمل میں حضرت مروانؓ کی گرفتاری کے بعد جب حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی سفارش پر حضرت علیؓ نے انہیں رہا کر دیا تھا تو اس وقت ان دونوں نے یہ سفارش بھی کی تھی کہ:

فقالا له يبايعك يا امير المؤمنين ـ فقال عليه السلام اولم يبايعني بعد قتل عثمان لاحاجة لي في بيعته انها كف يهودية ـ لو بايعني بكفه لغدر لسبته اما ان له امرة كلعقة الكلب انفه وهو ابو الاكبش الاربعة وستلقى الامة منه ومن ولده يوما احمر ـ

(نہج البلاغہ ص 231 ،خطبہ نمبر 71۔ مطبوعہ امامیہ پبلی کیشنز لاہور)

ان دونوں (یعنی حسنؓ و حسینؓ) نے ان (حضرت علیؓ) سے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہے تو حضرت نے اس کے متعلق فرمایا:

کیا اس نے عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی؟ اب مجھے اس کی بیعت کی ضرورت نہیں ۔ یہ یہودی قسم کا ہاتھ ہے ۔ اگر ہاتھ سے بیعت کرے گا تو ذلیل طریقے سے توڑ بھی دے گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اتنی دیر حکومت کرے گا جتنی دیر کتا اپنی ناک چاٹنے سے فارغ ہو اور اس کے چار بیٹے بھی حکمران ہوں گے اور امت اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھوں سے سختیوں کے دن دیکھے گی۔

علامہ خالد محمود صاحب کے مذکورہ جواب سے قطع نظر اس تفصیل سے اتنی بات ضرور ثابت ہوگئی ہے کہ جنگ جمل کے بعد گرفتار مروانؓ کو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی سفارش پر رہائی نصیب ہوئی تھی۔

امام شمس الدین ذہبیؒ (م 748ھ) فرماتے ہیں کہ:

"وقاتل يوم الجمل أشد قتال .... وجُرح يومئذ فَحُمِلَ الى بيت امرأة فداووه واختفى فأمّنه عليٌ ، فبايعه و ردّالى المدينة" (سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث ص 479)

جنگ جمل کے دن حضرت مروانؓ نے سخت قتال کیا اور اس دن وہ زخمی ہو گئے ۔ وہ ایک عورت کے گھر اٹھا کر لائے گئے ۔ ان کے زخموں کا علاج کیا گیا اور اس بات کو خفیہ رکھا گیا۔

پھر حضرت علیؓ نے ان کو امان دی۔ پھر حضرت مروانؓ نے ان کی بیعت کر لی اور حضرت علیؓ نے ان کو مدینہ واپس بھیج دیا۔

یہ قول حضرتؓ کی شان اور ان کے اخلاق کے ساتھ زیادہ مناسبت اور مطابقت رکھتا

ہے کیونکہ جب رہائی کی بابت حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی سفارش قبول کر لی گئی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ بیعت کے حوالے سے ان کی سفارش مسترد کر دی جاتی بلکہ بیعت کے حوالے سے اگر کوئی سفارش نہ بھی ہوتی صرف حضرت مروانؓ کی اپنی خواہش ہوتی تو پھر بھی ''سیاسی اعتبار'' سے قبول و منظور کرنا حضرت علیؓ کی فتح تھی جو انہیں یقیناً حاصل ہوئی۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمانؓ کے مکان پر حملہ ہونے کے دن جسے ''یوم الدار'' کہتے ہیں وہ (یعنی مروانؓ) بری طرح زخمی ہوا۔ اس کے بعد اس نے جنگ جمل میں بھی حصہ لیا جس میں اسے کئی زخم آئے۔ اس نے ایک عورت کے گھر میں پناہ لی جس نے اسے چھپا لیا اور اس کے زخموں کا علاج کیا۔ بعد ازاں حضرت علیؓ کو پتہ چل گیا مگر انہوں نے اسے امان دے دی اور مدینہ بھیج دیا۔'' (اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد 20۔ص 476)

اس تفصیل سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت مروانؓ جنگ جمل کے بعد بصرہ سے زخمی حالت میں حضرت علیؓ کے حکم سے مدینہ منورہ آئے اور یہیں اپنے گھر مقیم رہے نہ وہ اس کے بعد شام گئے اور نہ ہی انہوں نے جنگ صفین میں حصہ لیا۔

اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے ایک مفروضے کے تحت یہ ''ہوائی'' خبر دی ہے کہ:

''جنگ جمل میں بہت سے بنوامیہ بھی شریک تھے اور اہل جمل کی طرف سے لڑے تھے۔ لڑائی کے بعد مروان بن الحکم، عتبہ بن ابی سفیان، عبدالرحمٰن و یحییٰ برادران مروان وغیرہ تمام بنوامیہ بصرہ سے شام کی طرف چل دیے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق میں پہنچے۔'' (تاریخ اسلام حصہ اول ص 404۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت مروانؓ کے حالات میں اشارۃً یہ بات لکھی ہے کہ:

"ثم شهد الجمل مع عائشة ثم صفين مع معاوية" (الاصابہ الجزء الثالث ص 478)

پھر وہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک ہوئے بعد ازاں انہوں نے حضرت معاویہؓ کی معیت میں جنگ صفین میں شرکت کی۔

لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی کی مؤخر الذکر بات اسی طرح خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت ہے جس طرح موصوف کی یہ بات کہ:

"(ثم شهد الجمل مع عائشة ثم صفين مع معاوية)ثم ولي امرة المدينة لمعاوية ثم لم يزل بها الى ان أخرجهم ابن الزبير في اوائل امرة يزيد بن معاوية"(حوالہ مذکور)

پھر وہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کے گورنر مقرر ہوئے پھر اس منصب پر اس وقت تک برقرار رہے جب تک عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید بن معاویہؓ کی خلافت کے اوائل میں انہیں مدینہ بدر نہیں کر دیا۔

یہ بات بھی خلاف واقع ہے کیونکہ حضرت معاویہؓ کے دور میں حضرت مروانؓ مدینہ منورہ کے مسلسل گورنر نہیں رہے بلکہ حضرت سعید بن العاصؓ اور ولید بن عتبہ بھی مختلف اوقات میں مدینہ کے گورنر بنائے گئے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عہد عثمانی میں اس قدر اہمیت اختیار کر جانے والے مروانؓ جنگ صفین کے طویل ترین دورانیے میں کسی بھی مرحلے پر، کسی بھی مقام پر اور کسی بھی لشکر کے "قلب، میمنہ یا میسرہ" یا کسی بھی جنگی پوزیشن پر اپنے جوہر کیوں نہیں دکھاتے؟

حتیٰ کہ حضرت مروانؓ "نیزوں" پر قرآن بلند کرتے وقت، "تحکیم" کے وقت، مقام "اذرح" میں "حکمین" کے فیصلہ سنانے کے وقت اور اس "تاریخی فیصلہ" کے گواہان کی فہرست میں بھی نظر نہیں آتے۔ لہٰذا امام ذہبی کی یہ رائے صحیح ہے کہ جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ سے امان حاصل کر کے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد وہ زخمی حالت میں مدینہ تشریف لے آئے تھے جس کی بناء پر وہ بعد کے واقعات میں شامل نہیں ہو سکے تا آنکہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بحیثیت گورنر

ربیع الاول 41ھ میں حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد اب حضرت معاویہؓ عالم اسلام کے متفقہ خلیفہ ہو گئے تھے۔ دورِ مرتضوی میں غیر جانبدار رہنے والے صحابہ و تابعین سمیت جملہ حضرات نے برضا و رغبت ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح امت مسلمہ کی خانہ جنگی اور انتشار و خلفشار کا دور ختم ہو کر امن و سلامتی میں تبدیل ہو گیا اور ملت اسلامیہ نے سکھ اور سکون کا سانس لیا۔ تاریخِ اسلام میں اس سال کو 'عام الجماعۃ' کا نام دیا گیا۔ اسی سال حضرت حسنؓ اپنے بھائی حضرت حسینؓ اور دیگر افراد خاندان کے ساتھ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ یہیں بسر فرمائی۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے بیس سالہ دورِ خلافت راشدہ میں اپنی حکومتی پالیسی کے تحت حضرات مروانؓ، سعید بن العاصؓ اور ولید بن عتبہ کو باری باری مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا۔ جس میں تنہا حضرت مروانؓ کا دورِ امارت مختلف اوقات میں تقریباً گیارہ سالوں پر محیط ہے۔

حافظ ابن عبدالبر (م 463ھ) لکھتے ہیں کہ:

"وکان معاویۃ لما صار الامر الیہ ولاہ المدینۃ ثم جمع لہ الی المدینۃ مکۃ والطائف ثم عزلہ عن المدینۃ سنۃ ثمان واربعین و ولّاھا سعید بن ابی العاص فأقام علیھا امیراً الی سنۃ أربع وخمسین ثم عزلہ وولّٰی مروان ثم عزلہ و ولی الولید بن عتبہ فلم یزل والیا علی المدینۃ حتیٰ مات معاویۃ" (الاستیعاب الجزء الثالث ص 426)

جب حضرت معاویہؓ کو امر خلافت سونپا گیا تو انہوں نے حضرت مروانؓ کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کر دیا پھر (ان کے حسنِ انتظام سے متاثر ہو کر) مدینہ کے ساتھ ساتھ مکہ اور طائف کو بھی ان کی علم داری میں شامل کر دیا گیا۔ پھر 48ھ میں حضرت مروانؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ سعید بن ابی العاص کو وہاں کا گورنر بنایا گیا جنہوں نے 54ھ تک اپنے

فرائض سرانجام دیے۔ پھر 54ھ میں سعید بن ابی العاص کو معزول کر کے دوبارہ حضرت مروانؓ کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کر دیا جو 57ھ تک اس منصب پر برقرار رہے۔ پھر انہیں معزول کر کے 57ھ میں ولید بن عتبہ کو والی و امیر مقرر کیا یہاں تک کہ 60ھ میں حضرت معاویہؓ کی وفات ہو گئی۔ یہ "عزل و نصب" انتظامی حکمت عملی کے تحت عمل میں آتا رہا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہؓ نے اسے (یعنی مروانؓ کو) اور اس کے عم زاد بھائی سعید بن ابی العاص کو باری باری سے مدینہ منورہ اور حجاز مقدس کا والی مقرر کیا۔ اس کام میں اس نے جو قابلیت اور مستعدی دکھائی وہ معمول سے کہیں بڑھ کر تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 20۔ ص 476)

حضرت معاویہؓ گورنروں کی تقرری اور معزولی میں بہت حکمت عملی سے کام لیتے تھے۔ 41ھ میں جب باقاعدہ بیعت ہوئی تو حضرت علیؓ کے مقرر کردہ حکام کو یک دم برطرف نہ کیا بلکہ آہستہ آہستہ کیا۔ زیاد بن ابی سفیانؓ جو حضرت علیؓ کی طرف سے فارس کے گورنر تھے ان سے صرف حساب طلب کیا۔ اسی طرح حضرت مروانؓ کو بھی 42ھ میں کچھ عرصہ مدینہ کا گورنر بنایا۔ جب حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو بصرہ اور خراسان پر مقرر کیا اور کچھ عرصہ بعد ان کو معزول کرنا چاہا تو ان کو بلا کر عرصے تک اپنے پاس مہمان رکھا اور پھر ان کی شرائط تسلیم کرتے ہوئے انہیں معزول کیا۔ اسی طرح سے جب حضرت بسر بن ارطاۃؓ اور عبدالرحمٰن الثقفی کو معزول کیا تو ان کو جہاد پر روانہ کر دیا تاکہ ان کی تالیف قلب ہو اور رنا راضی پیدا نہ ہو۔ الغرض حضرت معاویہؓ نے اپنی حکمت عملی کے تحت کسی بھی ایک گورنر کو ایک ہی جگہ پر مستقل طور پر نہیں رکھا بلکہ ان کے علاقے تبدیل کر دیتے تھے یا نیا گورنر لے آتے تھے۔ اسی پالیسی کے تحت مدینہ کے گورنر بھی بار بار تبدیل کیے گئے۔

آئندہ صفحات میں حضرت مروانؓ کی چند اہم نمایاں خدمات و اوصاف کا ایک مختصر جائزہ ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے:

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بحیثیت امیر حج

اس دور میں صوبائی مراکز میں دینی امور، نمازوں میں امامت بالخصوص خطبہ جمعہ و عیدین گورنروں کے فرائض میں شامل تھے۔ شرعی دستور کے مطابق چونکہ امیر اور خلیفۂ وقت ہی نماز کی امامت کا مستحق ہوتا ہے البتہ اگر وہ خود موجود نہ ہو یا اسے کوئی عذر لاحق ہو تو امیر المؤمنین کی طرف سے اس کام کے لیے جو آدمی مقرر ہو تو وہ امامت کا مستحق ہوتا ہے۔

اسی "سنت" کے تحت حضرت فاطمہؓ کی نماز جنازہ حضرت علیؓ کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پڑھائی۔

حضرت حسنؓ کی نماز جنازہ حضرت حسینؓ کی موجودگی میں گورنر مدینہ جناب سعید بن العاصؓ اموی نے پڑھائی۔ بلکہ خود حضرت حسینؓ نے گورنر مدینہ کو یہ کہہ کر دعوت دی کہ:

"تَقَدَّمْ فلولا انّها سنّة لما قدّمتُك" (شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید جلد 4 ص 25)

آگے ہو کر نماز جنازہ پڑھائیں اگر یہ اسلام کی سنت نہ ہوتی تو میں آپ کو مقدم نہ کرتا۔

اسی طرح حضرت حسینؓ نے اپنی بہن ام کلثوم بنت علیؓ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے گورنر مدینہ حضرت مروانؓ کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا: "لو لا السنّة ما تركته يصلّى عليها" (کتاب الجعفریات ص 210۔ باب "من احق بالصّلوة على الميّت")

اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں مروانؓ کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت نہ دیتا۔

اسلام کے بطل جلیل اور یکے از عشرہ مبشرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ 55 ہجری میں مدینہ منورہ سے سات میل دور عقیق کے علاقے میں رحلت فرما گئے۔ ان کی نماز جنازہ گورنر مدینہ حضرت مروانؓ نے پڑھائی۔

(الطبقات لابن سعد جلد 3۔ ص-148-149، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد ۱۔ ص ۱۱۵)

ام المومنین سیدہ حفصہؓ بنت عمر بن خطابؓ نے حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں

شعبان 45ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ گورنر مدینہ سیدنا مروانؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کاندھا دیا۔

(طبقات ابن سعد جلد 8 ص 86، سیر اعلام النبلاء جلد 2 ص 229)

حضرت علی المرتضیٰؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ 81ھ میں فوت ہوئے تو ان کے لڑکوں نے خلیفہ عبدالملک بن مروانؒ کی طرف سے مقرر کردہ مدینہ کے گورنر ابان بن عثمان بن عفانؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

"نحن نعلم انّ الامام اولٰی بالصّلٰوۃ و لولا ذٰلك ما قدّمناك....فتقدّم فَصلّٰی عَلَیْہِ"

(طبقات ابن سعد جلد 5۔ص 86 تحت تذکرہ محمد بن حنفیہ)

یقیناً ہم جانتے ہیں کہ امام وقت اور امیر وقت امامت کے لیے زیادہ حق دار ہوتا ہے۔ اگر یہ دستور شرعی نہ ہوتا تو ہم آپ کو مقدم نہ کرتے۔ پھر ابان بن عثمانؓ آگے ہوئے اور نماز جنازہ پڑھائی۔

نماز، خطبۂ جمعہ و عیدین کی طرح حج کے مناسک بھی خلیفہ وقت یا اس کے نامزد کردہ نمائندے کی زیر امارت و قیادت ہی ادا کیے جاتے ہیں۔

حضرت مروان بن حکمؓ کو اپنی امارتِ مدینہ منورہ کے دوران میں بحکم خلیفۂ وقت حضرت معاویہؓ یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ انہوں نے صحابہؓ و تابعینؒ کو پانچ مرتبہ (43ھ، 45ھ، 48ھ، 54ھ اور 55ھ میں) بحیثیت "امیر حج" مناسکِ حج ادا کرائے۔ اس دوران نمازوں کی امامت کے علاوہ میدانِ عرفات میں خطبۂ حج بھی دیتے رہے۔

(ملاحظہ ہو تاریخ الامم والملوك الجزء الرابع طبع بیروت لبنان۔ ص 61 تحت 43ھ: "وحجّ بالناس فی ھذہ السنة مروان بن الحکمؓ"۔ ص 170۔ تحت 45ھ: "حجّ بالناس مروان بن الحکمؓ و ھو علی المدینة و کانت الولاۃ والعمّال علی الأمصار فی ھذہ السنة"۔ ص 173۔ تحت 48ھ: "و حجّ بالناس فی ھذہ السنة مروان بن الحکمؓ"۔ ص 222۔ تحت 54ھ: "وحجّ بالناس فی ھذہ السنة مروان بن الحکم"۔ ص 223۔ تحت 55ھ: "وحجّ بالناس فی ھذہ السنة مروان بن الحکمؓ")

"عین الزرقاء" کا اجراء

مدینہ منورہ کے باشندے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے دور گورنری میں کنوؤں کا پانی استعمال کرتے تھے۔امیر المومنین ،خلیفہ راشد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب دمشق میں آب رسانی کا جدید نظام قائم کیا تو انہوں نے مدینہ منورہ کے اپنے گورنر حضرت مروانؓ کو لکھا کہ:

مجھے حیا آتی ہے کہ دمشق کے باسیوں کو گھر کے قریب پانی میسر ہو اور مدینہ منورہ کے باسی دور دراز کنوؤں سے پانی لائیں۔لہٰذا وہاں بھی آب رسانی کا بہتر نظام قائم کرو۔حضرت مروانؓ نے ماہرین کے مشورہ کے بعد قبا کے کنوؤں کو باہم ملایا اور ان کے پانی کو ایک زیر زمین نہر میں جاری کیا جو قبا سے شروع ہو کر مدینہ منورہ سے گزرتی اور مختلف جگہوں سے اسے اس طرح کھولا کہ لوگ اپنی ضرورت کا پانی لے سکیں۔

یہ نہر چودھویں صدی کے وسط تک اہل مدینہ کو سیراب کرتی رہی۔1349ھ میں ملک عبدالعزیز نے ایک نگران کمیٹی تشکیل دی جس نے اس کی مرمت کی اور پھر اس میں پائپ ڈال کر آب رسانی کے ایک جدید نظام کی بنیاد رکھی تا آنکہ ہر گھر میں سرکاری پانی کا کنکشن دے دیا گیا پھر پانی کے بڑھتے ہوئے استعمال کے پیش نظر سمندری پانی کو صاف کر کے اس میں ملا دیا۔اب محکمہ آب رسانی نے مختلف علاقوں میں بیس ٹینکیاں بنادی ہیں جہاں سے پانی سپلائی ہوتا ہے۔سب سے بڑی اور خوبصورت ٹینکی قبا میں ہے جس کی بلندی 90 میٹر ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی قدر کرتے ہوئے پانی کے استعمال میں میانہ روی سے کام لینا چاہیے۔(بحوالہ تاریخ مدینہ منورہ۔مصور ص 136۔مؤلفہ ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی)

یقیناً یہ عظیم کام (عین الزرقاء) حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ کا صدقہ جاریہ ہے جس سے چودہ صدیوں سے لوگ برابر مستفید ہو رہے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے مابین مراسلت

1۔ سیدنا حسنؓ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد عراق کے سبائیوں نے سیدنا حسینؓ کی خدمت میں آنا جانا شروع کر دیا تو سیدنا مروانؓ نے جو اس وقت مدینہ منورہ کے گورنر تھے سیدنا معاویہؓ کو اس بات کی مکمل رپورٹ دی اور لکھا کہ:

''ایک گروہ عراقی و حجازی حسینؓ کے پاس آمد و رفت رکھتا ہے اور ان کو طمع خلافت دلاتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں فتنہ برپا نہ ہو جائے۔ اب مجھے جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں۔''
(جلاء العیون باب نمبر 5۔ فصل نمبر 5 ص 369)

2۔ اس رپورٹ کے جواب میں امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے سیدنا مروانؓ کو لکھا کہ: آپ حضرت حسینؓ کے متعلق کچھ فکر نہ کریں اور کوئی تعرض نہ کریں کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ بیعت کر رکھی ہے اور وہ اپنی بیعت کو توڑنے والے نہیں اور وہ اپنی ذمہ داری کے عہد کو ختم نہیں کریں گے۔''(اخبار الطوال للدینوری الشیعی ص 224)

3۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ:

''انّ العباس بن عبداللّٰه بن العباس انكح عبدالرحمٰن بن الحكم ابنته وانكحه عبدالرحمٰن ابنته و كانا جعلا صداقا۔ فكتب معاوية الٰى مروان يامره بالتفريق بينهما وقال فى كتابه هٰذا الشغار الّذى نهٰى عنه النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم''(السنن الكبرىٰ للبيهقى جلد 7 ص 200)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے فرزند عباس نے اپنی دختر کا عبدالرحمٰن بن حکم سے نکاح کر دیا اور عبدالرحمٰن بن حکم نے اپنی لڑکی عباس بن عبداللہ بن عباس کے نکاح میں دے دی اور اس نکاح میں انہوں نے نکاح ہی کو اس کا مہر قرار دیا، کوئی دوسری شے مہر تجویز نہیں کی۔

اس نکاح کی اطلاع سیدنا معاویہؓ کو ہوئی تو انہوں نے مروان بن حکمؓ کو جو اس وقت والی مدینہ تھے حکم ارسال کیا کہ:

ان دونوں فریقوں کے درمیان تفریق کردی جائے۔ یہ نکاح صحیح نہیں ہے اور فرمایا کہ اس نکاح کی شکل تو نکاح شغار کی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

4۔ گورنر مدینہ منورہ حضرت مروان بن حکمؓ نے سیدنا صہیب رومیؓ کے فرزند کا وظیفہ اس وجہ سے بند کر دیا کہ اس نے سیدنا عثمانؓ کے معاملہ میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ جب اس امر کی اطلاع سیدنا معاویہؓ کو ہوئی تو آپ نے مروان بن حکمؓ کو ایک خط لکھا، اس میں تحریر فرمایا کہ:

"عن قتادہ قال حرم مروان بن الحکم ابناء صھیب عطائه فبلغ ذٰلك معاویةؓ فكتب الیه معاویةؓ انّك حفظت علی ابن صھیب ما كان من ابیه فی امر عثمانؓ ونسیت ما كان من سابقته مع رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فاردد علیه عطائه و اكرمه و احسن مجاورته ان شاء اللّٰه۔" (کتاب انساب الاشراف ص 90 قسم اول من جزء الرابع)

یعنی آپ نے صہیب کے فرزند کے معاملے میں اس کے باپ کا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فعل یاد رکھا مگر آپ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا تعلق بھول گئے۔ پس صہیب کے فرزند کا وظیفہ جاری کیا جائے اور اس کی عزت کی جائے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

5۔ مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے جو نشانات تھے وہ مرور زمانہ سے بوسیدہ ہو کر معدوم ہونے لگے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کی تجدید کا انتظام فرمایا۔ اسی سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے والی و گورنر مروان بن حکمؓ کو ایک فرمان تحریر فرمایا:

"ان كان كرز بن علقمة الخزاعیؓ حیًا ان یكلفه اقامة معالم الحرم لمعرفة بها و كان معمرا فاقامها علیه فهی مواضع الانصاب الیوم۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کرز بن علقمہ خزاعی اگر زندہ ہوں تو ان کو تکلیف دی جائے کہ وہ آثار حرم کی پھر سے پوری طرح نشان دہی کریں کیونکہ وہ ان آثار سے خوب واقف

ہیں اور پھر ان کے مطابق ان آثار کی تجدید و تحدید کی جائے۔ چنانچہ حضرت کرز بن علقمہؓ کی نشان دہی پر ان آثار کو صحیح کر کے مکمل کیا گیا تاکہ اہل اسلام ان سے برکت اندوز ہوتے رہیں۔

(بحوالہ سیرت حضرت امیر معاویہؓ۔ جلد اول ص 438۔ مؤلفہ مولانا محمد نافع صاحب)

اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت ابوقتادہ انصاریؓ کے بارے میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مروانؓ نے ان سے درخواست کی کہ وہ انہیں مدینہ منورہ کے تمام متبرک مقامات دکھادیں تاکہ انہیں محفوظ کیا جاسکے؛ چنانچہ حضرت ابوقتادہؓ نے ساتھ ہو کر وہ تمام مقامات دکھادیے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

"أن مروان لمّا كان واليا على المدينة من قبل معاوية أرسل الى أبي قتادةؓ ليريه مواقف النبيّ صلّى الله عليه وسلّم و أصحابه فانطلق معه فاراه" (الاصابہ الجزء الرابع ص 159)

6۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"پھر حضرت معاویہؓ نے مدینے کے گورنر مروان بن الحکم کو لکھا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں؛ چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو جانشین مقرر کردوں۔ لوگوں سے پوچھو کہ جانشین مقرر.... کرنے کے معاملہ میں وہ کیا کہتے ہیں۔

مروان نے اہل مدینہ کے سامنے یہ بات پیش کی۔ لوگوں نے کہا ایسا کرنا عین مناسب ہے۔

7۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے مروان کے پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کے لیے یزید کو منتخب کیا ہے۔ (خلافت و ملوکیت ص 150)

8۔ عن مالك أنّه بلغه أنّ مروان بن الحكم كتب الى معاوية بن ابى سفيان يذكر أنّه أتى بسكران قد قتل رجلا فكتب اليه معاوية ان اقتله به

(مؤطا امام مالك۔ كتاب العقول ۔ باب القصاص فى القتل ص 679)

امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ مروان بن حکمؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ ان کے پاس ایک مدہوش شخص کو لایا گیا ہے جس نے ایک دوسرے آدمی کو قتل کیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت مروانؓ کو لکھا کہ اسے اس کے بدلے میں قتل کردو۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بحیثیت قاضی

عدل وانصاف حکومت وسلطنت کی عمارت کا ستون ہے۔اسی لیے اسلام نے ہر قسم کے مذہبی اور عدالتی فیصلے کے لیے عدل کو ضروری قرار دیا ہے کہ یہ اگر نہ ہو تو کسی مظلوم کی دادرسی ممکن نہیں۔اسی لیے ایک حاکم کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ عادل ہو؛ارشاد باری ہے کہ:

"وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ "(النساء58)

اور جب لوگوں کے درمیان جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

قرآن کریم کی رو سے اگرچہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہیے تاہم والی و حاکم وقت کے لیے عادل ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔اس لیے حدیث میں امام عادل کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا سات اشخاص کو اللہ اپنے سایے میں لے گا جن میں سے ایک شخص امام عادل ہوگا۔(صحیح بخاری کتاب المحاربین من اھل الکفروالردۃ باب فضل من ترك الفواحش جلد2۔ص1005)

حضرت مروان رضی اللہ عنہ،حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طویل عرصہ تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے۔انہوں نے جہاں عوام کو انصاف دلانے کے لیے "قاضی" مقرر کیے وہیں خود بھی بحیثیت "قاضی" چند فیصلے فرمائے اور اس شعبے میں ان کے "آئیڈیل" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور "قضایا" ہوتے تھے چنانچہ امام احمد فرماتے ہیں کہ:

"کان عند مروان قضاء و کان یتبع قضایا عمر بن الخطاب"

(البدایۃ والنہایۃ جلد8۔ص260)

حضرت مروان (حضرت معاویہؓ کے دور میں بعض دفعہ) منصب قضاء پر بھی فائز رہے اور وہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں کی اتباع و پیروی کرتے تھے۔

امام ذہبیؒ نے بھی یہی قول امام احمد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "کــــان مـــروان

یتبع قضاء عمر رضی اللّٰہ عنہ"(سیر اعلام النبلاء ـ الجزء الثالث ص 477)

حضرت مروانؓ، حضرت عمر بن خطابؓ کے فیصلوں کو تلاش کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو بھی اپنے لیے قابل تقلید سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مروانؓ ''ایلاء'' سے متعلق حضرت علیؓ کا فیصلہ نقل کرتے ہیں کہ:

"اذا مضت الاربعة فانّه یحبس حتّٰی یفیء او یطلّق...."

جب ''ایلاء'' کے چار ماہ گزر جائیں تو ''ایلاء'' کے مرتکب کو قید کیا جائے گا کہ یا تو (بیوی کے حق میں) قسم سے رجوع کرے یا پھر طلاق دے دے۔

یہ روایت بیان کرنے کے بعد حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

"ولو وُلِّیْتُ ھٰذَا لَقَضَیْتُ فِیْهِ بِقَضَاءِ عَلِیٍّ رَضی اللّٰہ عَنْهُ"

اگر اس نوعیت کا کوئی تنازعہ میرے سامنے آئے گا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔{المصنف لعبدالرزاق جلد 6۔ص 457۔باب القضاء (بحث ایلاء)}

امام بخاری (م 256ھ) نے حضرت مروانؓ کا ایک یہ فیصلہ بھی نقل فرمایا ہے کہ:

"أنّ بنی صھیب مولی ابن جدعان ادّعوا بیتین وحجرة أنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم أعطیٰ ذلك صھیباً فقال مروان من یشھد لك علی ذلك قالوا ابن عمر فدعاہ فشھد لأعطیٰ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم صھیباً بیتین وحجرةً فقضی مروان بشھادته لھم۔(صحیح بخاری کتاب الھبة وفضلھا والتحریض علیھا۔رقم الحدیث 2624)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بیٹوں نے دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مکان اور ایک حجرہ حضرت صہیبؓ کو دیا تھا(یہ جائیداد اب ہمیں ملنی چاہیے کیونکہ ہم ان کے وارث ہیں) حضرت مروانؓ نے کہا: تمہارا گواہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: ابن عمرؓ۔ حضرت مروانؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلوایا تو ابن عمرؓ نے شہادت دی کہ واقعی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیبؓ کو دو مکان اور ایک حجرہ عطا فرمایا تھا۔ حضرت مروانؓ نے اسی گواہی کے مطابق ان کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

امام مالک.... روایت کرتے ہیں کہ:

کسی غلام نے ایک باغ سے کھجور کا پودا چرا کر اپنے آقا کے باغ میں لگا دیا۔ پودے والا اس کی تلاش میں نکلا اور بالآخر اسے پالیا۔ پھر اس نے مروان بن حکمؓ کے ہاں مقدمہ کر دیا تو حضرت مروانؓ نے غلام کو قید کر دیا اور غلام کا ہاتھ کاٹنا چاہا۔

غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پھل اور پودے (گودے کی چوری) میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (یہ معاف ہیں)

گودے سے کھجور کا گودا مراد ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میرے غلام کو مروانؓ نے پکڑا ہے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ ان کے پاس تشریف لے چلیں اور جو حدیث آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے وہ انہیں بتائیں۔ حضرت رافعؓ اس کے ساتھ مروان بن حکمؓ کے پاس چلے گئے اور ان سے کہا کہ:

آپ نے اس شخص کا غلام پکڑا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت رافعؓ نے کہا: آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ حضرت مروانؓ نے کہا کہ:

میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا تو حضرت رافعؓ نے ان سے فرمایا کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پھل اور پودے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چنانچہ حضرت مروانؓ نے حکم دیا کہ غلام کو چھوڑ دو۔

{مؤطا امام مالک۔ کتاب السرقۃ باب مالاقطع فیہ ص 692، مؤطا امام محمد کتاب الحدود فی السرقۃ باب من سرق ثمراً او غیر ذلک مما لم یُحرَز ص 302، سنن ابی داؤد (4388)، سنن ترمذی (1449)، سنن نسائی (4975)، سنن ابن ماجہ (2593)}

امام محمد نے روایت کیا ہے کہ:

ابو غطفان نے خبر دی کہ مروان بن حکمؓ نے مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھیجا کہ داڑھ کی دیت کیا ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: اس کی دیت پانچ اونٹ ہیں۔ مروانؓ نے مجھے ابن عباسؓ کی طرف دوبارہ بھیجا کہ داڑھ کو دانتوں کے برابر کیوں کرتے ہیں؟

ابن عباسؓ نے فرمایا: اگر آپ دانتوں کو انگلیوں کے برابر قیاس کرتے تو آپ کے لیے کافی ہوتا کیونکہ تمام انگلیوں کی دیت برابر ہے۔

(مؤطا امام محمد۔ کتاب الدیات باب دیۃ الاسنان ص293)

امام بخاری نے ایک یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ:

یحیٰی بن سعید بن العاص نے حضرت مروانؓ کی بھتیجی (عمرہ) بنت عبدالرحمٰن بن حکم کو طلاق دے دی تو ان کے والد عبدالرحمٰن اپنی بیٹی کو شوہر کے گھر سے اپنے گھر لے آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گورنر مدینہ حضرت مروانؓ (جو مطلقہ کے چچا بھی تھے) کو پیغام دیا کہ: اللہ سے ڈرو اور لڑکی کو اسی گھر میں بھیج دیں جہاں اسے طلاق دی گئی ہے۔ راوی سلیمان کہتے ہیں کہ مروانؓ نے حضرت عائشہؓ کو یہ جواب دیا کہ عبدالرحمٰن بن حکم مجھ پر غالب آ گئے ہیں جب کہ دوسرے راوی قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ:

مروانؓ نے یہ جواب دیا اے ام المؤمنین کہ کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس کے واقعہ کا علم نہیں ہے (جنہوں نے شوہر کے گھر عدت نہیں گزاری تھی)؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: فاطمہ کا واقعہ اگر آپ نہ بیان کریں تب بھی آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یعنی یہ واقعہ آپ کے لیے حجت نہیں ہے کیونکہ انہیں مخصوص حالات کی وجہ سے اجازت دی گئی تھی۔ سیدنا مروانؓ نے عرض کیا: اگر فاطمہ بنت قیس کے نکلنے کا باعث یہ تھا کہ اس میں اور شوہر کے قرابت داروں میں نت نیا جھگڑا رہتا تھا تو یہاں بھی میاں بیوی میں جو جھگڑا ہے وہ مکان سے نکلنے کے لیے کافی ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الطلاق باب قصۃ فاطمۃ بنت قیس)

مطلقہ کے "سکنیٰ ونفقہ" کا مسئلہ صحابہ و تابعین اور فقہاء کے مابین "مختلف فیہ" رہا ہے۔ اب بھی بعض فقہاء "فاطمہ بنت قیس" کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ زیر بحث حدیث

میں حضرت مروانؓ کے جواب سے مختلف فیہ مسائل میں ان کی گہری نظر اور تقابلی مطالعہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مروانؓ کی غیر جانبداری اور عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ ایک غلام کی شکایت پر اپنے حقیقی بھائی کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر حمدی شاہین لکھتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ آپ کے بھائی عبدالرحمٰن بن الحکم نے اہل مدینہ کے ایک غلام کو طمانچہ مار دیا۔ اس نے مروانؓ سے شکایت کی جو اس وقت مدینہ کے گورنر تھے۔ آپ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو طلب کیا اور اس غلام کے سامنے بٹھایا اور اس سے کہا: اس کو طمانچہ لگاؤ۔

اس غلام نے کہا میرا یہ مقصود نہ تھا بلکہ میرا مقصود صرف اس کو یہ بتانا تھا کہ اس کے اوپر بھی ایک قوت ہے جو میری مدد کرے گی اور میں نے اپنا یہ حق آپ کو ہبہ کر دیا۔

مروانؓ نے کہا میں اسے قبول نہیں کروں گا تم اپنا حق لے لو۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں طمانچہ نہیں لگا سکتا لیکن میں آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔ مروانؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں ہبہ کرنا ہے تو اس کو ہبہ کرو جس نے تمہیں طمانچہ مارا ہے یا پھر اللہ کے حوالے کر دو۔

اس نے کہا: میں نے اللہ کے لیے ہبہ کر دیا۔ اس موقف سے عبدالرحمٰن سخت ناراض ہوئے اور اپنے بھائی مروانؓ کی ہجو میں اشعار کہے۔

(سیدنا عثمان بن عفان شخصیت اور کارنامے ص 364-365۔ مؤلفہ ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی)

حافظ ابن عبدالبر (م 463ھ) حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی "ہجو" پر مبنی عبدالرحمٰن بن حکم کے اشعار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"انما قال له أخوه عبدالرحمٰن ذلك حين ولّاه معاوية امارة المدينة وكان كثيراً ما يهجوه۔" (الاستيعاب الجزء الثالث ص 426)

افسوس! کہ صاحب الاستیعاب کو "ہجویہ" اشعار تو یاد رہ گئے مگر ان کا سبب فراموش کر گئے۔

حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ گورنری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف

رضی اللہ عنہ کو "منصب قضاء" پر فائز کیا تھا۔

مؤخر الذکر "قضاء" کے معاملہ میں بڑے سخت تھے اور مدینہ میں جو لوگ جرائم کے مرتکب ہوتے تھے انہوں نے ان کی خوب گوشمالی کی۔

عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی مدینہ میں حضرت مروانؓ کی طرف سے پہلے قاضی مقرر ہوئے۔ ان کے سامنے گورنر مدینہ کے بہنوئی عبداللہ بن خطاب کا مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ (اخبار القضاۃ جلد 1۔ ص 114)

جب حضرت ابو ہریرہؓ قاضی تھے تو اس وقت حضرت مروانؓ کے بھائی حارث بن حکم حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس آ کر ان کے تکیہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے حارث بن حکم کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فوراً حکم دیا اور حارث کو اٹھا کر اس کے فریق دعویٰ کے ساتھ بٹھا دیا۔ پھر مقدمہ سنا اور فیصلہ فرمایا۔ (اخبار القضاۃ۔ جلد 1۔ ص 112)

حضرت مروانؓ کا شمار تو صغار صحابہ میں ہوتا ہے ان کے عدل و انصاف کا جذبہ تو ان کی اولاد میں بھی سرایت کر گیا تھا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروانؓ کے عہد میں مدینہ منورہ کے قاضی جناب ابان بن عثمانؓ کے سامنے وہ مقدمات پیش ہوئے جن کا فیصلہ قبل ازیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کر چکے تھے۔ حضرت ابان نے خلیفہ عبدالملک سے ان فیصلوں کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ:

"ہم عبداللہ بن زبیرؓ کے فیصلوں پر تنقید نہیں کرتے۔ ہمیں ان کے سیاسی عمل سے اختلاف ہے۔ میرا یہ خط موصول ہوتے ہی ان کے تمام فیصلوں کو نافذ کر دو۔ سابق فیصلوں کو رد کرنا دشواریوں کو جنم دے گا۔" (اخبار القضاۃ۔ جلد 1۔ ص 130۔ بحوالہ سیرت امیر معاویہؓ ص 538۔ مؤلفہ پروفیسر حافظ اظہر محمود)

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ اور خشیتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ نے ''خشیت'' کو علماء کا وصف قرار دیا ہے:

''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌo (سورہ فاطر 28)

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بخشنے والا ہے۔

حضرت مروان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت سے مشرف اور کبار صحابہؓ بالخصوص خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ فکر آخرت سے نہ تو غافل تھے اور نہ ہی ان کا دل خوفِ الٰہی سے خالی تھا؛ بلکہ وہ قیامت کے مواخذہ کا تذکرہ سن کر لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ سورۃ آل عمران کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے کہ:

''لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌo (سورۃ آل عمران آیت 188 پارہ 4)

ہرگز آپ یہ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنی کارستانیوں پر اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو انہوں نے کیے ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ امن میں ہیں عذاب سے۔ ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے۔

تو سخت پریشان ہوئے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق:

''اَنَّ عَلْقَمَةَ بْنُ وَقَّاصٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ مَرْوَانَ (ابن الحکم) قَالَ لِبَوَّابِهٖ

اذْهَبْ يَا رَافِعُ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْ لَئِنْ كَانَ كُلُّ امْرِئٍ فَرِحَ بِمَا اُوْتِيَ وَ اَحَبَّ اَنْ يُّحْمَدَ بِمَا لَمْ يَفْعَلْ مُعَذَّبًا لَيُعَذَّبَنَّ اَجْمَعُوْنَ

فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمَا لَكُمْ وَلِهٰذِهٖ اِنَّمَا دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهُوْدَ

فَسَأَلَهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَكَتَمُوهُ إِيَّاهُ وَأَخْبَرُوهُ بِغَيْرِهِ فَأَرَوْهُ أَنْ قَدِ اسْتَحْمَدُوا إِلَيْهِ بِمَا أَخْبَرُوهُ عَنْهُ فِيمَا سَأَلَهُمْ وَفَرِحُوا بِمَا أُوتُوا مِنْ كِتْمَانِهِمْ

ثُمَّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ "وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ" كَذَلِكَ حَتَّى قَوْلِهِ "يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا" تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ۔

حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ مَرْوَانَ بِهَذَا۔"

(صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ "لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا" رقم الحدیث 4568)

(از ابراہیم بن موسیٰ از ہشام ابن جریج از ابن ابی ملیکہ) علقمہ بن وقاص کہتے ہیں کہ مروان بن الحکمؓ نے اپنے دربان سے کہا کہ اے رافع تو ابن عباسؓ کے پاس جا ان سے دریافت کر کہ اس آیت

"لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا ...." کی رو سے تو ہم سب عذاب کے مستحق ہیں کیونکہ ہر شخص ان نعمتوں پر جو اسے مہیا ہیں بہت خوش ہے اور چاہتا ہے کہ جو (اچھا) کام اس نے نہیں کیا اس پر بھی اس کی تعریف ہو۔

رافع نے جا کر ابن عباسؓ سے دریافت کیا) انہوں نے جواب دیا کہ اس آیت سے تم (مسلمانوں) کو کیا تعلق؟

واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلا بھیجا ان سے (دین کی) کوئی بات دریافت کی۔ انہوں نے (صحیح بات چھپائی اور) غلط بتا دی۔ پھر یہ سمجھے کہ ہم آپؐ کے نزدیک مفت میں نیک نام ہو گئے۔ وہ سب اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ حق چھپایا۔

یہ واقعہ سنا کر ابن عباسؓ نے یہ آیت

"وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ" (لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ O) يَفْرَحُونَ بِمَا

اَتَوا وَّیُحِبُّوۡنَ اَنۡ یُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ یَفۡعَلُوۡا" (آل عمران 187-188) تک پڑھی۔

ہشام بن یوسف کے ساتھ اس حدیث کو عبدالرزاق نے بھی ابن جریج سے روایت کیا ہے۔

از ابن مقاتل از حجاج از ابن جریج از ابن ابی ملیکہ ،حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا۔پھر یہی حدیث بیان کی۔

حضرت مروانؓ نے اپنے خادم کو حضرت ابو حازم کے پاس بھیجا جو اس دور کے ایک بڑے زاہد و پارسا انسان تھے اور درخواست کی کہ اپنے کھانے میں سے کچھ بھیج دیجیے۔ ابو حازم نے تھوڑا سا پکا ہوا دلیہ بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ یہ میرا رات کا کھانا ہے۔

اس کو دیکھ کر حضرت مروانؓ رو پڑے۔پھر تین دن بغیر کچھ کھائے روزہ رکھا۔تیسری شب سمو سے سے افطار کیا اور سادہ غذا کھائی۔

اس کے بعد اس صاحب کردار امیر کے گھر دوسرا بیٹا عبدالعزیز تولد ہوا۔آگے چل کر ان کے ہاں وہ بیٹا (عمر بن عبدالعزیز بن مروان) پیدا ہوا جنہیں جمہور علماء خلفائے راشدین میں شمار کرتے ہیں۔جو لطف و کرم میں لاثانی اور عدل و انصاف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مثال تھے۔

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ حضرت مروانؓ نے آخری بات جو کہی وہ یہ تھی:

"جو جہنم سے ڈرا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔"

(البدایہ والنہایہ جلد 8۔ص 262)

حضرت مروانؓ کے اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ فکر آخرت میں "خشیت الٰہی" سے ہمیشہ غمگین رہا کرتے تھے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے تھے۔رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کا جذبۂ قبولِ حق

حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے صحیح، جائز اور حق بات کے قبول کرنے میں اپنے منصب و مرتبے کی پروا کیے بغیر کبھی پس وپیش سے کام نہیں لیا۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی حسب ذیل روایات سے حضرت مروانؓ کے جذبۂ قبولِ حق اور احترامِ حدیث کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

1۔ ابو صالح السمّان روایت کرتے ہیں کہ:

"رأیت اباسعید الخدریّ فی یوم جمعة یصلّی الی شیٔ یستره من النّاس فأراد شابٌ من بنی أبی معیط أن یجتاز بین یدیه فدفع أبو سعید فی صدره فنظر الشّابّ فلم یجد مساغا الّا بین یدیه فعاد لیجتاز فدفعه أبو سعید أشدّمن الاولی فنال من أبی سعید ثم دخل علی مروان (بن الحکم) فشکا الیه ما لقی من أبی سعید و دخل أبو سعیدخلفه علی مروان فقال مالك ولابن أخیك یا أباسعید قال:

سمعت النبیّ صلّی الله علیه وسلّم یقول اذا صلّی أحدکم الی شیٔ یستره من النّاس فأراد أحد أن یجتاز بین یدیه فلیدفعه فأن ابی فلیقاتله فأنّماهو شیطان۔"

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰة ۔باب لِیَرُدُّ المصلّی من مرّ بین یدیه ۔رقم الحدیث 509)

میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے دن دیکھا کہ وہ کسی چیز کی طرف (منہ کر کے) یعنی "سترہ" لگا کر نماز پڑھ رہے تھے۔ پس ایک جوان نے جو (قبیلہ) بنی ابی معیط سے تھا، یہ چاہا کہ ان کے آگے سے نکل جائے تو ابوسعیدؓ نے اس کے سینے میں دھکا دیا لیکن اس جوان نے کوئی راستہ نکلنے کا سوائے ان کے آگے کے نہ دیکھا تو پھر اس نے چاہا کہ نکل جائے۔

ابوسعیدؓ نے پہلے سے زیادہ سخت اسے دھکا دیا۔ اس پر اس نے ابوسعیدؓ کی بے حرمتی کی۔ اس کے بعد وہ (جوان) مروانؓ کے پاس گیا اور ابوسعیدؓ سے جو معاملہ ہوا تھا اس کی مروانؓ سے شکایت کی۔ پھر اس کے پیچھے (پیچھے) ابوسعیدؓ بھی مروانؓ کے پاس آگئے تو مروانؓ نے کہا کہ:

اے ابوسعید! آپ کے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان کیا معاملہ ہے؟ ابوسعیدؓ نے کہا

کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

جب تم میں سے کوئی شخص ایسی چیز کی طرف نماز پڑھ رہا ہو جو اسے لوگوں سے چھپائے پھر کوئی شخص اس کے سامنے سے نکلنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اسے ہٹا دے اور اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑے اس لیے کہ وہ شیطان ہے۔

(یہ جواب سن کر حضرت مروانؓ خاموش ہو گئے۔)

2۔ "عن نافع بن جبیر انّ مروان بن الحکم خطب النّاس فذکر مکة و اھلھا و حرمتھا ولم یذکر المدینة واھلھا وحرمتھا فناداہ رافع بن خدیج مالی اسمعك ذکرت مکة واھلھا وحرمتھا ولم تذکر المدینة واھلھا وحرمتھا۔

قد حرّم رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم مابین لا بتیھا و ذٰلك عندنا فی ادیم خولانیّ ان شئت اقرأتکہ قال فسکت مروان ثم قال قد سمعت بعض ذٰلك۔"(صحیح مسلم الجزء الاول ص 440۔ کتاب الحج فضل المدینة)

حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

حضرت مروانؓ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔ خطبہ میں مکہ اور اہل مکہ کا ذکر کیا اور مکہ معظمہ کی حرمت بیان کی لیکن مدینہ، اہل مدینہ اور اس کی حرمت بیان نہ کی۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے انہیں پکارا اور فرمایا کہ:

کیا بات ہے کہ آپ اہل مکہ اور مکہ کی حرمت کا ذکر کرتے ہیں لیکن اہل مدینہ اور مدینہ کی حرمت کا ذکر نہیں کرتے؟

حالانکہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ کے) دونوں سنگستانوں کے درمیانی علاقہ کو حرم قرار دیا ہے اور یہ ہمارے پاس خولانی چمڑے پر لکھا ہوا بھی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو پڑھ کر سنا دوں؟ یہ سن کر حضرت مروانؓ خاموش ہو گئے پھر فرمایا:

"ہاں میں نے بھی کچھ ایسا سنا ہے۔"

3۔ عن ابی ھریرۃؓ انّه قال لمروان احللت بیع الربا فقال مروان ما فعلت

فقال ابوهريرة احللت بيع الصكاك وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الطعام حتى يستوفى فخطب مروان الناس فنهى عن بيعها"

(صحیح مسلم الجزء الثانی ۔کتاب البیوع ۔باب البطلان بیع المبیع قبل القبض)

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت مروانؓ سے کہا: "آپ نے سود کی بیع کو حلال کر دیا" حضرت مروانؓ نے پوچھا میں نے کیا کیا؟

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: آپ نے تو سند (چٹھیوں) کی بیع جائز کردی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک اس پر پوری طرح قبضہ نہ کر لے۔

پھر حضرت مروانؓ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اس بیع سے منع کر دیا۔

"بیع الصکاك" یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے لوگوں کو سالانہ یا ماہوار کی سند مل جاتی تھی کہ اتنے عرصہ کے بعد ان لوگوں کو اتنی رقم ادا کر دی جائے گی۔ لوگ ان سندوں کو رقم وصول کرنے سے قبل دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے اس سے منع کیا کیونکہ یہ ایک ایسی شے کی بیع ہے جو ابھی بائع کے قبضہ میں نہیں آئی اور اس طریقہ کی بیع سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ حضرت مروانؓ نے مسئلہ معلوم ہو جانے کے بعد ایک خطبہ کے ذریعے لوگوں کو اس قسم کی بیع سے منع فرما دیا۔

مذکورہ واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت مروانؓ کے نزدیک حدیث واجب الاتباع والاحترام تھی اور یہ کہ وہ حدیث کے خلاف فتویٰ دینے کو برا خیال کرتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کی وضاحت کے بعد فوراً رجوع کرتے ہوئے اپنا حکم واپس لے لیا۔

حضرت مروان رضی اللہ عنہ "سنت" کو تلاش کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بڑے خواہش مند تھے۔

فقیہ مصر حضرت لیث بن سعد اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ ابونضر سالم کہتے ہیں کہ:

"شهد مروان جنازة فلما صلى عليها انصرف فقال ابوهريرةؓ اصاب قيراطاً۔ فاخبر بذلك مروان فاقبل يجرى حتى بدت ركبتاه فقعد حتى اذن له۔

(البداية والنهاية جلد 8۔ص 260۔تحت مروان بن الحکمؓ)

حضرت مروانؓ ایک جنازہ میں شریک ہوئے اور جب نماز جنازہ پڑھ کر واپس

ہوئے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

انہوں نے ایک قیراط نیکی حاصل کر لی (اور ایک قیراط سے محروم رہے) یعنی نماز جنازہ میں شمولیت کے ثواب کو تو حاصل کیا لیکن "اذن عام" تک ٹھہرنے کے ثواب سے محروم رہے۔

حضرت مروانؓ کو جب اس بات کی اطلاع دی گئی تو وہ تیزی سے واپس ہوئے یہاں تک کہ سرعت کی وجہ سے آپ کے گھٹنے کھل گئے اور پھر دوسرے لوگوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئے یہاں تک کہ (تدفین کے بعد) جانے کی اجازت مل گئی۔

امام بخاری اسی نوعیت کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:

سعید مقبری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک جنازے میں تھے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت مروانؓ کا ہاتھ پکڑا اور دونوں جنازہ رکھے جانے سے پہلے بیٹھ گئے۔

"فجاء ابوسعید فأخذ بید مروان فقال: قم فواللّٰہ لقد علم ھذا أنّ النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نھانا عن ذٰلك فقال ابوھریرةؓ صدق"

تو ابو سعید خدریؓ آئے اور مروانؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم یہ ابو ہریرہؓ جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے (یعنی جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنے سے) منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ انہوں (ابو سعید خدریؓ) نے سچ کہا۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز باب متی یقعد اذا قام للجنازۃ۔ رقم الحدیث 1309)

غور فرمائیں کہ حضرت مروانؓ اس وقت مدینہ کے گورنر ہیں اور جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا کوئی حرام یا معصیت نہیں ہے بلکہ صرف خلاف اولیٰ یا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے پھر ابو ہریرہؓ جو اس مسئلہ سے آگاہ تھے انہوں نے بھی اس کی خلاف ورزی کی تھی مگر ابو سعید خدریؓ نے گورنر مدینہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کھڑا کر دیا اور انہوں نے اس کی تعمیل کر دی اور سر عام ٹوکا جانا ذرہ برابر بھی انہیں ناگوار نہیں گزرا۔ یہ واقعہ ان کی اعلیٰ درجہ کی بے نفسی اور حق پسندی کو ظاہر کر رہا ہے۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفہ

پیچھے یہ بحث گزر چکی ہے کہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ میں مختلف اوقات میں ایک طویل عرصہ تک بحیثیت گورنر اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 57ھ میں ان کی جگہ ولید بن عتبہ گورنر مقرر کیے گئے تو موصوف اس کے بعد بھی واقعہ حرہ (آخر 63ھ) تک ایک شہری کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں ہی مقیم رہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) لکھتے ہیں کہ:

"ثم ولی امرة المدینة لمعاویة ثم لم یزل بها الی ان اخرجهم ابن الزبیر فی اوائل امرة یزید بن معاویة" (الاصابہ۔الجزء الثالث ص 478)

پھر وہ (حضرت مروانؓ) حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے پھر اس منصب پر اس وقت تک برقرار رہے جب تک عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید بن معاویہؓ کی خلافت کے اوائل میں انہیں مدینہ بدر نہیں کر دیا۔

علامہ موصوف کی یہ بات بالکل خلاف واقع ہے کہ حضرت مروانؓ یزید کی خلافت کے اوائل تک مدینہ کے گورنر رہے اور عبداللہ بن زبیرؓ نے انہیں یزید کی خلافت کے آغاز میں مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مروانؓ 57ھ میں منصب امارت سے سبکدوش ہو گئے تھے لیکن اس کے بعد وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ یزید کی خلافت کے اوائل میں نہیں بلکہ آخر میں واقعہ حرہ سے پہلے اہل مدینہ کے ایک گروہ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ایماء پر نہ صرف مروانؓ سمیت بنو امیہ کو گھیر کر مدینہ بدر کر دیا تھا بلکہ ان کے مال و اسباب پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ حالانکہ اس واقعہ سے قبل گورنر مدینہ نے ان "قابضین" کو امیر یزید کے پاس دمشق بصورت وفد بھیجا تھا جہاں ان کی پذیرائی اور عزت افزائی کے علاوہ انہیں بڑے بڑے عطیات سے بھی نوازا گیا تھا۔ مگر ان حضرات نے واپس آ کر گورنر اور دیگر اموی حضرات کے ساتھ وہ

سلوک کیا جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔اسی طرح کے حالات مکہ مکرمہ میں بھی پیش آئے جہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کی حیات ہی میں 63ھ کے آخر میں اپنی خلافت کا باقاعدہ اعلان کر دیا تھا اور پہلی مرتبہ 63ھ میں لوگوں کو حج کرایا جب کہ 60ھ، 61ھ اور 62ھ کا حج یزید کے نمائندے عمرو بن سعید اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیانؓ کی قیادت و امارت میں ادا کیا گیا تھا۔ مدینہ منورہ کے گورنر ہاؤس پر اہل مدینہ کے ایک گروہ کے قبضے اور حضرت مروانؓ سمیت موجود افرادِ بنوامیہ کی مدینہ بدری کی اطلاع جب امیر یزید کو ہوئی تو انہوں نے انتہائی کبیر السن (بوڑھے) اور مریض لیکن مدبر شخص مسلم بن عقبہ کو ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ راستے میں حضرت مروانؓ اور دیگر مدینہ بدر کیے گئے اموی حضرات بھی اس لشکر کے ساتھ واپس آ گئے۔

مسلم بن عقبہ نے مدینہ کے قریب پہنچ کر ''مخالفین'' کو تین دن کی مہلت دی اور تجدید بیعت کا مطالبہ کیا مگر انہوں نے تین دن کے بعد اطاعت کے بجائے جنگ پر آمادگی ظاہر کی تو مجبوراً 28 ذی الحجہ 63ھ کو ان کے خلاف ایک سخت ''ایکشن'' (جو واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے جس کی تفصیل کسی دوسرے موقع پر پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ) کے بعد حالات پر قابو پا لیا گیا اور یوں علیحدگی کی تحریک ناکام ہوئی۔ ''مخالفین'' میں سے بہت سے لوگ مارے گئے، کچھ مکہ مکرمہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آ گئے۔ جب کہ باقی حضرات نے یزید کی دوبارہ بیعت کر کے اطاعت قبول کر لی۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''مدینۃ الرسولؐ کی تباہی، یزید کا سب سے سیاہ کارنامہ ہے لیکن اس کی ذمہ داری سے اہل مدینہ بھی بری نہ تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کی مخالفت کا انجام یہی ہوگا۔ اگر ابتدا سے وہ بیعت کر لیتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔'' (تاریخ اسلام اوّلین ص 388)

یہ ملحوظ رہے کہ حضرات عبداللہ بن جعفر، زین العابدین محمد بن علی (ابن الحنفیہ)، محمد الباقر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سمیت اکثر اکابر قریش و بنی ہاشم نے بیعتِ یزید کو سختی سے برقرار رکھا اور مخالفین کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

مسلم بن عقبہ مدینہ منورہ میں حکومتی ''رٹ'' بحال کرنے کے بعد مکہ مکرمہ پر سے

عبداللہ بن زبیرؓ کا قبضہ ختم کرانے کے لیے روانہ ہوئے مگر عمر رسیدہ اور مریض ہونے کی وجہ سے راستے ہی میں انتقال کر گئے اور ان کی جگہ حصین بن نمیر نے لشکر کی قیادت سنبھال لی اور مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے لشکر کا محاصرہ کر لیا۔

اسی اثناء میں 15۔ربیع الاول 64ھ کو امیر یزید کا انتقال ہو گیا تو حصین بن نمیر نے نہ صرف محاصرہ اٹھا لیا بلکہ عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت اور انہیں عالم اسلام کا متفقہ خلیفہ بنانے کی پیش کش بھی کی۔امیر یزید کی موت کے بعد دمشق کا مرکز خالی تھا۔حضرت مروانؓ اور عبدالملک وغیرہ واقعہ حرہ کے بعد مدینہ منورہ میں ہی مقیم تھے مگر افسوس کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے حصین بن نمیر کی اس پیش کش کو سختی کے ساتھ مسترد کر دیا۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں کہ:

''ابن زبیرؓ شجاع و بہادر تھے لیکن موقع شناس نہ تھے۔انہوں نے جواب دیا کہ جب تک ایک حجازی کے بدلے دس دس شامیوں کا سر قلم نہ کر لوں گا اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا .... اس طرح ابن زبیرؓ نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ایک بہترین موقع کھو دیا۔اگر انہوں نے ابن نمیر کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو آج بنی امیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا۔''

(تاریخ اسلام اوّلین ص 389 تحت ''ابن زبیرؓ کی سیاسی غلطی'')

شاہ صاحب موصوف آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت قریباً کل دنیائے اسلام میں ابن زبیرؓ کی خلافت مسلّم ہو گئی تھی کہ عین اس وقت انہوں نے ایک فاش غلطی کی کہ بنی امیہ کی اکھڑی ہوئی حکومت پھر قائم ہو گئی۔

یاد ہو گا کہ انہوں نے مکہ اور مدینہ سے بنی امیہ کو نکلوا دیا تھا لیکن واقعہ حرہ کے بعد یہ لوگ پھر لوٹ آئے تھے۔یزید کی موت کے بعد انکی ہمت اتنی پست ہو چکی تھی کہ مروان بن حکم اموی تک جو مدینہ کا حاکم تھا ابن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا لیکن ابن زبیرؓ کو بنی امیہ سے اتنی نفرت تھی کہ انہوں نے انجام کو سوچے بغیر کل بنی امیہ کو جس میں مروان اور اس کا لڑکا عبدالملک بھی تھا، مدینہ سے نکلوا دیا۔اس وقت عبدالملک چیچک

میں مبتلا تھا اس لیے مروان کے لیے مدینہ چھوڑنا مشکل تھا۔

لیکن ابن زبیرؓ نے اسے ایک لمحہ کے لیے بھی نہ نکلنے دیا اور مروان کو اسی حالت میں عبدالملک کو لے کر نکل جانا پڑا۔ بعد میں ابن زبیرؓ کو اس غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اس کی تلاش میں آدمی دوڑائے لیکن وہ نکل چکے تھے۔ اس واقعہ نے ابن زبیرؓ اور بنی امیہ کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ اگر اس وقت بنی امیہ کو ابن زبیرؓ نے روک لیا ہوتا تو پھر ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔"

(تاریخ اسلام اوّلین ص 397۔ تحت "ابن زبیرؓ کی ایک سیاسی غلطی اور اس کا نتیجہ")

ادھر دوسری طرف مرکز خلافت دمشق میں مقامی لوگوں نے یزید کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے معاویہ بن یزید کو جن کی عمر صرف 21 سال تھی اور ان کی صحت بھی اچھی نہ تھی، خلیفہ بنانے کی کوشش کی مگر انہوں نے انکار کر دیا اور گھر میں چھپ گئے جہاں ایک روایت کے مطابق چھ ماہ اور کچھ دن تک بیمار رہ کر وفات پا گئے۔

اس اثناء میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی اپنی خلافت کے استحکام میں کوشاں رہے لیکن حجاز و عراق کے سوا ان کی خلافت کو کسی نے تسلیم نہیں کیا۔ اور عراق میں بھی ان کی کامیابی جزوی اور فوجی قبضے کے سوا کچھ نہ تھی۔ ان کے مخالفین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

اس وقت حضرت مروان بن الحکمؓ نے جو ایک تجربہ کار، مدبر اور مقبول آدمی تھے مدینہ سے دمشق آ کر لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت لی اور لوگوں نے بخوشی انہیں اپنا خلیفہ بنا لیا۔ اس انعقاد بیعت میں معمولی جھڑپوں کے علاوہ کوئی قابل ذکر مخالفت نہیں ہوئی۔

حضرت مروانؓ کی حسن تدبیر کے نتیجے میں مصر بھی بغیر کسی قتل و خون کے خلافتِ دمشق کے زیر نگیں آ گیا۔ نیز انہوں نے دوسرے دور افتادہ صوبوں سے رابطہ قائم کر کے دمشق کی مرکزی حکومت کو کافی مضبوط و مستحکم بنا دیا۔ بالآخر وہ 65ھ میں انتقال فرما گئے۔ حضرت مروانؓ کی خلافت کی مدت 10 ماہ ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

"بعد ازاں اہل مدینہ کے شورش برپا کرنے پر اسے (مروانؓ کو) اس کے تمام متبعین کے

ساتھ خارج البلد کر دیا گیا تھا لیکن مسلم بن عقبہ کے جلو میں وہ پھر واپس آ گیا۔ یزید اول کی وفات کے بعد اسے ایک دفعہ پھر بھگا دیا گیا تو اس نے ملک شام میں سکونت اختیار کر لی جہاں وہ معاویہ ثانی کے دربار میں حاضری دیتا تھا۔ جب یہ فرماں روا چل بسا تو مروان بنوامیہ کی قسمت سے مایوس ہو کر ابن الزبیر کی خلافت کو تسلیم کرنے پر مائل ہو گیا جب کہ عبیداللہ بن زیاد نے اسے خود خلافت کے امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی ترغیب دی۔ مجلس جابیہ میں اس کی خلافت کا اعلان کیا گیا.... اس کے عہد حکومت کا اندازہ آٹھ یا گیارہ مہینے لگایا جاتا ہے۔ یہ فرق اس پر منحصر ہے کہ "جابیہ" میں اس کے منتخب ہونے کی تاریخ سے شمار کریں یا تخت نشینی کے موقع سے۔ جب کہ دوبارہ یہ رسم زیادہ تکلف سے دمشق میں ادا ہوئی....

مروان بن الحکم نے اپنے آپ کو اعلیٰ درجے کا مدبر ثابت کیا۔ وہ حضرت امیر معاویہؓ کا ہم عصر تھا اور اس وقت سے تمام سفیانیوں کی ماتحتی میں اسے ایک درخشاں ثانوی مرتبہ حاصل رہا ہے۔

خلافت اس نے حاصل تو کر لی مگر اس وقت جب اس کی چنداں پرواہ نہ رہی تھی۔ جب اسے یہ رتبہ مل گیا تو اسے وہی اصابت رائے اور برمحل اقدامات کی قوت بھی میسر آ گئی جس کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تعریف کرتے تھے۔ اس نئے حکمران کو اتنی مہلت ضرور مل گئی کہ وہ بنوامیہ کی زوال پذیر حکومت کو تاریخ کے ایک مختصر سے دور کے لیے استحکام بخش دے...

شامی خلفاء میں اس کا مقام متعین کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ مستعدی اور فن حکمرانی سے آگہی میں مروان اپنے نامی گرامی رشتہ دار امیر معاویہؓ کی یاد دلاتا ہے۔ وہ ان کا ہم پلہ ہو جاتا اگر ان امتیازی صفات کے ساتھ ساتھ اسے خوش مزاجی اور فراست کا وہ امتزاج بھی حاصل ہوتا جسے عرب "حلم" کہتے اور بہت پسند کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ میں پایا جاتا تھا۔

وہ (مروانؓ) نازک حالات میں خلیفہ بنا تھا اور اسے سب سے بڑھ کر مستقل مزاجی دکھانے کی ضرورت تھی تا کہ بغاوتیں فرو کر سکے....

اگر وہ کچھ مدت اور زندہ رہتا تو ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی شرافت مزاجی میں پہلے اموی خلیفہ کا ہم سر ثابت ہوتا۔

مروان بن الحکم پہلا مسلم حکمران ہے جس نے اپنے مختصر عہد حکومت میں اسلامی دینار ضرب کرائے جن پر "قل ھو اللّٰہ احد" لکھا ہوتا تھا۔اس کی نسل سے حکمرانوں کے دو خاندانوں شامی اوراندلس کے علاوہ ایک خاندان المروانہ ہوئے ہیں جو سعید مصر میں رہائش پذیر تھے۔ان مقامات رہائش میں سے ''حلب'' کے قریب ''دابق'' بھی تھا۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد 20 ص 476-478)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

"ھو اوّل من ضرب الدنانیر الشامیة التی یاع الدینار منها بخمسین و کتب علیها "قل ھو اللّٰہ احد"(الاصابہ الجزء الثالث ص 478)

امام ابن کثیر (م 774ھ) نے لکھا ہے کہ:

حضرت مروانؓ کی انگوٹھی (مہر) کا نقش "العزة للّٰہ" تھا اور بعض لوگوں نے کہا اس پر "امنت بالعزیز الرحیم" لکھا ہوا تھا۔''(البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 262)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تو اپنے اصولی موقف کے پیش نظر عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت تک نہیں کی تھی جب کہ ان دونوں جلیل القدر حضرات نے عبدالملک بن مروانؓ کی بیعت کر لی تھی۔

چنانچہ رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

''عبدالملک (بن مروانؓ) جو ابن زبیرؓ کے حریف تھے چوٹی کی عدالت والے تھے۔ ان کے فعل سے امام مالک کا استدلال کرنا ہی ان کی عدالت کے لیے کافی ہے۔

اس طرح ابن زبیرؓ کو چھوڑ کر ابن عباسؓ و ابن عمرؓ کا عبدالملک کی بیعت کر لینا ان کی عدالت کا روشن ثبوت ہے۔کیونکہ ابن زبیرؓ کی بیعت صحیح نہ تھی کیونکہ اس میں ارباب حل وعقد موجود نہ تھے اور مروانؓ کی بیعت میں (ارباب حل وعقد) موجود تھے۔لیکن سب مجتہد ہیں اور بظاہر حق کے پیروکار۔اگرچہ کسی جانب حق متعین نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان پڑھنے کے بعد قارئین پر یہ بات روشن ہوگئی ہوگی کہ ابن

زبیرؓ کا قتل فقہی اصول و قواعد کے مطابق عمل میں آیا تاہم نیت اور طلب حق کے اعتبار سے آپ شہادت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہیں۔

الغرض صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے افعال کے بارے میں یہی خیال قائم کرنا لازم ہے کیونکہ ان کی شان عظمت اس کے لائق ہے اور وہ امت محمدیہ کے بہترین لوگ ہیں۔ اگر ہم انہیں کو ہدفِ لعن و ملامت بنائیں گے تو پھر عدالت سے کون متصف ہوگا؟ حالانکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین میرا زمانہ ہے پھر میرے بعد والوں کا پھر بعد والوں کے بعد والوں کا۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔''

(مقدمہ ابن خلدون حصہ دوم ص 37۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی اپریل 1970ء)

امام بخاری (م 256ھ) صحیح بخاری میں "کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس" اور "کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة" کے پہلے باب میں ہی عبدالملک بن مروانؒ کی بیعت کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی "تحریری بیعت" پر مشتمل تین روایات لائے ہیں جن کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"....عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ شَهِدْتُ ابْنَ عُمَرَحَيْثُ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلٰى عَبْدِ الْمَلِكِ كَتَبَ اَنِّىْ أُقِرُّ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِعَبْدِ اللّٰهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَااسْتَطَعْتُ وَاِنَّ بَنِىَّ قَدْ أَقَرُّوْا بِمِثْلِ ذٰلِكَ"

(صحیح بخاری۔ کتاب الاحکام۔ باب کیف یبایع الامام الناس۔ رقم الحدیث 7203,7205/ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة (باب اول) رقم الحدیث 7272)

.... عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا جب لوگوں نے عبدالملک بن مروانؒ پر اتفاق کر لیا تو عبداللہ بن عمرؓ نے بیعت کا خط اس مضمون کا لکھا کہ:

میں اللہ کے بندے امیر المومنین عبدالملک بن مروانؒ کا حکم سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں اللہ کی شریعت اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا اور میرے بیٹے بھی ایسا ہی اقرار کرتے ہیں۔

حضرت مروان رضی اللہ عنہ تقریباً چالیس سال تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اس لیے ان کے بیٹے عبدالملک کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ان کی ولادت اور تعلیم و تربیت اکابر صحابہ کرامؓ اور اپنے والد حضرت مروانؓ کے زیر سایہ مدینہ منورہ میں ہوئی جو علم نبوی کا گہوارہ تھا۔ ان کی دینداری، عبادت گزاری، ذہانت فقہی اور علم حدیث میں مہارت کے سب ہی معترف تھے۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے جب کبھی عبدالملک سے علمی انداز کی گفتگو کی تو عبدالملک کو حدیث، فقہ اور تفسیر ہی نہیں بلکہ عربی کے منثور و منظوم ادب میں بھی بے نظیر پایا۔

اسی طرح بعض صحابہ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ عبدالملک کو کاروبار خلافت اگر الجھا نہ دیتا تو وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم سنت اور ماہر فقہ ہوتے۔

جہاں تک مروانؓ کے خود اپنے علم و فضل کا تعلق ہے تو اس کا ذکر آگے زیر عنوان ''حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا علمی مقام'' ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت مروانؓ نے بحیثیت کاتب، بحیثیت قاضی، بحیثیت امیر حج اور بحیثیت گورنر و خلیفہ عظیم خدمات سرانجام دے کر اپنے انتخاب کو صحیح اور درست ثابت کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے بعد ان کے بارے میں یہ ریمارکس "القاری لکتاب اللّٰہ ، الفقیہ فی دین اللّٰہ ،الشدید فی حدود اللّٰہ" دے کر انہیں بطور خلیفہ نامزد کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

کاتب وحی، فاتح عرب و عجم، مدبر اسلام، خلیفۂ راشد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر اس قدر اعتماد سے ان کی اہلیت خلافت پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ہے۔

بہر حال حضرت مروانؓ کا شمار ''رؤیتاً'' صغار صحابہ میں ہوتا ہے جب کہ ''روایتاً'' وہ کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت مروانؓ کے باہمی نزاعات کو بھی جنگ جمل اور جنگ صفین کی طرح ''مشاجراتِ صحابہؓ'' پر محمول کر کے ان پر تنقیدی نشتر چلانے سے اپنی زبانوں کو روک لینا چاہیے کیونکہ اسی چیز میں ایمان و اسلام کی سلامتی مضمر ہے۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کا علمی مقام

حضرت مروان رضی اللہ عنہ جس طرح عقل و دانائی اور تدبیر و سیاست میں ممتاز تھے اسی طرح آپ کا علمی مقام بھی بہت بلند تھا۔ عرب کے مروّجہ علوم اور فن کتابت میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے علم کو اتنی وسعت دے دی تھی کہ صحابہ کرامؓ کے حلقے میں آپ احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپ کے ہم عصر ہونے کے علاوہ آپ کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ مذہبی علوم میں اتنا درک حاصل تھا کہ اہل فتاویٰ میں سے شمار کیے جانے لگے۔

آپ علم فقہ اور عدل میں معروف ہیں آپ کی فقاہت کی شہادت امام مالک اور دیگر ائمہ نے دی ہے اور آپ کے فتاویٰ وقضایا سے استدلال کیا ہے۔ ان تمام امور کی با حوالہ تفصیل آ رہی ہے۔

قرآن مجید نے ''خشیت الٰہی'' کو علماء کا ایک نمایاں وصف قرار دیا ہے:

''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا'' (فاطر 28)

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

اس علم سے مراد کتاب و سنت اور اسرار الٰہیہ کا علم ہے اور جتنی انہیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اتنا ہی وہ رب سے ڈرتے ہیں۔ گویا جن کے اندر خشیت الٰہی نہیں ہے وہ علم صحیح سے محروم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''لیس العلم عن کثرة الحدیث لکن العلم عن کثرة الخشیة۔''

زیادہ باتیں بتانا علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے خشیت (یعنی ڈرنے) کو علم کہتے ہیں۔

حضرت امام مجاہد فرماتے ہیں کہ: ''انما العالم من خشی اللّٰہ عزوجل''

عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

حضرت ربیع بن انس کا ارشاد ہے کہ: "من لم یخش اللّٰہ تعالٰی لیس بعالم"
جس کے دل میں اللہ کا خوف نہیں وہ عالم نہیں ہے۔ (بحوالہ تفسیر قرطبی تحت الآیہ)

☆ حضرت مروانؓ "خشیت الٰہی" کے وصف سے بھی متصف تھے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کتاب التفسیر (سورۃ آل عمران آیت 188: لاتحسبن الذین یفرحون ....) کے تحت ان کی خشیت الٰہی کا ذکر فرمایا ہے۔ تفصیل پیچھے زیر عنوان "حضرت مروانؓ اور خشیت الٰہی" گزر چکی ہے۔ اس صفت کے اعتبار سے بھی ان پر "عالم" کا اطلاق ہوتا ہے۔

☆ حضرت مروان تحصیل علم میں ہمیشہ مگن رہے۔ مدینہ طیبہ کی گورنری اور مسجد نبوی میں امامت و خطابت کے دوران بھی دینی مسائل میں صحابہ کرامؓ سے استفادہ اور مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ امام محمد بن سعد (م 230ھ) لکھتے ہیں کہ:

"وکان مروان فی ولایتہ علی المدینۃ یجمع اصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یستشیرھم ویعمل بما یجمعون لہ علیہ۔"

(طبقات ابن سعد جلد 5۔ ص 30 تحت تذکرہ مروان بن الحکم)

حضرت مروانؓ مدینہ منورہ میں اپنی گورنری کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جس رائے پر وہ اتفاق کرتے اس پر عمل کرتے تھے۔

مروان بن الحکمؓ سیدہ ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل دریافت کرتے اور اعلانیہ کہتے تھے کہ: "کیف نسأل أحداً و فینا أزواج النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم" (مسند احمد جلد 6۔ ص 317)

نبی اکرمؐ کی ازواج مطہرات کے ہوتے ہوئے ہم کسی دوسرے سے مسائل کیوں پوچھیں؟

☆ حضرت مروانؓ اگرچہ بنو امیہ کے ایک ممتاز فرد اور حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے لیکن وہ علم کے میدان میں کسی گروہی تعصب کا شکار نہیں ہوئے۔ ایک

''دینی مسئلہ'' میں انہوں نے حضرت عثمانؓ کی رائے کے برخلاف حضرت علیؓ کے فتویٰ کی تائید کی جسے خود ان سے حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ بن علیؓ نے روایت کیا ہے:

''عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ شَهِدْتُ عُثْمَانَ وَ عَلِيًّا وَعُثْمَانُ يَنْهَى عَنِ الْمُتْعَةِ وَأَنْ يُجْمَعَ بَيْنَهُمَا فَلَمَّا رَأَى عَلِيٌّ أَهَلَّ بِهِمَا لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ قَالَ مَا كُنْتُ لِأَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ احَدٍ''

(صحیح بخاری کتاب المناسك ۔باب التمتع والقران ....رقم الحدیث1563)

حضرت علی بن حسینؓ ،حضرت مروان بن الحکمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت میں موجود تھا۔حضرت عثمانؓ تمتع اور قران سے منع کرتے تھے جب حضرت علیؓ نے دیکھا تو حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور ''لبیك بعمرة وحجة'' فرمایا اور کہا کہ کسی ایک شخص کی بات پر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

☆ یہ ضروری نہیں کہ کثیر الروایت صحابی ہر مسئلے سے آگاہ ہو بعض دفعہ ایک قلیل الروایت یا صغیر السن صحابی بھی کسی خاص مسئلہ کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے۔حضرت مروانؓ ایک دینی مسئلہ کے بارے میں جانتے تھے کہ اس کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔جب ان کے سامنے عبدالرحمٰن بن حارث نے ان کے موافق قول نقل کیا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس حال میں صبح کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرماتے اور روزہ رکھ لیتے۔''

حضرت مروانؓ (جو ان دنوں مدینہ کے گورنر تھے) نے کہا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم یہ حدیث ابو ہریرہؓ کو ضرور سناؤ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں روزہ نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ اس وقت ذوالحلیفہ میں اپنی زمین پر تھے کہ ان کی ملاقات حضرت عبدالرحمٰن بن حارث سے ہوگئی تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا:

"اِنِّیْ ذَاکِرٌ لَكَ أَمْرًاوَلَوْلَاأَنَّ مَرْوَانَ أَقْسَمَ عَلَيَّ فِيْهِ لَمْ أَذْكُرْهُ لَكَ فَذَكَرَ قَوْلَ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَ كَذٰلِكَ حَدَّثَنِيْ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ وَهُنَّ أَعْلَمُ۔"

(صحیح بخاری۔ كِتَابُ الصَّوْمِ ۔بَابُ الصَّائِمِ يُصْبِحُ جُنُبًا۔ رَقْمُ الْحَدِيْثِ 1925)

جب کہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن کا مسئلہ سن کر آخر میں فرمایا کہ:

"هُمَا اَعْلَمُ... فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ سَمِعْتُ ذٰلِكَ مِنَ الْفَضْلِ (ابن عباس) وَلَمْ اَسْمَعْهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَرَجَعَ اَبُوْهُرَيْرَةَ عَمَّا كَانَ يَقُوْلُ فِيْ ذٰلِكَ الْحَدِيْثِ"(صحیح مسلم کتاب الصوم باب صحة صوم من طلع علیه الفجروهوجنب جلد1۔ص 353)

میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور اگر مروانؓ نے قسم نہ دی ہوتی تو میں آپ سے بیان نہ کرتا۔

یہ کہہ کر انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی بیان کردہ حدیث انہیں سنائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا یہ بات (کہ اگر حالت جنابت میں صبح ہو جائے تو روزہ صحیح نہیں ہوتا) مجھ سے فضل بن عباسؓ نے بیان کی تھی۔ ام المؤمنین زیادہ جانتی ہیں (لہٰذا ان ہی کی بات تسلیم ہے)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن حارث سے فرمایا کہ:

یہ مسئلہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا تھا بلکہ فضل بن عباسؓ سے سنا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے بیان کردہ مسئلے سے رجوع فرمالیا کہ میں نے بلاواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ نہیں سنا تھا اسی واسطے غلطی ہوئی۔ امام مالک نے بھی حضرت مروانؓ کی اس روایت کو اپنی کتاب "المؤطا" میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (المؤطاامام مالك ۔ كتاب الصيام ۔باب ماجآء فى صيام الذى يصبح جنبافى رمضان ص 228 طبع قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی)

جامعہ ازہر کے فاضل استاذ، ڈاکٹر ابراہیم علی شعوط حضرت مروانؓ کا علمی مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

1۔ لقد عاصر عبداللّٰہ بن عباس وعبداللّٰہ بن عمر وتوفّی قبلھما وکان لہ معھما سباق فی المجال العلمی۔

2۔ یروی أن امرۃ نذرت أن تنحر ابنھا عندالکعبۃ فی أمران ھی فعلتہ ۔ ففعلت ذٰلك الأمر۔فقدمت المدینۃ لتستفتی عن نذرھا فجاء ت عبداللّٰہ بن عمر ، فقال لھا:

لا أعلم انّ اللّٰہ أمر فی النذر الّا الوفاء بہ ۔فقالت المرأۃ: أفأنحر ابنی؟قال ابن عمر قدنھی اللّٰہ أن تقتلوا أنفسکم ۔فلم یزدھا عبداللّٰہ بن عمر علی ذٰلك۔

فجاء ت عبداللّٰہ بن عباس فاستفتتہ فقال:

أمر اللّٰہ بوفاء النذر والنذر دین ونھاکم أن تقتلوا أنفسکم ثمّ قصّ علیھا قصّۃ عبدالمطلب والفداء الّذی جعلہ لابنہ عبداللّٰہ

ثم قال ابن عباس للمرأۃ: فأری أن تنحری مأۃ من الابل مکان ابنك۔

فبلغ الحدیث مروان وھو أمیر المدینۃ فقال:

ماأری ابن عمر ولاابن عباس قد أصابا الفتیا۔أماعلما أنہ لا نذر فی معصیۃ اللّٰہ ، استغفری اللّٰہ ، وتوبی وتصدّقی واعملی ماشئت من الخیر۔فأما أن تنحری ابنك فقد نھاك اللّٰہ عن ذٰلك۔

فسر النّاس بذلك و أعجبھم قول مروان ورأوا أنہ قد أصاب الفتیا فلم یزالوا یفتون بأن لانذر فی معصیۃ"

ھذا و یظھر أن مروان اعتمد فی ھذہ الفتیا علی حدیث عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا من نذر أن یطیع اللّٰہ فلیطعہ ، ومن نذر أن یعصیہ فلا یعصہ"

(أباطیل یجب أن تمحی من التاریخ ص 315-314۔تحت"مکانتہ العلمیۃ")

امیر مروانؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ہم عصر تھے اور انہوں نے ان دونوں سے پہلے وفات پائی اور وہ ان دونوں سے بعض علمی امور میں آگے بھی بڑھتے رہے۔

2۔ مروی ہے کہ ایک عورت نے ایک کام کے سلسلے میں نذر مانی کہ اگر اس نے وہ کام کر دیا تو وہ اپنے بیٹے کو کعبہ معظّمہ کے پاس ذبح کر دے گی۔ پھر اس نے وہ کام کر دیا۔

عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے نفسوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے زیادہ عبداللہ بن عمرؓ نے کچھ نہیں کہا۔ پھر وہ عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئی تو ان سے بھی اس نے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور "نذر" دین ہے اور اس نے تمہیں اپنی جانوں کے قتل سے بھی منع فرمایا ہے۔ پھر انہوں نے اسے عبدالمطلب (کے بیٹے) کی نذر کا قصہ سنایا اور اس فدیہ کا بھی ذکر کیا جو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے دیا تھا۔ پھر عبداللہ بن عباسؓ نے اس عورت سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تو اپنے بیٹے کے بدلے ایک سو اونٹ ذبح کر دے۔

پس یہ فتویٰ گورنر مدینہ حضرت مروانؓ تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا: میں نہیں خیال کرتا کہ عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں نے درست فتویٰ دیا ہو۔

کیا وہ دونوں نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر اور توبہ کر اور صدقہ دے اور امور خیر سے جو تو چاہے عمل کر۔ جہاں تک تیرا، بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر کا تعلق ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ نے تجھے منع فرمایا ہے۔ پس لوگ اس فیصلے سے خوش ہوئے اور انہیں امیر مروانؓ کا یہ قول نہایت ہی پسند آیا اور انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ انہوں نے درست فتویٰ دیا ہے۔ پھر وہ اسی کے مطابق فتویٰ دیتے رہے کہ اللہ کی معصیت میں وہ نذر پوری نہ کرے۔

یہ فیصلہ حضرت مروانؓ کی علمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے اس فتویٰ کے معاملے میں حضرت عائشہؓ کی اس حدیث پر اعتماد کیا ہے جس میں آپ فرماتی ہیں کہ:

''جو شخص اللہ کی اطاعت (نیک کاموں) کی نذر کرے وہ اسے بجا لائے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی (گناہ کے کاموں) کی نذر کرے تو وہ ہرگز وہ کام نہ کرے۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الایمان والنذور۔باب النذرفیما لایملك و (لا)فی معصیة۔ رقم الحدیث 6700)

☆ حضرت مروانؓ کے علمی مقام کا اندازہ حضرت معاویہؓ کے ان توصیفی کلمات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے ان کے بارے میں ارشاد فرمائے تھے۔

امام ذہبیؒ (م 748ھ) رقم طراز ہیں کہ:

"وقال قبیصة بن جابر: قلت لمعاویة: من ترٰی للأمر بعدك؟فسمّی رجالاً ، ثم قال: وأمّا القاری(لکتاب اللّه) ، الفقیه(فی دین اللّه)، الشدید فی حدود اللّه ، مروان "(سِیَرُ اَعْلَامِ النُّبَلَاءِ-الجزء الثالث ص 477، البدایة والنهایة جلد8ص 257)

حضرت قبیصہ بن جابر نے کہا: میں نے حضرت معاویہؓ سے عرض کیا کہ اپنے بعد کس کو جانشین نامزد کرنے کا خیال ہے تو انہوں نے چند آدمیوں کے نام لینے کے بعد حضرت مروانؓ کے متعلق فرمایا: یہ کتاب اللہ کے قاری ہیں، اللہ کے دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود قائم کرنے میں شدید ہیں۔

☆ امام شافعی جنگ جمل کے بعد حضرت مروانؓ کے بارے میں خود حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"و هو مع ذٰلك سیّد من شباب قریش "(سِیَرُ اَعْلَامِ النُّبَلَاءِ-الجزء الثالث ص 477)

وہ قریش کے نوجوانوں میں سے سردار تھے۔

☆ امام مالک حضرت مروانؓ کا اپنا یہ اعتراف نقل کرتے ہیں کہ:

"قرأت کتاب اللّه من أربعین سنة ثم اصبحت فیما انا فیه من هرق الدماء و هذا الشأن "(حوالہ مذکور ص 479)

میں چالیس سال سے اللہ کی کتاب پڑھ رہا ہوں پھر خون ریزی اور ان امور میں مبتلا

ہوگیا ہوں۔

قاضی ابوبکر ابن العربی (م 543ھ) لکھتے ہیں کہ:

”و اما قول القائلین فی مروان والولید فشدید علیہم وحکمہم علیہما بالفسق ، فسق منہم

مروان رجل عدل من کبار الامۃ عند الصحابۃ والتابعین وفقہاء المسلمین

امّا الصحابۃ فان سہل بن سعد الساعدی روی عنہ۔

وامّا التابعون فاصحابہ فی السن و ان کان جازہم باسم الصحبۃ فی احد القولین۔

و اما فقہاء الامصار فکلّہم علی تعظیمہ واعتبار خلافتہ والتلفت الی فتواہ والانقیاد الی روایتہ۔

و اما السفہاء من المؤرخین والادباء یقولون علی اقدارہم“

(العواصم من القواصم ص 89-90)

مروانؓ اور ولید رحمہ اللہ کے متعلق ناقدین کا قول اور ان دونوں پر فسق کا حکم ان ہی پر شدید اور ان کے فسق کی دلیل ہے۔

حضرت مروانؓ، صحابہ و تابعین اور فقہاء مسلمین کے نزدیک عادل و ثقہ اور اس امت کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔

صحابہ میں سے حضرت سہل بن سعد الساعدی نے ان سے روایت کی ہے۔ اور رہے تابعین تو وہ عمر کے اعتبار سے آپ کے ساتھیوں میں سے ہیں اگر چہ آپ دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق صحبت کے اعتبار سے ان سے فائق ہیں۔

فقہائے زمانہ تو سب کے سب ان کی تعظیم پر، ان کی خلافت کی حجیت پر، انکے فتاویٰ کے لائق اعتناء ہونے پر اور ان کی روایات کی پیروی پر متفق ہیں۔

لیکن ناسمجھ مؤرخین اور ادیب اپنے ظرف کے مطابق حضرت مروانؓ کے خلاف باتیں بناتے ہیں۔

حضرت مروانؓ کی علمی قابلیت اور وثاقت ثابت کرنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ ان سے صحابہ بالخصوص سہل بن سعد الساعدی نے روایت کی ہے جب کہ حضرت ابو ہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی مدینہ منورہ میں ان کی نیابت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔

....ان اباھریرۃ کان حین یستخلفہ مروان علی المدینۃ اذا قام للصلوٰۃ المکتوبۃ کبّر۔

(صحیح مسلم جلد 1۔ص 169۔ کتاب الصلوۃ۔باب اثبات التکبیر فی کل رفع و خفض فی الصلوۃ)

جب حضرت مروانؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مدینہ میں نائب مقرر کیا تو وہ نماز کو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے۔

☆ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م 728ھ) لکھتے ہیں کہ:

"بل أخرج اهل الصحاح عدّة احادیث عن مروان وله قول مع اهل الفتیا"

(منهاج السنة النبوية فی نقض کلام الشیعة والقدریة۔الجزء الثالث ص189)

محدثین "صحاح" نے حضرت مروانؓ سے متعدد احادیث کی تخریج کی ہے اور ان کا قول اہل فتویٰ میں شمار ہوتا ہے۔

موصوف ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"و أما علی بن الحسین فمن کبار التابعین وساداتهم علماً و دیناً ، أخذ عن أبیه وابن عباس والمسور بن مخرمة و أبی رافع مولی النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم و عائشة و ام سلمة و صفیة أمهات المؤمنین و عن مروان بن الحکم و سعید بن المسیب و عبد اللّٰه بن عثمان بن عفان و ذکوان مولی عائشة وغیرهم رضی اللّٰه عنهم"(منهاج السنّة۔الجزء الثانی ص123)

علی بن حسینؓ (یعنی امام زین العابدینؒ) علم و تدین کے اعتبار سے کبار تابعین اور ان کے سادات میں سے تھے، انہوں نے اپنے والد (حضرت حسینؓ)، ابن عباسؓ، مسور بن مخرمہؓ، ابو رافعؓ، امہات المومنین میں سے سیدہ عائشہؓ، سیدہ ام سلمہؓ، سیدہ صفیہؓ اور مروان بن

حکمؓ، سعید بن مسیّبؒ، عبداللہ بن عثمان بن عفانؓ، اور ذکوان مولی عائشہؓ سے علم حاصل کیا۔

امام ابن تیمیہؒ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ حضرت زین العابدینؒ حضرت مروانؓ کے بھی شاگرد تھے۔

☆ امام ابن کثیر (م 774ھ) لکھتے ہیں کہ:

"کان مروان من سادات قریش وفضلائها....

القاری لکتاب اللّٰہ ، الفقیه فی دین اللّٰہ ، الشدیدفی حدوداللّٰہ....

کان عند مروان قضاء وکان یتبع قضایا عمر بن خطاب۔"

حضرت مروانؓ قریش کے سادات اور فضلاء میں سے تھے....

یہ کتاب اللہ کے قاری، دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود کے قیام میں بہت شدید ہیں....

حضرت مروانؓ کے پاس "قضاء" کا منصب بھی تھا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے رہنمائی لیتے تھے۔(البدایہ والنہایہ جلد 8۔ص 258-257)

☆ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) لکھتے ہیں کہ:

"و أرسل عن النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم و روی عن غیر واحد من الصحابة منهم عمر و عثمان و علیّ و زید بن ثابت و عبدالرحمٰن بن الاسودبن عبدیغوث وبسرةبنت صفوان وقرنه البخاری بالمسوربن مخرمة....

روی عنه سهل بن سعد و هوأکبرمنه سناًوقدراً لانه من الصّحابة۔

رویٰ عنه من التابعین ابنه عبدالملك وعلی بن الحسین و عروة بن الزبیر وسعید بن المسیّب وابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحرث وعبیداللّٰہ بن عبداللّٰہ بن عتبة وغیرهم۔وکان یُعَدُّ فی الفقهاء....(الاصابه الجزء الثالث ص 477)

حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق "ارسال" حدیث روایت کی ہے۔کیونکہ زیادہ سے زیادہ آپ کی "رؤیت" تو ثابت ہے لیکن "سماع" ثابت نہیں۔اور خود انہوں نے ایک سے زائد صحابہ کرامؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ان

میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبدالرحمٰن بن الاسود بن یغوث و بسرۃ بنت صفوان رضی اللہ عنہم اور امام بخاری نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملا کر یعنی ایک ہی حدیث میں دونوں کی روایت جمع کی ہے۔

جب کہ حضرت مروانؓ سے صحابی رسول حضرت سہل بن سعدؓ جوان سے عمر اور مرتبے میں بڑے تھے حدیث بیان فرمائی ہے۔

اسی طرح حضرت مروانؓ سے تابعین عظام کی ایک جماعت نے بھی احادیث روایت کی ہیں جن میں:

ان کے بیٹے عبدالملک، علی بن حسین بن علیؓ (زین العابدینؒ)، عروہ بن زبیرؒ، سعید بن مسیّب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کے علاوہ دیگر حضرات بھی شامل ہیں۔ نیز حضرت مروانؓ اپنے دور کے فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

علامہ موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"وقال عروۃ بن زبیر: کان مروان لایتھم فی الحدیث و قدروی عنہ سھل بن سعدالساعدی الصحابی اعتماداً علی صدقہ ...."

(ھدی الساری۔ فتح الباری جلد 14۔ ص 443۔ دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

حضرت عروہ بن زبیرؓ نے (تمام تر اختلافات کے باوجود) کہا کہ:

حضرت مروانؓ صحابہ کرامؓ سے احادیث بیان کرنے میں متہم نہیں ہیں۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی نے ان کے صدق پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے حدیث سن کر بیان فرمائی۔

☆ علامہ ابن حسن دیار بکری (م 982ھ) حضرت مروانؓ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:

انّہ کان اقرأ النّاس للقراٰن .....وکان مروان فقیھاً ، عالماً ، ادیباً۔"

(تاریخ الخمیس جلد 2۔ ص 397 تحت مروان بن الحکم)

حضرت مروانؓ لوگوں میں سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرنے والے تھے ....اور وہ

ایک فقیہ، عالم اور ادیب تھے۔

حضرت مروانؓ کے قرآن کے ساتھ تعلق کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ''جمع عثمانی'' کے خلاف مستقبل میں کسی بھی ''سازش'' کا راستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہ لکھوائے ہوئے صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق انہیں ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس منتقل کر دیا گیا۔ پھر مروان بن حکمؓ نے اپنے عہد حکومت میں حضرت حفصہؓ سے یہ صحیفے طلب کیے تو انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جب حضرت حفصہؓ کی وفات ہو گئی تو مروانؓ نے وہ صحیفے منگوائے اور انہیں اس خیال سے نذرِ آتش کر دیا اب اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا تھا کہ رسم خط اور ترتیب سور کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے تیار کرائے ہوئے مصاحف کی اتباع لازمی ہے اور کوئی ایسا نسخہ باقی نہ رہنا چاہیے جو ان کے رسم الخط اور ترتیب کے خلاف ہو۔''

(علوم القرآن ص 186-187۔ بحوالہ فتح الباری جلد 9 ص 12، 13۔ معارف القرآن جلد اول ص 40، کشف الباری۔ فضائل قرآن ص 47)

اس تفصیل سے حضرت مروانؓ کے انتہائی بلند علمی مقام، ان کی عدالت وجلالت، علمیت وفضیلت، تفقہ واجتہاد اور عظمت و بزرگی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مروانؓ کے علمی مقام کو مزید اجاگر کرنے کے لیے کتب حدیث میں ان کی ''مرویات'' کی ایک جھلک بھی نذرِ قارئین کر دی جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مرویات سیدنا مروان رضی اللہ عنہ

صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؒ کے علاوہ امام مالکؒ (م179ھ)، امام محمدؒ (م189ھ) امام شافعی (م204ھ)، امام احمد بن حنبلؒ (م241ھ)، امام بخاریؒ (م256ھ) اور دیگر محدثین و فقہاء نے حضرت مروانؓ کے "قضایا و مرویات" سے استنباط و استدلال کر کے ان کی دینی فقاہت، خشیت الٰہی، علمی قابلیت و وثاقت اور صدق و دیانت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

"مرویاتِ سیدنا مروانؓ" کا عنوان ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے۔ زیر نظر کتاب میں چند "مرویات" نذرِ قارئین کی جارہی ہیں جن سے ان کا جذبۂ اتباع سنت، شوق حدیث اور احترام حدیث کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے:

المؤطا لامام مالک بن انس رحمہ اللہ

امام مالک بن انس المدنی ایک جلیل القدر امام تھے۔93ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور 179ھ میں مدینہ منورہ ہی میں وفات پا کر جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

آپ نے مدینہ منورہ (جو مہبط وحی اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرکز ومحور تھا) کے سینکڑوں علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔آپ کی امامت وجلالت، حدیث کے نقد وجرح میں مہارت وبصیرت اور کتاب وسنت سے استخراج احکام میں فراست پر سب علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور آپ کے معاصرین سب اس کے معترف ہیں۔

روایت حدیث میں آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ بعض صالح اور متقی بزرگوں سے احادیث صرف اس لیے روایت نہیں کرتے تھے کہ وہ محدث نہ تھے۔دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا یہ حال تھا کہ زندگی بھر مدینہ میں کسی جانور پر اس لیے سوار نہ ہوئے کہ اس زمین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں۔

حضرت مروانؓ عہد عثمانی میں 24ھ کے بعد سے 64ھ کے اوائل تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔بعہد سیدنا عثمانؓ سیکرٹری شپ اور بعہد سیدنا معاویہؓ قضا ۃ اور گورنری جیسے اعلیٰ مناصب کے حامل رہے۔قتل عثمانؓ، جنگ جمل، قتل طلحہؓ، جنگ صفین، واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ جیسے سانحات کے سینکڑوں گواہ نیز خود حضرت مروانؓ کو دیکھنے والے، جاننے والے، ملنے والے، تعلق رکھنے والے، محبت کرنے والے اور اختلاف کرنے والے امام مالک کے دور حیات (93-179ھ) میں موجود تھے مگر اس کے باوجود وہ حضرت مروانؓ کے بارے میں ان مثالب، الزامات واتہامات اور اعتراضات سے آگاہ نہیں ہو سکے جو بعد کے مؤرخین اور تیرہ سو سال کے بعد برصغیر کے "علماء" نے بیان کیے ہیں۔

امام مالک نے حضرت مروانؓ کی صداقت ودیانت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی مشہور

زمانہ کتاب ''المؤطا'') جسے بعض علماء نے ابن ماجہ کی جگہ صحاح ستہ میں شامل کیا ہے) کے متعدد مقامات پر ان کی مرویات با سند نقل کر کے ان سے شرعی مسائل اخذ کیے ہیں۔

پیش نظر رہے کہ مؤطا امام مالک کو ابتداء میں "اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ" کہا جاتا تھا اس کے بہت بعد یہ لقب صحیح بخاری کو ملا۔ اس لیے کہ اس میں مؤطا کی تقریباً تمام احادیث بے شمار دوسری احادیث کے ساتھ موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(درس ترمذی جلد اول ص 46۔ مؤلفہ مولانا مفتی تقی عثمانی)

علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) لکھتے ہیں کہ:

"و قد اعتمد مالك على حديثه و رأيه و الباقون سوى مسلم"

(ہدی الساری۔ فتح الباری جلد 14۔ دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

امام مالک نے حضرت مروانؓ کی حدیث اور ان کی مجتہدانہ رائے پر اعتماد کیا ہے اور اسی طرح مسلم کے سوا باقی محدثین نے بھی۔

امام مسلم کے حوالے سے ''عدم اعتماد'' کی بات صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح مسلم کے متعدد مقامات پر سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ مسائل اور دیگر متعلقات باقاعدہ ان کے نام کے ساتھ موجود ہیں۔

اس ''تمہید'' کے بعد المؤطا کے ان چند مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں امام مالک نے حضرت مروانؓ کی مرویات اور فیصلوں کا حوالہ دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

1۔ ....عن عبداللّٰه بن ابى بكر انه سمع عروة بن الزبير يقول: دخلت على مروان بن الحكم فتذاكرنا ما يكون منه الوضوء۔

فقال مروان: ومن مسّ الذكر الوضوء۔ فقال عروة: ماعلمت هذا۔ فقال مروان ابن الحكم: أخبرتنى بسرة بنت صفوان أنّها سَمِعَتْ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يقول: اذامسّ أحدكم ذكره فليتوضأ۔ (مؤطا امام مالك ۔ كتاب الطهارة باب الوضوء من مسّ الفرج ۔ ص 29۔ طبع قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی)

عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا عروہ بن زبیرؓ سے ۔ میں مروان بن حکمؓ کے پاس گیا اور ذکر کیا ہم نے ان تمام چیزوں کا جن سے وضو لازم آتا ہے تو کہا مروانؓ نے کہ ذکر کے چھونے سے بھی وضو لازم آتا ہے ۔

عروہ نے کہا میں اس کو نہیں جانتا ۔ مروان رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے خبر دی بسرہ بنت صفوانؓ نے ، اس نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ، فرماتے تھے جب چھوئے تم میں سے کوئی اپنے ذکر کو تو اسے چاہیے کہ وضو کر لے ۔

چھونے سے یہ غرض ہے کہ ہتھیلی سے بغیر کسی حائل کے ذکر کو چھولے ۔ یہ امر وضو ٹوٹ جانے کا باعث ہے ۔ کیونکہ ترمذی کی روایت ہے ، نماز نہ پڑھے جب تک کہ وضو نہ کر لے ۔ زرقانی نے کہا کہ اس حدیث کو شافعی ، احمد ، اصحاب سنن ، ابن خزیمہ ، ابن الجارود اور امام حاکم نے روایت کیا ہے جب کہ احمد نے یحیٰی بن معین ، ترمذی ، حاکم ، دار قطنی ، بیہقی اور حازمی نے تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر صحیح ہے اور اس کی تائید میں سترہ صحابہؓ نے روایت کیا ہے اور سیوطی نے اس حدیث کو متواتر کہا ہے ۔

مصفّٰی میں ہے کہ شاید یہ وضو احتیاطی ہو ۔ اسی وجہ سے بعض صحابہؓ نے اسے لازم کیا ۔

2۔ عن داؤد بن الحصين أنّه سمع اباغطفان بن طريف المرّیّ يقول: اختصم زيد بن ثابت الانصاری وابن مطيع فی دار كانت بينهما الی مروان بن الحكم وهوامير علی المدينة۔

فقضٰی مروان علٰی زيدبن ثابت باليمين علی المنبر۔فقال زيد بن ثابت: احلف لـه مكانی۔قال فقال مروان : لا واللّٰه الّاعند مقاطع الحقوق قال فجعل زيد بن ثابت يحلف أنّ حقّه لحقّ و يأبٰی أن يحلف علی المنبر قال فجعل مروان بن الحكم يعجب من ذٰلك۔

قال مالك لاارٰی أن يحلف أحدعلی المنبرعلٰی أقلّ من ربع دينار و ذٰلك ثلاثة دراهم۔(مؤطا امام مالك۔كتاب الاقضية۔باب ماجاء فی اليمين علی المنبرص636)

داؤد بن حصین نے ابوغطفان بن طریف مری کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ اور ابن مطیع کا ایک مکان پر جھگڑا ہوا جوان میں مشترک تھا اور وہ مقدمے کو مروان بن حکمؓ کے پاس لے گئے جوان دنوں مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ مروان بن حکمؓ نے فیصلہ کیا کہ حضرت زید بن ثابتؓ منبر پر قسم کھائیں۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ میں اپنے مکان پر قسم کھاؤں گا۔

مروانؓ نے کہا اللہ کی قسم ایسا نہ کرو۔ لوگوں کے فیصلے یہیں ہوتے ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ قسم کھانے کے لیے تو تیار تھے لیکن منبر پر قسم کھانے سے انکار کرتے رہے اور مروان بن حکمؓ اس بات پر حیران ہو رہے تھے۔ امام مالک نے فرمایا کہ جو منبر پر قسم کھائے تو کم از کم چوتھائی دینار دے جو تین درہم کے برابر ہے۔

3۔ عن مالك أنه بلغه أنّ مروان بن الحكم كتب الى معاوية بن ابى سفيان يذكر أنّه أتِيَ بِسَكْرَانَ قد قتل رجلاً فكتب اليه معاوية أن اقتله به۔

(مؤطاامام مالك۔ كتاب العقول باب القصاص فى القتل ص679)

امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ مروان بن حکمؓ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو خط لکھا کہ ان کے پاس ایک مدہوش شخص کو لایا گیا ہے جس نے ایک دوسرے آدمی کو قتل کیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت مروانؓ امیر مدینہ کو لکھا کہ اسے اس کے قصاص میں قتل کردو۔

4۔ ....عن محمد بن يحىٰ بن حبّان أنّ عبداً سرق وديّامن حائطِ رجلٍ فغرسه فى حائط سيّده فخرج صاحب الودىّ يلتمس وديّه فوجدهٗ فاستعدىٰ على العبد مروان بن الحكم ، فسجن مروان العبد و أراد قطع يده فانطلق سيّدالعبدالى رافع بن خديج فسأله عن ذٰلك فأخبره أنّه سمع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يقول لاقطع فى ثمر ولا كثرٍ وَالْكَثْرُ الْجُمَّار۔

فقال الرجل فإنّ مروان بن الحكم أخذ غلاماً لى وهو يريد قطعه وانا أحب أن تمشى معى اليه فتخبره بالّذى سمعت من رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه

وسلّم فمشٰی معه رافع الٰی مروان بن الحکم فقال: أخَذْتَ غلاماً لهٰذا؟ فقال نعم قال فما انت صانع به قال اردت قطع یده۔فقال له رافع: سمعت رسول الله صلّی الله علیه وسلّم یقول لاقطع فی ثمر ولا کثر۔

فأمر مروان بالعبد فارسل۔

{(مؤطاامام مالك۔کتاب السرقه۔باب مالا قطع فیه۔ص 692۔، مؤطا لـلامام محمد۔کتاب الحدود فی السرقة باب من سرق ثمراً وغیرذٰلك مما لم یُحْرَزْ۔ص 302، سنن ابی داوٗد(4388) ، سنن ترمذی(1449)، سنن نسائی(4975) ، سنن ابن ماجه(2593)}

محمد بن یحیٰی بن حبان سے روایت ہے کہ کسی غلام نے ایک باغ سے کھجور کا پودا چرا کر اپنے آقا کے باغ میں لگا دیا۔پودے والا(جس کا پودا چرایا گیا تھا)اس کی تلاش میں نکلا اور بالآخرا سے پالیا۔پھر اس نے مروان بن حکمؓ کے ہاں مقدمہ کر دیا تو حضرت مروانؓ نے غلام کو قید کر دیا اور غلام کا ہاتھ کاٹنا چاہا۔

غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیجؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق ان سے دریافت کیا۔انہوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پھل اور پودے(گودے کی چوری) میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یہ معاف ہیں۔گودے سے کھجور کا گودا مراد ہے۔اس شخص نے عرض کیا کہ میرے غلام کو مروانؓ نے پکڑا ہے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتے ہیں۔میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ ان کے پاس تشریف لے چلیں اور جو حدیث آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے وہ انہیں بتائیں۔حضرت رافعؓ ان کے ساتھ مروان بن حکم کے پاس چلے گئے اور ان سے کہا کہ: آپ نے اس شخص کا غلام پکڑا ہے؟انہوں نے کہا:جی ہاں۔حضرت رافعؓ نے کہا آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟حضرت مروانؓ نے کہا کہ میں اس کے ہاتھ کاٹوں گا تو رافعؓ نے ان سے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پھل اور پودے کی چوری

میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چنانچہ مروانؓ نے حکم دیا کہ غلام کو چھوڑ دو۔

5۔ عن ابن شهاب أنّ مروان بن الحكم أتِيَ بانسان قد اختلس متاعاً فأراد قطع يده فارسل الى زيد بن ثابت يسأله عن ذلك۔فقال زيد بن ثابت ليس في الخُلْسَة قطع۔(مؤطاامام مالك۔كتاب السرقة۔باب مالاقطع فيه ص692)

ابن شہاب سے روایت ہے کہ مروان بن حکمؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے کسی کا مال اچک لیا تھا لہٰذا اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا۔ پھر حضرت زید بن ثابتؓ سے اس کا حکم پوچھنے کے لیے آدمی بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اچکے (یعنی اس طرح کے مجرم) کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

6۔ امام مالک نے حضرت مروانؓ سے ایک طویل روایت کتاب الصیام میں بھی نقل کی ہے جو صحیح بخاری میں آئی ہے۔ اسے ہم صحیح بخاری کے حوالے سے ہی پیچھے زیر عنوان ''حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا علمی مقام'' نقل کر آئے ہیں یہاں تکرار سے بچتے ہوئے صرف حوالے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(مؤطاامام مالك۔كتاب الصيام۔باب ماجاء في صيام الذي يصبح جنبا في رمضان ص228)

☆☆☆☆☆☆☆☆

الموطا الامام محمد رحمہ اللہ

امام محمد بن الحسن الشیبانی (المولود 132ھ، المتوفٰی 189ھ) امام ابوحنیفہ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے دیگر مشائخ کے علاوہ امام مالک سے بھی کسبِ فیض کیا۔ امام محمد خود فرماتے ہیں کہ میں تین سال سے زیادہ عرصہ تک امام مالک کی خدمت میں رہا اور ان سے سات سو احادیث کی سماعت کی۔ امام محمد، مؤطا امام مالک کے ایک معتمد راوی ہیں اور انہوں نے مجتہد ہونے کے باوجود فقہ حنفی کی تدوین اور نشر و اشاعت میں بلاشبہ گراں قدر خدمات انجام دیں۔

اب وہ چند روایات ملاحظہ فرمائیں جن سے امام محمد نے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی مرویات اور فیصلوں سے شرعی احکام اخذ کیے ہیں اور بعض امور میں دیگر صحابہ کے اقوال کو ترجیح دی ہے:

7۔ ایک روایت کا حوالہ نمبر شمار 6 پر مؤطا امام مالک کے تحت اوپر گزر چکا ہے امام محمد نے بھی اسے "مؤطا" میں نقل کیا ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

(مؤطا الامام محمد۔ ابواب الصیام۔ باب الرجل یطلع له الفجر فی رمضان و هو جنب ص 182۔ طبع قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی۔)

8۔ ....عن داوُد بن الحصین أنّ ابا غطفان أخبره أنّ مروان ابن الحکم ارسله الی ابن عبّاسؓ یسأله عن الفرس فقال انّ فیه خمسًا من الابل قال فردّنی مروان الی ابن عباس فقال فَلِمَ تجعل مقدّم الفم مثل الاضراس قال فقال ابن عبّاس لولا أنّك لا تعتبر الّا بالاصابع عقلها سواء۔

قال محمد و بقول ابن عبّاس نأخذ عقل الأسنان سواء وعقل الاصابع سواء فی کلّ أصبع عُشْرُ الدّیة وفی کلّ سنٍّ نصف عُشْر الدّیة وهو قول ابو

حنیفة والعامة من فقهائنا۔(مؤطا لامام محمد۔کتاب الدیات ۔باب دیة الأسنان ۔ص 283-294)

ابو غطفان نے بتلایا کہ مروان بن حکمؓ نے مجھے ابن عباسؓ کی خدمت میں بھیجا کہ داڑھ کی دیت کیا ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: اس کی دیت پانچ اونٹ ہیں ۔حضرت مروانؓ نے مجھے حضرت ابن عباسؓ کی طرف دوبارہ بھیجا کہ داڑھ کو دانتوں کے برابر کیوں کرتے ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: اگر آپ دانتوں کو انگلیوں کے برابر قیاس کرتے تو آپ کے لیے کافی ہوتا کیونکہ تمام انگلیوں کی دیت برابر ہے۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہم ابن عباسؓ کے اس قول کو اختیار کرتے ہیں کہ دانتوں کی دیت اور انگلیوں کی دیت دونوں برابر ہیں۔ ہر انگلی کی دیت اصل دیت کا دسواں حصہ ہے اور ہر دانت کی دیت اصل دیت کا بیسواں حصہ ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

9۔ پیچھے مؤطا امام مالک کے تحت 4 نمبر پر ایک روایت گزری ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک غلام نے کھجور کا پودا چوری کر کے اپنے مالک کے باغ میں لگا دیا تھا جس کا حضرت مروانؓ ہاتھ کاٹنا چاہتے تھے لیکن حضرت رافع بن خدیجؓ کی زبانی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سن کر اس غلام کو رہا کر دیا تھا۔ امام محمد یہ روایت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

قال محمد وبهذا نأخذ لا قطع في ثمر معلّق في شجر ولا في كثر والكثر الجمّار ولا في وديّ ولا في شجر وهو قول أبي حنيفه رحمه الله تعالى۔(مؤطا امام محمد۔کتاب الحدود في السرقة باب من سرق ثمرا او غير ذلك ممّالم يُحْرَزْ۔ص 302)

قول محمدؒ یہ ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری، کھجور کے گودے، پنیری، پودے اور درخت کے چرا لینے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

10۔ امام مالک نے مؤطا میں "کتاب السرقة باب ما لا قطع فيه" میں یہ

روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص حضرت مروان بن حکمؓ کے زمانہ میں کچھ اچک کر لے گیا تھا تو حضرت زید بن ثابتؓ کی مشاورت سے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا۔

امام محمد یہ روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وبھذا نأخذلا قطع فی المختلس و ھو قول ابی حنیفۃرحمہ اللہ تعالی

(مؤطاامام محمد۔ کتاب الحدود۔باب المختلس ص 306)

ہم اسی کواختیار کرتے ہیں کہ اچکے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔یہی امام ابوحنیفہؒ کاقول ہے۔

قاضی عیاضؒ نے "مختلس" کی حد "قطع ید" نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ "سرقہ" کی نسبت بہت قلیل الوجوداور نادر ہے اور یہ چھینا ہوامال کسی کی معاونت سے واپس لیا جا سکتا ہے۔اس پرگواہی رکھنااور دلوانا آسان کام ہے۔اس پراجماع ہے اگر چہ حد نہیں مگرتعزیر سے کسی کواختلاف نہیں۔

11۔ عن ابی غطفان بن طریف المرّی عن مروان بن الحکم أنّہ قال قال عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ:من وھب ھبۃ لصلۃ رحم او علی وجہ صدقۃ فانہ لا یرجع فیھا ومن وھب ھبۃ یری أنّہ انما أرادبھاالثواب فھو علی ھبۃ یرجع فیھا ان لم یرض منھا۔

قال محمد وبھذا نأخذ من وھب ھبۃ لذی رحم محرم أوعلی وجہ صدقۃ فقبضھا الموھوب لہ فلیس للواھب ان یرجع فیھا

ومن وھب ھبۃ لغیر ذی رحم محرم وقبضھا فلہ ان یرجع فیھاان لم یثب منھا أو یزد خیرا فی یدہ او یخرج من ملکہ الی ملک غیرہ وھوقول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقھائنا۔

(مؤطاامام محمد۔کتاب البیوع۔باب الھبۃ والصدقۃ ص 348-349)

ابوغطفان بن طریف المرّی، مروان بن حکم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ: جس شخص نے صلہ رحمی یا صدقہ کے طور پر (ثواب

بمعنی بدلہ ،عوض اور مکافات دنیویہ) کسی کو کچھ ہبہ کیا تو وہ (یعنی واہب) اگر خوش نہیں ہے تو اپنے ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں: ہم بھی اسی سے دلیل لیتے ہیں کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کو کوئی چیز ہبہ دے یا اسے صدقہ کے طور پر دے اور موہوب لہ اس چیز پر قبضہ بھی کرلے تو اب ہبہ کرنے والا اس میں رجوع نہیں کرسکتا۔

اور جو شخص کسی ذی محرم کے علاوہ کسی کو کچھ ہبہ کرے تو وہ اس میں رجوع کرسکتا ہے ۔اگر اسے اس (ہبہ) کا عوض نہ ملا ہو یا وہ چیز اس موہوب لہ کے ہاتھ میں (پہلے کی نسبت) بہتر نہ ہوئی ہو (یعنی وہ موہوبہ چیز قیمتی نہ ہوگئی ہو) یا وہ موہوبہ چیز موہوب لہ کی ملکیت سے کسی دوسرے کی ملکیت میں نہ چلی گئی ہو اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے تمام فقہاء کا قول ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

المسند لامام احمد بن حنبل

امام احمد بن حنبل نے حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کی بیسیوں روایات نقل کی ہیں۔ جن صحابہ کرام (حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبدالرحمٰن الاسود رضی اللہ عنہم وغیرہم) سے حضرت مروانؓ نے یا جن صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ (سہل بن سعد الساعدیؓ اور تابعین میں سے علی بن الحسین (زین العابدینؒ)، عروہ بن زبیرؒ، سعید بن مسیّبؒ اور مجاہدؒ وغیرہم) نے حضرت مروانؓ سے احادیث بیان کی ہیں انہیں ''المسند'' میں اپنے اپنے مقام پر نقل کردیا ہے البتہ ایک جلد میں حضرت مسور بن مخرمہؓ اور حضرت مروانؓ کے نام سے امام احمد بن حنبل نے مستقل طور پر یہ عنوان قائم کیا ہے:

''حدیث المسوربن مخرمة الزهری

و

مروان بن الحکم

رضی اللّٰه عنهما''

مذکورہ ''عنوان'' میں دی گئی ترتیب (جس میں المسورؓ کا نام پہلے ہے اور مروانؓ کا نام بعد میں) کو حضرت مروانؓ کی ''کرامت'' ہی قرار دیا جا سکتا ہے جس نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے ''وکیل صفائی'' جناب ملک غلام علی صاحب کی مروانؓ دشمنی کو مزید بے نقاب کردیا ہے۔ موصوف کو اس خاندان بالخصوص حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ کے ساتھ اللہ واسطے کا ''بیر'' اور خاص قسم کی ''چڑ'' ہے۔

چنانچہ شارح خلافت وملوکیت ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''بہر کیف جس (یعنی مروان) پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کرتوتوں کی بناء پر لعنت کی ہو مجھے اسے ملعون علیٰ لسان نبوت سمجھنے میں یا کہنے میں کوئی تردد

نہیں ہے۔یہ چیز کسی پر شاق گزرتی ہے تو گزرتی رہے۔

مولانا محمد ادریس صاحب (مدیر ماہنامہ بینات) مجھ سے اس بات پر خفا ہیں کہ میں نے (بقول ان کے) ''غریب مروان کو خوب پیٹ بھر کر صلواتیں سنائی ہیں اور میری تحریر منہ بول کر کہہ رہی ہے کہ یہ سنی کے قلم کی تراوش نہیں بلکہ کسی جلے کٹے رافضی کی تخلیق ہے، انہیں ذوقِ مودودیت کی وکالت کے بنیادی حق سے کون روک سکتا ہے؟

تاہم وہ یہ نہ بھولیں کہ مروان کو اکثر محدثین صغار صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ان سے روایت کرنے والوں میں اجلّہ تابعین کے علاوہ جلیل القدر صحابی حضرت سہل بن سعدؓ بھی شامل ہیں۔امام بخاری مروان کی احادیث روایت کرتے ہیں۔امام مالک نے مؤطا میں ان کے فتاویٰ اور فیصلوں کو بطور حجت نقل کیا ہے۔اگر مروان اسی قماش کا آدمی تھا جیسا کہ رافضی افسانوں کے سہارے محترم ملک صاحب باور کرانا چاہتے ہیں تو وہ بتائیں کہ اس صورت میں ان کے عطا کردہ خطابات کا مستحق کیا صرف مروان رہ جاتا ہے اور کیا صحابہ و تابعین وغیرہ اس کی لپیٹ میں نہیں آجاتے؟''

اس کے جواب میں ملک غلام علی صاحب اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''لیکن میں نے اس ماہ کے ترجمان (القرآن مئی 1971ء) میں کہیں بھی یہ بات نہیں لکھی کہ مروان کا باپ اور اس کی ساری نسل ''ملعون علیٰ لسان نبوت'' تھی۔میں نے اس پرچے میں ایک جگہ صرف ''مروان کا ملعون علیٰ لسان نبوت'' ہونا بیان کیا ہے (ص 19) اور اگلے صفحہ پر بھی صرف مروان کو لعنت زدہ لکھا ہے۔اس سے اگلے صفحہ پر بھی ایک جگہ مروان اور دوسری جگہ ''مروانیوں کی معنوی ذریت'' کے الفاظ میرے قلم سے نکلے ہیں۔یہاں مروانیوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے گفتار و کردار میں مروان اور اس کے باپ سے ملتے جلتے ہیں:

اس سے مراد ہرگز ساری نسل نہیں ہے۔

مروان یا الحکم کا نام جہاں بھی آیا ہے وہاں ''رضی اللہ عنہ'' نہیں لکھا گیا ہے۔مثلاً بخاری

کتاب الشروط کی پہلی ہی حدیث حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"انّه سمع مروان والمسور بن مخرمة رضی اللّٰه عنهما"

اب اس سند میں "رضی اللّٰه عنهما" کے متعلق کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں "هما" کا اشارہ مروان اور حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی جانب ہے۔ نہیں، بلکہ اشارہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کی جانب ہے جو دونوں صحابی ہیں اور ان ہی کو امام بخاری نے "رضی اللّٰه عنهما" کہا ہے۔

اگر مروان کو بھی امام بخاری شامل کرتے تو "رضی اللّٰه عنهم" کہتے۔ اب یہاں سرے سے "رضی اللّٰه ...." کے الفاظ نہ ہوتے تب بھی ایک بات تھی لیکن امام بخاری صاف طور پر دو صحابیوں (مسور اور مخرمہ رضی اللّٰه عنهما) کے ساتھ یہ الفاظ لائے ہیں اور مروان کو خارج کر دیا ہے....

میں مروان اور حکم کو "رضی اللّٰه عنهما" ہرگز نہیں کہوں گا جب کہ میرے نزدیک وہ صحابی نہیں اور ان پر حدیث میں لعنت بھی وارد ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون سا "دارالحدیث" ہے یا تھا جس میں بخاری کا درس دیتے ہوئے جب اس میں باپ بیٹے کا نام آتا ہے وہاں طلبہ واساتذہ مروان بن الحکم "رضی اللّٰه عنهما" کا اہتمام فرماتے ہیں...."

پھر غضب بالائے غضب یہ ہے کہ فاضل مدیر بینات مروان کے ساتھ حکم کو بھی شریک کر کے دونوں کے حق میں "رضی اللّٰه عنهما" کی قرأت کا التزام چاہتے ہیں اور غالباً مدیر موصوف پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکم کو بھی "رضی اللّٰه عنه" بنانے کی سعی فرمائی ہے....

اب اگر ایسا باپ بیٹا بھی "رضی اللّٰه عنهما" ہیں تو پھر کہہ دیجیے کہ عبداللہ بن ابی بھی "رضی اللّٰه عنه" ہے۔ (خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 449، 482)

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت مروانؓ صحابیت کی عام تعریف کے اعتبار سے صحابی ہیں جب کہ حضرت حکمؓ کی صحابیت کا تو دشمن بھی انکار نہیں کر سکتے۔ تفصیل زیر نظر کتاب کے آغاز میں

حضرت حکمؓ کے حالات کے تحت گزر چکی ہے۔ مگر کس دیدہ دلیری سے ملک صاحب نے انہیں عبداللہ بن ابی کے ساتھ تشبیہ دے دی۔

اس تفصیل سے شارح خلافت وملوکیت جناب ملک غلام علی صاحب کے چہرے سے ''تقیہ'' کا نقاب تار تار ہو کر اتر گیا ہے۔ بھلا اس سے بڑا ''ظالم'' بھی کوئی ہو سکتا ہے جو ایک مسلّمہ صحابی کو وحی کے انقطاع کے بعد ''اعتقادی منافق'' قرار دے ڈالے؟

موصوف نے یہاں صحیح بخاری کی روایت میں ''مروان والمسور بن مخرمہ'' کے بعد "رضی اللّٰہ عنہما" کے دعائیہ الفاظ سے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو اس دلیل کے ساتھ خارج کر دیا ہے کہ "عنہما" تثنیہ کی ضمیر ہے اور اس سے ''مسورؓ'' اور ''مخرمہ'' (جو دونوں صحابی ہیں) مراد ہیں جب کہ مروان کا نام ان دونوں سے پہلے ہے اور اگر امام بخاری کے نزدیک وہ بھی صحابی ہوتا تو "رضی اللّٰہ عنہما" کے بجائے "رضی اللّٰہ عنہم" کے الفاظ آتے۔

مگر مسند احمد کے عنوان ''حدیث المسور بن مخرمۃ الزہری ومروان بن الحکم'' کے بعد "رضی اللّٰہ عنہما" کے دعائیہ الفاظ سے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو کسی صورت میں خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی یہاں ملک صاحب کی اخذ کردہ تاویل کام آ سکتی ہے۔ بلکہ اگر موصوف کی طرح امت کو ایک اور ''شارح'' نصیب ہو جاتا تو وہ اسی طرح کا استدلال کر کے یہاں مسور بن مخرمہ کو ''رضی اللہ عنہما'' کے دعائیہ جملہ سے خارج کر دیتا کہ ''ھما'' کا اشارہ حضرت مروان رضی اللہ اور ان کے والد حضرت حکم رضی اللہ عنہ کی جانب ہے۔

بہر حال مسند احمد کے مذکورہ عنوان کے بعد دشمنان مروان رضی اللہ عنہ کے لیے "موتوا بغیظکم" کا تحفہ ہی کافی ہے۔

مسند احمد میں مذکورہ عنوان کے تحت سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی بعض مرویات میں تکرار پایا جاتا ہے جب کہ بعض روایات کا ذکر صحیح بخاری کی روایات کے ضمن میں آگے آ رہا ہے۔ لہٰذا باقی چند روایات ہدیۂ قارئین کی جاتی ہیں:

12۔ حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ:

زید بن ثابت خرج من عند مروان نحواًمن نصف النّهار فقلنا مابعث اليه الساعة الّا لشيء سأله عنه فقمت اليه فسألته فقال أجل سألنا عن اشياء سمعتها من رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلم سمعت رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم يقول: نضر اللّه امرأ سمع منّا حديثاً فحفظه حتّى يبلّغه غيره فانّه رب حامل فقه ليس بفقيه و رب حامل فقه الى من هو افقه منه۔"

(مسند امام احمد بن حنبل تحت مرويات زيد بن ثابتؓ۔رقم الحديث 21923)

حضرت زید بن ثابت نصف النہار کے وقت مروان کے پاس سے نکلے تو ہم آپس میں کہنے لگے کہ مروان نے اس وقت اگر انہیں بلایا ہے تو یقیناً کچھ پوچھنے کے لیے ہی بلایا ہوگا۔ چنانچہ میں اٹھ کر ان کے پاس گیا اور ان سے یہی سوال پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔انہوں نے مجھ سے کچھ چیزوں سے متعلق پوچھا جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سنے، اسے یاد کرے اور آگے تک پہنچا دے۔ کیونکہ بہت سے لوگ جو فقہ کی بات اٹھائے ہوتے ہیں خود فقیہ نہیں ہوتے البتہ ایسے لوگوں تک بات پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہوتے ہیں۔

امام ترمذی امام ابوداؤد اور ابن حبان نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ملاحظہ ہو رقم الحدیث 2656، 3660، 680 بالترتیب۔

13۔عروہ بن زبیر، حضرت مسور بن مخرمہؓ اور حضرت مروانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے کہا:

"قلّد رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم الهدى و اشعره بذى الحليفة و أحرم منها بالعمرة و حلق بالحديبية فى عمرته و أمر أصحابه بذلك ونحر بحديبية قبل أن يحلق و أمر اصحابه بذلك"

(مسند امام احمد بن حنبل الجزء الرابع عشر۔رقم الحديث 18822)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ باندھا، اس کا شعار کیا اور وہاں سے احرام باندھ لیا۔ پھر حدیبیہ میں حلق کیا اور اپنے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا اور حلق کرنے سے پہلے ہی قربانی کر لی اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔

14۔عن عراك أنه سمع مروان بالموسم يقول:

انّ رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم قطع في مجن والبعير أفضل من المجن"

(مسند امام احمد بن حنبل الجزء الرابع عشر۔رقم الحديث 18827)

عراک سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت مروانؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا تو اونٹ تو ڈھال سے بھی افضل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صحیح بخاری

15۔صحابی رسول حضرت سہل بن سعد الساعدی حضرت مروانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"انہ رای مروان بن الحکم فی المسجد فأقبلت حتّی جلست الی جنبه فأخبرنا أنّ زید ابن ثابت أخبره أنّ رسول الله صلّی الله علیه وسلّم أملی علیه"لا یستوی القاعدون من المؤمنین و المجاهدون فی سبیل الله"

فجاء ه ابن أمّ مكتوم و هو یملّها علیّ قال: یا رسول الله والله لو أستطیع الجهاد لجاهدت و كان أعمی فأنزل الله علی رسوله صلّی الله علیه وسلّم وفخذه علی فخذی فثقلت علیّ حتّی خفت أن ترضّ فخذی ثمّ سرّی عنه فأنزل الله "غیر أولی الضّرر۔"

(صحیح بخاری۔کتاب التفسیر باب"لایستوی القاعدون من المؤمنین ....."رقم الحدیث 4592صحیح بخاری۔ کتاب الجهاد باب"لایستوی القاعدون من المؤمنین ....."رقم الحدیث 2832)

میں نے مروان بن حکمؓ کو(جو مدینہ کے گورنر تھے)مسجد میں بیٹھا دیکھا، میں ان کی طرف آگے بڑھا یہاں تک کہ ان کے پہلو میں جا بیٹھا تو انہوں نے ہمیں بتایا کہ انہیں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ:

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت یوں لکھوائی "لا یستوی القاعدون من المؤمنین و المجاهدون فی سبیل الله" پھر عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپؐ کے پاس آ گئے۔آپؐ یہی آیت مجھے لکھوا رہے تھے انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر مجھے جہاد کی طاقت ہوتی تو ضرور جہاد کرتا اور وہ آنکھوں سے معذور تھے تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر وحی نازل کی۔آپؐ کی ران میری ران پر تھی۔وحی آنے سے آپؐ کی ران اتنی

بھاری ہوگئی کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ میری ران (وحی کے بوجھ سے) ٹوٹ نہ جائے۔ پھر یہ حالت ختم ہوگئی (آپؐ نے فرمایا) اللہ نے "غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ" یعنی معذور لوگ مستثنٰی ہیں کے الفاظ نازل فرمائے۔

(لَایَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ.....)

امام بخاری "صحیح بخاری" میں دو مختلف مقامات پر یہ روایت لائے ہیں۔

16۔ امام زین العابدین علی بن حسین بن علیؓ، حضرت مروانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ (عن علی بن حسین عن مروان بن الحکم)

"شهدت عثمان وعليًا وعثمان ينهى عن المتعة و أن يجمع بينهما فلمّا رأى علىّ أهلّ بهما لبّيك بعمرة و حجّة قال ما كنت لادع سنّة النبىّ صلّى اللّه عليه وسلّم لقول أحد" (صحيح بخارى۔ كتاب المناسك باب التمتع والقران۔ رقم الحديث 1563)

حضرت مروانؓ نے کہا کہ میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت میں موجود تھا۔ حضرت عثمانؓ تمتع اور قران سے منع کرتے تھے جب حضرت علیؓ نے یہ دیکھا تو انہوں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور "لبّيك بعمرة وحجّة" کہا۔

اور فرمایا کہ کسی ایک شخص کی بات پر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

17۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی حضرت عروہ بن زبیرؒ، سیدنا مروان بن حکمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"قال قال لى زيد بن ثابت مالك تقرأ فى المغرب بقصار (بقصار المفصّل) و قد سمعت النبىّ صلّى اللّه عليه وسلّم يقرأ بطولى الطّوليين"

(صحيح بخارى۔ كتاب الصّلوة۔ باب القراْة فى المغرب رقم الحديث 764)

سیدنا مروانؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ مغرب کی نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہیں حالانکہ میں نے (اس نماز میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بڑی سورتوں سے بھی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس حدیث کو بروایت سیدنا مروانؓ بہ تکرار چار مرتبہ نقل فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں تو قسم کے الفاظ آئے ہیں:

"عن هشام بن عروة عن أبيه عن مروان بن الحكم قال: قال لي زيد بن ثابت ألم ارك الليلة خففت القراءة في سجدتي المغرب والذي نفسي بيده ان كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ليقرأ فيها بطولى الطوليين"

ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ مروان بن حکمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ زید بن ثابتؓ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کو مغرب کی نماز مختصر پڑھاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں دو بڑی سورتوں سے بھی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

دوسری روایت میں "طولى الطوليين" کی وضاحت کرتے ہوئے راوی نے کہا: "الاعراف"۔

(ملاحظہ ہو مسند امام احمد بن حنبل الجزء الرابع عشر تحت مرويات زيد بن ثابتؓ۔ رقم الحديث: 21985 , 21980 , 21972 , 21945۔)

مذکورہ روایات میں زیر بحث مسئلہ کسی بھی فقہی مسلک میں ہرگز "مختلف فیہ" نہیں ہے اور نہ ہی ان کے نفس مضمون اور متون میں "بظاہر" کوئی خرابی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے "سند و متن" کے اعتبار سے کڑی شرائط کے باوجود اپنی "صحیح" جو (اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے) میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح دیگر محدثین کرام بھی بہ تکرار نقل کرتے چلے آرہے ہیں لیکن سخت تعجب ہے کہ ان روایات کی سند میں سیدنا مروانؓ کا اسم گرامی دیکھ کر علامہ

محمد انور شاہ کاشمیری تحت جلال میں آ گئے؛ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

امام بخاری کی حدیث الباب میں مروان سے روایت ہے اور مجھے یہ بات اوپری معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مروان فتنہ پرداز، خون ریزیوں کا باعث اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنا ہے۔ اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تا کہ خود صاحبِ حکومت بنے۔

جنگ جمل کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کون ہے جو حرمِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کرتا ہے؟ پھر کوئی آیا اور اونٹ کے تلوار ماری جس سے عماری گرنے لگی اور حضرت علیؓ نے دیکھ کر فوراً پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو گرنے سے بچایا اور جنگ ختم ہو گئی اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مدینہ طیبہ کو لوٹ گئے۔ مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مارا اور زخمی کر دیا جس سے وہ شہید ہوئے۔ مروان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے اور کوئی میدان سے نہ جائے۔ غرض مروان کے اندر حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی اس قدر تھی کہ ٹھکانہ نہیں ہے۔ اسی نے حضرت محمد بن ابی بکر کے لیے بجائے "فاقبلوہ" کے "فاقتلوہ" لکھ دیا تھا....

(انوار الباری شرح صحیح بخاری جلد 16 ص 377 ۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان تحت الحدیث)

سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحب جیسی علمی شخصیت نے "سبائی خرافات" کو کیونکر صحیح اور درست تسلیم کر لیا؟ جب کہ مذکورہ "تشریح" کا حدیث کے متن کے ساتھ کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

18۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی حضرت عروہ بن زبیرؓ، سیدنا مسور بن مخرمہؓ اور سیدنا مروان بن حکمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"أخبراه أنّ النبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم حين جاءه وفد هوازن قام في النّاس فأثنى على اللّه بما هو أهله ثمّ قال:

أمّا بعد! فإنّ اخوانكم جاؤنا تائبين وإنّي رأيت أن أردّ إليهم سبيهم

فمن احبّ منكم أن يطيّب ذٰلك فليفعل ومن أحب أن يكون على حظّه حتّى تعطيه ايّاه من أوّل ما يفيء اللّٰه علينا فقال الناس طيّبنا لك۔" (صحیح بخاری۔ کتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها۔رقم الحديث 2583-2584)

ان دونوں (یعنی سیدنا مسور بن مخرمہؓ اور سیدنا مروانؓ) نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوازن کا وفد آیا تو آپؐ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف بیان کی جو اس کے شایان شان ہے، پھر فرمایا: اما بعد! تمہارے بھائی ہمارے پاس تائب ہو کر آئے ہیں اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کو ان کے قیدی واپس کردوں۔ جو شخص تم میں سے بطیب خاطر کرنا چاہے تو یہ کرے اور جو شخص اپنا حصہ قائم رکھنا چاہے یہاں تک کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو جو مالِ غنیمت عطا کرے ہم اس کو اس میں سے دے دیں۔ لوگوں نے عرض کیا ہم بخوشی ایسا کرنے کو تیار ہیں۔

امام بخاریؒ نے یہ روایت مذکورہ باب کے علاوہ حسب ذیل ابواب کے تحت بھی نقل فرمائی ہے۔ ان تمام روایات میں حضرت مروانؓ کا اسم گرامی موجود ہے:

1۔ صحيح بخاری۔ كتاب الوكالة۔باب اذا وهب شيئًا لوكيل أو شفيع قوم جاز۔رقم الحديث 2307-2308

2۔ صحيح بخاری۔ كتاب العتق باب من ملك من العرب رقيقا۔رقم الحديث 2539-2540

3۔ صحيح بخاری۔ كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها۔باب اذا وهب جماعة لقوم أو وهب رجل جماعة (مقسوما أو غير مقسوم) جاز۔رقم الحديث 2607-2608

4۔ صحيح بخاری۔ كتاب فرض الخمس۔باب: من قال ومن الدليل على أنّ الخمس لنوائب المسلمين۔رقم الحديث 3131-3132

5۔ صحيح بخاری۔ كتاب المغازی۔باب قول اللّٰه تعالى "و يوم حنين اذ

أعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیًٔا ....التوبة25-27۔رقم الحدیث 4319-4318

6۔ صحیح بخاری۔کتاب الاحکام۔باب العرفاء للناس۔رقم الحدیث 7177-7176

اس طرح حضرت مروانؓ کی یہ ایک روایت صرف صحیح بخاری میں سات مقامات پر آئی ہے۔امام احمد بن حنبل نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ملاحظہ ہو:

(مسند امام احمد بن حنبل۔رقم الحدیث18816۔الجزء الرابع عشر۔)

19۔حضرت عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ:

حضرت مروانؓ اور حضرت مسور بن مخرمہؓ (یخبران عن اصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"لمّا کاتب سهیل بن عمرو یومئذ کان فیما اشترط سهیل بن عمرو علی النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم انّه لا یأتیك منّا احد وان کان علی دینك الّا رددتّه الینا و خلّیت بیننا و بینه فکره المؤمنون ذلك وامتعضوا (ای غضبوا) منه و أبی سهیل الّا ذلك فکاتبه النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم علی ذلك فردّ یومئذٍ ابا جندل الی ابیه سهیل بن عمرو ولم یأته أحد من الرجال الّا ردّه فی تلك المدّة و ان کان مسلما و جاء ت المؤمنات مهاجرات وکانت ام کلثوم بنت عقبة بن أبی معیط ممّن خرج الی رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یومئذ و هی عاتق فجاء أهلها یسألون النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم أن یرجعها الیهم فلم یرجعها الیهم لما انزل اللّٰه عزّ وجلّ فیهن "واذا جآء کم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهنّ اللّٰه أعلم بایمانهنّ فان علمتموهنّ مؤمنات فلا ترجعوهنّ الی الکفّار۔"الآیة الی "ولاهم یحلّون لهم۔"

(صحیح بخاری۔کتاب الشروط۔باب مایجوز من الشروط فی الاسلام والاحکام والمبایعة۔رقم الحدیث 2711- 2712)

جب سہیل بن عمرو نے اس دن (حدیبیہ کے مقام پر) صلح نامہ لکھوایا تو نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طے کردہ شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ ہم میں سے جو شخص تمہارے پاس آئے گا اگر چہ وہ تمہارے دین پر ہو مگر تم اس کو واپس کردو گے اور ہمارے اور اس کے درمیان دخل نہ دو گے۔ مسلمانوں کو یہ شرط ناگوار گزری اور انہیں غصہ آگیا لیکن سہیل اس کے سوا کسی شرط پر راضی نہ تھا لہٰذا نبی اکرمؐ نے اس شرط پر صلح کرلی۔ چنانچہ اس دن آپؐ نے ابو جندل کو اس کے والد سہیل بن عمرو کو واپس لوٹا دیا اور اس مدت میں جو شخص بھی آپؐ کے پاس آتا تو آپؐ اسے واپس لوٹا دیتے تھے اگر چہ وہ مسلمان ہو کر آیا ہو۔

اس دوران میں مومن عورتیں بھی ہجرت کر کے آنے لگیں۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ایک نوجوان عورت بھی ان مہاجرات میں شامل تھیں ان کے رشتہ دار نبیؐ کے پاس آئے اور ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے تو آپؐ نے انہیں واپس نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے متعلق یہ آیت نازل کی تھی کہ جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کرلو۔ اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔

پھر اگر تم ان کو مسلمان سمجھتے ہو تو کفار کی طرف ان کو واپس نہ کرو۔

یہ آیت "لاھنّ حِلّ لھم ولاھم یحلّون لھنّ" تک۔(الممتحنۃ آیت 12)

امام بخاری نے بتغییر الفاظ حضرت مروانؓ اور حضرت مسور بن مخرمہؓ کی سند سے یہ حدیث ایک دوسرے مقام پر بھی نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو: (کتاب المغازی۔باب غزوۃ (عمرۃ) الحدیبیہ۔رقم الحدیث 4178، 4179، 4180، 4181)

20۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت مسور بن مخرمہؓ اور حضرت مروانؓ سے صلح حدیبیہ سے متعلق ایک طویل اور مفصل روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ:

"عروۃ بن الزبیر عن المسور بن مخرمۃ ومروان یصدّق کلّ واحد منھما حدیث صاحبہ قالا خرج رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم زمن الحدیبیۃ....

(صحیح بخاری۔کتاب الشروط۔باب الشروط فی الجھاد والمصالحۃ مع أھل الحرب وکتابۃ الشروط مع الناس بالقول۔رقم الحدیث 2731)

عروہ بن زبیرؓ حضرت مسور بن مخرمہؓ اور مروانؓ سے روایت کرتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں کہ ....(آگے طویل اور مفصّل حدیث ہے جس میں حدیبیہ کا سفر، معاہدہ اور اس دوران جو جو حالات پیش آئے سب کا ذکر ہے)

21۔ عروۃ بن الزبیر عن المسور بن مخرمۃ و مروان قالا خرج النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم زمن الحدیبیۃ (من المدینۃ) فی بضع عشرۃ مأۃ من اصحابہ حتّی اذا کانوا بذی الحلیفۃ قلّد النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم الھدی و أشعرہ و أحرم بالعمرۃ۔"

(صحیح بخاری۔ کتاب المناسك باب من أشعر و قلّد بذی الحلیفۃ ثم احرم۔رقم الحدیث 1694، 1695)

عروہ بن زبیرؓ حضرت مسور بن مخرمہؓ اور حضرت مروانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے بیان کیا کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ایک ہزار سے زائد صحابہ کے ساتھ نکلے۔ یہاں تک کہ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کی "تقلید" کی، اشعار کیا اور عمرہ کا احرام باندھا۔

"تقلید" کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے گلے میں جوتی یا درخت وغیرہ کی چھال کی رسی میں ہار بنا کر ڈالنا۔ اس عمل کو "تقلید" کہتے ہیں یعنی گلے میں "قلادہ" ڈالنا۔

اسی طرح قربانی کے جانور کی شناخت کے لیے اس کے داہنے شانے پر ہلکا سا زخم (یعنی نشان) کرنا جس سے صرف کھال میں نشان آئے گوشت پر نہیں، "اشعار" کہلاتا ہے۔

امام بخاری نے حضرت مسور بن مخرمہؓ اور حضرت مروانؓ سے یہ حدیث بروایت عروہ بن زبیر ایک دوسرے مقام پر بھی نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

(کتاب المغازی باب غزوۃ (عمرۃ) الحدیبیۃ۔رقم الحدیث 4157، 4158)

صحیح بخاری میں حضرت مروانؓ سے مروی مذکورہ بالا سات روایات مع ایک درجن سے

زائد "اطراف" سے حضرت مروانؓ کی جہاں دعوت و تبلیغ اور حدیث کے شعبے میں خدمات کا اندازہ ہوتا ہے وہیں صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور جلیل القدر محدثین کی طرف سے ان کی علمیت و قابلیت اور دیانت و صداقت پر بھرپور اعتماد کا اظہار بھی ثابت ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا حضرت مروان رضی اللہ عنہ حدیث میں ''متہم'' ہیں؟

گذشتہ تفصیل سے حضرت مروانؓ کا علمی مقام بھی واضح ہو گیا ہے کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ سے اور خود ان سے بعض صحابہ و تابعین نے احادیث روایت کی ہیں جنہیں آگے اسی اعتماد کے ساتھ امام مالک (م 179ھ)، امام محمد (م 189ھ)، امام شافعی (م 204ھ)، امام احمد بن حنبل (م 241ھ)، امام بخاری (م 256ھ)، امام ترمذی (م 279ھ)، امام ابوداؤد (م 275ھ)، امام نسائی (م 303ھ) اور امام ابن ماجہ (م 273ھ) نے بالترتیب مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، صحیح بخاری، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت مروانؓ کی مرویات حدیث کی دیگر کتب مصنف لعبد الرزاق اور مصنف لابن ابی شیبہ وغیرہم میں بھی پائی جاتی ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) حضرت مروانؓ کے بارے میں عروہ بن زبیرؓ کا یہ قول "لا یتھم فی الحدیث" (وہ متہم فی الحدیث نہیں تھے) یعنی ان کی مرویات قابل قبول ہیں) نقل کرنے کے باوجود نامناسب ''رائے'' کا اظہار کر گئے ہیں۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"انما نقموا علیه أنه رمی طلحة یوم الجمل بسهم فقتل ثم شهر السیف فی طلب الخلافة حتی جری ما جری۔

فاما قتل طلحة فکان متأولا فیه کما قرره الاسماعیلی وغیره و أما ما بعد ذٰلك فانما حمل عنه سهل بن سعد وعروة وعلیّ بن الحسین و أبوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث و هؤلاء أخرج البخاری أحادیثهم عنه فی صحیحه لما کان أمیرا عندهم بالمدینة قبل أن یبدو منه فی الخلاف علی ابن الزبیر مابدا۔" (هدی الساری ، فتح الباری جلد 14۔ص 443۔دار نشر الکتب الاسلامیة۔ لاهور)

اوران کی مروانؓ پر ناراض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر شہید کیا۔ پھر خلافت کی طلب میں تلوار سونت لی یہاں تک کہ جو بھی (خون خرابہ) ہونا تھا وہ ہوا۔ حضرت طلحہؓ کے قتل میں وہ تاویل کررہے تھے جیسا کہ اسماعیلی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اوران جرائم کے مرتکب ہونے کے بعد سہل بن سعدؓ، عروہ، علی بن حسینؓ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے ان (مروانؓ) کے حوالے سے نقل روایت میں تحمل کا معاملہ کیا ہے اورامام بخاری نے ان حضرات کی احادیث بھی ذکر کی ہیں (مگر یہ اس وقت کی بات ہے) جب وہ ان اصحاب کی موجودگی میں گورنر مدینہ تھے اور ابھی (یعنی نقل روایات) تک ان سے ابن زبیرؓ کی مخالفت کا صدور نہیں ہوا تھا۔

معلوم نہیں کہ حضرت عسقلانی صاحب اس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ کیا ان جلیل القدر حضرات نے حضرت مروانؓ سے گورنری کا ''لحاظ'' یا ''تقیہ'' کرتے ہوئے روایات لی ہیں؟ اس کا صاف مطلب تو یہی ہے کہ ان حضرات نے گورنری کی وجہ سے ان کے سابقہ ''جرائم'' ''قتل طلحہؓ وغیرہ سے چشم پوشی کرلی تھی (العیاذباللہ)

کیا وہ قتل طلحہؓ وغیرہ کو فراموش کرگئے؟ پھر موصوف کو یہ بات بھی ثابت کرنا چاہیے تھی کہ ان حضرات نے کس کس سن میں انؓ سے احادیث نقل کی ہیں کیونکہ حضرت مروانؓ، سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں مسلسل مدینہ کے گورنر نہیں رہے اس دوران تبدیلی بھی آتی رہی۔ پھر یہ بات بھی تو ممکن ہے کہ ان حضرات نے حضرت مروانؓ سے حضرت عثمانؓ کے دورخلافت میں روایات سنی ہوں لیکن اس امکان کو تو موصوف نے خود جنگ جمل اور قتل طلحہؓ کا ذکر کرکے ختم کردیا ہے۔ ''امــا مــا بعدذٰلك'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے عہد امارت مروانؓ میں ہی ان سے احادیث روایت کی ہیں لیکن اس پر پھر وہی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مروانؓ تو مختلف ادوار میں امیر مدینہ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ان ادوار کی تفصیل پیچھے زیر عنوان ''حضرت مروان رضی اللہ عنہ بحیثیت گورنر'' گزر چکی ہے۔ پھر عہد امارت کو مخصوص کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟

علاوہ ازیں موصوف نے حضرت مروانؓ کے دو ''جرائم'' کی نشاندہی فرمائی ہے: ایک

جرم یہ کہ انہوں نے تیر مار کر حضرت طلحہؓ کو قتل کر دیا تھا اور دوسرا یہ جرم کہ انہوں نے طلب خلافت کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف تلوار نکالی۔

پہلے جرم کا جواب تو موصوف نے یہ دیا کہ طلحہؓ کو قتل تو اگر چہ حضرت مروانؓ نے ہی کیا تھا لیکن یہ قتل تاویل کے ساتھ سرزد ہوا۔ (اس کا مفصل جواب آگے آ رہا ہے)

اور دوسرا جرم تو اتنا بڑا تھا کہ اس سے تو وہ اصول حدیث کے ضابطہ "عدالت" ہی سے خارج ہو جاتے ہیں کہ:

جہاں تک صحابہ و تابعین کا انؓ سے روایات کے قبول کرنے کا تعلق ہے تو یہ سب کچھ (اخذ احادیث وغیرہ) ان کے دور امارت و گورنری میں ہوا ہے۔ جب کہ طلب خلافت کے لیے انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف تلوار بعد میں سونتی۔ فیاللعجب! فیا اسفا!

اگر بفرض محال علامہ صاحب کی یہ "بودی دلیل" تسلیم بھی کر لی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو "توضیح" نویں صدی ہجری کے عالم (عسقلانی صاحب) پیش فرما رہے ہیں اس کی وضاحت خود ان حضرات (حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ اور علی بن حسینؓ (زین العابدین) وغیرہم) نے پیش کیوں نہیں فرمائی؟ حالانکہ یہ حضرات حضرت مروانؓ کی طلب خلافت میں تلوار سونتنے کے بعد بھی کافی عرصہ تک بقید حیات رہے۔ خود علامہ عسقلانی کی تحقیق کے مطابق حضرت سہلؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صحابی تھے جو مدینہ منورہ میں 91ھ میں فوت ہوئے۔ (ملاحظہ ہو الاصابہ۔ الجزء الثانی ص 88)

جب کہ زین العابدین کی وفات تو اس کے بعد 95ھ میں واقع ہوئی تھی۔ جب دور امارت میں چشم پوشی کا یہ حال تھا پھر بعد میں جب وہ خلیفہ بن گئے اور سلسلہ خلافت ان کی اولاد میں جاری ہو گیا؛ 73ھ میں تو عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان کی خلافت پر تو عالم اسلام کا اجماع تک ہو گیا تھا، تو اس وقت ان حضرات کے تحمل اور چشم پوشی کا کیا حال ہو گا۔ راقم الحروف اس قسم کے تصور کو بھی غارت ایمان سمجھتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، حضرت عروہ بن زبیرؓ کے قول "لا یتھم فی الحدیث" (یعنی مروانؓ حدیث میں متہم نہیں ہیں اور ان کی بیان کردہ احادیث قابل قبول ہیں) کی وضاحت

کرتے ہوئے یہ فرما گئے کہ صحابہ و تابعین نے ان سے "تحمل" کی بناء پر روایات لی ہیں کیونکہ وہ ان کے دور "امارت" میں موجود تھے۔

لیکن اس کے برعکس علامہ محمد انور شاہ کاشمیری کے داماد مولانا سید احمد رضا بجنوری علامہ عسقلانی کے "فہم" پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ عروہ بن زبیرؓ کے قول کا مفہوم ہی نہیں سمجھ سکے اور خواہ مخواہ مروان کا "ایک گونہ" دفاع کر بیٹھے۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"مقدمہ فتح الباری میں مروان سے روایت بخاری کی مدافعت میں حافظ نے حضرت عروہ ابن زبیر کا قول نقل کیا ہے کہ وہ حدیث کے بارے میں متہم نہ تھا اور یہی بات تہذیب واصابہ میں بھی نقل کی۔ لیکن تاریخ کبیر جلد 4 ص 368 میں ان کا قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ (باوجود خاندانی عداوت کے) میرا گمان ہے کہ مروان ہم لوگوں پر کوئی اتہام نہ لگائے گا۔ اس میں اس کی حدیث کے بارے میں کوئی توثیق نہیں ہے۔ اس پر تاریخ کبیر کے محقق علام نے بجا لکھا کہ دونوں جملوں میں بہت بڑا فرق ہے اور اوپر کا جملہ مطبوعہ تاریخ والاصلین میں ہے اور مسند احمد میں بھی اسی طرح ہے اور حافظ (عسقلانی) نے کیا بات تھی اور کیا نقل کردی؟" (انوار الباری جلد 16 ص 336۔ بر حاشیہ)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں "باب القرأة فی المغرب" کے تحت حضرت مروانؓ کی ایک روایت بھی نقل فرمائی ہے۔ ہرچند اس حدیث کے متن میں کوئی اختلافی مسئلہ بیان نہیں ہوا تھا لیکن حضرت کاشمیری صاحبؒ اس کی سند میں حضرت مروانؓ کا نام دیکھ کر سخت "جلال" میں آ گئے کہ:

"امام بخاری کی حدیث الباب میں مروان سے روایت ہے اور مجھے یہ بات اوپری معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مروان فتنہ پرداز، خون ریزیوں کا باعث اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنا ہے (آگے ان کے "جرائم" کی تفصیل پیش کردی)

مقبلی نے جوزیدی (شیعہ) تھے کہا کہ امام بخاری نے حنفیہ کے ساتھ فرط تعصب کی وجہ سے امام محمد ایسے حضرات سے بخاری میں حدیث نہیں لی اور رجال مجہولین سے روایات درج کی ہیں۔ اشتغال بالحدیث کی برکت سے مقبلی کی زیدیت ہلکی ہوگئی تھی (مگر صد افسوس

اشتغال بالحدیث کی برکت سے ان مشائخ حدیث کی حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ سے عداوت ہلکی نہ ہوسکی۔ از مصنف کتاب ہذا)

مروان رجال بخاری سے ہے اور وہ بڑا فتنہ پرداز تھا اور صحابی کو قتل کیا ہے قبل نماز کے خطبہ اس لیے کیا تھا کہ حضرت علیؓ پر سب وشتم کرے اور لوگوں کو سنائے۔

امام بخاری اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ ایسے شخص کو کیوں راوی بنایا؟"

(انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 16۔ص 337، 338، جلد 17۔ص 191-192)

مولانا سید احمد رضا بجنوری بحوالہ مولانا عبداللہ لکھتے ہیں کہ:

"ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ امام بخاری کے یہاں جرح وتوثیق میں قوتِ دلیل کا سوال نہیں بلکہ خود ان کے رجحانِ طبع پر فیصلہ ہے۔ قابلِ اعتماد سمجھ لیں تو مروان بن الحکم کو جس کی پیشانی پر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا ٹیکہ لگا ہوا ہو اور جس کو سفاکِ امت کہنا بھی بے جا نہیں اور ضعیف سمجھ لیں تو رأس التابعین حضرت اویس قرنی کو....

راقم الحروف (یعنی بجنوری صاحب) عرض کرتا ہے کہ مروان کی حدیث کو اگر حدیث کے بارے میں بھروسہ کر کے لے بھی لیا جائے تب بھی ان کو ثقہ وثبت تو نہیں مانا جاسکتا اور جس نے قبل کو خط میں قتل بنادیا ہو وہ کیسے ثقہ ہوسکتا ہے؟ امام اعظم کی یہ عظیم منقبت یہاں یاد میں تازہ کر لی جائے کہ وہ احادیث کی روایت صرف ثقہ، متدین اور پرہیزگار لوگوں سے کرتے تھے۔

امام بخاری نے امام اعظم پر امت کے اندر خون ریزی کرانے کا الزام دھرا تھا (کما فی جزء القرأۃ) کیا اکابر حنفیہ مروان سے بھی زیادہ قصور وار تھے کہ سارے ہی ائمہ حنفیہ اور کبار محدثین حنفیہ کو ترک کر کے مروان جیسوں سے صحیح بخاری میں احادیث درج کیں۔ والی اللہ المشتکیٰ....

مروان بن الحکم م65ھ نے روایت حدیث بھی کی ہے مگر اس نے حضور علیہ السلام کی زیارت نہیں کی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود کوئی حدیث سنی ہے۔ اس کی توثیق عام احادیث کے بارے میں نہیں بلکہ صرف فضل زبیرؓ کے بارے میں حضرت عروہ نے کی تھی۔

(آگے موصوف نہایت ہی تفصیل کے ساتھ اور اگلے پچھلے سبائیوں سے بھی بڑھ کر ان کے جرائم گنوانے کے بعد لکھتے ہیں کہ) مروان ایسے فتنہ پرداز، سفاک و ظالم، غیر ثقہ شخص کو رواۃ و رجال بخاری میں دیکھ کر بڑی تکلیف و حیرت بھی ہوتی ہے اور اسی لیے محدث اسماعیلی محدث مقبلی سلمانی (شیعہ) وغیرہ نے تو سخت ریمارک کیے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ امام محمد جیسے عظیم و جلیل، محدث و فقیہ استاذ امام شافعی سے تو بخاری میں روایت نہ لی جائے اور مروان سے لے لی جائے جس کی کوئی بھی توثیق نہیں کرسکتا لیکن مقدرات نہیں ٹلتے جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا....''

(انوار الباری جلد 16 ـ ص 338-339، جلد 17 ص 192، 194)

حضرت شاہ صاحب اور ان کے داماد و مرتب انوار الباری نے حضرت مروانؓ پر جتنے بھی الزامات عائد کیے ہیں ان کی ''علمی دنیا'' میں پر کاہ کے برابر بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آگے ''الزامات'' کے حصے میں ان کی حقیقت قارئین پر واضح ہو جائے گی (ان شاء اللہ) صد افسوس کہ ان حضرات نے انتہائی لغو، بے بنیاد الزامات لگا کر حضرت مروانؓ (جو یقیناً ''خیر امتی قرنی'' اور ''خیر الناس امتی'' کا مصداق ہیں) کی کردار کشی کی۔ حضرت مروانؓ صغار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں اور جن حضرات کے نزدیک ''رؤیت'' ثابت نہیں ہے تو ان کے نزدیک بھی وہ کبار تابعین میں ضرور شامل ہیں۔

موصوف کی ''مروانؓ دشمنی اور تعصب'' میں گندھی ہوئی مذکورہ عبارات کسی بھی عالم کے شایان شان ہرگز نہیں ہیں۔

بجنوری صاحب نے ''صاف گوئی'' سے کام لیتے ہوئے اپنی ''قلبی بیماری'' کا اظہار فرمادیا ہے کہ انہیں حضرت مروانؓ کو رجال بخاری میں دیکھ کر بڑی تکلیف و حیرت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ''مرض'' کا علاج کسی بھی حکیم کے پاس نہیں ہے کیونکہ بخاری و دیگر کتب حدیث میں ان کی مرویات موجود ہیں اور دوسری طرف ان کا یہ ''دعویٰ'' بھی انتہائی حیران کن ہے کہ ''مروان کی کوئی بھی توثیق نہیں کرسکتا''، صحابہ و تابعین اور امام مالک، امام محمد، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ وغیرہم کی

"تعدیل وتوثیق" کے بعد شاہ صاحبان کی "عدم توثیق" سے چنداں کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ حضرت مروانؓ کی عدم توثیق اوران پر بے بنیاد الزامات عائد کرنے سے خودان کی اپنی "وثاقت اورعدالت" بری طرح مجروح ہوئی ہے۔

حضرت بجنوری نے حضرت عروہ بن زبیرؓ کےقول (کہ میرا گمان ہے کہ مروان ہم لوگوں پرکوئی اتہام نہ لگائے گا)میں یہ گرہ بھی غلط لگائی ہے کہ"باوجودخاندانی عداوت کے"یہان کی اپنی "اختراع" ہےورنہ ان کے خاندانوں میں کوئی عداوت نہیں تھی ۔قصاص عثمانؓ کی تحریک میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اورحضرت مروانؓ ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کام کرتے رہے۔اگرکوئی اختلاف ہوابھی تو وہ یزید کی ولی عہدی کےحوالے سےہوسکتا ہےلیکن اس وقت وہ مدینہ کی گورنری سےمعزول ہوچکے تھے۔

موصوف نے ابن حجرعسقلانی کے"فہم" پرتو یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ عروہ بن زبیر کی اس بات کوسمجھ ہی نہیں سکے کہ مروانؓ "حدیث کے بارے میں متہم نہیں ہیں" کیونکہ انہوں نے "حدیث کی توثیق" کے سلسلہ میں یہ بات نہیں کی تھی بلکہ حضرت زبیرؓ کےحوالے سے کی تھی کہ وہ باوجودخاندانی عداوت کےان پرکوئی الزام نہیں لگائے گا۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کبارمحدثین وفقہاءعروہ بن زبیرؓ کےقول کوبالکل صحیح سمجھتے ہیں اسی لیےانہوں نےحضرت مروانؓ کی مرویات کوقبول کرتے ہوئے نہ صرف اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے بلکہ ان سے دینی مسائل بھی اخذ کیے ہیں کیونکہ اگرایک شخص بقول شاہ صاحب "باوجود خاندانی عداوت کے" اپنے "دشمن" کے بارے میں متہم نہیں ہوسکتا تو وہ حدیث کے بارے میں کیونکر متہم ہوسکتا ہے؟پھرحضرت عروہ بن زبیرؓ نےحضرت مروانؓ سےاحادیث نقل کرکےخودہی اپنے قول کی وضاحت کردی کہ وہ حدیث میں متہم نہیں ہیں۔ظاہر ہے کہ "قائل" کی اپنی وضاحت ہی علمی دنیامیں معتبر مانی جاتی ہے نہ کہ چودہ سوسال بعد تشریف لانے والے مولاناسیداحمدرضابجنوری جیسےتعصب میں لتھڑے ہوئے عالم دین کی "توضیح"۔

شہادت سیدنا مروان رضی اللہ عنہ

حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے (2ھ تا 65ھ) ایک بھرپور زندگی گزاری۔ انہوں نے گمنام یا معاشرہ سے الگ تھلگ رہ کر پہاڑوں یا جنگلوں میں زندگی بسر نہیں کی اور نہ ہی ان کی خانگی، نجی، عوامی، عسکری، علمی اور عملی زندگی پر کوئی دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔ وہ معصوم ہرگز نہیں تھے اور نہ ہی کسی غیر معصوم شخصیت کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی خطا سرزد ہی نہیں ہوئی۔

وہ رؤیتاً صغار صحابہ میں سے تھے جب کہ روایتاً کبار تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ وہ بالیقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات:

"خیر النّاس قرنی ثمّ الّذین یلونھم ثمّ الّذین یلونھم" اور "خیر امّتی قرنی ثمّ الّذین یلونھم ثمّ الّذین یلونھم" (صحیح بخاری رقم الحدیث 3650، 6429) کے مصداق تھے۔

ان کی زندگی پر بہر حال "خیر" کا پہلو غالب تھا۔ دشمن نے نہ صرف حضرت مروانؓ بلکہ خاندان بنوامیہ کے خلاف اس قدر زور و شور سے پروپیگنڈہ کیا جس سے ہر دور کے کچھ "علماءِ حق" بھی متاثر ہوتے رہے۔ ان کی عملی زندگی پر "اعتراضات" تو رہے ایک طرف ان کے سبب وفات کو بھی موردِ طعن بنا دیا گیا۔ جس کا جواب آگے اسی عنوان کے ضمن میں آرہا ہے۔

یہاں قارئین کو زیر بحث عنوان کے متعلق یہ بتانا ہے کہ حضرت مروانؓ پر بھی بالآخر وہ وقتِ موعود آ ہی گیا جو "کلّ نفس ذائقة الموت" کے کلیہ کے تحت ہر ذی روح پر آنا مقدر ہے اور جس سے کوئی انسان بلکہ ذی روح بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

اس بات پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت مروانؓ کی وفات رمضان 65ھ میں ہوئی۔

امام ذہبی (م 748ھ) نے ان کی وفات کے متعلق "من أول رمضان سنة خمس

وستین " کے الفاظ لکھے ہیں ۔یعنی ان کی وفات یکم رمضان 65ھ میں ہوئی ۔

(سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث ص 479)

علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) لکھتے ہیں کہ:

"ومات في رمضان سنة خمس وستين وكانت ولايته تسعة أشهر"

(تہذیب التہذیب ص 221 تحت مروان بن الحکم، الاصابہ الجزء الثالث ص 478)

اور وہ رمضان 65ھ میں فوت ہوئے اور ان کی خلافت 9 ماہ تک رہی ۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

"مصر اور شام کی از سر نو فتوحات نے اس طاقت ور امیر کا جسم مضمحل کر دیا جو اپنی جوانی کے خوف ناک زخموں ہی سے پوری طرح کبھی شفایاب نہ ہوا تھا ۔

اس دراز قامت، چھریرے، جھریوں بھرے ضعیف العمر امیر کی قسمت میں بھی اس وبائے عظیم کا شکار ہونا لکھا تھا جو شرقی ممالک میں پھیل رہی تھی ۔64ھ میں یہ طاعون عراق سے ملک شام میں بھی پہنچ گیا اور آغاز ہی میں معاویہ ثانی اس کا شکار ہوا جو مروان کا ضعیف و نحیف پیش رو تھا ۔

اسی طرح ولید بن عتبہ کو بھی جو ان دونوں کا رشتہ دار تھا اور آخر میں اسی وبائی مرض نے بانی سلسلہ مروانیہ مروان بن الحکم کو 65ھ /684ء میں ہلاک کر دیا ۔"

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد 20 ۔ص 477)

حضرت مروانؓ کی خوش بختی کی انتہا ہے کہ انہیں 63 سال کی عمر میں اور رمضان المبارک جیسے مقدس مہینے میں شہادت کی موت نصیب ہوئی ۔

عاش سعیدا و مات شہیدا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"ما تعدون الشهيد فيكم قالوا يارسول الله من قتل في سبيل الله فهو

شهيد۔ قال انّ الشهدآء امّتى اذاً لقليل قالوا فمن هم يارسول اللّٰه؟

قال: من قتل فى سبيل اللّٰه فهو شهيد ومن مات فى سبيل اللّٰه فهو شهيد ومن مات فى الطاعون فهو شهيد ومن مات فى البطن فهو شهيد والغريق شهيد۔"

(صحيح مسلم الجلدالثانى۔ص 142۔ كتاب الامارة۔باب بيان الشهداء)

تم اپنے درمیان شہید کس کو شمار کرتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مارا جائے اس کو شہید سمجھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو میری امت کے شہید بہت کم ہوں گے۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر شہید کون لوگ ہیں؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اللہ کی راہ میں مرگیا وہ بھی شہید ہے اور طاعون میں اور پیٹ کی بیماری میں مرنے والا اور غرق ہونے والا شہید ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"الطاعون شهادة لكلّ مسلم۔"

(صحيح مسلم جلد2۔ص 42۔ كتاب الامارة باب بيان الشهداء)

طاعون میں مرنا ہر ایک مسلمان کے لیے شہادت ہے۔

امام مالک نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"و ما تعدّون الشهادة قالوا القتل فى سبيل اللّٰه۔

فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم الشهدآء سبعة سوى القتل فى سبيل اللّٰه۔ المطعون شهيد والغرق شهيد وصاحب ذات الجنب شهيد والمبطون شهيد والحرق شهيد والّذى يموت تحت الهدم شهيد والمرأة تموت بجمع شهيد"(موطاامام مالك۔ كتاب الجنائز۔باب النهى عن البكاء ص 216)

تم شہادت کس کو شمار کرتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیے جانے والے کو شہید کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلکہ شہداء، قتل فی سبیل اللہ کے علاوہ سات قسم پر ہیں۔

(1) طاعون میں مرنے والا شہید ہے۔

(2) اور پانی میں ڈوبنے والا شہید ہے۔

(3) پسلی کے درد میں مرنے والا شہید ہے۔

(4) اور ہیضہ یا اسہال میں مرنے والا شہید ہے۔

(5) اور آگ سے جلنے والا شہید ہے۔

(6) اور کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے۔

(7) اور عورت جو زچگی کے دوران مر جاتی ہے وہ بھی شہید ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرامین کے مطابق حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی کیونکہ وہ طاعون کی بیماری میں مبتلاء ہونے کی وجہ سے فوت ہوئے تھے۔

سیدنا مروانؓ کی وفات پر اب ایک دوسرے زاویہ سے نگاہ ڈالی جاتی ہے:

سیدنا مروانؓ کی وفات کے وقت ان کی عمر کا تعین ان کے سن ولادت سے ہی ممکن ہے۔ اس سلسلے میں اکثر مؤرخین کے نزدیک حضرت مروانؓ سن ہجری کے دوسرے سال یا دو سال بعد پیدا ہوئے۔ اس کی تفصیل اور حوالہ جات پیچھے زیر عنوان: "حضرت مروانؓ کی ولادت" گزر چکے ہیں۔ خود علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی الاصابہ اور تہذیب التہذیب میں اسی قول (یعنی "ولد بعد الهجرة بسنتين" ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے) کو ترجیح دی ہے۔ جب حضرت مروانؓ باتفاق مؤرخین 65ھ میں فوت ہوئے اور ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے تو ان کی تحقیق کے مطابق اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حضرت مروانؓ کی عمر وفات کے وقت 63 برس تھی۔

شیعہ مجتہد علامہ مفتی جعفر حسین مترجم و محشی ''نہج البلاغہ'' نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے کہ: ''لیکن ابھی نو مہینے اٹھارہ دن ہی حکومت کرتے ہوئے گزرے تھے کہ 3 رمضان 65ھ میں 63 برس کی عمر میں قضا نے اس طرح آ گھیرا.... (نہج البلاغہ ص 232)

مولانا شاہ معین الدین ندوی نے لکھا ہے کہ ''انتقال کے وقت مروان کی عمر 63 سال کی تھی اور مدت خلافت کل نو مہینے۔'' (تاریخ اسلام اولین ص 399)

مولانا اکبر شاہ خان نے عمر تو 63 سال بتائی لیکن مدت خلافت ساڑھے نو مہینے لکھی۔

(ملاحظہ ہو: تاریخ اسلام حصہ دوم ص 88۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

وفات کے سلسلہ میں حضرت مروانؓ کی یہ تیسری سعادت ہے یعنی رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں موت + شہادت کی موت اور +63 سال کی عمر میں موت؛ جس سے انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا طبعی اتباع نصیب ہوا۔

صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین موت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طبعی اتباع کی خواہش کرتے رہے۔ چنانچہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ 63 سال کی عمر میں داخل ہوئے تو ان کے دل میں ایک شدید خواہش پیدا ہوئی جسے امام ترمذی نے یوں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا کہ:

''مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن ثلاث وستین وابوبکر وعمر وانا ابن ثلاث وستین۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات 63 سال کی عمر میں واقع ہوئی اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی وفات بھی اسی عمر میں ہوئی اور میری عمر بھی اس وقت 63 سال ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یعنی کیا بعید ہے کہ مجھے بھی یہ طبعی اتباع نصیب ہو جائے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی اس لیے کہ ان کا وصال تقریباً 80 سال کی عمر میں ہوا۔ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کا ذکر اس حدیث میں نہیں کیا حالانکہ ان سے بہت خصوصیت تھی۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کا انتقال 80 سال سے زیادہ عمر میں ہوا۔

امام ترمذی کی غرض اس روایت کے ذکر کرنے سے پہلی روایت کی تائید اور تقویت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال 63 سال کی عمر میں ہوا اور اس بارے میں طبعی اتباع حضرات شیخینؓ کو بھی نصیب ہوا۔"

(شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی ص 414)

اکثر مؤرخین اور ارباب سِیَر کے قول کے مطابق حضرت مروانؓ کی سن ولادت دو سال بعد از ہجرت اختیار کرنے سے وفات کے وقت 65ھ میں ان کی عمر 63 برس بنتی ہے؛ تو اس صورت میں حضرت مروانؓ کو وفات میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی اتباع نصیب ہو جاتا ہے۔

الحمدللہ! زیر بحث عنوان کی تکمیل کے ساتھ ہی زیر نظر کتاب:

"سیدنا مروان رضی اللہ عنہ ______ شخصیت اور کردار"

کا پہلا حصہ مکمل ہو گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے حصہ میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عم زاد و داماد ذوالنورین ؓ

خلیفة المسلمین

سیدنا مروان بن الحَکَم ؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْآ اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَo

(سورۃ الحجرات آیت 6)

اے ایمان والو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم نادانی اور بے علمی میں کسی قوم کو ضرر اور ایذا پہنچا دو پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کفٰی بالمرء کذبا ان یحدّث بکلّ ما سمع۔

(صحیح مسلم۔باب النھی عن الحدیث بکلّ ماسمع۔جلد1۔ص8)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرتا پھرے (اور اس کی تحقیق نہ کرے)

☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بے گانوں اور یگانوں کی نظر میں

زیر نظر کتاب کا یہ حصہ چونکہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے علمی تجزیے پر مشتمل ہے اس لیے یہاں حضرت مروانؓ سے متعلق بے گانوں اور یگانوں میں چند حضرات کے افکار پیش کیے جا رہے ہیں جن سے ''الزامات اور اعتراضات'' کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلفائے ثلاثہؓ نے دین اسلام کو حاکمانہ حیثیت دے کر نہ صرف غالب کیا بلکہ فتوحات کا دائرہ بھی وسیع کیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک اور المناک شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے نازک، پرآشوب اور ہنگامی دور میں مسند آرائے خلافت ہوئے سب سے پہلے انہیں قصاص عثمانؓ کے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا اور پورا دور اسی کی نذر ہو گیا۔حتی کہ انہیں پورے دور خلافت میں ایک مرتبہ بھی اتنی فرصت نہ ملی کہ وہ حج کے موقع پر ہی حجاج کی قیادت فرماتے۔دور مرتضویؓ میں سبائیوں کے پیدا کردہ داخلی خلفشار و انتشار کی وجہ سے فتوحات کا یہ سلسلہ عارضی طور پر رک گیا تھا؛ جسے بعد میں حضرت معاویہؓ نے دوبارہ شروع کیا اور اسے مزید آگے بڑھایا یہاں تک کہ ان کے 20 سالہ دور میں خلافتِ اسلامیہ کا رقبہ 65 لاکھ میل تک پہنچ گیا جو دشمنانِ اسلام کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

اس دور میں اسلامی حکومت کی وسعت کو معراج تک پہنچانے میں جہاں حضرت معاویہؓ کی ذاتی مساعی جمیلہ شامل تھیں وہیں ان کی پوری ٹیم بھی کسی سے پیچھے نہیں رہی۔

حضرت مروانؓ بھی اسی ٹیم کے ایک اہم ممبر تھے جنہوں نے مدینہ منورہ جیسے اہم صوبے کے گورنر کی حیثیت سے خلافت اسلامیہ کو مستحکم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔اس لیے ذریت ابن سبا نے خلفائے ثلاثہؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ کے خلاف اس

قدر مسموم پروپیگنڈہ کیا کہ کچھ "یگانے" بھی اس سے متاثر ہو گئے۔اس پروپیگنڈہ مہم میں وہ "تکنیک" استعمال کی گئی جو آج کل یورپ کی سیاست میں مسلمہ حیثیت رکھتی ہے یعنی:

"جھوٹ بولو، بار بار بولو، کثرت سے بولو اور پورے اعتماد سے بولو یہاں تک کہ وہ سچ نظر آنے لگے۔"

اسی پروپیگنڈے کا یہ منحوس اثر ہر دور میں سامنے آتا رہا ہے کہ اہل سنت سے تعلق رکھنے والی کچھ نامی گرامی شخصیات بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔اگر یہ متاثرین حضرات دیگر موضوعات کی طرح اصولِ روایت و درایت کی روشنی میں ان الزامات واعتراضات کی تحقیق فرما لیتے تو نوبت یہاں تک ہرگز نہ پہنچتی۔

اس تمہید کے بعد یہاں صرف برصغیر سے تعلق رکھنے والے بعض بے گانوں اور یگانوں کے چند افکار پیش کیے جاتے ہیں جن سے اعتراضات کی ایک فہرست مرتب کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔بے گانوں میں سے اہل تشیع کے افکار پیش کرنے سے قارئین کو یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت مروانؓ کے بارے میں اہل تشیع اور اہل سنت کے اعتراضات میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض علمائے اہل سنت اہل تشیع کے پروپیگنڈے سے ہی متاثر ہوئے ہیں:

☆☆☆☆☆☆☆☆

مفتی جعفر حسین

ملت جعفریہ کے سربراہ جناب مفتی جعفر حسین صاحب نے اہل تشیع کی مشہور عام کتاب ''نہج البلاغہ'' کے ترجمہ اور اس پر حواشی لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ موصوف اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ (جس میں جنگ جمل کے موقع پر گرفتار مروان رضی اللہ عنہ کو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی سفارش پر رہا کر دیا گیا تھا) کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مروانؓ کے حالات یوں قلم بند کرتے ہیں کہ:

مروان ابن حکم حضرت عثمان کا بھتیجا اور داماد تھا اور اکہرا جسم اور لمبا قد ہونے کی وجہ سے خیط باطل (باطل کا ڈورا) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان نے جب عمرو بن سعید اشدق کو قتل کر دیا تو اس کے بھائی یحییٰ ابن سعید نے کہا

غدرتم بعمرو و یا بنی خیط باطل

و مثلکم یبنی البیوت علی الغدر

(حافظ ابن عبدالبر نے بھی یہ واقعہ الاستیعاب میں نقل کیا ہے)

اے خیط باطل کی اولاد تم نے عمرو سے غداری کی اور تمہارے ایسے لوگ غداری ہی کی بنیادوں پر اپنے اقتدار کی عمارتیں کھڑی کیا کرتے ہیں۔

اس کا باپ حکم کو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لے آیا تھا مگر اس کے طور طریقے ایسے تھے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انتہائی اذیت کا باعث ہوتے تھے۔ چنانچہ پیغمبر نے اس پر اور اس کی اولاد پر لعنت کی اور فرمایا کہ:

''ویل لامتی من صلب ھذا'' یعنی اس کی اولاد کے ہاتھوں میری امت تباہی کے دن دیکھے گی۔

آخر پیغمبرؐ نے اس کی بڑھتی ہوئی سازشوں کے پیش نظر اسے مدینہ سے وادیٔ وج

(طائف میں ایک جگہ ہے) کی طرف نکلوا دیا اور مروان بھی اس کے ساتھ چلتا بنا اور پھر پیغمبرؐ نے زندگی بھر ان دونوں کو مدینہ نہ آنے دیا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن حضرت عثمان نے اپنے عہد میں ان دونوں کو واپس بلوا لیا اور مروان کو تو اس عروج پر پہنچایا کہ گویا خلافت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اور پھر اس کے حالات اس طرح سازگار ہوئے کہ معاویہ ابن یزید کے مرنے کے بعد خلیفة المسلمین بن گیا لیکن ابھی نو مہینے اٹھارہ دن ہی حکومت کرتے ہوئے گزرے تھے کہ 3 رمضان 65ھ میں 63 برس کی عمر میں قضا نے اس طرح آگھیرا کہ اس کی بیوی اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر بیٹھ گئی اور اس وقت تک الگ نہ ہوئی جب تک اس نے دم نہ توڑ دیا۔

اس کے جن چار بیٹوں کی طرف امیر المومنینؑ (حضرت علیؓ نے مذکورہ خطبہ میں) اشارہ کیا وہ عبدالملک بن مروان کے چار بیٹے ولید، سلیمان، یزید اور ہشام ہیں کہ جو عبدالملک کے بعد یکے بعد دیگرے تخت خلافت پر بیٹھے اور اپنی خونچکاں داستانوں سے صفحات تاریخ رنگین کر گئے۔ اور بعض شارحین نے خود اس کے صلبی بیٹے مراد لیے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ عبدالملک، عبدالعزیز، بشر اور محمد۔ ان میں سے عبدالملک تو خلیفہ ہو گیا اور عبدالعزیز مصر کا، بشر عراق کا اور محمد جزیرہ کا والی قرار پایا۔" (نہج البلاغہ 231-232)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ترجمان شیعیت غلام حسین نجفی

مروان جن برائیوں کی وجہ سے گروہ نواصب کا سردار تھا۔معاویہ ان برائیوں میں مروان جیسوں کا امام تھا۔تو ہین اہل بیت کی وجہ سے مروان ناصبیت کا تاجدار رہنا اور معاویہ نے توہین اہل بیت کے مروان جیسوں کو گر سکھلائے۔خاندانِ نبوت پر جمعہ کے آخر میں لعنت کرنے کی بنیاد رکھی۔

پس معاویہ کو نظر انداز کرنا اور مروان کو ناصبیت کا تمغہ دینا شاہ عبدالعزیز کی بے انصافی ہے....

شریعت پاک کا حکم ہے کہ نماز عید پہلے پڑھی جائے اور خطبہ بعد میں دیا جائے۔ مروان جب معاویہ کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا تو خطبہ عید میں وہ حضرت علیؓ کو گالیاں دیتا تھا۔پس لوگ نماز پڑھ کر چلے جاتے تھے اور گالیاں نہیں سنتے تھے۔پھر مروان نے خطبہ دینا نماز سے پہلے شروع کر دیا اور لوگ مجبوراً نماز کے لیے بیٹھے رہتے تھے....

ارباب انصاف!مروان کو مجمع عام میں خاندان نبوت کے خلاف بدزبانی کا موقع اور اختیارات معاویہ نے دیے تھے بلکہ آل نبی کے خلاف بدزبانی کا مروان کو معاویہ کی طرف سے حکم تھا اور بقول رشید احمد گنگوہی مروان کی کاروائی اس کی خباثت ظاہری تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ خاندان نبوت کے خلاف بدزبانی میں مروان شاگرد تھا اور معاویہ استاد تھا۔اگر شاگرد کی کاروائی خباثت ظاہری تھی تو پھر اس کے استاد معاویہ کے بارے میں صحیح فیصلہ کرنا قوم معاویہ کے اپنے ہاتھوں میں ہے....

ارباب انصاف!یہ مروان عرب کی مشہور کنجری زرقاء کی اولاد ہے اور نواصب کے چھ خلفاء کا دادا ہے اور اتنا بڑا دشمن اہل بیت تھا کہ اس کی بدزبانی کا نمونہ آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے۔اس لعین ابن لعین کو اس قسم کی بدزبانی کے اختیارات معاویہ نے دیے تھے۔

ہزار افسوس ہے ان لوگوں پر جو معاویہ اور مروان جیسے دشمنان خاندان نبوت کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ اس قماش کے لوگوں کو سیدنا اور "رضی اللہ" کہنا قرآن وسنت سے صاف بغاوت ہے....

مناظر اہل سنت شاہ عبدالعزیز نے مروان کو لقب شیطان کا عطا کیا ہے۔

ارباب انصاف! مروان شاگرد ہے اور معاویہ استاد تھا اور معاویہ ہی نے مروان کو آل نبی کے خلاف بدزبانی کا موقع دیا تھا۔ پس مروان کو شیطان کہنا اور معاویہ کو معاف کر دینا سراسر بے انصافی ہے۔" (معاویہ کا نبی اور آل نبی کو گالیاں دینا۔ ص 54 تا 59)

مؤلف مذکور اپنی ایک دوسری کتاب میں مروانؓ کے خلاف مذکورہ "فرد جرم" تفصیل کے ساتھ بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"ارباب انصاف! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ معاویہ نے چن چن کے ایسے لوگوں کو اپنا وزیر بنایا تھا کہ جو نکاح البغایا کی پیدائش تھے، خاندان نبوت کے دشمن تھے اور نبی کریمؐ کی زبان پر خدا نے ان پر لعنت فرمائی ہے مثلاً:

مروان اور عمرو بن عاص۔ پس ایسے امراء و وزراء اور ان کے شہریار کو "رضی اللہ" کی دعا سے یاد کرنا تاریخ اسلام اور تعلیمات قرآن سے صاف بغاوت ہے۔"

(خصائل معاویہ ص 330-331)

یہاں حضرت مروانؓ کے بارے میں "بے گانوں" میں سے بطور نمونہ مفتی جعفر حسین اور غلام حسین نجفی کے افکار پیش کیے گئے ہیں جنھوں نے پوری ملت جعفریہ کی ترجمانی کی ہے۔ مذکورہ شیعی افکار سے حضرت مروانؓ پر حسب ذیل اعتراضات عائد ہوتے ہیں:

1۔ حکم اور اس کی اولاد (بالخصوص مروان) پر بلسان نبوت لعنت۔

2۔ مروان لعین ابن لعین ہے۔

3۔ حکم و مروان کی مدینہ سے طائف کی طرف جلاوطنی۔

4۔ دور عثمانی میں مروان کا امور خلافت پر تسلط۔

5۔ مروان ناصبیت کا بانی تھا۔

6۔ مروان نے خلاف شریعت عیدین کی نماز سے پہلے خطبہ جاری کیا۔

7۔ مروان خطبہ جمعہ و عیدین میں حضرت علیؓ اور دیگر اہل بیت کو گالیاں دیتا تھا۔

8۔ مروان شیطان تھا۔

9۔ مروان نے امام حسن کو روضۂ رسول میں دفن نہیں ہونے دیا۔

10۔ مروان کو اس کی بیوی نے گلا گھونٹ کر قتل کیا۔

یہ بات یقیناً باعث تعجب ہے کہ بعض نامی گرامی علمائے اہل سنت نے بھی حضرت مروانؓ کے خلاف اہل تشیع کے مذکورہ اعتراضات کے ساتھ مکمل اتفاق کیا ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ بلکہ انہوں نے ان کے علاوہ کچھ زائد الزامات بھی عائد کیے ہیں۔ اس طرح حضرت مروانؓ کے حوالے سے اہل تشیع اور بعض علمائے اہل سنت ایک ہی ''پیج'' پر آ گئے ہیں۔

جن علمائے اہل سنت نے حضرت مروانؓ کے خلاف اہل تشیع کی طرف سے عائد کردہ ''فرد جرم'' کی تائید کی ہے تو ان پر یا ان کے متبعین یا معتقدین پر غلام حسین نجفی کے اس سوال کا جواب دینا بھی فرض و قرض ہے کہ:

''اگر مروان شیطان موذی رسولؐ و موہن اہل بیت، تارک سنت، مخالف شریعت اور ناصبی ہے پھر اس کا استاد، پیر و مرشد اور اسے گورنری کے منصب پر فائز کرنے والا معاویہ کیوں یہ کچھ نہیں ہے اور اسے کیونکر بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م 1239ھ)

امام الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے لخت جگر ہونے کے علاوہ ان کے مسند نشین بھی تھے؛ جسے انہوں نے درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، شریعت و طریقت اور جہاد و عزیمت کے میدان میں خوب نبھایا۔

حضرت شاہ صاحب کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہ صرف ''رؤیت'' حاصل ہے بلکہ ''بیعت'' سے بھی سرفراز ہوئے۔

(ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی کامل ص 204)

چونکہ انہیں حالت خواب میں ''رؤیت و بیعت'' کی یہ سعادت حاصل ہوئی ہے اس لیے ''محاربین علیؓ'' کے خلاف موصوف نے کم از کم قلمی جنگ میں تو شرکت کی سعادت حاصل کر لی۔ حالانکہ خود حضرت علیؓ نے اپنے مخالفین سے صلح کر لی تھی۔

یہاں حضرت مروان بن حکمؓ کے بارے میں ان کا نکتۂ نظر ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

اہل سنت کی روایات میں بصراحت آپ (یعنی حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ملتے ہیں: ردّونی، ردّونی'' مجھے واپس لے چلو، مجھے واپس لے چلو۔ اسی کے ساتھ ان (اہل سنت) کی روایات میں بطور تتمہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے واپسی میں پس و پیش کیا مگر اہل لشکر نے اس سلسلہ میں آپ سے موافقت نہ کی اور باہم اختلاف رائے پیدا ہوا۔

اسی دوران مروان بن الحکم اور دوسرے لشکری قریب کے دیہات و آبادی سے اسی (80) ایسے افراد کو بطور گواہ لائے جو یہ کہتے تھے کہ یہ پانی حوأب نہیں کہلاتا بلکہ کوئی اور پانی ہے۔ اسی گواہی کے بعد آپ آگے روانہ ہوئیں ....''

(تحفۂ اثناعشریہ ص 634 مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اہل سنت کے نزدیک حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ کا مقام متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''سوال: حضرت معاویہؓ اور مروان کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا ثابت ہے؟

جواب: اہل بیت کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سنت۔ اور محبت اہل بیت سے ہے کہ مروان "علیہ اللعنۃ" کو برا کہنا چاہیے۔ اور اس سے دل بے زار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی، کی حضرت امام حسینؓ اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے نہایت بے زار رہنا چاہیے۔

لیکن حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ صحابی ہیں اور آنجناب کی شان میں بعض احادیث بھی وارد ہیں۔

آنجناب کے بارے میں علمائے اہل سنت میں اختلاف ہے۔ علمائے ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے حرکات جنگ وجدال جو حضرت علیؓ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف خطائے اجتہادی کی بناء پر تھیں۔

محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایات دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے۔ اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذوالنورین حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں جو تعصب امویہ اور قریشیہ میں تھا اسی کی وجہ سے یہ حرکات حضرت معاویہؓ سے وقوع میں آئے جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیے جائیں۔ "والفاسق لیس باهل اللعن" فاسق قابل لعن نہیں تو اگر مراد برا کہنے سے اسی قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو برا کہنا اور برا سمجھنا چاہیے تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محققین پر واضح ہے۔ اور اگر برا کہنے سے مراد لعن وشتم ہے تو معاذ اللہ کہ اہل سنت سے کوئی شخص اس کے گرد جائے اس واسطے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حکم ثابت ہے کہ فاسق اور مرتکب کبیرہ کے حق میں آنحضرتؐ کی شفاعت کی زیادہ امید ہے اور یہ بھی زیادہ متوقع ہے کہ صاحب حق یعنی حضرت علی

مرتضیٰؓ اپنا حق معاف فرمادیں گے۔(فتاویٰ عزیزی کامل ص 413-414)

حضرت مروانؓ کو بُرا بھلا کہنے، ان پر لعنت کرنے اور انہیں "شیطان" تک کہنے کی اجازت شاہ صاحب نے اسی کتاب میں دو مرتبہ دی ہے۔یعنی مذکورہ سوال / جواب زیر عنوان "باب خلافت" ص 250 اور "باب العقائد" ص 413-414 دو مقامات پر نقل کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مروانؓ کا شمار شاہ صاحب کے نزدیک صحابہ یا تابعین تو درکنار عام مسلمانوں میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ موصوف مرتکب کبیرہ اور فاسق کو مستحق لعنت نہیں سمجھتے جب کہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو مستحق لعنت سمجھتے ہی نہیں بلکہ خود بھی ان پر لعنت کرتے رہے ہیں۔گویا حضرت مروانؓ کا درجہ ان کے نزدیک "مرتکب کبیرہ، باغی اور فاسق" سے کچھ زیادہ ہی ہے۔دوسری طرف حضرت مروانؓ کو گورنر بنانے والے سیدنا معاویہؓ بھی شاہ صاحب کے زیر عتاب آ گئے۔موصوف نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں علمائے ماوراء النہر، مفسرین اور فقہاء کے قول کو رد کرتے ہوئے اسے "اجتہادی اختلاف" کے بجائے نہ صرف "نفسانیت" اور قبائلی و خاندانی تعصب پر مبنی قرار دیا بلکہ "مرتکب کبیرہ، باغی اور فاسق" کے "اعزازات" سے بھی نوازدیا کیونکہ یہ "اعزازات" حرکات معاویہؓ کے "غایت نتیجے" کے طور پر عطا کیے گئے۔اس حوالے سے مزید معلومات کے خواہش مند حضرات راقم الحروف کی کتاب "سیدنا معاویہؓ کے ناقدین" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

یہ بات بھی باعث حیرت ہے کہ شاہ صاحب حضرت مروانؓ (جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً آٹھ سال کے تھے) کو تو قطعی طور پر برا بھلا کہنے اور ان پر لعنت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں لیکن دوسری طرف امیر یزید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"اس حکم میں یزید پر لعن کرنا چاہیے یا نہیں تو قف اس وجہ سے ہے کہ یزید پلید کے بارے میں معاملۂ شہادت حضرت امام حسینؓ میں روایات متعارضہ و متخالفہ وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علیہ السلام کی شہادت پر یزید پلید راضی ہوا اور آپ کی شہادت پر خوش ہوا اور اس نے اہل بیت اور خاندانِ رسولؐ کی اہانت کی تو جن

علماء کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مرجح ہیں تو ان علماء نے یزید پلید پر لعن کیا....

اور بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ یزید کو شہادت امام علیہ السلام سے رنج تھا اور شہادت کی وجہ سے یزید نے ابن زیاد اور اس کے اعوان پر عتاب کیا اور یزید کو اس کام سے ندامت ہوئی کہ اس کے نائب کے ہاتھ سے یہ واقعہ وقوع میں آیا تو جن علماء کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مرجح ہیں تو ان علمائے کرام نے یزید کے لعن سے منع کیا۔

چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ اور دیگر علماء شافعیہ اور اکثر علماء حنفیہ نے یزید کے لعن سے منع کیا ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک ثابت ہوا ہے کہ دونوں طرح کی روایات میں تعارض ہے اور کوئی ایسی وجہ ثابت نہ ہوئی کہ اس کے اعتبار سے ایک جانب کی روایات کی ترجیح ہو سکے تو ان علماء نے احتیاطاً اس مسئلہ میں توقف کیا اور جب روایات میں تعارض ہوا اور کوئی وجہ کسی روایت کی ترجیح کے لیے نہ ہو تو علماء پر یہی واجب ہے یعنی حکم دینے سے توقف کرنا واجب ہے اور امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔" (فتاویٰ عزیزی کامل ص 248)

اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب یزید کے بارے میں توقف کے جب کہ حضرت مروانؓ پر "لعن" کرنے اور ان کے نام کے ساتھ "شیطان" لکھنے کے قائل ہیں۔

موصوف اسی بحث میں حضرت مروانؓ کا خطبہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو برا کہنے کے بارے میں یہ لکھ آئے ہیں کہ:

"اگر کسی شخص کے دل میں یہ شبہ گزرے کہ ختنین نے یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے برا کہنے والوں کے بارے میں کفر کا حکم کیوں نہ فرمایا حالانکہ قیاس یہی تھا کہ ایسا ہی حکم فرماتے اور ادلہ صحیحہ سے ان صاحبوں کی تعظیم کرنے کا حکم ثابت ہے۔

تو اس شبہ کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات ختنینؓ نے اس بناء پر ان ملعونوں کے بارے میں کفر کا حکم نہ فرمایا کہ مسلمان کی تکفیر میں احتیاط کرنا چاہیے۔ ان ملعونوں کے شبہات ناحق کا ان سبھوں کی عدم تکفیر میں حضرات ختنینؓ نے احتیاطاً اعتبار کر

لیا.... اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ:

اللّٰهم وال من والاہ و عاد من عاداہ

یعنی آنحضرتؐ نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار جو شخص محبت رکھے حضرت علیؓ کے ساتھ تو اس شخص کے ساتھ تو محبت رکھ اور جو شخص عداوت رکھے حضرت علیؓ کے ساتھ تو، تو اس شخص کے ساتھ عداوت رکھ۔

تو جب علماء کرام کو یہ حدیث معلوم ہوئی اور اس میں غور کیا تو ان کے لیے ضروری ہو گیا کہ ان علماء نے حکم دیا کہ جو شخص حضرات ختنین یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو برا کہے تو وہ کافر ہے اور یہی مذہب صحیح ہے اور ہمارے زمانے میں اسی پر فتویٰ ہے۔"

(فتاویٰ عزیزی کامل ص 245، 247)

اسی سے استدلال کرتے ہوئے شاہ صاحب نے "مروان شیطان علیه اللعنة" کو برا بھلا کہنے کی اجازت دی کہ وہ "اہل بیت کے ساتھ کامل عداوت رکھتا تھا۔"

(حوالہ مذکور ص 250، 413)

شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی ایک دوسری مشہور زمانہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"ہاں بخاری میں مروان سے البتہ روایت آئی ہے باوجودیکہ وہ نواصب میں سے تھا بلکہ اس بد بخت گروہ کا سرغنہ اور سربراہ تھا لیکن اس روایت میں بھی امام بخاری نے اپنی روایت کا مدار امام زین العابدین پر رکھا ہے اور ان ہی پر روایت کو ختم کیا ہے۔ اگر امام ہی مروان سے خود روایت کریں تو پھر امام بخاری کو اس سے بچنے اور احتراز نہ کرنے کا کب حق ہے۔ اس کے باوجود بخاری نے تنہا مروان سے کسی بھی جگہ روایت نہیں کی بلکہ مسور بن مخرمہؓ یا دوسروں کو اس کے ساتھ لائے ہیں۔ اور یہ بات پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اگر کوئی منافق یا بدعتی نقل حدیث میں اہل حق کے ساتھ موافق ہو تو اس کی روایت لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ اور پھر بخاری میں اس کی صرف دو روایتیں ہیں ایک حدیبیہ کے قصہ میں، دوسری سبی طائف و بنی ثقیف۔ اور یہ دونوں جگہیں بھی عقیدہ اور عمل سے متعلق نہیں۔ ایسے

ہی صحاح کی دوسری کتب میں بھی مروان سے اتنی ہی اور اسی قسم کی روایت ہے۔

(تحفہ اثناعشریہ اردو۔ص139-140۔مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

فتاویٰ عزیزی میں شاہ صاحب نے حضرت مروانؓ پر "تضلیل"، تفسیق حتیٰ کہ تکفیر کا بھی فتویٰ لگادیا تھا اب زیر بحث "اقتباس" میں ایک دوسرے انداز سے اسی سابق فتویٰ کا ہی اعادہ کیا گیا ہے۔جہاں روایت حدیث کے سلسلہ میں حضرت مروانؓ کی خدمات پر پانی پھیرا گیا وہیں قارئین کو یہ باور کرایا کہ ان مرویات کا تعلق "عقیدے و عمل" سے نہیں ہے۔ پھر بھی قاعدہ یہ ہے کہ اہل باطل میں سے کوئی منافق یا بدعتی اگر اہل حق کے ساتھ روایت میں موافقت کرے تو اس سے روایت لینے میں کوئی قباحت نہیں۔اسی اصول کے پیش نظر امام بخاری و دیگر محدثین نے مروان سے روایات نقل کی ہیں۔

شاہ صاحب نے اسی زیر بحث اقتباس میں حضرت مروانؓ کو باطل، بدعتی اور منافق (ظاہر ہے کہ اس سے اعتقادی منافق ہی مراد ہے) کہنے کے علاوہ انہیں نہ صرف "عام ناصبی بلکہ اس بد بخت گروہ کا سرغنہ اور سربراہ" قرار دیا۔

فلیبک علی الاسلام من کان باکیا

شاہ صاحب اسی کتاب کے پہلے باب میں ہی "نواصب" کا یہ شرعی حکم بیان کر آئے ہیں کہ:

"اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہنوز تبرائی ان اہل سنت اور خارجیوں میں فرق و تمیز نہیں کرتے۔حالانکہ اہل سنت حضرت علیؓ کے مخلصین خاص ہیں۔خاندانِ نبوت پر دل و جان سے فدا ہیں۔شام و عراق اور مغرب کے ناصبیوں سے نہ صرف علمی اور زبانی لڑائی لڑنے میں مشغول ہیں بلکہ تلواروں کی لڑائی میں بھی دوبدو ہو چکے ہیں اور احکام شریعت کی مدد اور مروانی بدعات کا قلع قمع بھی کر چکے ہیں۔نواصب کو نہایت بدزبان سمجھتے ہیں۔"

(حوالہ مذکور ص29۔مترجمہ مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی)

تحفہ اثناعشریہ فارسی کے پہلے اردو مترجم مولانا عبدالمجید خان صاحب ہیں جن کا

ترجمہ ''ہدیہ مجیدیہ'' کے نام سے اب بھی مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اس میں اس حصے کا بالفاظ ذیل ترجمہ کیا گیا ہے کہ:

''اور عجب یہ کہ اب تک شیعہ سبیہ کے نزدیک فرقۂ نواصب کا فرقۂ اہل سنت سے تمیز و تفرقہ نہیں دونوں کو برابر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ فرقہ یعنی اہل سنت، فرقۂ شیعہ خاص جناب امیر کا ہے کہ فدا خاندانِ نبوت کے ہیں اور ہمیشہ نواصب شام و مغرب اور عراق کے ساتھ لڑائیاں تیغ و سنان کی لڑتے رہے اور مناظرے علمی و زبانی کرتے رہے اور رد شعائر شریعت اور رکھونے بدعاتِ مروانیہ میں ساعی و سرگرم ہوئے اور نواصب کو بدترین کلمہ گویوں بلکہ ہم سر سگ و خوک (کتے اور خنزیر) کا جانتے رہے۔''

(ہدیۂ مجیدیہ اردو ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص 10)

''فتاویٰ عزیزی'' اور ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے اقتباسات سے حضرت مروانؓ کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا انتہائی جارحانہ اور منافی عدل موقف سامنے آیا ہے۔

مذکورہ مبنی بر توہین ''اقتباسات'' کو ''الحاق'' بھی نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اکابر علماء نے ان سے استدلال کیا ہے۔ اعدائے صحابہ بھی حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کے خلاف ان اقتباسات کو بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ دوسرے اداروں کا تو کیا ذکر؟ خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ادارے ''دارالاشاعت'' کی طرف سے حضرت شاہ صاحب کی مایہ ناز کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' شائع ہوئی ہے، اس میں بھی حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کے خلاف کافی مواد موجود ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م 1323ھ)

قطب الاقطاب امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"و یقال ان اول من خطب قبل الصّلوۃ مروان بن الحکم ای بنیّۃ فاسدۃ والّا قد فعل ذٰلک قبلہ عثمان بن عفان فانّا عثمان رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فانّما قدّم الخطبۃ لما کثر الناس وازدھم المسلمون فکان یری فی خطبتہ افواج النّاس یاتون الی المصلّی فقدّم الخطبۃ لئلا تفوت المسلمین صلوتھم فکان فعلہ ذٰلک حسناً لم ینکرہ علیہ احد من الصّحابۃ والتّابعین

و امّا مروان فکان یعرض فی خطبتہ باھل بیت النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ویسیء الادب بھم فلما رای الناس ذٰلک وان لیس لھم صبر علی استماع اذاھم رضی اللّٰہ عنھم جعلوا یذھبون اذا فرغوا من الصّلوۃ وترکوا خطبۃ مروان ان یسمعوھا فقدّم مروان الخطبۃ علی الصّلوۃ لیلجئھم الی سماعھا فکان فعلہ ذٰلک خبثًا ظاھراً فانکروا علیہ۔"

(الکوکب الدرّی تحت ابواب العیدین مع جامع الترمذی جلداول ص70)

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس آدمی نے بری نیت کے ساتھ عید کا خطبہ نماز پر مقدم کیا وہ مروان تھا۔ اس سے پہلے حضرت عثمانؓ نے بھی یہ کام کیا تھا مگر انہوں نے جب لوگوں کے ہجوم اور ازدحام کو دیکھا تو ان کو سہولت پہنچانے کے لیے خطبہ مقدم کیا۔

حضرت عثمانؓ نے ایک طرف اپنے خطبہ میں لوگوں کے گروہوں کو عید گاہ کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اس ارادے سے خطبہ کو مقدم کیا تا کہ مسلمانوں کی نماز فوت نہ ہو جائے۔ انہوں نے اچھی نیت کے ساتھ یہ کام کیا تھا اور ان کے اس فعل پر صحابہ

و تابعین میں سے کسی ایک نے بھی نکیر نہیں کی ۔

مگر مروان اپنے خطبہ میں اہل بیت نبیؐ پر طعن و تعریض کرتا تھا اور ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرتا تھا جب لوگوں نے یہ دیکھا اور وہ اہل بیت کی ایذا پر صبر نہ کر سکے تو وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مروان کا خطبہ چھوڑ کر فوراً چلے جاتے تھے ۔تب مروان نے خطبہ عید کو نماز پر مقدم کر دیا تا کہ ان کو نماز کی خاطر مجبوراً خطبہ سننا پڑے ۔

مروان کا یہ فعل صریح خباثت پر مبنی تھا جس کی وجہ سے لوگوں نے نفرت کا اظہار کیا ۔

حضرت گنگوہی نے حضرت عثمانؓ کے فعل کو تو بتاویل (لوگوں کو سہولت پہنچانے کی غرض سے) ''حسن نیت'' پر محمول کیا جب کہ حضرت مروانؓ کے ان ہی جیسے فعل کو ''فاسد نیت'' کے تحت ''صریح خباثت'' کا مظاہرہ قرار دیا ۔

کیا کسی عادل اور منصف نے کبھی ''بقال'' کی گواہی کی بناء پر اس طرح کسی کی نیت پر حملہ کیا ہے ۔موصوف کو تو یہاں صرف ''نفس مسئلہ'' کی وضاحت کرنا چاہیے تھی ۔انہیں کسی صحابی کے باطن کو نہ تو ٹٹولنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی ''صریح خباثت'' کے الفاظ سے کسی فتویٰ کے اجراء کی ۔اگر موصوف کے نزدیک حضرت مروانؓ کو شرف صحبت نہ بھی حاصل ہو تو پھر بھی وہ یقیناً ''کبار تابعین'' میں تو ضرور شامل ہیں جن کے مقام و مرتبہ سے موصوف سے زیادہ اور کون آگاہ ہو سکتا ہے ؟

حضرت مروانؓ کی صحابیت تو پھر ''مختلف فیہ'' ہے لیکن حضرت معاویہؓ کی صحابیت تو ہر ہر تعریف کے اعتبار سے ثابت ہے ۔حضرت گنگوہی انؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اور معاویہؓ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں ۔ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی ۔اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں مگر معاویہؓ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے ....

فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت امیرؓ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا اگر کافر ہوتے

تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی۔

...منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ آخر عمر میں اس امارت اور اپنے کردار سے نادم ہوئے تھے۔سوندامت کے بعد جو گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا کہ حق تعالیٰ توبہ کے سبب گناہ معاف کرتا ہے بلکہ کفر بھی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔''(ھدایۃ الشیعۃ ص 30)

مذکورہ عبارت میں موصوف نے جو''انداز و لب ولہجہ''اختیار فرمایا ہے وہ ہرگز ہرگز ''فاتح عرب وعجم، خال المسلمین، مدبر اسلام، بانی اسلامی بحریہ، کاتب وحی اور امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ'' کے شایانِ شان نہیں ہے بلکہ حسب ذیل کلمات تو حضرت معاویہؓ اور ان کے موقف کے حامی دیگر صحابہ و تابعین کی صریح توہین و تنقیص کے زمرے میں آتے ہیں:

''اور معاویہؓ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں، اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں مگر معاویہؓ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے...

فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت امیرؓ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی، ہاں البتہ اس میں بسبب شبہ و تاویل کجی آ گئی تھی اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔''

حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے میں حضرت گنگوہی کے مذکورہ ''اسلوب و انداز'' کے بعد موصوف کا ایک دوسرا انداز بھی بحوالہ ''امداد السلوک'' ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے 1317ھ میں وفات پانے والے اپنے پیر و مرشد'' حاجی امداد اللہ مہاجر مکی'' کے متعلق اختیار فرمایا ہے:

''وبنام تامی ، واسم سامی ، وافتخار المشائخ الاعلام ، مرکز الخواص والعوام ، منبع البرکات القدسیۃ ، مظھر الفیوضات المرضیۃ ، معلن المعارف الالٰھیۃ ، مخزن الحقائق لجمع الدقائق ، سراج اقرانہ ، قلوۃ اھل زمانہ ،

سلطان العارفین ، ملك التاركين ، غوث الكاملين ، غياث الطالبين الذی كلت السنة الاقلام عن مدائحة البالغة واعجزت التوصيف شمائله الكرام الساطعة يغبط الاوّلون والآخرون من شعاره و يحسده الفاجرون و الغافلون من دثارة مرشدی ، معتمدی وسيلة يومی و غدی ، مولای ومعتقی ، سيدی وسندی ، الشيخ ، الحاج المشتهربامدادالله ، الفاروقی ، التهانوی سلمه الله تعالٰی بالارشاد والهداية وازال بذاته المطهرة الضلالة والغواية....“

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے بھی مذکورہ ”القاب“ نقل کر کے ان کی کامل توثیق فرمائی ہے۔(ملاحظہ ہو: ”الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب ص 203)

حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ کیا حضرت گنگوہیؒ کے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے فروتر تھا؟ العیاذ باللہ۔ چہ نسبت.... جبکہ حضرت گنگوہیؒ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

”سن لو! حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر“ (تذکرۃ الرشید جلد دوم ص 16، مؤلفہ مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

جہاں تک خطبہ کو نماز عید پر مقدم کرنے کا تعلق ہے تو اس کا جواب آگے آرہا ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایک فروعی مسئلہ پر حضرت مروانؓ کی نیت (جس کا اللہ کے بغیر کسی کو علم نہیں) کو فاسد کہتے ہوئے ان کے اس فعل کو ”صریح خباثت“ کا مظاہرہ قرار دیا۔ معلوم نہیں کہ موصوف نے محض ”خطبہ کو نماز پر مقدم“ کرنے کی وجہ سے ”صریح خباثت“ کا فتویٰ صادر فرمایا ہے یا اہل بیت پر ”طعن و تعریض“ کی بناء پر۔

پہلی صورت میں تو اس قسم کا فتویٰ تو سرے سے لاگو ہی نہیں ہوتا جب کہ دوسری صورت کا ثبوت مہیا کرنا بھی ان کے بس میں نہیں۔ پھر اگر بالفرض ”طعن و تعریض“ ثابت بھی ہو جائے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ انہوں نے ”توبہ“ نہ کی ہوگی۔ پھر بقول خود ان

کے ''توبہ وندامت'' سے ''کبائر'' تو کیا بلکہ ''کفر'' بھی معاف ہو جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت مروانؓ کی خشیت کا جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ پیچھے زیرِ عنوان ''حضرت مروانؓ اور خشیت الٰہی'' گزر چکا ہے۔

(ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ "ولاتحسبنّ الّذین یفرحون بمآ اتوا" رقم الحدیث 4568)

علاوہ ازیں امام ابن کثیر نے حضرت مروانؓ کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ حضرت مروانؓ نے آخری بات جو کہی وہ یہ تھی:

جو جہنم سے ڈرا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔''

(البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 262)

بہر حال حضرت گنگوہی نے چودہ صدیاں بعد ''فاسد نیت'' اور ''صریح خباثت'' کا فتویٰ صادر کر کے شرعی حدود سے یقیناً تجاوز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (م 1339ھ)

حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (تینوں) کے خلیفہ استاذ المحدثین شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی "خطبہ قبل الصلوٰۃ فی العیدین" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ویقال انّ من اول من خطب قبل الصلٰوۃ فی العیدین مروان بن الحکم کان مروان بن الحکم ظالما فحاشامستدبراً عن سنة علیه السلام وکان یسبّ الناس فی المجامع مثل الجمعة والاعیاد والناس کانوا لا ینتظرون بعد الصلٰوۃ الی الخطبة لسبّه فی اثناء الخطبة فلذا قدّم الخطبة علی الصلٰوۃ لئلاً ینتشر الناس وکانوا ینتظرون للصلٰوۃ لا محالة۔"

(التقریر للترمذی مع جامع الترمذی جلد اول ص 18)

اور کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے نمازِ عیدین سے قبل خطبہ دیا وہ مروان بن حکم تھا۔ مروان بے حد بُرے درجے کا ظالم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پیٹھ دکھانے والا اور اس سے منہ موڑنے والا تھا اور لوگوں پر جمعہ اور عیدین کے مجمع ہائے عام میں سب وشتم کرتا تھا اور لوگ اس سب وشتم کی وجہ سے نمازِ عید کے بعد اس کے خطبہ کا انتظار کیے بغیر چلے جاتے تھے۔ اسی لیے اس نے نماز پر خطبہ کو مقدم کیا تا کہ لوگ منتشر نہ ہو سکیں کیونکہ ان کے لیے نماز کا انتظار تو ناگزیر تھا۔

حضرت شیخ الہند نے بھی اپنے مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی اتباع میں "یقال" کے صیغۂ تمریض کی بناء پر ہی حضرت مروانؓ پر بے تحاشا ظلم کرتے ہوئے سنگین الزامات عائد کیے ہیں کہ:

"کان مروان بن الحکم ظالمًا فحاشًا مستدبرا عن سنة علیه السلام"

یعنی پرلے درجے کا ظالم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پیٹھ دکھانے والا اور اس سے منہ موڑنے والا تھا۔ مرشد نے ''بدبختی اور صریح خباثت'' کا مرتکب قرار دیا تھا جب کہ مرید اور خلیفہ نے مزید تشریح فرمادی۔

موصوف کو اپنے مرشد سے اس قدر لگاؤ تھا کہ ''مدتوں ان کی یہ عادت رہی کہ جمعہ کے دن علی الصباح دیوبند سے پاپیادہ گنگوہ پہنچتے اور جمعہ کی نماز حضرت امام ربانی کے پیچھے ادا فرما کر رات کو دیوبند آ لیتے تھے کیونکہ صبح کو مدرسہ میں درس دیتا تھا۔ ہر ہفتہ ایک دن میں چالیس کوس کی مسافت کا طے کرنا جس غلبہ شوق و محبت میں ہوتا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تکان نہ مانتے تھے۔''

(مشاہیر علماء دیوبند ص 576۔ مطبوعہ المکتبۃ العزیزیۃ اردو بازار لاہور)

حضرت شیخ الہند نے زیر بحث مسئلہ میں بھی ''نفسِ مسئلہ'' سے اغماض کرتے ہوئے ''تحقیق'' کے بجائے اپنے ''مرشد'' کی تقلید ہی ضروری سمجھی۔ یہ تو خیر ایک مسئلہ کے بارے میں ''تحقیق مرشد'' کی تقلید کا معاملہ ہے حضرت موصوف کا اعتقاد تو یہ ہے کہ نصوص اور احادیث کی رو سے ''حق'' کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اسے ''قبول'' کرنے کے بجائے تقلید امام ہی واجب ہے کیونکہ ''قول مجتہد'' بھی تو آخر بمنزلہ ''قول رسول'' ہی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند اپنی ''تقریر ترمذی'' میں باب ''البیعان بالخیار'' کے تحت ایک مسئلہ کی تشریح میں بالتفصیل ائمہ کے دلائل کا تقابل کرتے ہوئے بطور نتیجہ واشگاف الفاظ میں اعلان فرماتے ہیں کہ:

''فالحاصل انّ مسئلة الخيار من مهمات المسائل فخالف ابوحنيفة فيه الجمهور و كثيراً من الناس من المتقدمين والمتأخرين وضعوا رسائل فى ترديد مذهبه فى هذه المسئلة ورجح مولانا شاه ولى الله المحدث الدهلوى قدس سره فى رسائل مذهب الشافعى من جهة الاحاديث والنصوص وكذلك قال شيخنا مدظلّه بترجيح مذهبه۔

وقال الحق والانصاف أنّ الترجيح للشافعى فى هذه المسئلة ونحن

مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفة۔ واللہ اعلم۔"

(التقریر للترمذی للاستاذ المحدثین مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ مع جامع الترمذی ص35-36۔تحت باب "البیعان بالخیار")

پس اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''مسئلہ خیار'' اہم ترین مسائل میں سے ہے پس امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں جمہور اور متقدمین اور متاخرین فقہاء کی مخالفت کی ہے جنہوں نے اس مسئلہ میں ان کے مذہب کی تردید میں بہت سے رسائل تصنیف کیے ہیں اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے مذہب شافعی کے رسائل میں نصوص و احادیث کی رو سے اس مسئلہ کو ترجیح دی ہے۔

اور اسی طرح ہمارے شیخ مدظلہ نے فرمایا ہے کہ امام شافعی کا مذہب راجح ہے۔ اور حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کے موقف کو ترجیح حاصل ہے۔ اور ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ واللہ اعلم

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرتؒ کے نزدیک ''مجتہد کا قول بھی قول رسولؐ میں شمار ہوتا ہے۔''

چنانچہ حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ:

''اور بیان مذاہب گویا بیان ہے ماروی عن النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کا کیونکہ:

قول مجتہد بھی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی شمار ہوتا ہے۔''

(الورد الشذی علی جامع الترمذی ص2۔ مطبوعہ معہد الخلیل الاسلامی بہادرآباد کراچی)

یہ ملحوظ رہے کہ "الورد الشذی" کو دارالعلوم دیوبند کے محدث، عالم ربانی مولانا الحاج سید اصغر حسین صاحب نے "تصحیح تام وسعی مالا کلام" کے ساتھ جمع کیا۔ یعنی یہ رسالہ ایسی مکمل تصحیح اور کوشش کے ساتھ جمع کیا گیا ہے کہ جس پر کسی قسم کے کلام کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

یہ "تصحیح تام وسعی ما لا کلام" ہی کا نتیجہ ہے کہ اس کے صفحہ نمبر 2 پر ہی تقریباً ایک سطری قول میں ''قول رسول'' کے بعد "صلّی" کا لفظ چھوڑ دیا ہے اور اسے ''قول رسول اللہ علیہ وسلم'' لکھ دیا ہے۔

مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند کی "تصحیح تام و سعی ما لا کلام" کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے مذہب حنفیہ پر اعتراض کرتے ہوئے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس کا جواب حضرت شیخ الہند نے "ادلّہ کاملہ" کے نام سے دیا جو حضرت کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کا دوسرا نام اظہار حق ہے۔

"ادلّہ کاملہ" کا جواب محمد حسن امروہی صاحب نے "مصباح الادلّہ" کے نام سے دیا ہے جس کا جواب الجواب حضرت شیخ الہند نے "ایضاح الادلّہ" کے نام سے شائع کرایا۔ حضرت شیخ الہند کی اپنی نگرانی میں پہلی مرتبہ "ایضاح الادلّہ" (ضخامت 396 صفحات) 1299ھ میں میرٹھ میں طبع ہوئی۔ پھر دوسری مرتبہ بھی حضرت علاّم کی زندگی ہی میں پہلی اشاعت کے 30 سال بعد 1330ھ میں حضرت مولانا اصغر حسین صاحب کی تصحیح کے ساتھ چارسو صفحات پر مشتمل مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیوبند مولانا حبیب الرحمٰن خان صاحب کے اہتمام سے شائع ہوئی۔ اس کے ٹائٹل صفحہ پر محدث کبیر مولانا اصغر حسین صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین" کے سچے مصداق عمدۃ المحققین، خاتم المحدثین والمفسرین، تاج العلماء، قدوۃ الاولیاء حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس و محدث مدرسہ اسلامیہ دیوبند دامت برکاتہم کی ایک نہایت محققانہ علمی تصنیف مسمّی بہ

ایضاح الادلّہ

جو نہایت قابل قدر بیش بہا عالمانہ بیانات پر مشتمل ہے۔ بہت سے اہل علم اور طلبہ کے اصرار سے تقریباً 30 سال کے بعد دوسری مرتبہ فقیر خاکسار سید اصغر حسین حسنی دیوبندی کی ناچیز سعی و انتظام سے ماہ ربیع الثانی 1330ھ میں .... طبع ہوئی۔"

اس کے بعد فاروقی کتب خانہ ملتان سے اسی کتاب کا عکس شائع ہوا ہے۔ اسی طرح "ایضاح الادلّہ" فخر المحدثین مولانا فخر الدین صاحب کے حواشی کے ساتھ ارکان تجارتی

کتب خانہ فخریہ امروہی دروازہ مراد آباد۔ یو۔ پی سے بھی شائع ہوئی۔

کتاب کی پہلی اشاعت 1299ھ کے بعد چالیس سال (1339ھ) تک حضرت بقید حیات رہے۔ اس کے بعد مولانا اصغر حسین صاحب اور مولانا فخر الدین صاحب کے حواشی و تصحیح کے اہتمام کے ساتھ بھی دو مرتبہ یہ کتاب شائع ہوئی لیکن اس میں قرآن مجید کی آیت کریمہ کی تصحیح کی طرف سرے سے کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

حضرت شیخ الہند سے ''سہواً'' وہ آیت نہ صرف یہ کہ غلط لکھی گئی بلکہ اس میں ایک جملہ آیت کے پہلے حصے سے اٹھا کر دوسرے حصے میں مع ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا تھا، اسے مذکورہ ہر دو محدثین (مولانا اصغر حسین اور مولانا فخر الدین) نے بعد کے ایڈیشنوں میں بھی جوں کا توں باقی رہنے دیا۔ فیا اسفا!

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ:

''یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا:

فان تنازعتم فی شیء فردّوہ الی اللّٰہ والرسول والی اولی الامر منکم

اور ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیائے کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں۔ سو دیکھیے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء اور جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔

آپ (محمد حسن امروہی صاحب مصباح الادلہ) نے آیت فردّوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تو دیکھ لی اور یہ آپ حضرات کو اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ (اضافہ شدہ) حقیر بھی ہے۔ (ایضاح الادلہ بہ تصحیح مولانا اصغر حسین صاحب ص 97۔ مطبع قاسمی دیوبند وبا ہتمام مع حواشی مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی ص 103)

حضرت شیخ الہند اس غلطی کی طرف توجہ نہیں دے سکے جب کہ اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک مذکورہ بزرگوں نے بھی کتاب پر حواشی لکھنے کے باوجود اس آیت کی تصحیح کی طرف

کوئی توجہ نہیں دی۔ بعد میں جب اہل حدیث حضرات نے اس غلطی کی نشاندہی کی تو قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی کی مطبوعہ "تسہیل ادلہ کاملہ" میں اس غلطی کا پہلی مرتبہ حسب ذیل الفاظ کے ساتھ اعتراف کیا گیا ہے کہ:

ان سب (یعنی چاروں) ایڈیشنوں میں ایک آیت کریمہ کی طباعت میں افسوسناک غلطی ہوئی ہے۔ عبارت یہ ہے:

"یہی وجہ ہے کہ ارشاد ہوا "فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللّٰہ والرسول والی اولی الامر منکم" اور ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں سو دیکھیے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء اور جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔ آپ نے آیت "فردوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الآخر" تو دیکھ لی اور یہ آپ حضرات کو اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضۂ احقر بھی ہے۔

یہ سبقت قلم ہے جس آیت کا حضرت (شیخ الہند) نے حوالہ دیا ہے اس سے مراد یہ آیت ہے: "یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (النساء آیت 59) چنانچہ قضاء قاضی کی بحث میں حضرت نے اسی مدعا پر دوبارہ اس آیت کریمہ کا حوالہ دیا ہے۔ (دیکھیے طبع دیوبند ص 256 اور طبع مرادآباد ص 269)

بہرحال یہ سہو کتابت ہے جو نہایت افسوس ناک ہے۔

جانشین شیخ الہند حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے اس سلسلے میں دریافت کیا گیا تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ:

"ایضاح الادلہ کی طباعت اول اور ثانی میں تصحیح نہ کرنے کی وجہ سے بے لگام غیر مقلدوں کو اس ہرزہ سرائی کا موقع مل گیا۔

بہرحال سورتی صاحب کے اس مضمون کا جواب لکھ دیجیے۔ آیت میں کاتب کی غلطی ظاہر ہے جو مضمون حضرت رحمت اللہ علیہ نے سابق و لاحق میں لکھا ہے وہ صاف طور سے واضح کر رہا

ہے کہ وہ آیت کو غلط طریقہ پر یاد نہیں رکھتے تھے غور فرمایئے اور استدلال قائم کیجیے۔

الغرض یہ افسوس ناک غلطی ہے اور اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ دیوبند سے حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کی تصحیح کے ساتھ اور مرادآباد سے فخر المحد ثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے حواشی کے ساتھ یہ کتاب شائع ہوئی لیکن آیت کی تصحیح کی طرف توجہ نہیں دی گئی جب کہ حضرت الاستاذ مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہ نے ترجمہ بھی جوں کا توں کر دیا۔''

(تسہیل ادلّہ کاملہ ص 18-19 تسہیل از مولانا سعید احمد پالنپوری محدث دارالعلوم دیوبند۔ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی نمبر 1 تحت ''ایک ضروری تنبیہ'')

''صاحب تسہیل'' مولانا سعید احمد پالنپوری محدث دارالعلوم دیوبند نے سارا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ یہ سبقت قلم یا کاتب و کتابت کی غلطی ہے۔

مگر صد افسوس کہ موصوف کے اس دعویٰ کے ساتھ اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حضرت اس آیت کو ''تقلید'' کی زبردست دلیل تصور کرتے ہوئے معرضِ استدلال میں لائے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ نے آیت ''فردّوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الآخر'' تو دیکھ لی اور یہ آپ حضرات کو اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا (فان تنازعتم فی شیء فردّوہ الی اللّٰہ والرسول والی اولی الامر منکم) معروضہ احقر بھی ہے۔''

مولانا عامر عثمانی فاضل دیوبند لکھتے ہیں کہ:

''کتابت کی غلطی اس لیے نہیں کہی جا سکتی کہ حضرت شیخ الہند کا استدلال ہی اس ٹکڑے پر قائم ہے جو اضافہ شدہ ہے اور آیت کا اسی اضافہ شدہ شکل کا قرآن مجید میں موجود ہونا وہ شد و مد سے بیان فرما رہے ہیں۔

اولی الامر کے واجب الاتباع ہونے کا استنباط بھی اسی سے کر رہے ہیں اور حیرت

درحیرت ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ اصل آیت نازل ہوئی تھی ان کے اضافہ کردہ فقرے اوراس کے استدلال نے بالکل الٹ دیا ہے۔"

(ماہنامہ تجلی دیوبند ص 61-62 ۔نومبر 1962ء)

بہر کیف اس "افسوس ناک غلطی" کی دیر سے ہی سہی بالآخر تصحیح ہوگئی ہے مگر وہ "خطاء" جسے "صواب" سمجھ لیا جائے اس کی اصلاح و تصحیح ناممکن ہوتی ہے جس کی واضح مثال اکابر کا سیدنا مروانؓ کے خلاف روا رکھا جانے والا "جارحانہ رویہ" ہے جو شاہ عبد العزیز اور حضرت گنگوہی سے حضرت شیخ الہند، حضرت انور شاہ کاشمیری، حضرت تھانوی اور مولانا سید احمد رضا بجنوری میں منتقل ہوا ہے ملاحظہ ہو: فتاویٰ عزیزی ، تحفہ اثناعشریہ ، الکوکب الدرّی ، التقریر للترمذی ، العرف الشذی ، فیض الباری اور انوار الباری۔

ان کتب میں یہ اکابر سیدنا مروانؓ کی طرف منسوب سبائی و تاریخی مکذوبات کی بنیاد پر انہیں "علیہ اللعنۃ ، شیطان، منافق، بدعتی، باطل، سرغنہ نواصب، صریح خباثت، پرلے درجے کا ظالم، سنت کو پیٹھ دکھانے والا وانحراف کرنے والا، بدنیت، بدعت سیئہ کا مرتکب، فتنہ پرداز، خون ریزیوں وشہادت عثمانؓ کا باعث، قاتل طلحہؓ، سفاک امت، بلسان نبوت ملعون ابن ملعون اور انتہائی بدکردار قرار دے رہے ہیں۔ العیاذ باللہ

کاش یہ اکابر اپنے علم اور اصول روایت و درایت کی روشنی میں ہی حضرت مروانؓ پر عائد کردہ الزامات کا تجزیہ کر لیتے تو اس "سوءِ ظن" کا تو شکار تو نہ ہوتے۔

باری تعالیٰ ان حضرات کی دیگر دینی خدمات کو قبول کرتے ہوئے ان لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کردے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری (م 1352ھ)

حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

السنة الخطبة بعد العيدين و تلقاه الامة بالقبول و خالفها مروان فانه كان يهجو في خطبته عليا رضي الله عنه و استكره الناس و كانوا لايسمعون الخطبة فقدم الخطبة يستمعوها....

(العرف الشذی ص 229 مع جامع الترمذی جلد اول ص 762 تحت ابواب العيدين باب في صلوة العيدين قبل الخطبة)

سنت یہ ہے کہ خطبہ ''عیدین'' کی نماز کے بعد ہو اور اسے امت کی طرف سے ''تلقّی بالقبول'' بھی حاصل ہے۔ جب کہ مروان نے اس ''سنت'' کی مخالفت کی کیونکہ وہ خطبہ میں حضرت علیؓ کی مذمت کرتا تھا۔ لوگوں نے اس پر ''نکیر'' کی اور وہ خطبہ نہیں سنتے تھے لہٰذا مروان نے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا تا کہ لوگ اس کا خطبہ سننے پر مجبور ہوں۔

کتب احادیث میں جہاں کہیں بھی حضرت مروانؓ کا ذکر آیا ہے تو حضرت شاہ صاحب اعتدال کا دامن ترک کر دیتے ہیں۔ ''العرف الشذی'' میں شاہ صاحب نے ''يهجو عليا'' کے الفاظ استعمال فرمائے جب کہ فیض الباری میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ''لانه كان يسب عليا و كان الناس يقومون عنها فقدمها'' چونکہ مروان خطبہ میں حضرت علیؓ پر ''سبّ'' کرتا تھا اور لوگ خطبہ سے کھڑے ہو جاتے تھے پس اس نے خطبہ نماز سے مقدم کر دیا۔ (فیض الباری جلد 2 ص 539)

حضرت مروانؓ کے حوالے سے ''چوٹ'' کرنے کا کوئی موقع نہ بھی ہو تو پھر بھی محض سند میں ان کا نام دیکھ کر شاہ صاحب جلال میں آ جاتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں سیدنا مروانؓ کا نام دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ:

''امام بخاری کی حدیث الباب میں مروان سے روایت ہے اور مجھے یہ بات اوپری

معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مروان فتنہ پرداز، خون ریزیوں کا باعث اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنا ہے۔ اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تا کہ خود صاحب حکومت بنے۔ جنگ جمل کے واقعہ میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کون ہے جو حرم نبی پر دست درازی کرتا ہے؟

پھر کوئی آیا اور اونٹ کے تلوار ماری جس سے عماری گرنے لگی اور حضرت علیؓ نے دیکھ کر فوراً پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو گرنے سے بچایا اور جنگ ختم ہوگئی اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ حدیث نبی اکرمؐ سن کر مدینہ طیبہ کو لوٹ گئے۔ مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مارا اور زخمی کر دیا جس سے وہ شہید ہوئے۔ مروان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے اور کوئی میدان سے نہ جائے۔

غرض مروان کے اندر حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی اس قدر تھی کہ ٹھکانہ نہیں ہے۔ اسی نے حضرت محمد بن ابی بکر کے لیے بجائے "فاقبلوہ" کے "فاقتلوہ" لکھ دیا تھا...

مولانا عبداللہ خان صاحب کرتپوری تلمیذ رشید حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

اس زمانہ میں مسجد نبوی کا خطیب مروان تھا جو سلطنت نامرضیہ بنی امیہ کی جانب سے والی مدینہ تھا۔ مروان حکومت متسلطہ (خلافت معاویہؓ) کا ایک رکن ہونے کے علاوہ خود بھی بڑا ظالم و جابر تھا۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان بدبخت حکام کا طرز عمل بے حد گستاخانہ تھا حتیٰ کہ خطبوں میں دل آزار کلمات کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے اس لیے "علماء کرام" ان لوگوں کے خطبے سننا بھی پسند نہ کرتے تھے اور غالباً ابوسعید خدریؓ نے مروان کا خطبہ سننے کی نسبت سے یہی بہتر سمجھا ہوگا کہ پہلے نماز ہی پڑھ لیں۔

اسی طرح سلیک کی نماز کے وقت تو حضور علیہ السلام نے خطبہ بند فرما دیا تھا اس لیے ان کی نماز بوقت خطبہ نہ تھی اور مروان کے خطبہ کے لیے شرعی خطبہ کا حکم ہی بمشکل دیا جا سکتا تھا۔ اس لیے حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس وقت کی نماز کو بطور دلیل پیش کرنا بے سود ہے۔

امام بخاری کی جرح بابت عطاء خراسانی پر بحث کرتے ہوئے لکھا کہ ایسا اندازہ ہوتا

ہے کہ امام بخاری کے یہاں جرح و توثیق میں قوتِ دلیل کا سوال نہیں بلکہ خود ان کے رجحانِ طبع پر فیصلہ ہے۔ قابلِ اعتماد سمجھ لیں تو مروان بن الحکم کو جس کی پیشانی پر اصحاب نبیؐ کے خون کا ٹیکہ لگا ہوا اور جس کو سفاکِ امت کہنا بھی بے جا نہیں اور ضعیف سمجھ لیں تو رأس التابعین حضرت اویس قرنی کو۔ راقم الحروف (سید احمد رضا بجنوری) عرض کرتا ہے کہ مروان کی حدیث کو اگر حدیث کے بارے میں بھروسہ کر کے لے بھی لیا جائے تب بھی ان کو ثقہ و ثبت تو نہیں مانا جا سکتا اور جس نے ''قبل'' کو خط میں ''قتل'' بنا دیا ہو وہ کیسے ثقہ ہو سکتا ہے؟

امام اعظم کی یہ عظیم منقبت یہاں یاد میں تازہ کر لی جائے تو اچھا ہے کہ وہ احادیث کی روایت صرف ثقہ، متدین اور پرہیز گار لوگوں سے کرتے تھے۔ امام بخاری نے امام اعظم پر امت کے اندر خون ریزی کرانے کا الزام دھرا تھا (کما فی جزء القرأۃ) کیا اکابر حنفیہ مروان سے بھی زیادہ قصور وار تھے کہ سارے ہی ائمہ حنفیہ اور کبار محدثین حنفیہ کو ترک کر کے مروان جیسوں سے صحیح بخاری میں روایات درج کیں۔ والی اللہ المشتکی۔''

(انوار الباری اردو شرح صحیح البخاری جلد 16۔ ص 337-339)

بہر حال حضرت شاہ صاحب نے صحیح بخاری ''کتاب الصلوۃ باب القرأۃ فی المغرب'' کے تحت ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے خلاف حقائق کے برعکس مذکورہ ریمارکس دیئے ہیں جس کے متن میں حضرت مروانؓ کے خلاف کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اس کے باوجود شاہ صاحبؒ نے حضرت مروانؓ پر وہی الزامات عائد کیے ہیں جو سبائیوں نے حضرت عثمانؓ کی زندگی میں لگائے تھے۔

''فاقبلوہ'' کو ''فاقتلوہ'' بنانے والے بھی سبائی فتنہ پرداز اور مفسدین خود ہی تھے۔ جس کی وضاحت خود حضرت عثمانؓ نے اسی موقع پر کر دی تھی۔ حضرت مروانؓ کے بارے میں شاہ صاحب کے چند مزید ریمارکس اگلے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ سخت حیرت ہے کہ شاہ صاحب جیسی علمی شخصیت نے حضرت مروانؓ کے بارے میں سبائیوں کی وضع کردہ روایات کو صحیح سمجھ کر کیسے نقل کر دیا؟

مولانا سید احمد رضا بجنوری (م 1995)

مولانا سید احمد رضا بجنوری داماد علامہ کاشمیریؒ زیر عنوان ''مروان کے حالات'' لکھتے ہیں کہ:

''یہاں جو واقعہ مروان کا بیان ہوا ہے وہ اس زمانہ کا ہے جب وہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ طیبہ کا گورنر تھا اور حضرت شاہ (علامہ کاشمیری) صاحب نے اس موقع پر فرمایا کہ:

مروان رجال بخاری سے ہے اور وہ بڑا فتنہ پرداز تھا اور (اس نے) صحابی کو قتل کیا ہے۔ قبل نماز کے خطبہ اس لیے کیا تھا کہ حضرت علیؓ پر سب و شتم کرے اور لوگوں کو سنائے امام بخاری اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ ایسے شخص کو کیوں راوی بنایا؟

صحیح بخاری ص 105۔ ''باب القرأۃ فی المغرب'' میں امام بخاری نے مروان کی روایت سے حدیث نقل کی ہے، حضرت شاہ صاحب نے وہاں بھی درسِ بخاری میں فرمایا تھا کہ یہ شخص فتنہ پرداز، خون ریزیوں کا باعث اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا بھی باعث تھا، اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تا کہ ہم صاحب حکومت بنیں۔

جنگ جمل کے واقعہ میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کون ہے جو حرم نبیؐ پر دست درازی کرتا ہے؟ اشتر نخعی تو یہ سن کر ہٹ گئے اور چھوڑ کر چلے گئے مگر مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر زخمی کر دیا (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے)....

طلب خلافت کا شوق چرایا تو یہ تک کہہ دیا کہ ابن عمر مجھ سے بہتر نہیں ہیں محدث شہیر حافظ اسماعیلی نے امام بخاری پر سخت نقد کیا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح بخاری میں مروان کی حدیث کیوں ذکر کی؟ اور اس کے نہایت بد بختانہ اعمال سے یہ بھی ہے کہ اس نے یوم جمل میں حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر شہید کیا تھا۔ پھر خلافت بھی بزور تلوار حاصل کرنے کی کوشش کی۔

حضرت طلحہؓ نے حضور علیہ السلام کی حفاظت کرتے ہوئے اپنا ہاتھ بے کار کر دیا تھا علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ جنگ احد میں حضور علیہ السلام کی حفاظت کرتے ہوئے صرف طلحہؓ رہ گئے تھے تو انہوں نے اپنے جسم پر اسی سے زیادہ زخم کھا کر بھی حضور کو بچایا تھا اور اسی پر حضور علیہ السلام نے خوش ہو کر فرمایا تھا کہ طلحہؓ کے لیے جنت واجب ہوگئی ۔ ایسے جنتی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا حوصلہ صرف مروان جیسا شقی ہی کر سکتا تھا۔

بقول حضرت شاہ صاحب کے قتل عثمانؓ کا باعث بھی مروان ہی تھا کیونکہ وہ ان کا سیکرٹری تھا اور اس نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے جھوٹا خط عامل مصر ابن ابی سرح کے نام لکھا تھا اور حضرت عثمانؓ کی مہر بھی بغیر ان کی اجازت کے لگا دی تھی اور حضرت عثمانؓ ہی کے اونٹ پر ان کے ہی غلام یا کسی دوسرے کو بٹھا کر مصر کو خط روانہ کر دیا کہ جتنے لوگ مصر سے شکایات لے کر مدینہ آئے ہیں جب وہ مصر پہنچیں تو ان سب کو فلاں فلاں طریقہ پر قتل کر دینا۔ وہ خط راستہ میں پکڑا گیا اور اس کو لے کر مصری وفد واپس آیا اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ نے ایسا خط لکھا ہے؟ انہوں نے حلف اٹھایا کہ میں نے ہرگز ایسا خط نہیں لکھا ، نہ میرے امر و علم سے لکھا گیا۔

اس پر سارے بلوائیوں نے متفقہ مطالبہ کیا کہ یا تو مروان کو ہمارے سپرد کریں تا کہ ہم اس سے پوری تحقیق کر کے اس کا تدارک کرائیں یا آپ اپنے آپ کو معزول کر لیں ۔ ورنہ تیسری صورت آخری یہ ہے کہ آپ خود شہید ہو جائیں گے۔ پھر جس طرح بلوہ کے دنوں میں بلوائیوں کو مروان نے بار بار مشتعل کیا اور حضرت علیؓ کے بہتر مشوروں کو حضرت عثمانؓ محض مروان کی وجہ سے نہ مان سکے۔

حضرت معاویہؓ کے دوسرے گورنروں کے بارے میں تو یہ بحث کسی حد تک چل سکتی ہے کہ وہ خطبہ جمعہ و عیدین میں سب علیؓ کرتے تھے یا نہ کرتے تھے مگر مروان کے بارے میں یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ وہ اپنے عامل مدینہ ہونے کے زمانہ میں ضرور ایسا کرتا تھا اور اسی لیے اس نے خطبہ عید کو بھی نماز پر مقدم کر دیا تھا۔

حضرت علیؓ کے علاوہ اس سے حضرت حسنؓ کے بارے میں بھی فحش کلامی ثابت ہے۔
حضرت حسنؓ کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے ان کو اپنے نانا جانؐ کے پاس دفن ہونے کی اجازت دے دی تھی مگر مروان ہی نے شدید مخالفت کی تھی حالانکہ اس وقت وہ امیر مدینہ بھی نہ تھا اور وہاں قتل و قتال کی نوبت آجاتی اگر حضرت ابو ہریرہؓ بیچ میں پڑ کر حضرت حسینؓ کو دفن بقیع کے لیے آمادہ نہ کر لیتے۔
واقعہ حرہ 63ھ میں بھی اگر چہ مروان امیر مدینہ نہیں تھا مگر اس نے اور اس کے بیٹے عبد الملک نے ہی لشکرِ شام کو بنی حارثہ کے راستہ سے مدینہ طیبہ میں داخل کرا دیا تھا۔ اس وقت یزید کی طرف سے عثمان بن محمد بن ابی سفیان گورنر مدینہ تھا اور اس کی غلط کاریوں کے سبب سے مدینہ طیبہ کے لوگ یزید سے بے زار ہو گئے تھے۔ عثمان نے یزید کو خبر دی تو اس نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا لشکر جرار مدینہ طیبہ پر چڑھائی کے لیے روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے حضور علیہ السلام کی خندق کو کھود کر پھر سے کارآمد کر لیا اور ہر طرف سے مدینہ کو محفوظ کر لیا تھا۔ مسلم بن عقبہ کا لشکر مدینہ سے باہر آ کر رک گیا اور کوئی صورت حملہ کی نہ دیکھی تو مروان اور اس کے بیٹے سے مدد چاہی اور ان دونوں نے ایک خفیہ راستہ بتا کر مدینہ پر حملہ کر دیا۔
اور پھر لشکر یزید نے تین دن تک مدینہ طیبہ میں لوٹ مار اور قتلِ عام کا بازار گرم کیا اور ایسے ایسے مظالم کیے جن کو لکھنے سے ہمارا قلم عاجز ہے۔ پھر یہی مسلم مکہ معظّمہ پر چڑھائی کے لیے اپنا لشکر لے کر چلا اور تین دن کی مسافت طے کر کے راستہ ہی میں مر گیا تھا۔ حضرت سعید بن المسیب فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر نماز کے بعد بنی مروان کے لیے بد دعا کرتا ہوں۔ مستدرک حاکم جلد 2 ص 481 میں یہ حدیث ہے جس کی سند صحیح ہے اور اس کی توثیق علامہ ذہبی نے بھی کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حکم اور اس کی اولاد پر لعنت کی ہے۔
علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ مروان کے اعمال ہلاکت خیز ہیں، اس نے حضرت طلحہؓ کو بھی قتل کیا اور کتنے ہی برے اعمال کا مرتکب ہوا ہے۔
تحذیر العبقری (جو الحمد للہ نہایت محققانہ اور مستند حوالوں سے مزین کتاب) میں

مروان کے افعال مشئومہ کو مختصراً ایک جگہ جمع بھی کیا ہے اور ان میں اس کے غدر و بد عہدی کا واقعہ بھی نقل کیا ہے جو اس نے ضحاک بن قیس کے ساتھ روا رکھا تھا اور ان کو مع ان کے اسی رفقاء و اشراف شام کے قتل کرا دیا تھا....

64ھ میں مروان کو بھی نو ماہ کے لیے حکومت مل گئی تھی اور اس کی موت اس کی بیوی کے ذریعے ہوئی تھی جس نے اس کو ایک بے ہودہ حرکت کی وجہ سے سونے کی حالت میں گلا دبا کر قتل کر دیا تھا اور اس کا بیٹا بدلہ بھی نہ لے سکا۔ اس بدنامی سے ڈر کر کہ لوگ کہیں گے کہ مروان ایسا بڑا بادشاہ ایک عورت کے ہاتھوں مارا گیا۔

مروان کا باپ حکم بھی بہت بدکردار تھا وہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے حجروں پر جاسوسی کیا کرتا تھا، ان میں وہ جھانکتا تھا اور راز کی خبریں لوگوں کو پہنچایا کرتا تھا۔ حضور علیہ السلام کی نقلیں اتارتا تھا وغیرہ۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اس کو اور اس کے بیٹے مروان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کر کے طائف بھیج دیا تھا۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانوں میں بھی نہ آ سکا اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں باپ بیٹے دونوں مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الفتن میں حدیث "ھلاکۃ امتی علی یدی اغیلمۃ سفہاء" کے تحت لکھا کہ بہت سی احادیث حکم اور اس کی اولاد کے ملعون ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جن کی تخریج طبرانی وغیرہ نے کی ہے اور ان میں زیادہ تو محل نظر ہیں مگر بعض جید بھی ہیں (جن سے حکم اور اس کی اولاد کا ملعون ہونا ثابت ہو جاتا ہے) مروان ایسے فتنہ پرداز، سفاک و ظالم غیر ثقہ شخص کو رواۃ و رجال بخاری میں دیکھ کر بڑی تکلیف و حیرت بھی ہوتی ہے اور اسی لیے محدث اسماعیلی، مقبلی یمانی وغیرہ نے تو سخت ریمارک کیے ہیں کہ یہ کیا ہے امام محمد جیسے عظیم و جلیل محدث و فقیہ، استاذ امام شافعی سے تو بخاری میں روایت نہ لی جائے اور مروان سے لے لی جائے جس کی کوئی بھی توثیق نہیں کر سکتا لیکن مقدرات نہیں ٹلتے جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔

(انوار الباری اردو شرح صحیح البخاری جلد 17۔ ص 191 تا 194۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

ع　اینکہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بہ خواب

یقین نہیں آتا کہ حضرت مروانؓ پر مذکورہ الزامات علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ اور ان کے فاضل داماد مولانا سید احمد رضا بجنوری نے عائد کیے ہیں۔ان الزامات پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی ہر منصف مزاج شخص یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ "مروانؓ دشمنی" میں یہ حضرات اصلی دشمنوں سے بھی کہیں آگے نکل گئے ہیں۔

حضرت مروانؓ پر موقع بے موقع بہ تکرار الزامات عائد کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات "مروان فوبیا" میں بری طرح مبتلا رہے ہیں۔مروانؓ دشمنی میں ان بزرگوں نے ان کے والد حضرت حکمؓ (متفقہ صحابی رسولؐ) کو بھی نہیں بخشا اور ان پر بھی انتہائی مکروہ اور گھناؤنے الزامات عائد کر دیے۔

علاوہ ازیں کاتب وحی جلیل القدر صحابی حضرت معاویہؓ کی خلافت راشدہ کو "حکومت متسلطہ اور سلطنت نا مرضیہ" قرار دے کر ان کی اہانت کے بھی مرتکب ہو گئے۔

حضرت مروانؓ کی مرویات صحیح بخاری میں شامل کرنے کی بناء پر امام بخاری کی بھی خوب خبر لی اور شدید غصے میں اس بات کو بھول گئے کہ ہمارے اس الزام کا امام بخاری کیونکر جواب دے سکتے ہیں؟ پہلے تو صاف صاف لکھ دیا کہ مروان شقی، بد بخت، ظالم، جابر، سفاکِ امت، قاتل صحابہؓ، گستاخ صحابہؓ، غیر ثقہ اور بد کردار کی روایات امام بخاریؒ نے کیوں قبول کیں؟ صحیح بخاری میں مروانؓ کی روایت دیکھ کر مجھے یہ بات اوپری معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مروان فتنہ پرداز جس کی فتنہ پردازی کا کوئی ٹھکانہ نہیں، جنگ جمل میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ پر دست درازی" کرنے والا، خطبہ عیدین کو نماز پر مقدم کر کے سنت کی مخالفت کرنے والا، قاتل طلحہؓ، خون ریزیوں اور قتل عثمانؓ کا باعث، خود غرض، اقتدار کا بھوکا، محمد بن ابی بکر کے لیے گورنر مصر کے نام خط میں "فاقبلوہ" کے بجائے "فاقتلوہ" لکھنے والا، محاصرہ عثمانی کے وقت "بلوائیوں" کو مشتعل کرنے والا، خطبات جمعہ و عیدین میں حضرت علیؓ پر سب و شتم کرنے والا، حضرت حسنؓ کے ساتھ فحش کلامی کرنے والا، روضہ رسولؐ میں حضرت حسنؓ کی تدفین میں مزاحم ہونے والا، واقعہ حرہ کے وقت مسلم بن عقبہ کو مدینہ منورہ

میں داخل ہونے کا خفیہ راستہ بتا کر تمام قتل و غارت اور بدترین مظالم و عصمت دری کے سینکڑوں واقعات کا سبب بننے والا، بدعہدی اور غداری کرنے والا، بلسان نبوت ملعون ابن ملعون مروان کو روا ۃ و رجال بخاری میں دیکھ کر بڑی ہی تکلیف اور حیرت ہوتی ہے۔

(مزید فرماتے ہیں کہ:)

اس کردار کے حامل راوی سے امام بخاری کا روایت قبول کرنا عجیب معلوم ہو رہا ہے۔ اگر امام بخاری کے ہاں "جرح و توثیق" کا کوئی اصول ہوتا یا وہ دلیل کی قوت کو تسلیم کرتے تو مروان کی روایت ہرگز قبول نہ کرتے لیکن "ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ امام بخاری کے یہاں جرح و توثیق میں قوتِ دلیل کا سوال نہیں بلکہ خود ان کے رجحان طبع پر فیصلہ ہے۔ قابلِ اعتماد سمجھ لیں تو مروان بن حکم کو جس کی پیشانی پر اصحاب نبیؐ کے خون کا ٹیکہ لگا ہوا اور جس کو سفاک امت کہنا بھی بے جا نہیں ...."

امام بخاری پر سخت افسوس ہے کہ انہوں نے اس قماش کے راوی سے تو روایت قبول کر لی لیکن امام محمد جیسے عظیم و جلیل محدث و فقیہ سے روایت اخذ نہ کی لیکن "مقدرات" نہیں ٹلتے اس لیے بخاری میں مروان کی مرویات کا موجود ہونا بھی مقدر میں لکھا ہوا تھا۔ جس سے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ امام بخاری اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ ایسے شخص کو کیوں راوی بنایا؟

معلوم نہیں کہ یہ جملہ کس "حال" میں لکھا گیا؟ کیونکہ یہ حضرات چودہویں صدی ہجری کے ہیں اور جس سے جواب طلب کیا جا رہا ہے (اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کہ وہ جواب نہیں دے سکتے) وہ بارہ سو سال پہلے 256ھ میں وفات پا چکا ہے۔ "قائلین سماع موتیٰ" بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ "مردے" ہمارا کلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں مگر "عالم" مختلف ہونے کی وجہ سے ہم ان کا جواب نہیں سن پاتے۔ پھر اس دعویٰ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ "امام بخاری اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ مروان ایسے شخص کو کیوں راوی بنایا؟" (بھلا امام بخاری آپ کے سوال کا جواب کس طرح دے سکتے ہیں؟)

یہی نہیں بلکہ فقہی تعصب کے تحت حدیث سے ثابت ایک مسئلہ پر عمل کرنے والے صحابی رسولؐ حضرت ابو سعید خدریؓ کی نیت و عمل پر بھی حملہ کر دیا۔

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ ''خطبہ'' کے دوران کوئی نماز (سنن و تحیۃ المسجد) پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بہر حال حدیث سے اس وقت نماز پڑھنا ثابت ہے۔ مگر موصوف نے ایسے وقت میں نماز پڑھنے والے صحابی رسولؐ حضرت ابو سعید خدریؓ پر بھی الزام عائد کر دیا کہ وہ مروان کا خطبہ نہیں سننا چاہتے تھے (کیونکہ اس میں وہ حضرت علیؓ اور صحابہؓ پر سب و شتم کرتے تھے) اس لیے ''غالباً حضرت ابو سعید خدریؓ نے مروان کا خطبہ سننے کی نسبت سے یہی بہتر سمجھا ہوگا کہ کچھ نماز ہی پڑھ لیں''

یعنی ویسے تو ''خطبہ'' کے وقت نماز پڑھنا درست نہیں ہے لیکن چونکہ خطیب مروان تھا اس لیے اس کے خطبہ کو شرعی حیثیت بھی نہیں دی جا سکتی۔ معلوم نہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی نیت کا ان بزرگوں کو کس طرح علم ہو گیا ہے۔ پھر محض ''ظن'' کے تحت ''فتویٰ'' جڑ دیا کہ ''انہوں نے یہی بہتر سمجھا ہوگا کہ اس طرح کا خطبہ سننے سے بہتر ہے کہ کچھ نماز ہی پڑھ لی جائے۔''

امام بخاری پر تو یہ حضرات یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ''قوتِ دلیل'' کے بجائے ''رجحانِ طبع'' پر فیصلہ کرتے ہیں اور خود اپنا حال یہ ہے کہ ''قوتِ دلیل'' کے بجائے محض ''سوءِ ظن'' پر فیصلہ کرتے ہیں۔

حضرت کے نزدیک ''خطبہ'' کے دوران نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور ابو سعید خدریؓ کے نماز پڑھنے سے اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے مروان کا خطبہ سننے سے بچنے کی خاطر نماز شروع کر دی تھی اور دوسری بات یہ ہے کہ مروان کا خطبہ تھوڑا ہی ''شرعی خطبہ'' تھا جس کے دوران نماز پڑھنا درست نہ ہوتا۔ چونکہ ان کا خطبہ ''شرعی'' حیثیت کھو چکا تھا اس لیے اس دوران نماز پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خطبہ کے دوران پڑھی جا رہی تھی۔

حضرت کے اس ''فتویٰ'' کی زد میں صرف مروانؓ ہی نہیں بلکہ اکابر صحابہؓ و تابعین بھی آتے ہیں۔ اگر بات فقط عید کے خطبہ تک محدود ہوتی تو پھر فقہی طور پر کچھ گنجائش نکل سکتی تھی

کیونکہ عید کا خطبہ مسنون و مستحب ہے اگر چھوٹ بھی جائے تو نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن یہاں بات جمعہ کے خطبہ کی ہو رہی ہے جو "شرط" ہے۔ اور "شرط" نہ پائی جائے تو نماز ہی نہیں ہوتی۔

جب خطبہ (جو نماز جمعہ کے لیے شرط تھا) ہی شرعی نہ ہوا تو صحابہؓ و تابعینؒ کی نماز جمعہ کا کیا حکم ہو گا؟ اس کی مفصل بحث آگے ایک مستقل عنوان کے تحت آ رہی ہے۔

فـــان کـنـت لاتـدری فـتلك مـصيبة

و ان کـنـت تـدری فـالـمصيبة اعظم

حضرت شاہ صاحب کے داماد جناب بجنوری صاحب نے "مروان و بنو امیہ دشمنی" میں تو سبائیوں کو بھی مات دے دی کہ ایک طرف مران بن الحکم رضی اللہ عنہما پر تو وہ یلغار کی جس سے سبائی بھی عش عش کر اٹھے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرنے والے بلوائیوں کے سرغنہ اور سربراہ کا حد درجہ احترام کہ "اشتر نخعی تو یہ سن کر ہٹ گئے اور چھوڑ کر چلے گئے مگر مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر زخمی کر دیا..."

حضرت نے صحیح بخاری کتاب الفتن کی حدیث "هـلاك امتـی عـلـی يـدی اغيـلمة سفهاء" کی رو سے حضرت حکمؓ اور ان کی اولاد کو "ملعون علیٰ لسان نبوت" ثابت کیا ہے۔ ان میں سے اکثر روایات کو "محل نظر" قرار دینے کے باوجود بعض روایات کو "جید" کا سرٹیفکیٹ عطا کر کے بزعم خویش "ملعونیت" پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

موصوف نے چونکہ حضرت مروانؓ کی زندگی کے آخری سانس تک تعاقب کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا اس لیے انہیں وفات کے موقع پر بھی نہیں بخشا اور یہ بہتان بھی تراش لیا کہ "مروان کی ایک بے ہودہ حرکت کی وجہ سے ان کی بیوی نے انتقاماً سونے کی حالت میں گلا دبا کر قتل کر دیا۔ پھر اپنے اندھے معتقد کو یہ "لولی پاپ" دے کر خاموش اور مطمئن کر دیا کہ مروان کے قتل کا بدلہ اس بدنامی سے ڈر کر اس کا بیٹا بھی نہ لے سکا کہ لوگ کہیں گے کہ مروان ایسا بڑا بادشاہ ایک عورت کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس واقعہ کی اصلی حقیقت پیچھے زیر عنوان

''وفات سیدنا مروانؓ'' گزر چکی ہے۔

احباب کی یہ شانِ حریفانہ سلامت
دشمن کو بھی یوں زہر اگلتے نہیں دیکھا

اور

وہ تو ہیں کھلے دشمن ان کا خیر سے کیا ذکر
دوستی مگر حضرت آپ کی قیامت ہے

مولانا احمد رضا بجنوری نے حضرت مروانؓ کے حالات تین صفحات میں قلم بند کیے ہیں جن میں ان کے ''مثالب'' یکجا کر دیے ہیں حالانکہ اس سے پہلے کوئی بدترین دشمن بھی ایسا معرکہ سرانجام نہیں دے سکا کیونکہ اس نے بھی مثالب کے ساتھ ساتھ کچھ ''مناقب'' بھی ذکر کیے ہیں مگر حضرت نے تو کمال ہی کر دیا کہ انہوں نے ''مناقب'' کو بھی ''مثالب'' میں تبدیل کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م 1362ھ)

حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فاروقی فرماتے ہیں کہ:

''عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا بدعت سیئہ ہے اور مروان کی عادت تھی کہ خطبہ میں صحابہ کو برا کہتا تھا اس لیے مسلمان نماز سے فارغ ہو کر بغیر خطبہ سنے چل دیتے تھے۔

کیونکہ خطبہ عیدین کے لیے نشست واجب تو ہے نہیں بلکہ مستحب ہے اس وجہ سے مروان نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا شروع کیا کہ مجبوراً لوگوں کو بیٹھنا پڑے نماز کے انتظار میں کیونکہ بغیر نماز پڑھے تو لوگ جا نہیں سکتے تھے جیسا کہ بغیر خطبہ سنے چلے جاتے تھے۔''

(تقریر ترمذی۔باب فی صلوٰۃ العیدین قبل الخطبۃ ص 149۔تقدیم و نظر ثانی شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی۔مطبوعہ ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان)

حضرت حکیم الامت نے لگی لپٹی رکھے بغیر حضرت مروانؓ کے فعل (خطبہ قبل صلوٰۃ العیدین) کو ''بدعت سیئہ'' قرار دے دیا جس کے متعلق صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

''کلّ بدعۃ ضلالۃ و کلّ ضلالۃ فی النّار''

ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

اس طرح موصوف نے بدعت لغوی و اصطلاحی یا بدعت حسنہ کی تاویلات میں پڑنے کی گنجائش ہی ختم کر دی۔

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر فرماتے ہیں کہ:

''بدعت کی دو قسمیں ہیں۔لغوی بدعت اور شرعی بدعت۔

لغوی بدعت ہر اس نو ایجاد کا نام ہے جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی ہو۔عام اس سے کہ عبادت ہو یا عادت اور اس کی پانچ قسمیں ہیں:

واجب،مندوب،حرام،مکروہ اور مباح

اور شرعی بدعت وہ ہے جو قرونِ ثلاثہ کے بعد پیدا ہوئی ہو اور اس پر قولاً، فعلاً، صراحتاً اور اشارتاً کسی طرح بھی شارع کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو۔ یہی وہ بدعت ہے جس کو بدعت ضلالت، بدعت قبیحہ اور بدعت سیئہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"

(راہِ سنت ص 95۔ طبع چہارم)

بدعت کی اس تعریف کی رو سے حضرت مروانؓ پر بدعت سیئہ کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔ خطبہ قبل صلوٰۃ العید سب سے پہلے کس نے شروع کیا؛ اس میں مختلف نام آتے ہیں۔ اس لیے اس قول کو "قطعیت" کے ساتھ حضرت مروانؓ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ الزام عائد کرنے کے لیے "قیل و یقال" جیسے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ پر "بدعت شرعیہ" کا اطلاق ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ اس بدعت کی حد صحابہ کرامؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے اس لیے وہ خود بدعت کا موضوع نہیں بن سکتے۔ جب کہ امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر نے "بدعت شرعی" کا آغاز "قرون ثلاثہ" کے بعد تسلیم کیا ہے۔ حضرت مروانؓ پر خیر القرون اور صغار صحابہ میں شامل ہونے کی وجہ سے "بدعت سیئہ" کا اطلاق نہیں ہوتا اور خود حضرت تھانوی نے اسی بحث میں حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت معاویہؓ کا نام لیا ہے۔ کیا ان حضرات پر بھی حضرت تھانوی صاحب "بدعت سیئہ" کا اطلاق فرمائیں گے؟ بہرحال خطبہ قبل صلوٰۃ عید کے بارے میں مختلف نام آتے ہیں لہٰذا اس اعتبار سے بھی حضرت مروانؓ کے لیے "بدعت سیئہ" کا مرتکب ہونا ثابت نہیں۔ باقی جہاں تک نفس مسئلہ یعنی خطبہ قبل صلوٰۃ العید اور حضرت علیؓ اور صحابہ کرامؓ پر سب و شتم کرنے کا تعلق ہے تو اس کا تفصیلی جواب آگے آ رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی (م 1381ھ)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ بیک وقت بہترین مفسر، محدث اور مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہ اور عظیم مناظر بھی تھے۔ انہوں نے لکھنؤ جیسے "رفض زدہ" شہر کو اپنا مرکز بنا کر دفاع صحابہ و اہل بیت اور مسلک اہل سنت کی حفاظت و اشاعت کا جو کام کیا وہ یقیناً ایک ناقابل فراموش تاریخی کارنامہ ہے۔

اپنی آخری علالت کے دوران حضرت کی زبان سے حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ "تنقیصی" جملہ نکل گیا تھا کہ:

"حضرت علی المرتضیٰؓ سابقین اولین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں سے ہیں اور حضرت معاویہؓ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں "صف نعال" میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔" (تحفۂ خلافت ص 15۔ مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت پاکستان جہلم)

اس پر مفصل تبصرہ راقم الحروف کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں حضرت مروانؓ کے حوالے سے ان کا کمزور موقف ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

موصوف نے علامہ ابن اثیر جزری کی معروف کتاب "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ" کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اس میں "حضرت حکمؓ" کے حالات میں ابن اثیر جزری کی اس روایت کہ نبیؐ نے فرمایا کہ اس شخص (یعنی حکم) کی نسل سے میری امت کی خرابی ہوگی" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ ان کے بیٹے مروان سے جو، فسادات پھیلے اور جیسی کچھ

تباہی مسلمانوں پر آئی، ظاہر ہے۔"

(اسد الغابہ مترجم اردو۔ حصہ سوم ص 46۔ تحت حکم بن ابی العاص مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

محترم جناب محمد رضی عثمانی ابن مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے ادارے "دار الاشاعت" کراچی سے ایک کتاب "تاریخ مذہب شیعہ" شائع کی ہے۔ یہ کتاب لکھنؤ میں امام اہل سنت کے ایماء ومشورے سے شائع ہوئی جسے موصوف نے بے انتہا پسند فرمایا تھا۔ اس میں زیر عنوان "حضرت عائشہؓ کی بصرہ کو روانگی" مؤلف لکھتے ہیں کہ:

"روانہ ہوتے وقت مروان بن الحکم بھی جو حضرت عثمانؓ کے میر منشی تھے مکہ پہنچ گئے اور ساتھ ہوئے۔ یہ سند یافتہ مفسد تھے۔"

(تاریخ مذہب شیعہ ص 125۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

سخت تعجب ہے کہ امام اہل سنت جیسے محقق عالم دین نے بھی گورنر مصر کے نام سبائیوں کی طرف سے لکھے گئے جعلی خط کو اصلی قرار دے دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"خط پہچانا گیا تو معلوم ہوا کہ مروان کا لکھا ہوا ہے.... مگر حضرت عثمانؓ نے مروان کو دینے سے انکار کر دیا۔ مروان ان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ ان کی مروّت نے گوارا نہ کیا کہ مروان کو اپنے اختیار سے ایذا پہنچائیں۔"

(خلفائے راشدینؓ ص 197)

اس عبارت میں حضرت مروانؓ پر الزام کے علاوہ حضرت عثمانؓ پر بھی الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ کس طرح کے "خلیفہ راشد" تھے کہ انہوں نے اسلامی عدل وانصاف اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف محض رشتہ داری اور مروّت کا لحاظ کرتے ہوئے مروان کے سنگین "جرم" کو نظر انداز کر دیا جس کے نتیجے میں انہوں نے اپنی جان بھی قربان کر دی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حکم دیا کہ:

یاایھا الذین امنوا کونوا قوّامین بالقسط شھدآء للّٰہ و لو علٰی انفسکم او

الوالدین والاقربین ....

(سورۃ النساء 135)

اے ایمان والو! مضبوط کھڑے رہو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ کے۔ اگر چہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

حضرت عثمانؓ یقیناً خلیفہ راشد تھے اور انہوں نے اس حکم الٰہی کی پوری تعمیل کی۔ حضرت مروانؓ نے معترضین کی موجودگی میں حلفاً خط لکھنے سے انکار کر دیا تو پھر اس صورت میں حضرت مروانؓ کو کیوں کر سبائیوں کے سپرد کیا جا سکتا تھا؟ اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی (م 1399ھ)

بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی جو بنو امیہ کی دشمنی میں بہت مشہور ہیں مگر حضرت مروانؓ کے خلاف لکھنے میں "علماء حق" کے مقابلے میں کہیں پیچھے رہ گئے ہیں تاہم زیر نظر کتاب میں بطور ریکارڈ ان کے چند افکار و نظریات بھی ہدیہ قارئین کیے جا رہے ہیں:

"اس خاندان (بنو امیہ) کے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے۔ "طلقاء" سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوتِ اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہؓ، ولید بن عقبہ اور مروان بن الحکم ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو چکے تھے....

فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا، پیچھے ہٹا دیے جائیں اور ان کی جگہ یہ لوگ (معاویہؓ، ولید بن عقبہ اور مروان بن الحکم) امت کے سرخیل ہو جائیں....

اس معاملہ میں مثال کے طور پر مروان بن حکم کی پوزیشن دیکھیے، اس کا باپ حکم بن ابی العاص جو عثمانؓ کا چچا تھا، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا اور مدینہ آکر رہ گیا تھا مگر اس کی بعض حرکات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا اور طائف میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکابر صحابہ کے ساتھ راز میں جو مشورے کرتے تھے ان کی کسی نہ کسی طرح سن گن لے کر وہ انہیں افشا کر دیتا تھا۔

اور دوسری وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارا کرتا تھا حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے خود اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔ بہر حال کوئی سخت قصور ہی ایسا ہو سکتا تھا جس کی بناء پر حضورؐ نے مدینہ سے اس کے اخراج کا حکم صادر فرمایا۔ مروان اس وقت 8/7 برس کا تھا اور وہ بھی اس کے ساتھ طائف رہا۔

جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ اسے واپسی کی اجازت دے دیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسے مدینہ آنے کی اجازت نہ دی گئی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کو واپس بلا لیا اور ایک روایت کے مطابق آپ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کی تھی اور حضورؐ نے مجھ سے وعدہ فرما لیا تھا کہ اسے واپسی کی اجازت دے دیں گے اس طرح یہ دونوں باپ بیٹے طائف سے مدینہ آ گئے۔

مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس کا سیکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ لوگ حضرت عثمانؓ کے اعتماد پر یہ تو مان سکتے تھے کہ حضورؐ نے ان کی سفارش قبول کر کے حکم کو واپس آنے کی اجازت دینے کا وعدہ فرما لیا تھا اس لیے اسے واپس بلا لینا قابل اعتراض نہیں ہے لیکن یہ مان لینا لوگوں کے لیے سخت مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتوب شخص کا بیٹا اس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر اسے خلیفہ کا سیکرٹری بنا دیا جائے، خصوصاً جب کہ اس کا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعہ حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔"

(خلافت و ملوکیت ص 109-111 ۔ مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور)۔

"پھر حضرت معاویہؓ نے مدینے کے گورنر مروان بن الحکم کو لکھا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو جانشین مقرر کر دوں۔ لوگوں سے پوچھو کہ جانشین مقرر کرنے کے معاملہ میں وہ کیا کہتے ہیں۔ مروان نے اہل مدینہ کے سامنے یہ

بات پیش کی۔ لوگوں نے کہا: ایسا کرنا عین مناسب ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے مروان کو پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کے لیے یزید کو منتخب کیا ہے۔ مروان نے پھر یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھ دیا اور مسجد نبوی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

امیر المؤمنین نے تمہارے لیے مناسب آدمی تلاش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا ہے۔ یہ بہت اچھی رائے ہے جو اللہ نے ان کو سجھائی۔ اگر وہ اس کو جانشین مقرر کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ابو بکرؓ و عمرؓ نے بھی جانشین مقرر کیے تھے۔

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اٹھے اور انہوں نے کہا: جھوٹ بولے ہو تم اے مروان۔ اور جھوٹ کہا معاویہ نے۔ تم نے ہرگز امت محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی ہے۔ تم اسے قیصریت بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مرا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا آ گیا۔ یہ سنت ابو بکرؓ و عمرؓ نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو جانشین نہیں بنایا تھا۔

مروان نے کہا پکڑو اس شخص کو یہی ہے وہ جس کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَا ....." (الاحقاف 17) حضرت عبدالرحمٰن نے بھاگ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں پناہ لی۔

حضرت عائشہؓ چیخ اٹھیں کہ جھوٹ کہا مروان نے۔ ہمارے خاندان کے کسی فرد کے معاملہ میں یہ آیت نہیں آئی ہے بلکہ ایک اور شخص کے معاملہ میں آئی ہے جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتی ہوں البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جب کہ مروان ابھی اس کی صلب میں تھا۔" (حوالہ مذکور ص 150-151)۔

"مروان بن الحکم نے اپنی گورنری مدینہ کے زمانہ میں حضرت مِسْوَرْ بِنْ مَخْرَمَہؓ کو اس قصور میں لات ماردی کہ انہوں نے اس کی ایک بات پر یہ کہہ دیا تھا کہ: آپ نے یہ بری بات کہی ہے۔" (حوالہ مذکور ص 166)

"لیکن تدبیر کی غلطی کو بہر حال غلطی ماننا پڑے گا۔ کسی تاویل سے بھی اس بات کو صحیح

نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ ریاست کا سربراہ اپنے ہی خاندان کے ایک فرد (مروان) کو حکومت کا چیف سیکرٹری بنا دے۔(موصوف نیچے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ:)

دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق نہ کوئی دفتر خلافت تھا، نہ اس کا کوئی عملہ تھا، نہ اس کا کوئی سیکرٹری یا چیف سیکرٹری تھا۔اس وقت تو بس خلیفہ کسی شخص سے معمولی خط وکتابت کا کام لے لیا کرتا تھا۔اس طرح ہمارے سامنے خلافت راشدہ کے دور کا یہ عجیب نقشہ پیش کیا جاتا ہے کہ جو سلطنت افغانستان او رترکستان سے لے کر شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی وہ کسی مرکزی نظم کے بغیر چلائی جارہی تھی ..... گویا یہ اپنے وقت کی سب سے بڑی سلطنت کا نظام نہیں بلکہ پندرہ بیس طالب علموں کا کوئی مدرسہ تھا جسے کوئی مولوی صاحب بیٹھے چلا رہے تھے۔(بلکہ اتنی بڑی سلطنت کو چیف سیکرٹری مروان چلا رہا تھا)"(حوالہ مذکور ص 322-323)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شارح خلافت وملوکیت ملک غلام علی

وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج جناب ملک غلام علی صاحب ''خلافت وملوکیت'' کے شارح ہی نہیں بلکہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے وکیل صفائی بھی ہیں۔شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے ''خلافت وملوکیت'' کا جواب ''حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' کے نام سے دیا تھا جس کے جواب الجواب کے طور پر ملک غلام علی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' شائع کی۔یہاں صرف حضرت مروانؓ کے بارے میں موصوف کے نظریات پیش کیے جارہے ہیں۔

ملک غلام علی صاحب اپنی کتاب کے ''مقدمہ'' میں ''فتنہ ناصبیت'' کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اشتراکیت اور ناصبیت دو ایسے فتنے ہیں جو بعض مذہبی حلقوں کے دوش پر سوار ہو کر ہمارے ہاں متعارف ہوئے ہیں اور اب تک ہو رہے ہیں۔

اشتراکیت کے مفہوم سے تو ہر مسلمان بالعموم آشنا ہے لیکن ناصبیت کے مفہوم بلکہ اس کے نام تک سے بہت کم مسلمان واقف ہیں ۔۔۔ ناصبیت رافضیت کی ضد ہے۔رافضی اس شخص کو کہتے ہیں جو حضرت علیؓ اور بنو فاطمہ کی عقیدت میں حد سے گزر گیا ہو (تحریف قرآن، تکفیر صحابہؓ اور انکار ختم نبوت و اجرائے نبوت بصورت عقیدہ امامت کو نہایت ہی عیّاری کے ساتھ گول کر گئے) اور ناصبی اس کو کہتے ہیں جو حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت سے بغض وعناد اپنا جزو ایمان سمجھتا ہو۔نصب عربی زبان میں دائمی حسد اور مستقل بغض وعداوت کا دوسرا نام ہے۔جو شخص اس مرض میں مبتلا ہو وہ بلا شبہ نفاق کی زد میں ہے۔

(ملک صاحب بحوالہ شاہ عبدالعزیز،حضرت مروانؓ کو ناصبیوں کا بانی اور سرغنہ قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ:)

پاکستان میں اس فتنہ ناصبیت کے بانی اور سرخیل محمود احمد عباسی ہیں اور یہ ایک افسوس ناک اور تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہمارے بعض ''سنی'' حلقوں نے اس فتنے کی خوب پذیرائی وحوصلہ افزائی کی ہے اور چند ایک علمائے اہل سنت کو چھوڑ کر کسی کو اس کی تردید میں ایک لفظ تک کہنے یا لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی ....

حقیقت یہ ہے کہ ناصبیت جدیدہ جسے ہمارے بعض علماء و اہل مدرسہ تقویت بہم پہنچا رہے ہیں یہ ناصبیت قدیمہ سے بھی بازی لے گئی ہے ....

میری یہ بحث (مولانا تقی عثمانی صاحب کے جواب میں) تشنۂ تکمیل ہی تھی کہ ماہنامہ ''بیّنات'' میں بھی میرے خلاف خامہ فرسائی شروع ہوگئی۔ میں نے اپنے مضامین میں کہیں ضمناً مروان کے ملعون ہونے کا ذکر کردیا تھا۔

مروان چونکہ تمام ناصبیوں کا روحانی پیشوا اور مورثِ اعلیٰ ہے اس لیے کہنا چاہیے کہ بھولے سے میرا ہاتھ ناصبیت کی دکھتی رگ پر جالگا۔ سب سے پہلے مروان کے دفاع میں بولنا تو عباسی صاحب کو چاہیے تھا لیکن ان کا جادو جب ہمارے علمائے اہل سنت کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہو تو عباسی صاحب کو زیادہ فکر لاحق کیوں ہو۔ چنانچہ بیّنات کو اس معاملے میں سبقت کا شرف حاصل ہوا اور اس کے ربیع الثانی 1391ھ کے شمارے میں مروان کی وکالت کی گئی۔ اس لیے میں نے ''البلاغ'' پر تبصرے کو ملتوی کرتے ہوئے اگست 71ء کے ترجمان القرآن میں ''مروان اور اس کے باپ کا مقام'' حدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں واضح کیا۔ (خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 9 تا 20 مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور)

موصوف اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''تیسری وجہ جو مدیر ''البلاغ'' کے بقول مولانا مودودی کی منقولہ روایت کو مشکوک بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں مروان اور مروان کے والد حکم کا ملعون علیٰ لسان النبوی ہونا درج ہے۔

جی ہاں آج کل چونکہ بعض لوگوں نے مروان کو حضرت مروان رضی اللہ عنہ بنادیا ہے۔

اس وجہ سے شاید ایسی روایت مشتبہ معلوم ہوتی ہوگی جس میں مروان پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا ذکر ہو۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسی متعدد روایات حدیث و تاریخ میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر مستدرک حاکم جلد 4 ص 481 پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت مروی ہے کہ:

انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لعن الحکم وولدہ۔

امام حاکم نے اس مضمون کی اور بھی روایات بیان کی ہیں مگر یہ روایت جو ابن زبیرؓ کی ہے اس کے متعلق امام ذہبی نے بھی فرمایا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے۔(حوالہ مذکور ص 120)

ملک غلام علی صاحب نے اسی کتاب میں حضرت مروانؓ کے خلاف ایک مستقل باب یازدہم ''مروان اور اس کے باپ کا مقام'' کے عنوان سے قائم کیا ہے۔اس باب میں ملک صاحب مروان دشمنی میں مولانا سید احمد رضا بجنوری کے بعد اپنے ہم خیال طبقہ میں سبقت لے گئے ہیں۔

حضرت مروانؓ کے بارے میں موصوف کے چند مزید افکار ونظریات ملاحظہ فرمائیں:

ملک غلام علی صاحب مذکورہ عنوان قائم کرنے کی ''غرض و غایت'' بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''خلافت وملوکیت پر تنقید کا جو سلسلہ ''البلاغ'' میں شروع ہوا تھا اس کی چند قسطیں ''بینات'' کراچی میں بھی نقل کی گئی تھیں۔اس سے پہلے اور بعد میں بھی اس ماہنامے میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر کھلی اور چھپی چوٹیں ہوتی رہتی ہیں۔میں اپنی بحث میں ایک مقام پر مروان کا ذکر لے آیا جس انداز میں کر بیٹھا وہ بھی ادارہ ''بینات'' کو بہت ناگوار گزرا اور انہوں نے نہایت نا ملائم اور غیر سنجیدہ طریق پر میرے خلاف خامہ فرسائی فرمائی۔

اس وقت میں نے ضرورت محسوس کی کہ حدیث اور مسلک سلف کی روشنی میں مروان اور اس کے والد حکم کا اصلی مقام متعین کیا جائے۔چنانچہ ''البلاغ'' کے جواب میں اپنی بحث کو چھوڑ کر میں نے ترجمان القرآن میں ''بینات'' کا جواب دیا جو اس باب میں نقل کیا جارہا

ہے۔ آخر میں چند ضروری اضافے کر دیے گئے ہیں۔ (حوالہ مذکور ص 458)

ملک صاحب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی مسند احمد کی ایک روایت "لقد لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلانا و ولد من صلبه" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے جب یہ حدیث بیان کی ہوگی تو اس میں اس شخص اور اس کے لڑکے کی ضرور تصریح فرمائی ہوگی جس پر آنحضورؐ نے لعنت فرمائی تھی ورنہ ارشاد نبوی بالکل مبہم اور غیر واضح رہتا....

اس حدیث میں بھی جس باپ بیٹے کا ذکر ہے وہ حکم اور مروان کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ کوئی اور باپ بیٹا ایسا احادیث میں مذکور ہی نہیں جو مورد لعنت نبوی ہوا ہو۔ (حوالہ مذکور ص 464)

''میں نے اس پرچے (ترجمان القرآن 71ء) میں ایک جگہ صرف مروان کا 'ملعون علیٰ لسان نبوت'' ہونا بیان کیا ہے اور اگلے صفحے پر بھی صرف مروان کو لعنت زدہ لکھا ہے۔ اس سے اگلے صفحے پر بھی ایک جگہ مروان اور دوسری جگہ ''مروانیوں کی معنوی ذریت'' کے الفاظ میرے قلم سے نکلے ہیں۔ یہاں مروانیوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے گفتار و کردار میں مروان اور اس کے باپ سے ملتے جلتے ہیں....

حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث میں حکم کے ساتھ جو "ما ولد" کے الفاظ ہیں ان سے مراد میرے نزدیک حکم کا بیٹا مروان یا پھر حکم اور مروان کی وہ اولاد ہے جو اپنے اوصاف واخلاق میں باپ بیٹے سے ملتی جلتی ہے۔ اس میں حکم یا مروان کی ساری اولاد شامل نہیں ہے۔ حکم اپنے ان افعال کی وجہ سے لعنت کا مستحق ہوا جو اس سے حضور نبوت میں سرزد ہوئے اور جن کی وجہ سے اسے اور اس کے ساتھ مروان کو مدینہ بدر ہونا پڑا۔ اور مروان اپنے ان افعال شنیعہ کی وجہ سے اس لعنت کا مستحق بنا جو افعال عہد نبوی کے بعد اس سے صادر ہوئے اور جن کی خبر نبیؐ کو بذریعہ وحی دی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب مروان اور اس کا والد اپنے افعال ہی کی بناء پر مورد لعنت بنا تو پھر مروان اور حکم کی ساری اولاد کس طرح ملعون قرار پا

سکتی ہے۔ حکم کے بیس بیٹے تھے جن میں سے ایک مروان تھا اور مروان کے بھی آگے بارہ بیٹے تھے۔ یہ سب عادات و خصائل میں اپنے باپ کے مشابہ نہ تھے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان سب پر وعید نبوی کو چسپاں کیا جائے....

بہر کیف جس پر اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کے کرتوتوں کی بناء پر لعنت کی ہو مجھے اسے "ملعون علی لسان نبوت" سمجھنے یا کہنے میں کوئی تردد نہیں ہے۔ یہ چیز کسی پر شاق گزرتی ہے تو گزرتی رہے۔" (حوالہ مذکور ص 470-471)

"پھر غضب بالائے غضب یہ ہے کہ فاضل مدیر بیّنات مروان کے ساتھ حکم کو بھی شریک کر کے دونوں کے حق میں "رضی اللہ عنہما" کی قرأت کا التزام چاہتے ہیں اور غالباً مدیر موصوف پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکم کو بھی "رضی اللہ عنہ" بنانے کی سعی فرمائی ہے۔ حکم وہ شخص ہے جو منافقین مدینہ سے ساز باز رکھ کر انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے راز اور خفیہ امور سے آگاہ کرتا تھا۔ محدثین و مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ کبھی نبیؐ کے نطق مبارک کی نقل اتارتے ہوئے ایک مصنوعی انداز میں بولتا تھا، کبھی چلتے ہوئے آنحضورؐ کی خصوصی رفتار مبارک کی نقلیں اتارتا تھا۔

بعض اقوال کے مطابق یہ شخص گھروں میں جھانکتا تھا۔ غرض یہ کہ ان حرکات کی بناء پر اسے نبی اکرمؐ نے مدینہ بدر کر کے طائف میں قید کر دیا تھا اور کوشش کے باوجود حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں واپس آنے کی اجازت اسے نہ مل سکی۔

اب اگر ایسا باپ اور بیٹا بھی "رضی اللہ عنہما" ہیں تو پھر یہ کہہ دیجیے کہ عبداللہ بن ابی بھی "رضی اللہ عنہ" ہے۔ وہ مرتے دم تک مدینے میں مسلمانوں کے معاشرے میں رہا ہے اور مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن ہوا ہے۔ نبیؐ نے اس کا جنازہ بھی پڑھایا اور اس کے کفن کے لیے اپنا پیرہن مبارک بھی عطا فرمایا۔" (حوالہ مذکور ص 481-482)

"بحث گذشتہ میں مروان اور اس کے باپ کا "ملعون علی لسان النبوۃ" ہونا ثابت اور واضح کیا جا چکا ہے۔ اپنی کتاب کے دیباچے ہی میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول بھی نقل کر چکا

ہوں کہ اہل بیت نبوی سے بغض رکھنے والوں کے ٹولے کا سردار اور بانی مبانی مروان ہی تھا۔ تاہم آج کل چونکہ اہل حدیث اور دیوبندی حنفی سب مروان اور حکم کی مدح وثناء میں رطب اللسان ہیں اس لیے میں اس ضمن میں چند احادیث اور اقوال سلف مزید پیش کردینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ جو لوگ تعظیم صحابہؓ کے پردے میں اس باپ بیٹے کی توقیر و تعظیم کے علم بردار بن گئے ہیں، ان کے فریب کا پردہ اچھی طرح چاک ہو جائے۔" (حوالہ مذکور ص 486)

"حضرت حسنؓ کی میت کی تدفین کے موقع پر جس بدتمیزی کا مروان نے مظاہرہ کیا اس کی تفصیل تواریخ میں منقول ہے۔ نبیؐ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی آرام گاہوں کے قریب جگہ موجود تھی جہاں دفن کیے جانے کی خواہش اور وصیت حضرت حسنؓ نے فرمائی تھی۔ مروان ڈٹ کر کھڑا ہو گیا کہ حسنؓ کو یہاں دفن نہیں ہونے دیا جائے گا۔ مروان کی اس روش پر حضرت ابوہریرہؓ جیسے مرنجاں مرنج بزرگ نے بیچ بچاؤ کرایا ورنہ خون ریزی کا خطرہ تھا۔

واقعہ حرہ اور حرم نبوی کی المناک اور دلدوز توہین کا باعث محرک بھی یہی مروان ہے۔ واضح رہے کہ ابن عقبہ، یزید کا سپہ سالار تھا جس نے مدینہ منورہ میں ایسی غارت گری کی جس کے بیان سے زبان قلم عاجز ہے۔ اس شخص کا نام مسلم بن عقبہ تھا لیکن مؤرخین نے اس کے حد سے گزرے ہوئے ظلم وستم کی بناء پر اس کا نام مسرف بن عقبہ رکھ چھوڑا ہے اور مروان اس کے مظالم میں برابر کا شریک وسہیم ہے بلکہ فتنہ حرہ کا بانی مبانی اور سرغنہ ہے۔ اس کے باوجود کچھ لوگ ہیں جو اسے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں!

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے؟؟؟

(حوالہ مذکور ص 492)

"مدیر البلاغ اور مدیر بینات نے یہ جو دعویٰ کیا تھا کہ ہمارا اور ہمارے بزرگوں اور اکابر کا مسلک اور ذوق یہ ہے کہ مروان کو نہ صحابہ کرام کے مخصوص لقب "رضی اللہ عنہ" سے یاد کیا جائے، نہ اس کے خلاف طعن کی زبان کھولی جائے۔

اس کے متعلق میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس انوکھے مسلک کی خلاف ورزی شاہ عبدالعزیز صاحب، مولانا محمود حسن صاحب اور مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے تو اس طرح

کی کہ مروان کے خلاف برملا زبانِ طعن درازی کی اور خود مدیر بینات نے اس طرح اس مسلکِ متوازن کی خلاف ورزی کی کہ مروان اور حکم کو ''رضی اللہ عنہ'' کہنے کی مجھے نصیحت فرمائی۔

اب میں ایک مثال آخر میں ایسی پیش کرنا چاہتا ہوں جو بتائے گی کہ بعض دیوبندی بزرگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس رکھ رکھاؤ اور کفِ لسان کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا ہے جس کا ادّعا البلاغ و بینات والے کر رہے ہیں اور جو اعلانیہ مروان کے لیے ''رضی اللہ عنہ'' اور ''حضرت'' کی گردان کر رہے ہیں۔

میں نے اس کا ذکر پہلے اشارتاً کر دیا تھا کہ بھارت میں بھی علمائے دیوبند ''خلافت وملوکیت'' کے خلاف سرگرمی سے مہم چلا رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا سید محمد میاں صاحب جو جمعیت علمائے ہند کے ممتاز ترین عمائدین میں سے ہیں انہوں نے ایک کتاب ''شواہد تقدس'' کے نام سے تصنیف فرمائی ہے جس میں مودودی صاحب کی شیعیت کو آئینے میں پیش کیا گیا ہے اور سو نسخے بطور انعام طلبہ میں تقسیم ہوئے ہیں اس کتاب میں ایک بحث کا عنوان حضرت مروانؓ کی تقریر اور فتنہ انگیزی کا افسانہ'' ہے۔ اس میں پندرہ بیس مقامات پر جہاں بھی مروان کا نام آیا ہے اسے ''حضرت مروان'' لکھا گیا ہے (جس سے ابن سبا کی معنوی ذریت کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ از مصنف کتاب ہذا)....

اب ایک طرف دیوبند کے وہ اکابر ہیں جو مروان کو شیطان، ملعون، خبیث، ظالم، فحاش، سنت نبوی کو پس پشت ڈالنے والا اور بے ادب کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف ان اکابر کے یہ اخلاف ہیں جو حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے یہ مناقب وفضائل بیان فرما رہے ہیں۔'' (خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 490-491 مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور۔ اشاعت پنجم نومبر 1984ء)

یہ ملحوظ رہے کہ مذکورہ کتاب کا مواد پہلے جماعت اسلامی کے آرگن ''ترجمان القرآن'' میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ اس کی تکمیل کے بعد اسے کتابی صورت دے کر پہلی مرتبہ اکتوبر 1972ء میں شائع کیا گیا۔

مولانا عبدالرشید نعمانی (م1420ھ)

مولانا عبدالرشید نعمانی ایک معروف اور صاحب تصنیف عالم دین ہیں۔امام ابوحنیفہ کے ساتھ محبت وعقیدت کی وجہ سے نسبت "نعمانی" ان کی پہچان بن گئی ہے۔ایک عرصہ تک جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بطور استاذ حدیث تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔بعدازاں جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بھی کچھ عرصہ تک تدریسی ذمہ داری نبھائی۔لیکن انہیں سب سے زیادہ شہرت محمود احمد عباسی کے افکار ونظریات کا انتہاپسندانہ تعاقب کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی جس میں وہ توازن برقرار نہ رکھ سکے اور نواصب کی پیروی کرتے ہوئے کاتب وحی سیدنا معاویہؓ کی توہین وتنقیص کے مرتکب ہوگئے۔اس سلسلہ میں موصوف حضرت مروانؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"اس امر کا تو ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی مجلس (عثمان غنیؓ کراچی) کے ممدوح شیر بہادر نے اس روز (شہادت عثمانؓ کے دن) بہادری خوب دکھائی تھی مگر قدرت کی اس ستم ظریفی کا کیا علاج کہ جناب مروان نے اس روز جتنے زخم کھائے سب پیچھے ہی کی طرف سے کھائے۔چنانچہ اس بہادری کے صلہ میں اسی روز سے تاریخ (سبائیت۔از مصنف کتاب ہذا) میں جناب کا لقب "مضروب القفاء" (جس کی گدی پر ضرب رسید کی گئی ہو) پڑ گیا اور "خیط باطل" (جھوٹ کا دھاگا) کا خطاب تو (سبائیوں کی طرف سے) پہلے ہی سے حاصل تھا۔اور کیوں نہ ہوتا جناب نے اپنی ذہانت سے کاروائی ہی ایسی فرمائی تھی کہ جس سے اصلاح کی بنی بنائی صورتِ حال بگڑ کر فوری اشتعال پیدا ہوگیا اور پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھل سکا اور آخر حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوا۔

(حادثۂ کربلا کا پس منظر ص 107۔مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور)

موصوف کس خوبصورتی کے ساتھ یہاں سبائی بزرگوں یعنی قاتلین عثمانؓ کا ذکر گول کر

گئے۔مولانا عبدالرشید نعمانی حضرت مروانؓ کوشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی پیروی میں ''نواصب'' کا سربراہ اور سرغنہ سمجھتے ہیں۔شاہ صاحب نے تو ''نواصب'' کو''کتے اور خنزیر'' کے برابر قرار دیا تھا جب کہ نعمانی صاحب نے انہیں روافض کے ساتھ شمار کیا۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''سواس کے لیے ان نادانوں نے اپنے پیش رو روافض کی تقلید میں جھوٹ پر کمر باندھی ہے۔روافض حضرات خلفاء ثلاثہؓ اور عام صحابہؓ پر افترا کرتے ہیں۔یہ نواصب حضرت علیؓ،حضرات حسنینؓ اور ان تمام صحابہ کرامؓ پر جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے،طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں۔تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ روافض سے کنارہ کش رہتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان کی ایک نہیں سنتے۔اسی طرح ان نواصب کی بھی کسی خرافات پر دھیان نہ دیں۔صحابہ کرام کی تنقیص اور تحقیر کا جہاں تک تعلق ہے اس بارے میں نواصب اور روافض دونوں کا ایک ہی حکم ہے،دونوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے....

موجودہ دور کے ملحدوں،کیمونسٹوں اور منکرین حدیث نے اپنی پوری توانائیاں اس امر پر صرف کر رکھی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے عقائد سے برگشتہ کیا جائے۔اس سلسلہ میں ان کا پہلا اقدام یہی ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ پر ہاتھ صاف کیا جائے اور مسلمانوں کا اعتماد اس پر سے اٹھایا جائے۔تاریخِ اسلام میں جو محبوب شخصیتیں ہیں ان کو مجروح کیا جائے،ان کے کردار میں طرح طرح کے کیڑے نکالے جائیں اور جو شخصیتیں نفرت کا نشان رہی ہیں ان کی عظمت بٹھائی جائے،ان کی خوبیاں گنائی جائیں۔اسی غرض سے یہ لوگ مروان اور یزید کے دیوانے ہیں اور حضرت علی مرتضٰی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی عیب چینی کرتے ہیں۔''(حوالہ مذکور ص 116، 118)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر

(م1430ھ/2009ء)

مولانا سرفراز خان صفدر سورۃ الذٰریٰت، آیت 38 کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کے بارے میں حسب ذیل ریمارکس بیان فرما گئے کہ:

"وَ فِیْ مُوْسٰی" اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی ہے۔ "اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰی فِرْعَوْنَ" جب بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف "بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ" کھلی سند اور دلیل دے کر۔ "فرعون" مصر کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا۔ نام اس کا ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ دادا ریان وہ ہے جس نے یوسف علیہ السلام کے لیے تخت خالی کر دیا تھا۔ یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھ کر حکومت یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دی تھی۔ کہنے لگا: حضرت ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ آپ کا کلمہ پڑھنے کے بعد بادشاہ رہوں۔ آج کوئی کرسی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے چاہے وہ کتنی ٹوٹی پھوٹی کیوں نہ ہو، اس نے بادشاہی چھوڑ دی۔ چھوٹی بات نہیں ہے۔ خدا کی شان اور قدرت کہ دادا کتنا نیک اور رحم اور پوتا کتنا بد اور سخت۔ ایک نے پیغمبر کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور دوسرے نے پیغمبر کا مقابلہ کیا۔ جیسے ہماری تاریخ میں مروان بن حکم اپنے زمانے میں بڑا ظالم تھا اس نے بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ اس کا بیٹا عبد العزیز قدرے اچھا تھا اور پوتا عمر بن عبد العزیز خلیفہ راشد بنا اور پہلی صدی کا مجدد تھا۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرتیں ہیں۔

(اس کے بعد موصوف فرعون کے مظالم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:)

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت بقول حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی، اس نے بارہ ہزار بچے ذبح کیے تھے اور یہ سارا منظر لوگوں کے سامنے تھا اور فرعون "عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ" بڑا سرکش حد سے بڑھنے والا تھا۔

اس کا لقب تھا "ذِی الْاَوْتَـــادِ" میخوں والا۔ جس کے ساتھ بگڑتا تھا اس کو سولی پر لٹکا کر میخیں ٹھونک دیتا تھا پھر اس کے کارندے بھی بڑے ظالم تھے۔ کسی بے چارے کو جب سولی پر لٹکایا جاتا اور وہ تڑپتا تو یہ تالیاں بجا کر خوش ہوتے کہ کیسے تڑپ رہا ہے؟ ایسے ایسے ظالم بھی دنیا میں گزرے ہیں کہ وہ تڑپتے ہوئے جان دے رہا ہے اور یہ شرابیں پی کر مزے لے رہے ہیں۔ (ذخیرۃ الجنان اشاعت اول جلد نمبر 19 ص 263۔262)

اس طویل اقتباس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت موصوف نے بالکل غیر ضروری طور پر اور کلیۃً بے موقع و بے محل اور بلا ربط اور سب سے بڑھ کر خلافِ حقیقت اور خلاف واقعہ صحابی ابن صحابی، حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے حقیقی چچا زاد بھائی اور داماد سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کے "مظالم" کو "فرعون" کے مظالم کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے (جو بذات خود بہت بڑا ظلم ہے۔ فیا اسفا!) قرار دیا ہے کہ:

"مروان بن حکم اپنے زمانے میں بڑا ظالم تھا۔ اس نے بڑی زیادتیاں کی ہیں" سخت تعجب ہے کہ حضرت موصوف کو فرعون تا سیدنا مروانؓ ایک طویل عرصہ کے دوران میں صرف اور صرف سیدنا مروانؓ (م 65ھ) ہی بڑے ظالم نظر آئے جب کہ "کربلا جیسا بھی کوئی سانحہ نہ تو ان کے تقریباً گیارہ سالہ دورِ امارت میں پیش آیا اور نہ ہی ان کے 9 ماہی دورِ خلافت میں۔ باری تعالیٰ موصوف کی اس "خطا" کو معاف فرما دیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خلاصۂ بحث

گذشتہ تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما تاریخ اسلام کی ایک مظلوم ترین شخصیت ہیں جن کے خلاف ''بے گانوں'' کے مکروہ اور زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کچھ ''یگانوں'' نے بھی خوب لعن طعن کی ہے۔

علاوہ ازیں اس تفصیل سے حضرت مروانؓ پر عائد کیے گئے الزامات واعتراضات کے بارے میں بھی مکمل معلومات حاصل ہوجاتی ہیں جن کی حیثیت ''تارِ عنکبوت'' سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

اگلے حصے میں روایتاً و درایتاً ان الزامات واعتراضات کا الگ الگ اور بے لاگ تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے جو امید ہے کہ منصف مزاج قارئین کے لیے تسکین واطمینان کا موجب بنے گا۔ جہاں تک اکابر پرست، ضدی اور متعصب طبقے کا تعلق ہے تو ان کے لیے ''ہدایت'' کی دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

گذشتہ صفحات میں حضرت مروانؓ پر بالخصوص ''یگانوں'' کی طرف سے الزامات کی جو یلغار کی گئی ہے سخت افسوس ہے کہ انہیں ''علماء'' کی طرف سے جوں کا توں تسلیم کرلیا گیا ہے حالانکہ کتاب وسنت کی روشنی میں ان الزامات کی تحقیق لازمی تھی۔ یہ بات صحیح ہے کہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عام دنیوی معاملات میں ہر خبر کی تحقیق کرنا لازمی نہیں ہے لیکن جن الزامات کے نتیجے میں کسی شخص کی تکفیر وتفسیق لازم آتی ہو کیا ان کی تحقیق کے لیے قرآن وحدیث میں کوئی رہنمائی نہیں کی گئی؟ کیا وہ الزامات کذاب ابن کذاب اور ''قیــل ویقال'' کی گردان وتکرار کے زور پر صحیح سمجھ لیے جائیں گے؟

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ

فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ٥(الحجرات 6)

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچادو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

اس آیت کریمہ میں ایک نہایت ہی اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی اہم خبر یا اطلاع آئے تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کاروائی نہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ"

(صحیح مسلم باب النهی عن الحدیث بکل ماسمع جلد1 ص8)

کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کرتا پھرے۔

قرآن و حدیث کے مذکورہ سنہری اصولوں کی روشنی میں حضرت مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما پر عائد کیے گئے اعتراضات کا ایک جائزہ ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے؛ ملاحظہ فرمائیں:

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا حکم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کی حقیقت

حافظ ابن عبدالبر اندلسی (م 463ھ) نے حضرت حکم رضی اللہ عنہ کے خلاف سبائیوں کی مرتب کردہ داستان اور فرد جرم کو درست اور صحیح سمجھتے ہوئے نقل کر دیا اور اس بات کی مطلقاً کوئی پرواہ نہیں کی کہ اس کی زد نہ صرف ایک صحابی پر پڑتی ہے بلکہ خود نبی اکرمؐ کی اپنی سیرت و کردار پر بھی حرف آتا ہے۔ بعد میں آنے والے بعض علمائے اہل سنت نے حافظ صاحب اور دیگر حضرات پر اعتماد کر کے اس داستان کو اپنی کتب میں نقل کر دیا۔ ان ہی میں سے ایک ابن اثیر جزری (م 630ھ) ہیں جنہوں نے حافظ صاحب کی پیروی میں اس داستان کو معمولی فرق اور اضافہ کے ساتھ اپنی کتاب میں خوب مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

نافع بن جبیر بن مطعم نے اپنے والد سے روایت کر کے بیان کیا ہے کہ وہ کہتے تھے ہم نبی اکرمؐ کے ہمراہ تھے کہ ادھر سے حکم بن ابی العاص کا گزر ہوا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"اس شخص کی نسل سے میری امت کی خرابی ہوگی"

(صد افسوس کہ مترجم کتاب امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی فاروقی نے اس موضوع روایت کو "صحیح" سمجھتے ہوئے اس پر یوں حاشیہ آرائی فرمائی کہ:

چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ ان کے بیٹے مروان سے جو، جو فسادات پھیلے اور جیسی کچھ تباہی مسلمانوں پر آئی، ظاہر ہے۔)

یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالے ہوئے تھے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے طائف کی طرف نکال دیا تھا اور ان کے ساتھ ان کا بیٹا مروان بھی نکل گیا تھا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا وجہ ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکلوایا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز چھپ کے سنتے تھے اور دروازہ

کی دراز سے جھانکتے تھے اور ان ہی کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارداہ کیا تھا کہ ان کی آنکھ اس چاقو سے جو آپؐ کے دست مبارک میں تھا پھوڑ دیں جب انہوں نے دروازہ سے جھانکا۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کی اور آپؐ کے بعض حرکات کی نقل کرتے تھے۔ نبیؐ ٹھہر ٹھہر کے چلتے تھے ایک روز آپؐ نے پیچھے پھر کے دیکھا تو یہ بھی اپنی رفتار میں اسی طرح جھک جھک کے چل رہے تھے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تم ایسے ہی ہو جاؤ۔ چنانچہ ان کی رفتار میں اس وقت سے رعشہ پیدا ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابتؓ نے عبدالرحمٰن بن حکم کی ہجو میں اس کا ذکر کیا ہے:۔

انّ الـلـعيـن ابـوك فـارم عـظـامـه
ان تـرم تـرم مـخـلـجـا مـجـنـونـا
يـمـسـي خميص البطن من عمل التقى
ويـظـل مـن عـمـل الـخبيـث بـطينـا

بے شک لعین تیرا باپ ہے اس کی ہڈیوں کو پھینک دے۔ اگر تو پھینک دے گا تو ایک لنگڑے مجنوں (کی ہڈیوں) کو پھینکے گا۔ وہ پرہیز گاری کے کاموں سے ہمیشہ خالی پیٹ رہتا ہے اور برے کاموں سے ہمیشہ اس کا پیٹ بھرا رہتا ہے۔

عبدالرحمٰن نے جو حکم کو لعین کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کئی سندوں کے ساتھ مروی ہے جن کو ابن ابی خیثمہ نے ذکر کیا ہے کہ:

حضرت عائشہؓ نے مروان بن حکم سے جب اس نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہ کرنے پر نا ملائم گفتگو کی، کہا کہ: أمـا انـت يـامروان فاشهد أن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم لعن أباك وانت في صلبه۔

اے مروان! میں اس بات کی شہادت دیتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے باپ پر لعنت کی اور اس وقت تو اپنے باپ کی پشت میں تھا۔

حکم پر لعنت اور اخراج کے بارے میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں مگر یہ بات قطعی ہے کہ نبیؐ نے باوجود یکہ آپ اپنی خلاف طبع باتوں پر بہت بردباری اور چشم پوشی فرمایا کرتے تھے یہ معاملہ جو حکم کے ساتھ کیا تو کسی بڑے قصور پر کیا۔ نبیؐ کی زندگی بھر حکم مدینے سے نکلے ہوئے رہے۔ پھر جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے حکم کی سفارش کی گئی تا کہ ان کو مدینہ میں واپس بلالیں مگر انہوں نے کہا کہ میں اس گرہ کو نہیں کھول سکتا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہے اور ایسا ہی حضرت عمرؓ نے بھی کیا۔ پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم کو واپس بلالیا اور فرمایا کہ میں نے حکم کی سفارش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی اور آپؐ نے مجھ سے ان کے واپس بلانے کا وعدہ کیا تھا۔'' (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ تحت حکم بن ابی العاص حصہ سوم ص 47-44 مترجمہ مولانا عبدالشکور فاروقی مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور۔ الاستیعاب مع الاصابہ جلد اول ص 317 تا 319 طبع بیروت)

حافظ ابن عبدالبر نے مذکورہ ''فرد جرم'' میں اس حدیث کا بھی اضافہ کیا ہے کہ:

قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یدخل علیکم رجل لعین قال عبداللّٰہ و کنت قد ترکت عمروایلبس ثیابہ لیقبل الی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فلم أزل مشفقا أن یکون أول من یدخل فدخل الحکم بن أبی العاص۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک ملعون شخص آنے والا ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اس سے پہلے اپنے والد عمرو کو گھر میں چھوڑ آیا تھا کہ وہ کپڑے تبدیل کر کے نبیؐ کی محفل میں آنا چاہتے تھے (نبیؐ کی اس اطلاع کو سن کر) میں خوف زدہ ہو گیا کہ کہیں وہ ''ملعون'' شخص میرے والد ہی نہ ہوں لیکن اتنے میں حکم بن ابی العاص داخل ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نبی اکرمؐ کے پاس تھا۔ اسی اثناء میں آپؐ نے فرمایا کہ:

"لیدخلن علیکم رجل لعین و کنت ترکت عمرو بن العاص یلبس ثیابه لیلحقنی ، فما زلت أنظر و أخاف حتی دخل الحکم بن أبی العاص"

ابھی تم پر ایک ملعون شخص داخل ہوگا اور میں (اپنے والد) عمرو بن العاص کو اس حال میں چھوڑ کر آیا تھا کہ وہ آپ کی محفل میں آنے کے لیے کپڑے تبدیل کر رہے تھے۔ پس میں خوف کی حالت میں دیکھتا رہا یہاں تک کہ عمرو بن العاص کے بجائے حکم بن ابی العاص داخل ہوئے۔{(کشف الاستار عن زوائد البزار علی الکتب الستة ص 247۔ تالیف الحافظ نورالدین علی بن أبی بکر الہیثمی)(م 807ھ)}

علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) نے حضرت حکمؓ کے مطاعن پر مشتمل کچھ روایات بیان کی ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ "لم یثبت ذلك، فی اسناده نظر، و فیه ضرار بن صرد و هو منسوب للرفض۔" (ملاحظہ ہو: الاصابہ فی تمییز الصحابة الجزالاول ص 346-345)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م 1239ھ) حضرت حکمؓ سے متعلق اس اعتراض کہ "حکم بن ابی العاص کو جو مروان کا باپ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قصور کی بناء پر مدینہ بدر کر دیا تھا....؟"

کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کو مدینہ سے اس بناء پر نکال دیا تھا کہ منافقین سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے اور کفار سے بعض معاملات میں تعاون بھی کرتا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں باہمی فتنہ انگیزی کی نوبت بھی آجاتی تھی۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد بعہد شیخینؓ کفر و منافقت کا حجاز میں عموماً اور مدینہ منورہ میں خصوصاً نام و نشان ہی مٹ گیا اور کافر و منافق سے دوستی اور تعاون اور اس کے سبب فتنہ انگیزی کا خدشہ ہی نہ رہا تو باقاعدہ طے شدہ اصول کے مطابق کہ جب کوئی حکم کسی علت، سبب اور وجہ سے مقید ہو تو علت کے ختم ہو جانے کے بعد وہ حکم بھی باقی نہیں رہتا، مدینہ بدری کا حکم

بھی اس سے اٹھ گیا۔

اور جناب شیخینؓ نے بمصلحت اس کے مدینہ میں داخلہ کو پسند نہیں فرمایا کہ احتمال تو ابھی باقی تھا کہ یہ دونوں حضرات بنی تمیم (تیم) سے تھے اور حکم بنو امیہ میں سے تھا ایسا نہ ہو کہ عداوتِ دورِ جاہلیت کے سبب رگِ جاہلیت جوش مار جائے اور مسلمانوں میں کسی نوع کی چہ، چہ، میں، میں شروع ہو جائے۔

اور جناب عثمان غنیؓ کا تو وہ چونکہ بھتیجا (چچا) تھا، اس قسم کا کوئی خدشہ نہ تھا لہٰذا بطور صلہ رحمی آپؓ نے اسے مدینہ بلا لیا....

پھر یہ بات بھی ثابت ہو گئی ہے کہ حکم نے آخر عمر نفاق و فساد کی عادت سے توبہ کر لی تھی۔ اسی لیے اس کے بعد اس سے ایسی کوئی حرکت صادر نہیں ہوئی اور پھر عمر کے لحاظ سے بھی وہ کسی قابل نہ رہا تھا۔" (تحفہ اثنا عشریہ اردو۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ص 599-598)

مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود ایک صحابی رسولؐ حضرت حکمؓ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عثمانؓ نے تو اس (مروان) کے باپ حکم کو بھی مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دی کیونکہ اب وہ اس قدر بوڑھا اور ناکارہ ہو چکا تھا کہ اس سے کسی سازش کا امکان باقی نہ رہا تھا۔ حضرت عثمانؓ مقام اجتہاد پر فائز تھے۔ انہوں نے اجتہاد سے آنحضرتؐ کے حکم کو معلل بعلّت سمجھا اور جب وہ علت اور سبب جاتے رہے تو انہوں نے اسے واپس آنے کی اجازت دے دی۔" (عبقات ص 243)

مذکورہ عبارت میں ایک لغو، سراپا کذب و افتراء اور سبائیوں کی وضع کردہ داستان کی بنیاد پر "احترام صحابیت" کی جو دھجیاں بکھیری گئی ہیں وہ محتاج وضاحت نہیں ہیں۔

بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اس معاملہ میں مثال کے طور پر مروان بن حکم کی پوزیشن دیکھئے۔ اس کا باپ حکم بن ابی العاص، جو حضرت عثمانؓ کا چچا تھا، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا اور مدینہ آ کر رہ گیا تھا مگر اس کی بعض حرکات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مدینہ سے نکال

دیا تھا اور طائف میں رہنے کا حکم دیا تھا۔

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکابر صحابہ کے ساتھ راز میں جو مشورے فرماتے تھے ان کی کسی نہ کسی طرح سن گن لے کر وہ انہیں افشا کر دیتا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارا کرتا تھا حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے خود اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔

بہر حال کوئی سخت قصور ہی ایسا ہو سکتا تھا جس کی بناء پر حضورؐ نے مدینہ سے اس کے اخراج کا حکم صادر فرمایا۔" (خلافت و ملوکیت ص 110۔ مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور)

مولانا مودودی صاحب کے وکیل صفائی، بغض بنی امیہ کے مریض واسیر اور وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج جناب ملک غلام علی صاحب اپنی کتاب میں جا بجا حضرت حکمؓ اور حضرت مروانؓ کو معلون اور لعنت زدہ "ثابت" کرنے کے بعد زیر عنوان "مروان کا باپ" لکھتے ہیں کہ:

"پھر غضب بالائے غضب یہ ہے کہ فاضل مدیر بینات (مولانا محمد ادریس صاحب) مروان کے ساتھ حکم کو بھی شریک کر کے دونوں کے حق میں "رضی اللہ عنہما" کی قرأت کا التزام چاہتے ہیں اور غالباً مدیر موصوف پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکم کو بھی "رضی اللہ عنہ" بنانے کی سعی فرمائی ہے۔

حکم وہ شخص ہے جو منافقین مدینہ سے ساز باز رکھ کر انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے راز اور خفیہ امور سے آگاہ کرتا تھا۔ محدثین و مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ کبھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نطق مبارک کی نقل اتارتے ہوئے ایک مصنوعی انداز میں بولتا تھا، کبھی چلتے ہوئے آنحضورؐ کی خصوصی رفتار مبارک کی نقلیں اتارتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں اس کو شمار کیا گیا ہے کہ اس شخص کی گفتار و رفتار میں ایک طرح کا تصنع اور فساد پیدا ہو گیا تھا کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "کن کذلک۔"

بعض اقوال کے مطابق یہ شخص گھروں میں جھانکتا تھا۔غرض یہ کہ ان حرکات کی بناء پر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ بدر کر کے طائف میں قید کر دیا تھا اور کوشش کے باوجود حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں واپس آنے کی اجازت اسے نہ مل سکی ....

اب اگر ایسا باپ اور بیٹا بھی "رضی اللہ عنہما" ہیں تو پھر کہہ دیجیے کہ عبداللہ بن ابی بھی "رضی اللہ عنہ" ہے۔وہ مرتے دم تک مدینے میں مسلمانوں کے معاشرے میں رہا ہے اور مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن ہوا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ بھی پڑھایا اور اس کے کفن کے لیے اپنا پیراہن مبارک بھی عطا فرمایا۔" (خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ۔ص 483-481)

مولانا سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

"مروان کا باپ حکم بھی بہت بدکردار تھا۔وہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے حجروں میں جاسوسی کیا کرتا تھا، ان میں وہ جھانکتا تھا اور راز کی خبریں لوگوں کو پہنچایا کرتا تھا، وہ حضور علیہ السلام کی نقلیں اتارتا تھا وغیرہ۔اسی لیے حضور علیہ السلام نے اسے اور اس کے بیٹے مروان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کر کے طائف بھیج دیا تھا۔" (انوار الباری جلد 17 ص 194)

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ حضرت حکمؓ پر سبائیوں کی عائد کردہ "فرد جرم" کو صحیح سمجھتے ہوئے آخر میں یوں صفائی پیش کرتے ہیں کہ:

"حکم بن ابی العاص حضرت عثمانؓ کے چچا تھے۔فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور مدینہ میں رہنے لگے۔آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ پیٹ کے کچے ہیں جو باتیں بھید کی ہوتی ہیں ان کو بھی افشا کر دیتے ہیں اس لیے آنحضرتؐ نے ان کو طائف میں جلاوطن کر دیا تھا۔خلافت فاروقی تک وہیں رہے۔حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو مدینہ بلالیا۔آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

سوال یہ ہے کہ اس واقعہ میں کون سی بات قابل اعتراض ہے؟حکم بن ابی العاص کا جرم یہی تھا کہ وہ اسرار نبوی کا افشا کر دیتے تھے۔آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اس جرم کے ارتکاب کا امکان ہی باقی نہیں رہا تو اب جلاوطنی کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔

پھر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حکم بن ابی العاص اپنے کیے پر شرمندہ اور نادم نہ ہوں گے اور انہوں نے توبہ نہ کی ہوگی۔ توبہ و استغفار سے تو بڑے بڑے گناہ یہاں تک کہ ارتداد بھی معاف ہو جاتے ہیں پھر یہ گناہ کیوں معاف نہیں ہوتا؟ یہ جلاوطنی کی سزا تھی نہ کہ عمر بھر کے لیے۔ اگر ایسا ہوتا تو کیا حضرت عثمانؓ پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے باوجود حکم نبوی کو منسوخ کر دینے کی جرأت کر سکتے تھے؟ فاین تذھبون۔'' (عثمان ذوالنورینؓ ص 207)

حضرت حکم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''علماء اسلام'' کے مذکورہ اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں نبی اکرمؐ نے مدینہ منورہ سے راز افشا کرنے اور نقلیں اتارنے جیسے جرائم کی وجہ سے طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکمؓ کی جلاوطنی کا یہ سارا قصہ کوفی ٹکسال میں تیار ہوا ہے جو کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ نبی اکرمؐ کے دور کا یہ اہم واقعہ اگر فی الواقع رونما ہوا ہے تو کسی صحابی سے یہ کیوں مروی نہیں ہے؟ حدیث کی کسی کتاب میں اس کا ''اتہ پتہ'' کیوں نہیں ملتا؟ کذاب ابن کذاب ہشام کلبی اور واقدی جیسے دروغ گو راویوں پر اعتماد کر کے اسے نبی اکرمؐ کی طرف کیوں کر منسوب کیا جا سکتا ہے؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م 728ھ) اہل تشیع کے اس طعن کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

"ومن الناس من یقول انّ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نفی أباہ الی الطائف و کثیر من اھل العلم ینکر ذٰلک ویقول انہ ذھب باختیارہ۔وانّ نفیہ لیس لہ أسناد...

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (مروانؓ) کے والد کو طائف کی طرف نکال دیا تھا۔ اکثر اہل علم اس قصے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنے اختیار اور مرضی سے طائف گئے تھے۔ نیز اس قصے کی کوئی سند بھی نہیں ہے۔ (منھاج السنۃ الجزء الثالث ص 189)

حضرت موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

وقد طعن کثیر من اھل العلم فی نفیہ و قالوا ھو ذھب باختیارہ۔وقصّۃ

نفی الحکم ليست في الصحاح ولا لها اسناد يعرف به امرها ....واما قصة الحكم فعامة من ذكرها انما ذكرها مرسلة و قد ذكرها المؤرخون الذين يكثر الكذب فيما يروونه و قلّ ان يسلم لهم نقلهم من الزيادة والنقصان فلم يكن هنالك نقل ثابت يوجب القدح ....لايثبت اسناده ولا يعرف كيف وقع ويجعل لعثمان ذنب بأمر لايعرف حقيقته بل مثل هذا مثل الذين يعارضون المحكم بالمتشابه و هذا من فعل الذين في قلوبهم زيغ الذين يبتغون الفتنة ولا ريب أنّ الرافضة من شرار الزائغين الذين يبتغون الفتنة الذين ذمهم الله ورسوله۔"(حوالہ مذکور ص 196-197)

اکثر اہل علم نے حضرت حکمؓ کی جلاوطنی کے بارہ میں طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ خود اپنے طور پر طائف گئے تھے (ان کو نکالا نہیں گیا تھا) پھر یہ قصہ نہ صحاح میں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے جس کے ذریعے اس کی حقیقت معلوم کی جا سکے ....

حکم کی جلاوطنی کے قصے کو جس نے بھی ذکر کیا ہے اس نے بطریق مرسل ذکر کیا ہے؛ اس کے ناقل بھی وہ مؤرخین ہیں جن کے ہاں جھوٹ کی کثرت ہے اور جن کی نقل کردہ روایت کمی بیشی سے کم ہی محفوظ رہتی ہے۔ بنا بریں اس واقعہ کی کوئی ایسی صحیح نقل نہیں ہے جس کی بناء پر کسی کی قدح کی جا سکے ....

جب اس کی سند اور حقیقت ہی کا علم نہیں تو پھر ایک امر مشتبہ کی بناء پر حضرت عثمانؓ کو کیوں کر قصور وار ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ ایسا تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو محکم کے مقابلے میں متشابہہ پر مدار استدلال رکھتے ہیں اور ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے اور جو فتنوں کے متلاشی اور طلب گار ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رافضی ان شریر گمراہوں میں سے ہیں جو فتنے کھڑے کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی مذمت اللہ اور اس کے رسولؐ نے کی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اسی بحث میں مزید لکھتے ہیں کہ:

"وقد ذكر غير واحد من اهل العلم ان نفي الحكم باطل فان النبيّ صلّى الله عليه وسلّم لم ينفه الى الطائف بل هوذهب بنفسه و ذكر بعض الناس انه نفاه ولم يذكروا اسنادا صحيحا بكيفية القصة وسببها۔"(حوالہ مذکور ص 235)

بہت سے اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حکمؓ کی جلاوطنی کا قصہ باطل ہے۔ کیونکہ نبی اکرمؐ نے انہیں طائف کی طرف جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ از خود اپنی مرضی سے گئے تھے۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ نے انہیں جلاوطن کیا تھا لیکن اس واقعہ کی کیفیت اور سبب معلوم کرنے کے لیے وہ کوئی صحیح سند ذکر نہیں کرتے۔

حافظ ذہبی (م 748ھ) نے ان روایات پر تنقید کرتے ہوئے ان کی عدم صحت کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب میں امام ابن تیمیہ کی تائید میں فرماتے ہیں کہ:

"وقصة نفي الحكم ليست في الصحاح ولا لها اسناد يعرف به امرها"

اور حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی کا قصہ صحاح میں موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اسناد ہیں جن کے ذریعے اس قصہ کے بارے میں حقیقت حال معلوم ہو سکے۔

(المنتقى۔الفصل الثالث۔ص 395۔تحت التحقيق في نفي الحكم و اطلاقه)

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ارباب سِیَر اور مؤرخین کے نزدیک بالاتفاق حضرت حکمؓ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور خلافت عثمانی تک مکہ اور گردونواح ہی میں قیام پذیر رہے۔ جب کہ معترضین کے نزدیک نبی اکرمؐ نے انہیں مدینہ منورہ سے ''جلاوطن'' کیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت حکمؓ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی؟ کیا ان پر "لاهجرة بعدالفتح" کے فرمان نبویؐ کا اطلاق نہیں ہوتا تھا؟

مزید برآں وہ ''طلقاء'' میں سے تھے اور ''طلقاء'' میں سے کسی نے ہجرت نہیں کی تھی "فان الطلقاء ليس فيهم من هاجر" اور نہ ہی حضرت حکمؓ کی ''ہجرت'' کی روایت کا کہیں کوئی وجود ہے۔ البتہ حضرت صفوانؓ بن امیہ کے متعلق یہ بات ملتی ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد

ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے لیکن نبی اکرمؐ نے انہیں مکہ مکرمہ واپس جانے کا حکم دے دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو: منہاج السنہ الجزء الثالث ص 196)

اگر بالفرض حضرت حکمؓ نے بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ہوتی تو نبی اکرم حضرت صفوان بن امیہ کی طرح انہیں بھی مکہ مکرمہ واپس بھیج دیتے۔ پھر سوال یہ ہے کہ ''طائف'' کی طرف انہیں کیوں جلاوطن کیا گیا؟ کیا ''طائف'' سزا یافتہ لوگوں کا مسکن ہے؟ ''طائف'' اچھی آب وہوا اور زرخیزی وشادابی کے لیے مشہور ہے اس لیے زمانہ قدیم سے یہ شہر اہل مکہ کا گرمائی مقام رہا ہے۔ دیگر سرداران قریش کی طرح حضرت حکمؓ کا بھی طائف میں ذاتی مکان تھا جہاں وہ بالخصوص موسم گرما گزارنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے جس سے یار لوگوں نے جلاوطنی کا قصہ گھڑ لیا۔

جب حضرت حکمؓ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ منورہ گئے ہی نہیں تو پھر وہاں سے ان کے جلاوطن کر دیے جانے کا سوال کس طرح پیدا ہوسکتا ہے؟ اس اعتبار سے بھی یہ قصہ جلاوطنی کے محرکات سمیت لغو اور جھوٹا ہے۔

پھر حضرت حکمؓ کے جن جرائم (بھیدوں کا افشا کرنا، نبی اکرمؐ کے ساتھ تمسخر کرنا اور ان کی رفتار وگفتار کی نقل اتارنا) کی بنیاد پر جلاوطنی کا قصہ گھڑا گیا ہے وہ اس کے جھوٹا ہونے کو مزید آشکارا کر دیتا ہے۔

عصر حاضر میں بھی کسی ''شیخ وپیر'' (خواہ وہ ''ڈبہ پیر'' ہی کیوں نہ ہو) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد عملی کوتاہیوں کے باوجود مرید سے اس قسم کی توقع نہیں رکھی جاسکتی تو کسی صحابی کے برضا ورغبت نبی اکرمؐ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد خلوت میں بھی اس سے اس قسم کے ''جرائم'' کے ارتکاب وصدور کو کیوں کر تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

فتح مکہ کے بعد جب کہ اسلام کی قوت وشوکت کے سامنے سارا عرب سرنگوں ہو گیا تھا اور قبائل عرب بھی جوق درجوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے؛ کسی شخص کا مرکز اسلام مدینہ منورہ میں ایسی جرأت کرنا کہ نبی اکرمؐ کے ساتھ تمسخر کرے اور ان کی نقلیں اتارے یقیناً بعید

از قیاس اور خلاف عقل ہے۔

حضرت حکمؓ کی "جلاوطنی" کے اس قصے کے لغو اور باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان سے اگر اس قسم کی حرکات سرزد ہوئی ہوتیں تو نبی اکرمؐ کے فیصلے سے پہلے جان نثارانِ مصطفیٰ خود ہی انہیں کیفرِ کردار تک پہنچا دیتے۔

اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت حکمؓ سے مدینہ منورہ میں ان ناشائستہ حرکات کا صدور رہوا تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا ان حرکات و جرائم سے کہیں بڑھ کر بڑے بڑے جرائم کے مرتکب عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین کو بھی نبی اکرمؐ نے جلاوطن فرمایا تھا؟

جو حضرات قصداً وعمداً ان جرائم کی نسبت حضرت حکمؓ کی طرف کر رہے ہیں انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ وہ اس لغو اور جھوٹے قصے کو نقل کر کے ایک صحابی ہی کی پوزیشن داغدار نہیں کر رہے ہیں بلکہ اسے نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کر کے حدیث نبوی "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوّأ مقعدہ من النار" (جو شخص عمداً میرے متعلق کوئی غلط بیانی کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے) کے بھی مصداق بن رہے ہیں۔

حضرت حکمؓ کی "مفروضہ" جلاوطنی کے بارے میں اصل تحقیقی جواب تو یہی ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد نہ تو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور نہ ہی "ناشائستہ" افعال کی بناء پر انہیں مدینہ بدر کر کے طائف بھیجا گیا۔ لیکن "جلاوطنی" کے حوالے سے ایک یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ "حضرت عثمانؓ کو اپنے مکان کے محاصرہ کے وقت جب یہ معلوم ہوا کہ مخالفین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ نبی اکرمؐ نے حکم بن ابی العاص کو جلاوطن کر دیا تھا (عثمانؓ نے اس کی جلاوطنی ختم کر کے حکم رسولؐ کی مخالفت کی) تو حضرت عثمانؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"انّ الحکم کان مکیاً فسیّرہٗ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم منھا الی الطائف ثم ردّہٗ الی بلدہ فرسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سیّرہٗ بذنبہ ورسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ردّہٗ بعفوہ ....اکذلک قالوا اللّٰھم نعم۔

(تاریخ طبری ص 103، 135۔ جلد سوم جزء پنجم تحت 35ھ)

حکم بن ابی العاص مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔انہیں نبی اکرمؐ نے مکہ سے طائف کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیا پھر انہیں اپنے شہر واپس بلا لیا تو نبی اکرمؐ نے ہی کسی غلطی کی وجہ سے پہلے انہیں جلاوطن کیا پھر خود ہی معاف فرما کر ان کی جلاوطنی ختم کر دی (تو پھر مجھ پر اعتراض کیسا؟) کیا اسی طرح نہیں ہوا؟ تو سب بلوائیوں نے اقرار کیا کہ ہاں ایسے ہی ہوا۔

بلوائیوں نے تو اعتراف کر لیا کہ نبی اکرمؐ نے ہی انہیں واپس بلایا تھا مگر سخت حیرت ہے کہ علامہ خلاد محمود صاحب نے اس کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ ''حضرت عثمانؓ نے تو اس (مروان) کے باپ حکم کو بھی مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دی کیونکہ اب وہ اس قدر بوڑھا اور ناکارہ ہو چکا تھا کہ اس سے کسی سازش کا امکان باقی نہ رہا تھا۔'' (عبقات ص243)

جب کہ یہ روایت بھی ''بناء فاسد علی الفاسد'' کے مصداق اور بالکل موضوع ہے۔ظاہر ہے کہ جب جلاوطنی کا واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں تھا تو پھر حضرت عثمانؓ کو اپنی صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

امام ابن کثیر نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے ہی انہیں طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا پھر خود ہی واپس بھی بلا لیا۔ملاحظہ ہو:

(البدایہ والنہایہ جلد 7۔ص 171۔تحت 35ھ)

امام ابن جریر طبری اور امام ابن کثیر کی بیان کردہ کہانی سے بھی یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت حکمؓ مدینہ منورہ نہیں گئے تھے۔وہ مکی تھے اور انہیں مکہ سے ہی جلاوطن کیا گیا تھا۔اس سے جہاں مدینہ سے جلاوطنی کا واقعہ غلط ثابت ہوا وہیں جلاوطنی کی بنیاد، اسباب اور ناشائستہ افعال کا بھی رد ہو گیا۔

اگر علی سبیل التنزل مکہ سے طائف کی طرف جلاوطنی کے قصہ کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر سوال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں نہ تو منافق رہائش پذیر تھے جن تک نبی اکرمؐ کے راز پہنچائے جاتے نہ ازواج مطہرات کے حجرے تھے جہاں حضرت حکمؓ جھانکا کرتے تھے اور نہ ہی نبی اکرمؐ کی نقلیں اتارنے کا کوئی موقع تھا۔کیونکہ حضرت حکمؓ نے رمضان 8ھ میں فتح مکہ کے

بعد اسلام قبول کیا تھا۔اس کے بعد نبی اکرمؐ حجۃ الوداع کے موقع پر 4۔ذی الحج 10ھ میں مکہ تشریف لائے اور 14۔ذی الحج کو دس دن (مکہ،منٰی،عرفات ومزدلفہ میں) قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے تھے۔تو نبی اکرمؐ نے کب اور کس قصور کی بناء پر انہیں جلا وطن کیا اور کب معافی دے کر واپس بلایا؟

حضرت حکمؓ کی مکہ مکرمہ سے جلاوطنی کا سوال اس لیے بھی پیدا نہیں ہوتا کہ نبی اکرمؐ نے فتح مکہ کے بعد حضرت حکمؓ کے بھتیجے عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کو مکہ کا گورنر بنا دیا تھا جو عہد صدیقی میں بھی اس منصب پر برقرار رہے۔حضرت ابو بکرؓ اور ان کی وفات ایک ہی دن ہوئی۔طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں بھی اس منصب پر برقرار رہے۔(ملاحظہ ہو:الاصابہ الجزء الثانی ص 451)

لہٰذا اپنے خاندانی اقتدار کے عروج میں اپنے ''محسنِ اعظم'' کے خلاف ''ناشائستہ افعال'' کا ارتکاب حضرت حکمؓ جیسے رئیس قریش سے کیوں کر ممکن ہے؟

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بلوائیوں نے ذی قعد 35ھ میں حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر کے دیگر اعتراضات کے ساتھ ساتھ جلاوطنی کا معاملہ بھی اٹھایا اور حضرت عثمانؓ کے جواب سے مطمئن ہو گئے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکمؓ 32ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پا گئے تھے۔ظاہر ہے اس سے پہلے ہی وہ مدینہ آئے ہوں گے؛سوال یہ ہے کہ اس وقت یہ آواز کیوں نہیں اٹھائی گئی کہ معتوب باپ بیٹے کو کیوں اجازت دی گئی؟چار سال بعد 35ھ میں اس مسئلہ کو کیوں چھیڑا گیا؟

مدینہ یا مکہ سے طائف کی طرف ''جلاوطنی'' بھی بعید از فہم ہے کیونکہ وہ ایک صحت افزا مقام ہونے کے علاوہ قریش کا گرمائی مرکز تھا جہاں بالخصوص موسم گرما میں وہ قیام کیا کرتے تھے۔

پھر اس پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت حکمؓ کے افعالِ ناشائستہ (جن کی بناء پر جلاوطنی کی سزا دی گئی تھی) ناقابلِ معافی تھے جن کی وجہ سے ان کے لیے دائمی سزا تجویز

کی گئی؟ کیا شریعت میں اس کی کوئی مثال پائی جاتی ہے؟

امام ابن حزم اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''حد واجب کے طور پر نبی اکرمؐ کا کسی کو جلاوطن کرنا ثابت نہیں ہے اور نہ یہ ہمیشہ کی شریعت ہے بلکہ یہ صرف کسی ایسے گناہ کی تعزیر ہو سکتی ہے جو جلاوطنی کا حق رکھتا ہے۔ پھر توبہ کا دروازہ کھلا ہے جب کوئی گناہ گار توبہ کر لے تو اس سے تعزیر ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے اور تمام زمین رہائش کے لیے مباح ہو جاتی ہے۔''

(الفصل فی الملل والاھواء والنحل۔ جلد4۔ ص154)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت حکمؓ کی جلاوطنی کا پورا قصہ (خواہ مکہ سے ہو یا مدینہ سے) اپنے محرکات یعنی ناشائستہ افعال (نقلیں اتارنا، راز افشا کرنا اور گھروں میں جھانکنا وغیرہ) سمیت کوفی ٹکسال میں سبائیوں کا تراشیدہ اور وضع کردہ ہے جو روایتاً اور درایتاً غلط، باطل، سراپا کذب و دروغ، بے اصل اور بہرزاویہ سے دشمنان صحابہؓ کی کارستانی ہے۔

اس پر ایک اشکال یہ وارد ہو سکتا ہے کہ جب اکثر مؤرخین اور ارباب سیر نے جلاوطنی (خواہ مکہ سے ہو یا مدینہ سے) کا ذکر کیا ہے تو کہیں نہ کہیں اس کی کچھ نہ کچھ بنیاد ضرور ہو گی؛ تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اول تو جن حضرات نے اسے بیان کیا ہے تو اصول روایت و درایت کے اعتبار سے وہ قصہ لغو، باطل اور جھوٹا قرار پاتا ہے (اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے) البتہ اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ حالت کفر میں حضرت حکمؓ جب حضرت عثمانؓ پر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے سختی کرتے تھے تو اس دوران نبی اکرمؐ کے بارے میں بھی ناشائستہ افعال سرزد ہو گئے ہوں جنہیں بنیاد بنا کر دشمنانِ صحابہؓ نے ''جلاوطنی'' کا قصہ گھڑا ہو تو اس سلسلے میں اسلام کا بنیادی اور عام اصول یہ ہے کہ ''انّ الاسلام یھدم ما کان قبلہ'' یعنی اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ خاندانِ بنو امیہ کو اسلامی قانون سے بھی مستثنیٰ سمجھا گیا اور

زبردست پروپیگنڈے کے ذریعے سے یہ بات ذہنوں میں بٹھادی گئی کہ ان کے زمانہ کفر کی برائیاں بعد میں بھی جوں کی توں قائم رہیں، ان کا ایمان نفاق پر قائم تھا، انہوں نے مجبور ہو کر اسلام قبول کیا اور بعد میں بھی یہ لوگ اسلام کے خلاف سازشیں ہی کرتے رہے۔ العیاذ باللہ

الغرض پیغمبر اسلام کے نام نہاد نام لیواؤں نے اموی صحابہ کے خلاف الزامات و اتہامات کی ایک طویل فہرست تیار کر دی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے معاف کر دینے کے باوجود ان صحابہ کرامؓ کو نہیں بخشا گیا جن میں حضرت عثمانؓ، حضرت ابوسفیانؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت حکمؓ اور حضرت مروانؓ خصوصیت کے ساتھ شامل ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب اور حیرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا سید احمد رضا بجنوری اور علامہ خالد محمود پر ہے جنہوں نے ایک صحابی رسولؐ حضرت حکمؓ پر نہایت ہی مکروہ الزامات عائد کیے۔ (ان کی عبارات پیچھے گزر چکی ہیں) اور ان کا انتہائی گھناؤنا کردار امت کے سامنے پیش کیا۔ حالانکہ تمام ارباب سِیَر و مؤرخین اور ''معرفت صحابہ'' کے عنوان پر لکھنے والے جملہ مصنفین نے ان کے 8ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قبول اسلام کا ذکر کیا ہے اور اسلام ہی کی حالت میں ان کی وفات 32ھ میں مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کی اقتداء میں سینکڑوں صحابہؓ و تابعین نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ پھر انہیں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

نبی اکرمؐ کے دست اقدس پر بیعت اور اسلام قبول کرنے کے بعد جس شخص کی موت بھی اسلام پر ہو تو اس کے ''صحابی'' ہونے میں کسی مومن بالقرآن کو ذرہ برابر بھی شک نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی مدینہ بدری کا قصہ

جن حضرات نے حضرت حکمؓ کی جلاوطنی کا من گھڑت واقعہ نقل کیا ہے تو انہوں نے اسی مقام پر حضرت مروانؓ کی بھی تصریح کی ہے کہ انہیں بھی اپنے والد کے ساتھ ہی جلاوطن کیا گیا تھا۔ مولانا مودودی صاحب نے جلاوطن کیے جانے کے وقت حضرت مروانؓ کی عمر کی بھی تصریح کر دی کہ:

"مروان اس وقت سات آٹھ برس کا تھا اور وہ بھی اس کے ساتھ طائف میں رہا.... مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس کا سیکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا.... لیکن یہ مان لینا لوگوں کے لیے سخت مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتوب شخص کا بیٹا اس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اسے خلیفہ کا سیکرٹری بنا دیا جائے خصوصاً جب کہ اس کا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔" (خلافت وملوکیت ص 110-111)

مولانا مودودی صاحب نے "جلاوطنی" کے وقت حضرت مروانؓ کی عمر 7-8 برس تسلیم کر کے حضرت مروانؓ کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اب ان کے لیے ان کی صحابیت سے انکار کی گنجائش ختم ہو گئی ہے کیونکہ جب اس سے بھی کم عمر کے بچوں کو صحابہ کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے تو پھر حضرت مروانؓ کو اس فہرست سے کیوں کر خارج کیا جا سکتا ہے؟

حضرت حکمؓ کی جلاوطنی کی حقیقت تو گذشتہ صفحات میں واضح کر دی گئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس "مفروضہ" جلاوطنی کے "مکذوبہ قصے" میں حضرت مروانؓ کا کیا قصور ہے؟ ان کے باپ کے حوالے سے تو ان کے "ناشائستہ افعال" کا ذکر کر دیا جاتا ہے لیکن بتایا جائے کہ حضرت مروانؓ

کو کس جرم کی پاداش میں جلاوطن کیا گیا تھا؟ باپ کے جرم کی وجہ سے بیٹا کس طرح ''مجرم'' قرار پاسکتا ہے؟ پھر انہیں ''ابن معتوب'' کہنے سے کون سا مقصد حاصل ہوا؟

حضرت مروانؓ کی عمر 7-8 برس لکھ کر یہ حقیقت بھی تسلیم کر لی گئی کہ وہ اس وقت مرفوع القلم اور نابالغ تھے لہٰذا جلاوطنی کے لیے انہیں ''خطا کار'' ثابت کرنا اور برائیوں کا مرتکب قرار دینا کیا انتہائی بھونڈی حرکت اور شریعت سے جہالت نہیں ہے؟ بغیر کسی ''قصور'' کے سات آٹھ سالہ بچے کو جلاوطن کرنے کا الزام خود نبی اکرمؐ پر بہتان عظیم ہے۔ آپؐ نے تو بچوں پر رحم و شفقت کا حکم دیا ہے نہ کہ ان پر غضب کرنے اور ملک بدر کرنے کا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

''و مروان ابنه كان صغيراً اذ ذاك فانه من اقران ابن الزبير والمسور بن مخرمة عمره حين الفتح سن التميز اما سبع سنين أو اكثر بقليل أو أقل بقليل فلم يكن لمروان ذنب يطرد عليه على عهد النبيّ صلى الله عليه وسلم ولم تكن الطلقاء تسكن بالمدينة في حياة النبي صلّى الله عليه وسلّم۔

(منہاج السنۃ الجزء الثالث ص 195۔ طبع بیروت)

حضرت حکم کے بیٹے حضرت مروان جلاوطنی کے وقت چھوٹے تھے کیونکہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ اور مسور بن مخرمہؓ کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ فتح مکہ کے وقت وہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے ان کی عمر اس وقت سات سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی یا کچھ کم تھی۔ لہٰذا ان کا کوئی گناہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ انہیں نبی اکرمؐ کے زمانے میں جلاوطن کیا جاتا اور نہ ہی نبی اکرمؐ کی حیات طیبہ میں ''طلقاء'' مدینہ میں رہائش رکھتے تھے۔

مولانا مودودی صاحب نے کس خوبصورتی کے ساتھ باپ کی ''مفروضہ'' خطاؤں کو بیٹے کے سر منڈھ دیا ہے کہ ''لوگوں کے لیے یہ مان لینا سخت مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتوب شخص کا بیٹا بھی اس بات کا اہل ہے کہ ....''

اگر بفرض محال اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت حکمؓ کے ناشائستہ افعال کی

بناء پر باپ بیٹے کو مدینہ بدر کیا گیا تھا تو اس میں بھلا بیٹا کس اصول کی رو سے "مقصوروار" ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ مودودی صاحب کے اس خودساختہ اصول کی رو سے تو پھر کسی صحابی کی عزت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی اور اکثر صحابہ کو "نااہل" قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ صحابہ کے کسی نہ کسی رشتہ دار سے تو ضرور خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔

کیا باپ کے جرم کی وجہ سے بیٹا بھی مستحق سزا یا لائق ملامت ہوا کرتا ہے؟ کیا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے جرائم کی وجہ سے اس کے مخلص بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی "مقصوروار" ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ کیا ابوجہل کے جرائم کی وجہ سے اس کے صحابی بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی "ابن مغضوب" کہلاسکتے ہیں؟

اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر حضرت مروانؓ پر ان کے والد کے کسی ناکردہ "جرم" کی بناء پر انگلی کیوں اٹھائی جاتی ہے؟

حضرت مروانؓ کی سعادت ہے کہ ان کی پرورش وتربیت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت راشدہ میں خالص اسلامی ماحول اور پاکیزہ معاشرے میں ہوئی تھی۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت حکمؓ اور حضرت مروانؓ کی مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ سے جلاوطنی کا قصہ ہی لغو اور باطل ہے؛ لہٰذا اس کی رو سے "باپ بیٹے" کو خطا کار اور مغضوب ابن مغضوب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملعون ابن ملعون کے الزام کی حقیقت

سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما تاریخ اسلام کی مظلوم ترین شخصیت ہیں جن کے خلاف ''بے گانے'' تو رہے ایک طرف بعض ''یگانوں'' نے بھی خوب یلغار کی ہے۔ یہ ایسی مظلوم شخصیت ہیں جنہیں دنیا میں آنے سے پہلے ہی ''ملعون'' قرار دے دیا گیا۔ پھر جب وہ عہد طفولیت میں تھے اور عدم بلوغت کی وجہ سے احکام شرعیہ کے مکلف بھی نہ تھے 7-8 برس کی عمر میں ناکردہ ''جرائم'' کی بناء پر مدینہ منورہ سے طائف کی طرف ''جلاوطن'' کر دیے گئے۔ اسی سے ان کی زندگی کے اگلے مراحل کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس کا ذکر آگے آنے والے اعتراضات و الزامات کے ضمن میں آرہا ہے۔ سر دست زیر بحث عنوان کے تحت چند ''روایات'' ہدیۂ قارئین کی جارہی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

1۔ عن الشعبی قال سمعت عبداللّٰہ بن الزبیر و ھو مستند الی الکعبة وھو یقول: و ربّ ھٰذہ الکعبة لقد لعن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فلانا وما ولد من صلبه" (مسند احمد تحت مسندات عبداللہ بن زبیرؓ)

شعبی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو کعبہ سے ٹیک لگائے یہ فرماتے ہوئے سنا: اس کعبے کے رب کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں شخص (یعنی حکمؓ) اور اس کی پشت سے جو اولاد ہوئی، (یعنی مروان) پر لعنت فرمائی ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

"و ربّ ھٰذا البیت لقد لعن اللّٰہ الحکم و ما ولد علی لسان نبیّه صلّی اللّٰہ علیه وسلّم۔

اس گھر (کعبہ) کے رب کی قسم کہ اللہ نے حکم اور اس کی اولاد پر اپنے نبی کی زبان سے لعنت کی ہے۔ (البحر الزّخّار المعروف بمسند البزّار۔ الجزء السادس ص 159)

2۔ عن عبداللہ بن الزبیرؓ قال: انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعن الحکم وولدہ۔ (المستدرک للحاکم۔جلد4۔ص481۔کتاب الفتن والملاحم تحت ذکر ابغض الاحیاء الی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم)

عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحکم اور اس کی اولاد پر لعنت فرمائی ہے۔

3۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب التفسیر سورۃ الاحقاف آیت 17 کے تحت یہ روایت بیان کی ہے کہ:

حضرت معاویہؓ نے مروان بن الحکمؓ کو جب مدینہ کا امیر مقرر کیا تو انہوں نے ایک مرتبہ بیعت یزید پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے خطبہ دیا اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کچھ کہا تو مروانؓ نے کہا: انہیں پکڑو۔ تو وہ (عبدالرحمٰن) حضرت عائشہؓ کے گھر میں داخل ہو گئے اور ظاہر ہے کہ ان کے گھر کسی کو جانے کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی۔

پس مروانؓ نے کہا: یہ وہی شخص ہے جس کے بارے قرآن کی یہ آیت اتری ہے

"والّذی قال لوالدیہ افٍ لکما أتعداننی"

تو حضرت عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا:

قرآن ہمارے بارے میں کچھ نہیں اترا سوائے اس کے کہ اللہ نے میری برأت نازل فرمائی۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ اسی قدر بیان کیا گیا ہے لیکن 'معاندین' حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور حضرت عائشہؓ کی زبانی حضرت مروانؓ پر لعنت کرائے بغیر کس طرح چین سے بیٹھ سکتے تھے چنانچہ امام حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبان سے سیدنا مروانؓ کو یہ جواب دلوایا:

"کذب واللّٰہ ماھو بہ ولکن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لعن ابامروان ومروان فی صلبہ فمروان فضض من لعنۃ اللّٰہ عزّ و جلّ"

(المستدرک للحاکم جلد8 ص259۔کتاب الفتن والملاحم تحت ذکر ابغض الاحیاء الی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم)

مروان نے غلط کہا۔ اللہ کی قسم! اس طرح بات نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ کو لعنت کی اور مروان اس کی پشت میں تھا۔ پس مروان اللہ کی لعنت کا بکھرا ہوا ایک ٹکڑا ہے۔

جب کہ خود حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی زبانی حضرت مروانؓ کے لیے یہ الفاظ کہلوائے کہ:

ألست ابن اللعين الّذي لعنه رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم"

(فتح الباری جلد 8۔ص 577۔تحت رقم الحدیث 4827)

کیا تو لعین کا بیٹا نہیں ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے؟

4۔ امام حاکم نے حضرت حکمؓ اور ان کی اولاد کے بارے میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ:

"....لعن اللّٰه الحكم وما ولد ....أن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم لعن الحكم و ولده۔"(مستدرك للحاكم جلد 4 ص 481 جلد 8۔ص 259۔ کتاب الفتن والملاحم....)

اللہ نے حکم اور اس کی اولاد پر لعنت کی ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے پہلے ایک مضمون میں اس روایت کو "مشتبہ اور مشکوک" قرار دیا تھا لیکن بعد میں اس کی توثیق کر بیٹھے۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"یہاں ایک بات کا اعتراف کرنا میں دیانتاً ضروری سمجھتا ہوں اگر چہ وہ براہ راست موضوع سے متعلق نہیں اور وہ یہ کہ:

میں نے مروان بن حکم کی مذکورہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے ضمناً یہ بھی لکھا تھا کہ اس روایت کے آخری الفاظ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ: "لعن اللّٰه الحكم و ماولد" بہت مشکوک اور مشتبہ ہیں۔ مجھے اس وقت تک اس حدیث کی تحقیق نہیں تھی۔ ملک غلام علی صاحب کے توجہ دلانے پر میں نے مستدرک حاکم کی طرف رجوع کیا، ملک صاحب کے دیے ہوئے حوالے کے مطابق اس کے صفحہ 481۔ جلد 4 پر

مجھے یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ مل گئی جس کی امام ذہبی نے بھی توثیق کی ہے۔"

(ماہنامہ البلاغ کراچی ذی الحجہ 1390ھ /حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص 175-176 تاریخ طباعت جمادی الثانیہ 1401ھ /اپریل 1981)

ملک غلام علی صاحب اور مفتی تقی عثمانی صاحب کی تردید میں مفتی اعظم پاکستان مولانا ولی حسن صاحب ٹونکی نے ایک مفصل اور مدلل مضمون رقم فرمایا (ملاحظہ ہو ماہنامہ بینات کراچی ربیع الثانی 1391ھ) جس سے متاثر ہو کر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے مذکورہ رجوع سے بھی "رجوع" کر لیا۔

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"احقر نے ذی الحجہ (1390ھ) کے البلاغ میں لکھ دیا تھا کہ ملک صاحب کے دیے ہوئے حوالے کے مطابق مستدرک صفحہ 481 ۔جلد 4 پر مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی جس کی حافظ ذہبی نے بھی توثیق کی ہے۔

اب ربیع الثانی (1391ھ) کے بینات میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔جس میں انہوں نے میری اس عبارت پر گرفت کر کے حدیث کی مفصل تحقیق درج فرمائی ہے۔اب میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہم کی تحقیق پر مطمئن ہوں اور اس تنبیہ پر ان کا شکر گزار۔

مجھے مدیر بینات کے ان الفاظ سے بھی پورا اتفاق ہے کہ ہمارے بزرگوں کا ذوق یہی ہے کہ مروان کو نہ صحابہ کرام کے مخصوص لقب "رضی اللہ عنہ" سے جا بجا یاد کرتے ہیں نہ اس پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔" (ماہنامہ "البلاغ" کراچی ۔جمادی الاولی 1391ھ بحوالہ "خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا علمی تجزیہ ص 483۔طبع پنجم نومبر 1984ء)

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے ملک غلام علی صاحب کی نشان دہی پر کافی غور و خوض کے بعد حدیث "لعن اللّٰہ الحکم وما ولد" کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کی توثیق کی پھر مذکورہ حدیث کے بارے میں اپنے سابقہ موقف سے رجوع کرتے ہوئے دیا تھا اس کا

اعتراف اپنے رسالہ میں بھی کیا۔ جس پر مولانا مفتی ولی حسن صاحب نے گرفت کی تو پھر حضرت عثمانی صاحب نے اس ''رجوع'' سے بھی ''رجوع'' کرلیا۔

ملک غلام علی صاحب اس ''رجوع عن الرجوع'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اب البلاغ کی یہ مراجعت کیا اس امر کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے گروہ کی کس حد تک ''من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو'' کی روش پر کاربند ہیں۔ صحیح بات سے ہٹنا اور غلط بات پر ڈٹنا ان کے لیے بالکل سہل ہے۔ جسے یہ اپنے حلقے کا آدمی سمجھتے ہیں وہ اگر نہایت کمزور اور رواہی بات کہہ دے تب بھی اسے لپک کرلیں گے....''

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 483-484)

مفتی تقی عثمانی صاحب اور ملک غلام علی صاحب ایک طویل عرصہ تک اپنے اپنے رسائل (ترجمان القرآن لاہور اور البلاغ کراچی) میں جواب اور جواب الجواب قسط وار شائع کرتے رہے اور دونوں حضرات نے بعد میں ان ہی مضامین کو ''حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' اور ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' کے نام سے باقاعدہ کتابی شکل بھی دی اور اب تک دونوں کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ملک غلام علی صاحب نے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے دونوں ''رجوع'' اپنی کتاب میں شامل کیے ہیں جب کہ مفتی صاحب نے صرف ''حدیث "لعن اللہ الحکم و ما ولد" کی تائید وتوثیق میں اپنے سابقہ موقف (جس میں اس حدیث کو مشکوک ومشتبہ قرار دیا گیا تھا) سے ''رجوع'' کو اپنی کتاب کا حصہ بنایا ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے اس ''رجوع'' سے ''رجوع'' البلاغ (جمادی الاولیٰ 1391ھ) میں شائع کرایا تھا مگر اپنی کتاب کے کسی ایڈیشن میں اس کا ذکر تک نہ کر سکے۔ راقم الحروف کے پاس مفتی صاحب کی کتاب کا جو ایڈیشن ہے اس پر تاریخ طباعت ''جمادی الثانیہ 1401ھ / اپریل 1981ء'' درج ہے۔ اب جن حضرات کے پاس مفتی صاحب کی کتاب ''حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' موجود ہے وہ تو اس سے یہ سمجھتے رہیں گے کہ

حضرت حکم اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما پر لعنت کی حدیث "لعن اللّٰہ الحکم وما ولد" صحیح ہے جس کی مفتی صاحب نے توثیق کرتے ہوئے اسے اپنی مایہ ناز کتاب کا نہ صرف حصہ بنایا ہے بلکہ "قلمی مناظرے" میں حریف کی برتری کا بھی اعتراف کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ "رجوع عن الرجوع" (جمادی الاولیٰ 1391ھ) کے 10 سال بعد (جمادی الثانیہ 1401ھ) میں حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" کا جو ایڈیشن شائع ہوا ہے اس میں بیان کردہ "رجوع" کو ہی ترجیح حاصل ہوگی اور وہ ملک غلام علی صاحب کی تائید میں حدیث "لعن اللّٰہ الحکم وما ولد" کی توثیق پر مبنی ہے۔

مولانا محمد انور شاہ کاشمیری کے داماد مولانا سید احمد رضا بجنوری نے حضرت مروانؓ کے خلاف "فرد جرم" میں اس "حدیث" کا بھی خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ "مستدرک حاکم صفحہ 481 جلد 2 میں یہ حدیث ہے جس کی سند صحیح ہے اور اس کی توثیق علامہ ذہبی نے بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم اور اس کی اولاد پر لعنت کی ہے۔ (انوار الباری جلد 17 ص 193)

حضرت حکم اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما پر لعنت سے متعلق مذکورہ تمام روایات کے سرسری مطالعہ سے ہی ایک منصف مزاج قاری بلا توقف و بلا تامل انہیں "واہی، لغو، باطل اور موضوع" قرار دے گا۔ ان روایات کو صحیح اور درست تسلیم کرنے سے نہ صرف حضرت حکم اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کی توہین ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ، نبی اکرمؐ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور حضرت عائشہؓ پر بھی بہتان عائد ہوتا ہے۔

مذکورہ روایات میں صرف صحیح بخاری کی روایت صحیح ہے جس میں لعنت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور وہ صحابہ کے کردار سے بھی پوری پوری مطابقت رکھتی ہے۔ اس کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اپنے گورنر سے احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ایک مسئلہ کے بارے میں اختلاف کا برملا اظہار کیا ہے جب کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی برأت ثابت کی ہے جس سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک امام حاکم کی روایات کا تعلق ہے تو صحابہؓ کے خلاف ان سے حجت نہیں

پکڑی جاسکتی کیونکہ علامہ ابن طاہر مقدسی لکھتے ہیں کہ:

"رافضی خبیث .....کان شدید التعصب للشیعة فی الباطن وکان یظهر التسنن فی التقدیم والخلافة....

کان منحرفا عن معاویة واٰله متظاهرا بذلك ولا یعتذر منه

(تذکرة الحفاظ للذهبی تحت ابوعبدالله الحاکم)

یعنی امام حاکم "امام الحدیث" ہونے کے ساتھ ساتھ رافضی خبیث ہے۔ جب کہ امام ذہبی اور ابن حجر دونوں کہتے ہیں کہ:

"الله یحب الانصاف ماالرجل برافضی بل شیعی فقط"

(میزان الاعتدال جلد سوم ص 608/ لسان المیزان جلد 5۔ص 236)

اللہ انصاف کو پسند کرتے ہیں حاکم رافضی نہیں تھے صرف شیعہ تھے۔

راقم الحروف نے امام حاکم کی تحریرات کی روشنی میں انہیں "رافضی" ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ"۔

لعنت سے متعلق روایات خواہ مستدرک میں ہوں یا مسند یا دیگر کتب میں روایتاً و درایتاً لغو، موضوع اور باطل ہیں۔ ایک روایت میں تو حضرت عائشہؓ اور نبی اکرمؐ دونوں پر بہتان تراشا گیا کہ "ولکن رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن ابامروان ومروان فی صلبه"

کیا یہ روایت ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم کی جاسکتی ہے؟

حضرت مروانؓ ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے تھے اور حضرت حکمؓ 8ھ میں فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ نے 2ھ سے پہلے ہی حضرت حکمؓ پر لعنت بھیجی ہوگی اور اس وقت وہ حالت کفر میں تھے۔

اگر بفرض محال اس روایت کو درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو "قبول اسلام" کے بعد اس کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

امام ذہبی نے مستدرک حاکم کی مذکورہ روایت کے تحت واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ:

"قلت: فيه انقطاع محمد لم يسمع من عائشة"

یعنی محمد ابن زیاد (راوی) نے حضرت عائشہؓ سے یہ روایت نہیں سنی۔ بلکہ درمیان میں ایک راوی ساقط ہے جس کے ذریعے یہ روایت محمد راوی مذکور کو پہنچی۔ ملاحظہ ہو:

(تلخیص مستدرک جلد 4۔ص 481)

ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

"أنّ الحكم بن أبي العاص استأذن على النبيّ صلّى الله عليه وسلّم فعرف النبيّ صلّى الله عليه وسلّم صوته و كلامه فقال: ائذ نواله ، عليه لعنة الله و على من يخرج من صلبه الّا المؤمن منهم۔"

ایک مرتبہ حکم بن ابی العاص نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے اس کی آواز اور کلام سے پہچان لیا تو فرمایا: اسے اجازت دے دو۔ اللہ تعالیٰ کی اس (یعنی حکم) پر اور اس کی صلب سے نکلنے والے یعنی اولاد پر لعنت ہو مگر مومن اس سے مستثنیٰ ہے۔

(المستدرک جلد 4 ص 481، جلد 8۔ص 259)

اس روایت کی رو سے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ حضرات خود مستثنیٰ ہو گئے ہیں پھر اس حدیث کی رو سے سیدنا حکم اور سیدنا مروان رضی اللہ عنہما پر لعنت کی کیا حیثیت ہے؟

اگر اس "مستثنیٰ" کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تو پھر صحیح مسلم کے اس باب کی طرف مراجعت کر لی جائے جس کا یہ عنوان ہے کہ:

"من لعنه النبيّ وليس هو أهلها فهي له زكوٰة واجر۔"

یعنی جس پر نبی اکرمؐ نے لعنت کی اور وہ لعنت کا مستحق نہ تھا تو اس کے لیے یہ چیز باعث رحمت اور اجر ہو گی۔

امام مسلم اس باب کی ابتداء میں حسب ذیل روایات لائے ہیں:

1۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ دو شخص رسول اکرمؐ کے پاس آئے۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ سے کیا باتیں کیں؟ آپؐ کو غصہ آیا آپؐ نے ان دونوں پر لعنت کی

اوران کو برا بھلا کہا۔ جب وہ باہر نکلے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان دونوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا: اس وجہ سے کہ آپؐ نے ان پر لعنت کی اور ان کو برا بھلا کہا۔

آپؐ نے فرمایا: تجھے معلوم نہیں۔ میں نے اپنے رب سے یہ شرط کرر کھی ہے کہ اے اللہ! میں ایک بشر ہوں جس مسلمان پر میں لعنت کروں یا اس کو برا بھلا کہوں تو اس کو پاک کر اور ثواب دے۔

2۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ! میں ایک آدمی ہوں جس مسلمان کو میں برا کہوں یا لعنت کروں یا ماروں تو اس کو پاک کردے اور اس پر رحمت کر۔ (صحیح مسلم ۔ کتاب البرّ والصّلۃ والادب۔ باب من لعنہ النبیّ ولیس ھو أھلا لھافھی لہ زکوۃ وأجر)

قول سیدہ عائشہؓ "ولکن رسول اللّٰہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لعن أبامروان ومروان فی صلبہ" کے متعلق امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

"ویروی انھا بعثت الی مروان تعتّبہ وتؤنّبہ وتخبرہ بخبرفیہ ذم لہ ولابیہ لایصح عنہ" (البدایۃ والنھایۃ جلد 8۔ ص 89۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تحت 58ھ)

یعنی جن روایات میں یہ مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مروانؓ کو عتاب اور زجر و توبیخ کی اور ایک ایسی خبر دی کہ جس میں مروانؓ اور ان کے باپ کے لیے مذمت مذکور تھی تو وہ روایات صحیح اور درست نہیں۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ملک غلام علی صاحب کی مستدرک حاکم کے حوالے سے جس روایت "لعن اللّٰہ الحکم وما ولد" کی توثیق فرمائی تھی مولانا مفتی ولی حسن صاحب نے ماہنامہ بینات کراچی ربیع الثانی 1391ھ میں اس کا جو تعاقب فرمایا ہے یہاں اس کی تلخیص و خلاصہ از قلم مفکر اسلام مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی سندیلوی سابق مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

مستدرک میں اس کی تین روایتیں مذکور ہیں۔ایک ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔اس پر حافظ ذہبی نے اعتراض فرمایا ہے کہ یہ منقطع ہے کیونکہ اس کا آخری راوی محمد بن زیاد حضرت عائشہؓ سے روایت کرتا ہے، اس کا سماع ام المومنینؓ سے ثابت نہیں ہے۔

دوسری روایت حضرت عمرو بن مرۃ جہنیؓ سے ہے اس میں ایک راوی ابوالحسن ہے جسے حافظ ذہبی نے مجہول لکھا ہے۔دوسرا راوی معتز بن سلیمان ہے جو شیعہ ہے (جب کہ صاحب مستدرک امام حاکم خود بھی شیعہ ہے۔از مؤلف کتاب ہذا)

منقطع اور مجہول راوی کی روایت محدثین اور علمائے دین کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔حاکم نے دوسری روایت کو صحیح کہا ہے لیکن علمائے حدیث کے نزدیک یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ ان کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ انہیں اس بارے میں بہت تساہل ہے چنانچہ حافظ ذہبی نے دونوں روایتوں پر اعتراض کر کے انہیں مردود قرار دیا ہے۔

تیسری روایت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ہے۔اسے بھی حاکم نے حسب عادت صحیح کہہ دیا ہے۔حافظ ذہبی حاکم کا لفظ ''صحیح'' نقل کر کے اس کی غلطی واضح کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

اس روایت کا مدار احمد بن محمد الدشرینی پر ہے جو ضعیف ہی نہیں بلکہ کذاب بھی ہے۔ابن عدی اسے کذاب کہتے ہیں۔ابن ابی حاتم بھی اسے ضعیف قرار دیتے ہیں اور اس سے روایت لینا ترک کر دیتے ہیں۔ان کا بیان ہے کہ ان کا پورا گھرانا (احمد سے لے کر دشرین تک) روایت میں ضعیف ہے۔

اس روایت میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن محمد ہے یہ مدلس ہے اور منکر روایتیں مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے۔

مزید یہ کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں بسلسلہ ترجمہ حضرت حکمؓ اسی قسم کی چند اور روایتیں بھی نقل کی ہیں اور سب پر نقد فرمایا ہے۔اس کے بعد فرماتے ہیں:

قال ابن السکن یقال أنّ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم دعا علیہ ولم یثبت

ذٰلك (الاصابه الجزء الاول ص345)

ابن السکن نے کہا کہ کہا جاتا ہے کہ نبی کریمؐ نے (حضرت حکمؓ کو) بد دعا دی تھی لیکن یہ بات ثابت نہیں ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک روایت میں حافظ صاحب نے ایک راوی ضرار بن صرد کے رفض کو بھی ظاہر فرمایا ہے۔

جناب مفتی ولی حسن صاحب کی تنقید ختم ہوگئی جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سند کے اعتبار سے ان روایتوں میں کوئی جان نہیں ہے اور یہ یقیناً سبائیوں کی وضع کی ہوئی جعلی کہانیاں ہیں۔ اس کے بعد مجھے دو لفظ اور عرض کرنا ہیں۔

اگر بالفرض ہم ان سب جعلی روایتوں کو صحیح تسلیم کرلیں تو بھی معترض کا مقصد نہیں حاصل ہوسکتا۔

اولاً۔ اس لیے کہ ان ہی روایتوں میں سے ایک روایت میں "الا المؤمنین منھم" (سوا ان کے مومن افراد کے) کے الفاظ بھی ہیں۔ اس زیادتی کو حسب قاعدہ محدثین سب روایتوں میں تسلیم کرنا پڑے گا اور اس کے بعد بات ختم ہوجاتی ہے۔ کفر کی حالت میں لعنت کا مستحق ہر کافر ہوتا ہے، اس میں کسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مومن ہونے کے بعد جب وہ زائل ہوگئی تو اس پر طعن کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت حکم و حضرت مروان رضی اللہ عنہما مومن تھے تو لعنت سابقہ کا ان پر کیا اثر پڑسکتا ہے؟ اور مومن ہونے کے بعد انہیں ملعون کہنا کس طرح جائز ہوگا؟

ثانیاً۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب المرأۃ تطرح عن المصلّی (شیئاً من الاذیٰ۔ رقم الحدیث 520) میں مذکور ہے کہ نبی کریمؐ نے پورے قبیلہ قریش کے لیے بد دعا فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

اللّٰھم علیك بقریش (اللّٰھم علیك بقریش ، اللّٰھم علیك بقریش ۔یعنی ثلاث مرّات۔ از مؤلف کتاب ہٰذا) اے اللہ قریش کو ہلاک کیجیے۔ (تین مرتبہ فرمایا)

کفر کی حالت میں ہلاکت کے معنی غضب الٰہی اور عذاب دائم میں مبتلا ہونے کے ہیں۔

لعنت کے معنی بھی رحمت سے دور کرنے کے ہیں۔

دونوں بددعاؤں کا ماحصل ایک ہی ہے۔معترض صاحب فرمائیں کہ کیا وہ معاذ اللہ سب قریشیوں کو مغضوب علیہم سمجھتے ہیں؟واضح رہے کہ اس وقت تک قریش کی اکثریت مسلمان نہیں ہوئی تھی۔بنو ہاشم میں بھی بہت کم لوگ مسلمان ہوئے تھے۔اس کا جو جواب ان کی سمجھ میں آئے وہی ان کے اعتراض کا بھی قلع قمع کر دے گا۔

ثالثاً۔ زیر بحث روایت میں "لعن اللہ" خبر ہے یا بددعا؟اگر بددعا ہے تو لازم آتا ہے کہ وہ قبول نہیں ہوئی۔کیونکہ حضرت حکمؓ اور ان کی اولاد کو ایمان نصیب ہوا۔اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی ہوتی تو ایمان کیسے نصیب ہو جاتا؟

اور اگر خبر ہے تو اشکال یہ ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کی خبر خلاف واقع کیسے ہو سکتی ہے؟حالانکہ یہ حضرات خود بھی ایمان لائے اور ان کی نسل میں لاکھوں مومن پیدا ہوئے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز(بن مروانؓ)ایسے مومن کامل اور مجدد وقت بھی ان کی نسل میں پیدا ہوئے۔

ان امور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سند سے قطع نظر درایت بھی یہی بتا رہی ہے کہ معترض کی نقل کردہ روایتیں موضوع،جعلی اور سبائی کارخانے کی تیار کی ہوئی ہیں۔

معترض علم اور فہم دین سے محروم ہونے کی وجہ سے اس قدر جری ہیں کہ انہوں نے ترجمان القرآن مئی 1971ء میں حضرت مروانؓ کے لیے "لعنت زدہ" کا لفظ استعمال کیا۔ کاش انہیں اس حدیث نبوی کا علم ہوتا جس میں فرمایا گیا ہے کہ کسی غیر مستحق لعنت پر لعنت کرنے سے وہ لعنت خود "لاعن" کی طرف واپس آجاتی ہے اور وہ "لاعن" کے ساتھ ساتھ)"ملعون" بھی ہو جاتا ہے۔(مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللسان ص 413)

(اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت جلد اول 267-269)

سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سیدنا مروانؓ کو نہ صرف "برا" کہنے کی اجازت دی بلکہ خود بھی اپنے "فتاویٰ عزیزی کامل" میں دو مرتبہ "باب خلافت" (ص 250)اور باب العقائد(ص 414-413) میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ

کے اسم گرامی کے ساتھ ''علیه اللعنة'' اور ''شیطان'' لکھا ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری فرماتے ہیں کہ:

''بہت سے لوگ روافض سے متاثر ہو کر یزید پر لعنت کرتے ہیں۔ بھلا اہل سنت کو روافض سے متاثر ہونے کی کیا ضرورت؟ ان کو اسلامی اصولوں پر چلنا چاہیے.... اہل سنت اپنے اصول پر قائم رہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ ان ہی اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ لعنت صرف اس پر کی جا سکتی ہے جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو۔ یزید اور اس کے اعوان و انصار کا کفر پر مرنا کیسے یقینی ہو گیا جس کی وجہ سے لعنت جائز ہو جائے؟....

امام غزالیؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ مخصوص کر کے یعنی نام لے کر افراد و اشخاص پر لعنت کرنا بڑا خطرہ ہے اس سے پرہیز کرنا لازم ہے اور جس کو لعنت کرنا جائز ہو اس پر لعنت کرنے سے سکوت اختیار کرنا کوئی گناہ اور مواخذہ کی چیز نہیں ہے۔ پھر فرمایا: ''فالاشتغال بذکر الله اولی فان لم یکن ففی السکوت سلامة'' یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا اولیٰ اور افضل ہے۔ اگر ذکر اللہ میں مشغول نہ ہو تو پھر خاموشی میں سلامتی ہے۔ کیونکہ لعنت نہ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں اور نام لے کے کسی پر لعنت کر دی تو یہ پُر خطر ہے کیونکہ وہ لعنت کا مستحق نہ ہوا تو لعنت کرنے والے پر لعنت لوٹ آئے گی۔''

(زبان کی حفاظت ص 84-85 مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''الوزغ ابن الوزغ'' کے الزام کی حقیقت

امام حاکم نے حضرت حکم اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کے متعلق بروایت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اسے دعا و تبریک کے لیے نبی اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا تو آپؐ اس کے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب مروان بن حکم کو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

''ھو الوزغ ابن الوزغ ، الملعون ابن الملعون''

یعنی گرگٹ کا بیٹا گرگٹ ہے اور ملعون کا بیٹا ملعون ہے۔

(مستدرک للحاکم۔ کتاب الفتن والملاحم جلد4۔ص479 تحت عنوان ''اذا بلغت بنی امیة اربعین'' حیٰوۃ الحیوان للدمیری اردو جلد اول ص211۔تحت ''خلافت مروان بن الحکم'')

علامہ کمال الدین الدمیری (م808ھ) ایک دوسرے مقام پر ''اَلْـــوَزَغَۃُ'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اَلْوَزَغَۃُ'' (واو، زا، غین کے فتحہ کے ساتھ) اس سے مراد ایک معروف چوپایہ ہے اور وہ گرگٹ ہے۔ گرگٹ اور چھپکلی کی جنس ایک ہی ہے لیکن چھپکلی گرگٹ سے بڑی ہوتی ہے۔ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گرگٹ موذی جانوروں میں سے ایک جانور ہے۔ حضرت ام شریکؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرمؐ سے گرگٹوں کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی پس نبی اکرمؐ نے اجازت دے دی۔

نبی اکرمؐ نے گرگٹ کے قتل کا حکم دیا اور اس کا نام ''فویسق'' (یعنی شریر) رکھ دیا اور فرمایا کہ گرگٹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف آگ میں پھونکیں مار رہا تھا...

(اس طرح کی دیگر روایات بیان کرنے کے بعد علامہ دمیری بحوالہ مستدرک للحاکم اور بروایت حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ لکھتے ہیں کہ:

نبی اکرمؐ کے زمانے میں کسی کا جب بھی کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو نبی اکرمؐ کے پاس لایا جاتا تھا پس آپؐ اس کے لیے دعا فرماتے: پس جب مروان بن حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

"هو الوزغ ابن الوزغ ، الملعون ابن الملعون"

یہ گرگٹ کا بیٹا گرگٹ ہے اور ملعون کا بیٹا ملعون ہے۔

حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (حیٰوۃ الحیوان اردو جلد دوم ص 729)

سخت تعجب ہے کہ مولانا عبد العزیز پُرہاروی (1239ھ) جیسے محقق عالم بھی امام حاکم پر اعتماد کر کے حدیث "هو الوزغ ابن الوزغ ، الملعون ابن الملعون" کو حضرت مروانؓ کی مذمت میں لکھ گئے کہ:

"وقول النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم حين اتى به للتحنيك هوالوزغ ابن الوزغ الملعون ابن الملعون۔رواه الحاكم في صحيحه۔" (الناهية عن طعن المؤمنين معاوية ص 45)

اور نبی اکرمؐ کا یہ ارشاد کہ جب ان کو تحنیک کے لیے لایا گیا وہ یعنی مروان ''وزغ ابن وزغ ملعون ابن ملعون'' ہے۔ اس کو حاکم نے اپنی صحیح (مستدرک) میں روایت کیا ہے۔

کسی اموی صحابی کے خلاف کسی روایت میں ''امام حاکم'' کا اسم گرامی آ جائے تو اس کے موضوع ہونے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے۔

یہ روایت قطعاً قابل تبصرہ نہیں ہے۔ الفاظ کی ''بناوٹ'' ہی سے صاحب مستدرک اور علامہ دمیری کا اندرونی بغض ظاہر ہو جاتا ہے۔

حضرت حکمؓ کے ہاں حضرت مروانؓ کی ولادت ہجرت کے دو سال بعد مکہ مکرمہ میں ہوئی اس وقت نبی اکرمؐ مدینہ منورہ میں تھے اور حضرت حکمؓ خود فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے؛ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ''کافر'' شخص اپنے نومولود بچے کو مکہ سے مدینہ لا کر دعاو

تبریک کے لیے اسے نبی اکرمؐ کی خدمت میں پیش کرے؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکمؓ نے دعا و تبریک کے لیے حضرت مروانؓ کو نبی اکرمؐ کی خدمت میں فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے مواقع پر پیش کیا تھا اس وقت حضرت مروانؓ کی عمر 6 سال اور 8 سال تھی۔

صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر بنی عبدالمطلب کے دو بچوں نے آپؐ کا استقبال کیا تھا۔ آپؐ نے ایک بچے کو اپنے آگے اور دوسرے کو پیچھے سوار کرلیا۔ (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری۔ کتاب المناسك باب استقبال الحاج القادمین)

اسی طرح دیگر قریشی بچوں نے بھی آپؐ کا استقبال کیا۔ آپؐ نے سب بچوں کے لیے دعا کی اور ان کے ساتھ نہایت ہی محبت و شفقت کے ساتھ پیش آئے۔

امام حاکم اور دیگر حضرات کا ہر زاویہ سے نبی اکرمؐ پر یہ صریح بہتان ہے کہ آپؐ نے حکمؓ و مروانؓ کے بارے میں "هو الوزغ ابن الوزغ ، الملعون ابن الملعون" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ سبحنك هذا بهتان عظیم

امام حاکم کی جرأت و نارواجسارت ملاحظہ ہو کہ نبی اکرمؐ پر بہتان اور صحابہ کی توہین پر مبنی اس روایت کو ''صحیح الاسناد'' کہہ کر ''معتبر'' قرار دے رہے ہیں۔

امام ذہبیؒ نے اسی روایت کے تحت اس کا یوں پول کھولا ہے کہ:

"قلت لا واللّٰه و میناء كذبه ابوحاتم"

میں کہتا ہوں: (کہ حاکم کی یہ بات درست نہیں ہے کہ یہ روایت صحیح ہے) اللہ کی قسم ایسی بات نہیں ہے اور اس روایت کے راوی ''میناء'' کو امام جرح و تعدیل ابوحاتم رازی نے جھٹلایا ہے۔

(تلخیص مستدرک جلد 4۔ ص 479۔ تحت روایت ، المغنی فی الضعفاء للذهبی ص 691 الجزء الثانی تحت میناء ابن ابی میناء)

امام ابوحاتم رازی نے ''میناء'' کی تکذیب کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ:

"روى احادیث فی اصحاب النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم مناکیر لایعباء بحدیثه

کان یکذب"(کتاب الجرح والتعدیل جلد 4۔ص 395۔قسم اول تحت "میناء")

"مینا"(مولیٰ عبدالرحمٰن بن عوفؓ) نبی اکرمؐ کے صحابہ کے بارے میں منکر احادیث بیان کرتا تھا لہٰذا اس کی حدیث کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا، وہ جھوٹ بولتا تھا۔

ابن حبان "میناء" مولیٰ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"...وجب التنکب عن حدیثه"

(کتاب المجروحین لابن حبان۔جز ثانی ص 325۔تحت میناء)

"میناء" کی روایت سے اجتناب کرنا واجب اور الگ ہونا لازم ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس "میناء" راوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"...قال الجوزجانی انکر الأئمة حدیثه لسوء مذهبه۔

...قال ابن عدی ...انه یغلو فی التشیع ...

...قال یعقوب بن سفیان ...ان لا یکتب حدیثه"

(تهذیب التهذیب۔جلد10۔ص 397تحت میناء ابن ابی میناء)

ائمہ حدیث نے "میناء" کے برے مذہب کی وجہ سے اس کی حدیث سے انکار کیا ہے۔ابن عدی نے کہا وہ شیعہ مذہب میں غلو رکھتا تھا اور یعقوب بن سفیان نے کہا کہ "میناء" کی روایت کو نہ لکھا جائے اور نہ اس سے روایت قبول کی جائے۔

دشمنان صحابہ نے ایک خاص مقصد کے تحت حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت مروان بن حکمؓ اور بنو امیہ کی مذمت میں "احادیث" وضع کر کے ان کی خوب اشاعت کی جن سے بعض علمائے اہل سنت بھی متاثر ہو گئے جب کہ بعض تقیہ باز سنی نما رافضی و شیعی "علماء" نے دشمنانِ صحابہ کا خوب ہاتھ بٹایا۔مگر محقق علمائے اہل سنت ہر دور میں ان کی سازشوں کو بے نقاب کر کے اپنا فرض منصبی ادا کرتے رہے۔

چنانچہ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ:

"...ومن ذٰلك الاحادیث فی ذم معاویة وکلّ حدیث فی ذمّه فهو کذب۔

وکلُ حدیث فی ذم عمرو بن العاص فھو کذب۔

...وکذٰلك احادیث ذم الولید و ذم مروان بن الحکم۔"

(المنار المنیف فی الصحیح والضعیف فصل 37۔ص 117)

ان موضوع روایات میں سے وہ احادیث ہیں جو حضرت معاویہؓ کی مذمت میں منقول ہیں اور ہر وہ حدیث جو ان کی مذمت میں ہے دروغ اور جھوٹ ہے۔

اسی طرح ہر وہ حدیث جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مذمت میں ہے جھوٹ ہے۔

اور ہر وہ حدیث جو بنوامیہ کی مذمت میں ہے وہ کذب و جھوٹ ہے۔

اسی طرح وہ احادیث جو ولید اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کی مذمت میں ہیں جعلی، جھوٹی اور موضوع ہیں۔

ملا علی قاری نے بھی لعن طعن پر مشتمل ان روایات کو موضوع قرار دیا ہے چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"ومن ذٰلك الاحادیث فی ذمّ معاویة وذمّ عمروبن العاص و ذمّ بنی امیّة.... وذمّ مروان بن الحکم"

(موضوعات ملا علی قاری ص 106 تحت فصل وممّا وضعه جھلة المنتسبین الی السنة ، موضوعات کبیر (الاسرار المرفوعة فی اخبار الموضوعة) ص 477، کوثر النبیؐ از مولانا عبدالعزیز پرہاروی حصہ دوم تحت احادیث موضوعہ۔ بحوالہ مسئلہ اقربا نوازی۔ رحماء بینھم مؤلفہ مولانا محمد نافع صاحبؒ ص 304-308)

تحت حیرت ہے کہ صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ "معاصرت" کے باوجود "الوزغ ابن الوزغ ، الملعون ابن الملعون" قسم کی روایات سے آگاہ نہیں ہو سکے۔ اگر وہ بھی آگاہ ہوتے تو حضرت عثمانؓ جیسے افضل امت (بعد از شیخینؓ) اور خلیفہ راشد مروانؓ کو اپنا داماد کیوں بناتے؟ حضرت علیؓ اپنی بیٹی رملہ کا عقد معاویہ بن مروان بن

حکمؓ کے ساتھ کیوں کرتے؟ حضرت حسنؓ کی پوتی (زینب بنت حسن مثنٰی بن حسنؓ) کا نکاح مروانؓ کے پوتے (ولید بن عبدالملک بن مروانؓ) کے ساتھ کیوں ہوتا؟ حضرت حسنؓ کی ایک دوسری پوتی (نفیسہ بنت زید بن حسن) بھی ولید بن عبدالملک بن مروان کے حبالہ ٔ عقد میں کیوں کر آتیں؟

حضرت حسنؓ کی ایک تیسری پوتی (خدیجہ بنت حسین بن حسنؓ) کا نکاح حضرت مروانؓ کے حقیقی بھائی الحارث بن حکمؓ کے پوتے (اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکمؓ) کے ساتھ کیوں ہوتا؟

حضرت علیؓ اور حضرت مروانؓ کے خاندان میں سلسلۂ مناکحت اور نسبی روابط بھی مذکورہ روایات کے "موضوع اور باطل" ہونے پر مہر تصدیق ثبت کررہے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مبغوض قبیلے سے تعلق کا الزام

ناقدین مروانؓ کے نزدیک حضرت مروانؓ بن الحکمؓ بن ابی العاص بن امیہ کا تعلق خاندانِ بنو امیہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قابل نفرت تھے۔ چنانچہ امام حاکم اس قبیلے کی مذمت میں یہ روایت لائے ہیں کہ:

عن ابی برزہ الاسلمی قال کان ابغض الاحیاء الی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بنوامیّۃ وبنو حنیفۃ وبنو ثقیف۔

(المستدرک للحاکم جلد 4ص 481، جلد 8ص 258۔ کتاب الفتن والملاحم۔ذکر ابغض الاحیاء الی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم)

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: نبی اکرمؐ کے نزدیک تمام قبائل میں سے تین قبیلے نہایت ہی مبغوض یعنی قابل نفرت تھے۔

1۔بنوامیہ　　　2۔بنوحنیفہ　　　3۔بنوثقیف۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس قبیلے سے نفرت، کراہت اور بغض ہو تو اسے قرب عطا نہیں کیا جاتا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قبیلے کے ساتھ جو تعلق رہا ہے وہ مذکورہ روایت کی نفی اور ردّ دید کرتا ہے۔امام حاکم نے اپنی مخصوص ذہنیت کے تحت حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی روایت میں قبیلہ بنوامیہ کا نام از خود ہی داخل کر دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی مرویات اپنی مسند میں نقل کی ہیں ان میں 'بنوامیہ' کا سرے سے ذکر نہیں ہے صرف بنوحنیفہ اور بنوثقیف کا نام آیا ہے۔ملاحظہ ہو:

(مسند امام احمد تحت "مسندات اَبی برزہ اسلمی جلد 4۔ص 420)

مستدرک حاکم اور امام حاکم کے بارے میں کچھ "اشارات" پیچھے ایک موضوع حدیث "ملعون ابن ملعون" اور الوزغ ابن الوزغ" کے ضمن میں گزر چکے ہیں جو انہوں نے حضرت مروان بن حکمؓ کے بارے میں نقل کی تھی۔

تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام حاکم تصحیح حدیث میں متساہل واقع ہوئے ہیں اور انہوں نے نہ صرف ضعیف اور منکر بلکہ موضوع احادیث تک کو صحیح قرار دیا ہے۔علاوہ ازیں ان کی بعض روایات تو اہل سنت کے عقائد کے صریحاً خلاف ہیں۔اسی لیے بعض محدثین نے امام حاکم کی طرف "تشیع" کی نسبت کی ہے اور بعض نے کہا "روافض" کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے انہیں بہت سی احادیث کے ضعف کا احساس نہ ہو سکا۔

ابو عبد اللہ انصاری نے تو انہیں "خبیث رافضی" قرار دیا جب کہ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ: اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے حاکم رافضی نہیں صرف شیعہ تھا۔

شیعہ علماء نے بھی اس بات کی تائید کی کہ:

"وھو من ابطال الشیعة وسدنته للشریعة.....وذکر ابن شھرآشوب فی معالم العلماء وصاحب الریاض فی القسم الاول فی عدادا لامامیة علی مانقل منھا۔" (الکنی والالقاب جلد 2۔ص 170)

امام حاکم اکابر شیعہ میں سے ہیں اور ان کی شریعت کے ستون ہیں.......ابن شہر آشوب نے معالم العلماء میں اس کا ذکر کیا ہے اور صاحب الریاض نے قسم اول میں اس کا ذکرہ کیا ہے جہاں اس نے شیعہ علماء کی تعداد بیان کی ہے۔یہی ان سے منقول ہے۔

امام حاکم ایک متعصب شیعہ ہونے کی بناء پر بنو امیہ بالخصوص حضرت معاویہؓ اور حضرت مروان بن حکمؓ کے ساتھ سخت بغض رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قبیلہ بنو امیہ اور اموی صحابہؓ کی مذمت میں متعدد روایات کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کے ہم پلہ قرار دے کر اپنی "مستدرک" میں محفوظ کر دیا ہے۔

امام ذہبی نے امام حاکم کے تعصب اور ضد کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"امام حاکم حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب (حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت مروان بن حکمؓ وغیرہ) سے سخت بیزار اور منحرف تھے۔

اسی وجہ سے ایک جماعت نے اس رویہ سے تنگ آ کر امام حاکم جس منبر پر آ کر تبرا

کرتے تھے اسے توڑ دیا اور آئندہ کے لیے انہیں خطبہ دینے سے بھی روک دیا۔ اس جماعت کا یہی مطالبہ تھا کہ یہ حضرات اصحاب رسولؐ ہیں لہٰذا ان کے خلاف بدزبانی نہ کی جائے۔

چنانچہ عبدالرحمٰن السلمی نے یہ مطالبہ امام حاکم تک پہنچایا اور کہا کہ آپ اپنے سابقہ رویہ سے معذرت کریں اور حضرت معاویہؓ کے فضائل بیان کریں تا کہ آپ کے مسجد کی طرف نکلنے کی پابندی ختم ہو۔ مگر امام حاکم نے کسی قسم کے "تقیہ شریفہ" کا سہارا لیے بغیر حضرت معاویہؓ پر تبرانہ کرنے اور ان کی فضیلت بیان کرنے سے معذوری ظاہر کردی۔

ملاحظہ ہو: (سیر اعلام النبلا ، جلد 17 ۔ ص 174-175)

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی زیر بحث روایت (جسے امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے) میں صرف بنو حنیفہ اور بنو ثقیف کا ذکر تھا لیکن امام حاکم نے اپنے تشیع و رفض کی بناء پر اس میں بنو امیہ کا بھی اضافہ کر دیا۔

علیٰ سبیل التنزل اگر اس طرح کی روایات کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ان قبائل کا ہر شخص اور ہر فرد ناپسند، قابل نفرت اور مبغوض ہے۔ اسی طرح کسی قبیلے، جگہ یا شہر کو پسند کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اس قبیلے اور شہر کا ہر شخص محبوب اور پسند ہے۔

قبیلہ قریش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب قبیلہ اور مکہ و مدینہ پسندیدہ شہر ہیں لیکن ابو جہل، ابولہب اور دیگر کفار قریش جو مکہ کے باشندے ہیں اور یہود و منافقین جو مدینہ کے رہائشی ہیں آپؐ کو سخت ناپسند ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو امیہ کے ساتھ "بغض" تھا تو پھر انہیں اپنے قرب سے کیوں نوازا؟ انہیں کلیدی مناصب پر کیوں فائز کیا؟ اور ان کے ساتھ نسبی تعلقات کیوں قائم کیے؟

نبی اکرمؐ کی دو پھوپھیاں اور تین بیٹیاں بنو امیہ میں بیاہی گئیں اور خود آپؐ کے اپنے نکاح میں بنو ہاشم کی تو کوئی خاتون نہیں تھی جب کہ بنو امیہ کی ایک خاتون کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ خاندان بنی ہاشم اور بنی امیہ کے مابین مزید نسبی روابط معلوم کرنے کے

لیے راقم الحروف کی کتاب ''تذکرہ سیدنا معاویہؓ'' کی طرف مراجعت کریں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں بنو امیہ کو عامل بنایا اور قبائل قریش میں سے ایسا کوئی قبیلہ نظر نہیں آتا جس کے عمال بنو عبدالشمس سے زیادہ ہوں کیونکہ ایک تو ان کی تعداد زیادہ تھی اور دوسری چیز ان میں ''شرف و سیادت'' تھی لہٰذا آپؐ نے غلبہ اسلام کے وقت افضل الارض مکہ مکرمہ پر خاندانِ بنو امیہ کے ایک نو جوان اور حضرت مروان (بن حکم بن ابی العاص بن امیہ) کے چچازاد بھائی حضرت عتاب (بن اُسید بن ابی العیص بن امیہ) کو گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت معاویہؓ کے والد حضرت ابو سفیانؓ کو نجران کا والی مقرر کیا، خالد بن سعید بن عاصؓ کو بنی مذحج کے صدقات اور صنعاء یمن کا عامل بنایا، ابان بن سعیدؓ کو ابتداء میں امیر حبش اور پھر بحرین کا حاکم بنایا۔ نبی اکرمؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی افراد بنی امیہ کو اعلیٰ مناصب پر فائز کرتے رہے اور یہ حضرات بنی امیہ کی قرابت سے متہم نہ تھے۔ (منہاج السنۃ الجزء الثالث۔ ص 175، 176)

مزید برآں بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں خاندانوں کے درمیان ہر دور میں تعلقات مصاحبت بھی قائم رہے۔ حضرت معاویہؓ کے دادا حرب بن امیہ (جن کے پاس جملہ قبائل قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ تھا) نبی اکرمؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے دوست، ہمدم اور ہم نشین تھے۔ ان دونوں کی باہمی دوستی بعد میں ان کی اولاد میں بھی قائم رہی، حضرت علیؓ کے والد ابو طالب کے مراسم مسافر بن ابی عمرو بن امیہ کے ساتھ تھے ان دونوں کو باہم ندیم و ہم نشین کہا جاتا تھا۔

حضرت معاویہؓ کے والد حضرت ابو سفیانؓ نبی اکرمؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ہم نشین تھے۔ ان دونوں کا تجارتی کاروبار بھی مشترک تھا۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد ''وحدت دینی'' کی وجہ سے ان تعلقات میں مزید اضافہ ہو گیا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ بنو امیہ کے ساتھ ''کراہت، بغض اور عداوت پر مبنی تمام روایات روایتاً و درایتاً لغو، غلط، منکر، باطل، موضوع اور ساقط الاعتبار ہیں۔

طلیق ابن طلیق کا الزام

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یہ بات اول تو بجائے خود قابل اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو، مملکت کے تمام عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دے دیے جائیں مگر اس کے علاوہ چند اسباب اور بھی تھے کہ جن کی وجہ سے اس صورت حال نے اور زیادہ بے چینی پیدا کر دی۔

اول یہ کہ اس خاندان کے جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب 'طلقاء' میں سے تھے۔''طلقاء'' سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبیؐ اور دعوتِ اسلامی کے مخالف رہے۔فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے انہیں معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔حضرت معاویہؓ، ولید بن عقبہؓ، مروان بن حکمؓ ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے...

فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیے جائیں اور ان کی جگہ یہ لوگ امت کے سرخیل ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ اسلامی تحریک کی سربراہی کے لیے یہ لوگ موزوں بھی نہ ہوسکتے تھے کیونکہ وہ ایمان تو ضرور لے آئے تھے مگر نبیؐ کی صحبت و تربیت سے ان کو اتنا فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ ان کے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت ہو جاتی۔وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجہ کے فاتح ہوسکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوئے لیکن اسلام محض ملک گیری و ملک داری کے لیے تو نہیں آیا تھا وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوت خیر و صلاح تھا جس کی سربراہی کے لیے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ و تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں

بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔اس معاملہ میں مثال کے طور پر مروان بن حکم کی پوزیشن دیکھیے ....''(خلافت وملوکیت ص 109-110)

اس طویل اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ مودودی صاحب بنوامیہ کی عداوت میں بہت آگے نکل گئے ہیں اور انہوں نے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کو بھی معاف نہیں کیا بلکہ اصل اعتراض خود انہی کی ذات پر کیا گیا ہے کیونکہ ''طلقاء''(حضرت معاویہؓ، حضرت ولید بن عقبہؓ اور حضرت مروانؓ) کو مناصب سے نوازنے والے وہی تھے۔

بنوامیہ کے ساتھ مودودی صاحب کے بغض وعناد کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خود ان کے اعتراف کے مطابق متعدد خاندانوں کے سینکڑوں ''طلقاء'' میں سے انہیں صرف حضرت معاویہؓ، حضرت ولید بن عقبہؓ اور حضرت مروان بن حکمؓ کے نام یاد رہ گئے۔اول الذکر اور مؤخر الذکر تو ان کے خاص نشانے پر ہوتے ہیں اس لیے وہ موقع اور بے موقع ان کا ذکر بطور خاص کرتے رہے ہیں۔

اگر کتاب کے ٹائٹل پر ''مصنف'' کے طور پر مولانا مودودی صاحب کا اسم گرامی نہ ہوتا تو یہ باور کرنا یقیناً مشکل تھا کہ اس کا مصنف کوئی ''سنی'' عالم دین ہوسکتا ہے۔اس کتاب میں جابجا نہایت ہی اہتمام کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی خوب توہین اور تنقیص کی گئی ہے۔زیر بحث اقتباس میں بھی صحابہ کرامؓ کی کردارکشی کی گئی ہے۔

موصوف چونکہ وفات پا چکے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے پاس پیش ہو چکا ہے مگر ان سے صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ان کی اشاعت جب تک ہوتی رہے گی تو ان کی تردید کا فریضہ بھی سرانجام دیا جاتا رہے گا۔علماء کرام اپنے اس فریضے سے کبھی بھی سبکدوش نہیں ہوسکتے۔اس بارے میں کوئی ادنیٰ سی غفلت بھی یقیناً ''مداہنت'' میں شمار ہوگی۔

چوالیس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی وسیع سلطنت کے 26 صوبوں میں سے صرف تین صوبوں (شام، بصرہ اور مصر) میں حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار (حضرت معاویہؓ اموی،

عبداللہ بن عامر بن کریز اموی، عبداللہ بن سعد اموی) گورنروں کے متعلق یہ تأثر دینا اور بیان داغنا کہ:

''یہ بات اول تو بجائے خود قابل اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ (حضرت عثمانؓ) جس خاندان کا ہو مملکت کے تمام عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دے دیے جائیں....

اس خاندان کے جو لوگ آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے....

فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین جنہوں نے اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیے جائیں اور ان کی جگہ یہ (طلقاء) لوگ امت کے سرخیل ہو جائیں۔''

مودودی صاحب کا اگر ''بس'' چلتا تو ان ''طلقاء'' سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیتے۔ موصوف ان کا ایمان لانا بھی تسلیم کر رہے ہیں مگر ''چوٹ'' کرنے سے بھی باز نہیں آتے کہ یہ لوگ اسلامی تحریک کی سربراہی کے لیے غیر موزوں تھے، نبیؐ کی صحبت و تربیت سے محروم رہے یا انہیں زیادہ موقع نہیں ملا، ان کے ذہن، سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت نہیں ہوئی، ذہنی و اخلاقی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ (حضرت معاویہؓ، عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن سعد اور ولید بن عقبہ صحابی ہونے کے باوجود) صحابہ و تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے جنہیں بدقسمتی سے اگلی صفوں میں ہی نہیں بلکہ ''مصلیٰ امامت'' پر کھڑا کر دیا گیا۔

ان ''طلقاء'' کو بہترین منتظم اور فاتح تسلیم بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ فرماتے ہیں کہ ''اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کے لیے تو نہیں آیا تھا، ان کی انتظامی و جنگی قابلیتوں کو تسلیم بھی کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ ذہنی، روحانی و اخلاقی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے اگلی صفوں میں آنے کے قابل نہیں تھے۔'' اس معاملہ میں مثال کے طور پر مروان بن حکم کی پوزیشن دیکھیے۔''

موصوف ان ''طلقاء'' کی قابلیت کا تو ذکر کس خوبصورت انداز کے ساتھ کرتے ہیں کہ:

''اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا عثمانؓ نے حکومت کے یہ مناصب دیے انہوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ قابلیت صرف ان ہی لوگوں میں نہ تھی ، دوسرے لوگ بھی بہترین قابلیتوں کے مالک موجود تھے اور ان سے زیادہ خدمات انجام دے چکے تھے۔ محض قابلیت اس بات کے لیے کافی دلیل نہ تھی کہ خراسان سے لے کر شمالی افریقہ تک کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں دے دیا جاتا اور مرکزی سیکرٹیریٹ پر بھی اسی خاندان کا آدمی (مروان بن حکم) مامور کر دیا جاتا۔''(خلافت ملوکیت ص 108-109)

مودودی صاحب کے مذکورہ اعتراضات حضرت عثمانؓ یا طلقاء پر نہیں ہیں بلکہ دراصل نبی اکرمؐ اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ پر ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی سنت سے ہٹ کر تو کوئی کام نہیں کیا تھا۔ عمالِ نبوی اور عمالِ صدیقی و فاروقی پر ایک نظر ڈالنے سے ہی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان ادوار میں ان ''طلقاء'' کو ہی ''پچھلی صفوں'' سے اٹھا کر ''اگلی صفوں'' میں بٹھایا گیا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیانؓ کو نجران کا گورنر مقرر کیا۔ اکیس سالہ نوجوان عتاب بن اسید اموی کو سابقین اولین پر ترجیح دیتے ہوئے مکہ مکرمہ جیسے مرکز اسلام علاقے کا امیر مقرر کیا۔ اس طرح کی بیسیوں مثالیں دورِ نبوی ، دورِ صدیقی اور دورِ فاروقی میں پائی جاتی ہیں۔

ان تینوں ادوار میں ''طلقاء'' کو مناصب ملنے سے اس ''پاکیزہ ترین اسلامی معاشرے'' میں کوئی بے چینی یا غلط اثر پیدا نہیں ہوا۔ معلوم نہیں کہ دورِ عثمانی میں اس سابقہ پالیسی کو جاری رکھنے سے چودہ سو سال بعد کوفہ، مصر اور بصرہ کے ''باسیوں'' کی پیروی میں ''منصورہ واچھرہ لاہور'' کے حلقوں میں آخر بے چینی کیوں پیدا ہو گئی؟

اگر دورِ عثمانی میں ''طلقاء'' کو آگے بڑھانے سے اس ''پاکیزہ ترین معاشرے'' میں

بے چینی کا یہ سبب تھا کہ صحبت نبوی کی قلیل مقدار کی وجہ سے ان کی "قلب ماہیت اور ان کی تربیت وتزکیہ" میں کمی رہ گئی تھی تو یہ سبب تو دور نبوی و دور شیخینؓ میں بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ پھر اس وقت یہ بے چینی کیوں پیدا نہیں ہوئی؟

ستم بالائے ستم یہ کہ ان "طلقاء" (جنہیں صحبت وتربیت نبوی اور صحبت شیخینؓ میسر آچکی تھی) کا درجہ "تابعین" سے بھی فروتر قرار دے دیا گیا۔ "اس اعتبار سے یہ لوگ صحابہ و تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔"

سخت حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے فتح مکہ کے وقت مشرف بہ اسلام ہونے والے یعنی "طلقاء" کا درجہ ان لوگوں یعنی تابعین سے بھی گھٹا دیا جنہیں سرے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت ہی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ بھلا اس سے بڑھ کر بھی "مقام صحابیت" کی کوئی تنقیص ہو سکتی ہے؟

مودودی صاحب کے نزدیک دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے لوگوں میں سب سے بڑی "خرابی" اور سب سے بڑا "عیب یا نقص" ان حضرات کا "طلقاء" میں سے ہونا تھا۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"اس خاندان کے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب "طلقاء" میں سے تھے۔ "طلقاء" سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبیؐ اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہؓ، ولید بن عقبہ، مروان بن حکم ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے....

(عدم صحبت وتربیت کی بناء پر) یہ لوگ صحابہ و تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔ اس معاملہ میں مثال کے طور پر مروان بن حکم کی پوزیشن دیکھئے...."

(خلافت وملوکیت ص 109-110)

مودودی صاحب نے نہ صرف یہ کہ "طلقاء" کی تعریف صحیح نہیں کی بلکہ انہوں نے

حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ پر اس کا اطلاق بھی نہایت ہی غلط طور پر کیا۔

''طلقاء'' کی مذکورہ تعریف کذب، افتراء، جہالت، ضد، تعصب اور عناد پر مبنی ہے کیونکہ اسلام کسی خاندان کا نام نہیں تھا کہ دوسرے خاندان اس سے جنگ کر رہے تھے۔ جس طرح اسلام میں تمام خاندانوں کے افراد شامل تھے اسی طرح کفر میں بھی سب خاندانوں کی نمائندگی تھی۔ اسلام اور کفر کے درمیان اس تصادم میں باپ و بیٹا، داماد و خسر، چچا و بھتیجا، ماموں و بھانجا حتیٰ کہ بھائی بھائی ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آراء تھے۔

شرکائے بدر پر ہی ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیں تو رشتوں کے مناظر سامنے آئیں گے۔

1۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (بھتیجے)　　حضرت عباسؓ (چچا)

2۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (خسر)　　حضرت ابوالعاص بن ربیع (داماد)

3۔ حضرت ابوحذیفہؓ (بیٹے)　　عتبہ (باپ)

4۔ حضرت علیؓ (بھائی)　　حضرت عقیل (بھائی)

5۔ حضرت عمرؓ (بھانجے)　　ابوجہل ــــ عمرو بن ہشام (ماموں)

ان میں سے عتبہ و ابوجہل تو حالت کفر میں ہی اپنے انجام کو پہنچے جب کہ حضرت عباسؓ اور حضرت عقیلؓ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہو کر ''طلقاء'' میں شامل ہوئے۔ البتہ نبی اکرمؐ کے داماد حضرت ابوالعاصؓ نے فتح مکہ سے بہت پہلے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔

تاریخ میں اس طرح کی بیسیوں مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور کفر کے تصادم کو ''قبائلی اور خاندانی'' تصادم قرار دینا خلافِ حقیقت اور نری جہالت ہے۔

فتح مکہ کے دن نبی اکرمؐ نے عام معافی کا اعلان خاندانوں اور قبیلوں کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ یہ اعلان مکہ کے تمام باشندگان کے لیے تھا۔ ان میں سے اکثر خاندان اور قبائل ایسے تھے جن کے بعض افراد اگرچہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان میں سے باقی ماندہ افراد فتح مکہ کے دن یا اس کے کچھ عرصہ بعد مسلمان ہوئے تھے۔

بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ جو سابقین اولین میں سے تھے ان کے خاندانوں کے بہت سے افراد ایسے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ جیسے سابق الایمان کے والد بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تو کیا مودودی صاحب کے استدلال کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت ابوبکرؓ بھی معافی یافتہ خاندان کے فرد تھے؟

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی اور ان کی بہن سیدہ ام ہانیؓ نے بھی فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تو مودودی صاحب کی ''منطق'' کی رو سے کیا حضرت علیؓ بھی معافی یافتہ خاندان کے فرد تھے؟ اس طعن کو اگر وسعت دیتے جائیں تو اس کی زد سے سابقین اولین سمیت کون سا خاندان اور کون سا قبیلہ محفوظ رہ سکتا ہے؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ تحقیقت حال واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''یہ چیز جمہور قریش میں مشترک ہے ان میں سے ہر ایک کے رشتہ دار ایسے رہے ہیں جو کافر تھے، کفر کی حالت میں انہوں نے مسلمانوں سے جنگیں لڑیں اور اسی راہ میں وہ مارے گئے اور بہت سے حالت کفر میں طبعی موت مر گئے۔ کیا یہ بات ان مسلمانوں کے لیے باعث رسوائی سمجھی جائے گی جو ان کے خاندانوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے؟

عکرمہؓ بن ابی جہل اور صفوانؓ بن امیہ دونوں خیار مسلمین سے تھے درآں حالیکہ ان دونوں کے باپ جنگ بدر میں قتل کر دیے گئے۔ مختصر یہ کہ اس طرح اگر طعن کی اجازت دے دی جائے تو پھر اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ تمام اہل ایمان پر یہ طعن کیا جا سکتا ہے۔

کیا کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو اس بناء پر مورد طعن بنائے کہ ان کے چچا ابولہب نبیؐ کے سخت ترین دشمن تھے، یا حضرت عباسؓ کی اس بناء پر عیب گیری کرے کہ ان کے بھائی نبیؐ کے دشمن تھے یا حضرت علیؓ کو ان کے باپ ابوطالب کے کفر کی وجہ سے ننگ و عار دلائے یا حضرت عباسؓ کے متعلق اس طرح کہا جائے۔ یاد رکھو اس طرح کی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو مسلمان نہیں ہیں۔'' (منهاج السنة جلد اول۔ الجزء الثانی ص 216۔ طبع بیروت)

مولانا مودودی صاحب نے حیرت انگیز طور پر حضرت معاویہؓ اور حضرت مروان بن

حکمؓ کو ''طلقاء'' میں شمار کیا ہے جو بالکل خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت ہے کیونکہ حضرت معاویہؓ فتح مکہ سے پہلے اور صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کر چکے تھے؛ تو اس طرح وہ خود مودودی صاحب کی تعریف کے مطابق بھی ''طلقاء'' میں شمار نہیں ہوتے۔

جہاں تک حضرت مروانؓ کا تعلق ہے تو ان کے متعلق موصوف خود لکھ چکے ہیں کہ (مفروضہ) جلاوطنی کے وقت ان کی عمر 7-8 برس تھی۔ ملاحظہ ہو: (خلافت وملوکیت ص 110) کیا اس عمر کا بچہ شریعت میں ''مکلّف'' ہوتا ہے؟ جب وہ ''مکلّف'' ہی نہیں ہیں تو پھر ان پر ''طلقاء'' کا اطلاق کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟

لہٰذا حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ پر ''طلقاء'' کا اطلاق کسی طور پر بھی درست نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس لفظ کے مخاطبین میں سے ہیں۔

اگر بالفرض یہ دونوں حضرات ''طلقاء'' میں شمار بھی ہوتے تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا یہ لفظ باعث تحقیر اور مذمت ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب اثبات میں تو ہرگز نہیں ہو سکتا تو پھر مودودی صاحب نے اسے قابل طعن کیوں سمجھا؟ سخت حیرت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف کر دینے کے باوجود سبائیوں نے آج تک انہیں معاف نہیں کیا۔

''طلقاء'' کی اصطلاح درج ذیل واقعہ سے ماخوذ ہے:

فتح مکہ کے موقع پر طواف سے فارغ ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اے گروہ قریش! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا: ہم اچھی امید رکھتے ہیں۔ آپ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں تو آپؐ نے فرمایا:

اقول لکم کما قال یوسف لاخوته "لاتثریب علیکم الیوم "اذهبوا فانتم الطلقاء۔ (زادالمعاد جلد1۔ص424)

میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: آج تم پر

کوئی الزام نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یہ واقعہ رمضان المبارک 8ھ کا ہے۔ آپؐ نے اس موقع پر حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ کے خاندان ''بنو امیہ'' کو نہیں بلکہ پورے قریش (بنو تیم، بنو عدی، بنو مخزوم، بنو خزیمہ، بنو اسد، بنو نوفل، بنو زہرہ، بنو امیہ اور بنو ہاشم) کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ تم سب کو معافی دے دی گئی اب تم آزاد ہو۔ آپؐ نے اس خطاب میں باربار ''یا معشر قریش'' فرمایا۔

یہ خطاب خود بتلا رہا ہے کہ ''طلقاء'' صرف بنو امیہ نہ تھے بلکہ مولودِ کعبہ حکیم بن حزام، ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب ہاشمی، عکرمہ بن ابی جہل مخزومی، عقیل بن ابی طالب ہاشمی، حضرت علیؓ کی بہن ام ہانی رضی اللہ عنہم اور تقریباً دو ہزار افراد (جنہوں نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا تھا) سب ''طلقاء'' میں شامل ہیں۔

لیکن یہ لفظ ان حضرات کے لیے ''موجب طعن اور باعث تحقیر'' ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قبول اسلام کے بعد شرف صحابیت سے مشرف ہو گئے ہیں اور یہ وہ رتبۂ بلند ہے کہ جس تک کروڑوں عابد و زاہد مل کر بھی نہیں پہنچ سکتے۔

نبی اکرمؐ کا لفظ ''طلقاء'' کے استعمال سے مطلب یہ تھا کہ ہم تمہاری سابقہ مخالفانہ سرگرمیوں کو نظر انداز کر کے تمہارے لیے عام معافی کا حکم دیتے ہیں۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ قوت حاصل ہونے کے بعد ہم تمہاری دشمنیوں کا انتقام لیں گے۔ تم پر کوئی گرفت نہیں تم مکمل طور پر آزاد ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ قریش کے لیے ''طلقاء'' یعنی معافی کا لفظ دراصل ان کی عظمت، منقبت اور فضیلت کا باعث ہے۔ یہ لفظ کسی طور پر بھی مذمت یا تحقیر کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ مگر جن لوگوں کے دلوں میں ''بیماری'' ہے وہ اس لفظ کو برا معنی پہناتے ہوئے بطور تحقیر اور مذمت استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ نبی اکرمؐ نے ان ''طلقاء'' کی قابلیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں بڑے بڑے اہم مناصب عطا فرمائے اور وہ آپؐ کی توقعات پر پورے بھی اترے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔

آخر میں اس بحث کے ایک انتہائی اہم پہلو کی طرف اہل علم کی توجہ مبذول کرائی جاتی

ہے۔وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب نے ارباب سیر اور مؤرخین کے منقولہ جس جملے "اذھبوا فانتم الطلقاء" کی بنیاد پر طعن و تشنیع اور توہین و تنقیص کی اتنی "بلند و بالا" عمارت تعمیر کی ہے ___ خود اس کی اپنی حیثیت کیا ہے؟

محدثین کرام بالخصوص مؤلفین صحاح ستہ نے فتح مکہ کے حوالے سے سارے سفر کی جزئیات تک بیان کی ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے اس اہم خطاب کا مرکزی جملہ فراموش کر گئے؟ معلوم نہیں کہ کتب حدیث میں یہ جملہ کیوں نہیں پایا جاتا؟ اور صرف ارباب سیر اور مؤرخین ہی کے ذریعے کیوں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے؟ اگر "اذھبوا فانتم الطلقاء" نبی اکرمؐ کا فرمان ہوتا تو محدثین کرام بالخصوص امام بخاری اور امام مسلم اس "خطبہ" کے ذیل میں اس جملہ کا ضرور ذکر کرتے۔

ابن ہشام نے بروایت ابن اسحاق نقل کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ:

"اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کروں گا؟ انہوں نے کہا: آپؐ کرم فرما بھائی اور کرم فرما بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پھر میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی: آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (سیرت ابن ہشام جلد 2۔ص 412)

اس روایت سے یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ اس "جملہ" کے راوی یا بانی محمد بن اسحاق (م 151ھ) ہیں جو امام فن "مغازی" کے نام سے شہرت یافتہ ہیں۔ انہیں امام زہری کا "خاص قرب" حاصل تھا۔ یوں تو زہری کے دروازہ پر ایک دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے اندر نہ آ سکے لیکن ابن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو ابن اسحاق کی کتاب پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ وہ یہودیوں سے واقعات سن کر اپنی کتاب میں درج کرتے تھے۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو

ثقہ سمجھتے تھے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''محمد بن اسحاق ''سِیَر ومغازی'' کے مستند ترین مؤرخ ہیں لیکن یہی محمد بن اسحاق جب حدیث میں پہنچتے ہیں تو حضرات محدثین انہیں خصوصیت سے احکام کی روایت میں نا قابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔''

(ہمارے عائلی مسائل۔ص 179۔طبع جدید دارالاشاعت کراچی)

احکام کی روایات میں ابن اسحاق کو نا قابل اعتبار قرار دینے کے علاوہ محدثین نے ان پر سخت ترین الفاظ میں جرح بھی کی ہے:

امام نسائی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں، دار قطنی کہتے ہیں ان کی حدیث حجت نہیں۔ابن نمیر کا بیان ہے کہ ان پر قدری ہونے کا الزام ہے (یعنی تقدیر الٰہی کے منکر تھے) اسی لیے لوگ ان سے دور بھاگتے تھے۔امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ قدری بھی ہے اور معتزلی بھی جب کہ فرقہ معتزلہ صفاتِ باری، معجزات اور ملائک وغیرہ کا منکر تھا۔گویا ابن اسحاق قدری بھی ہے اور صفاتِ باری کا منکر بھی؛ کیونکہ وہ نسلاً مجوسی تھا۔

امام مالک نے بھی ابن اسحاق کو کذاب قرار دیا ہے۔ابن ادریس کا بیان ہے کہ میں ایک روز امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا کسی نے ان سے کہا کہ ابن اسحاق کہتا ہے کہ امام مالک کا علم میرے سامنے پیش کیا کرو۔میں ان کے علم کی کسوٹی ہوں۔

تو امام مالک نے فرمایا: اے لوگو! دجالوں میں سے اسی دجال کو دیکھو کہ کیا کہتا ہے؟

ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال تحت محمد بن اسحاق۔

خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق مجہول راویوں سے غلط روایتیں نقل کرتا تھا۔(تاریخ بغدادی ص 227)

محمد بن اسحاق پر محدثین کرام کی مکمل جرح کے حوالے سے امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب کی تالیف ''احسن الکلام'' ص 501 تا 509 کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اس جرح کے علاوہ ابن اسحاق پر امام زہری کے صحابہ کے خلاف مخصوص نظریات کی بھی چھاپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ان کے دربار میں بلا روک ٹوک آمدورفت کی اجازت تھی۔

امام زہری اگرچہ جمہور محدثین کے نزدیک حدیث میں ''ثقہ، ثبت، حجت اور امام'' ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ وہ ''ارسال، ادراج اور تشیع'' سے بھی آلودہ ہیں۔ ان کی ''مرویات'' میں ان امور کا واضح ثبوت موجود ہے۔ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین جتنے اختلافی مسائل ہیں ان سب میں جناب زہری ہی نمایاں ہیں:

''جمع و تدوین قرآن، اختلاف قرأت، ناسخ و منسوخ کی طبع زاد روایتیں، روایت افک کی افسانہ طرازی، سقیفہ بنی ساعدہ کی کہانی، میراث نبوی (فدک)، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ کے فرضی اختلاف کی تشہیر، حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے چھے ماہ تک تخلف، حدیث قرطاس میں رنگ آمیزی اور حضرت عباسؓ کی زبان سے حضرت علیؓ کی شان میں توہین آمیز الفاظ (اقض بینی وبین هذا الكاذب الآثم الغادر الخائن) استعمال کرنے اور دیگر اختلافی مسائل میں بیسیوں روایات کی سند میں یہی بزرگ نمایاں نظر آتے ہیں۔

امام زہری کے مفصل تعارف کے لیے راقم الحروف کی کتاب ''عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ'' کی طرف مراجعت کریں۔

محمد بن اسحاق نے ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف نبی اکرمؐ کے معراج جسمانی کے انکار کی روایت بھی منسوب کی ہے۔ مغازی ابن اسحاق کو ابن ہشام (م 213ھ) نے نئی ترتیب دی ہے جو ''سیرت ابن ہشام'' کے نام سے معروف ہے۔ ابتداء میں جب یہ کتاب سامنے آئی تو اس کے بعض واقعات پر اہل علم نے اعتراض کی بوچھاڑ کر دی اور ان اعتراضات کی وجہ سے سیرت النبیؐ پر یہ کتاب اپنے زمانہ میں مقبولیت حاصل نہ کر سکی جسے بعد میں ابن ہشام نے بعض قابل اعتراض واقعات خارج کر کے

اور بعض واقعات کا اضافہ کر کے نئے سرے سے مرتب کیا لیکن اس کوشش کے باوجود بعض قابل اعتراض واقعات کتاب میں شامل کر دیے گئے۔

''طلقاء'' کے حوالے سے نبی اکرمؐ کے خطبہ میں "اذھبوا فانتم الطلقاء" کا جملہ بھی سیرت ابن ہشام میں بروایت محمد بن اسحاق ہی بیان ہوا ہے جہاں سے دیگر مؤرخین اور ارباب سیَر اسے آگے نقل کرتے رہے۔

اسی زیر بحث عنوان میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ ''طلقاء'' کے لفظ میں بظاہر کسی کی توہین و تنقیص نہیں پائی جاتی لیکن پھر بھی مودودی صاحب وامثالہ نے اموی صحابہ کے حق میں اس لفظ کو موجب طعن و قدح بنالیا ہے۔ اس لیے یہاں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس جملے کی نسبت قطعیت کے ساتھ نبی اکرمؐ کی طرف کرنا ہی محل نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جملہ کتب حدیث میں مفقود ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے کعبہ کی چوکھٹ کو پکڑ کر فرمایا:

"یامعشر قریش اماتقولون؟ قالوا: مثل ذٰلك۔ قال: فانّي اقول کما قال أخي یوسف: لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰه لکم وهوا رحم الرّاحمین (سورۃ یوسف 92)

(السنن الکبریٰ للنسائی 383/7۔ ح 11298۔ واسنادہ حسن لذاته بحوالہ سیرت کے سچے موتی ص 468 مؤلفہ امیر حمزہ صاحب)

اے قریشیو! تمہارا (میرے بارے میں آج) کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: ہم تو یہی کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھتیجے اور چچا زاد ہیں اور آپ بڑے مہربان اور کریم ہیں۔ آپؐ نے ان سے پھر وہی سوال کیا اور انہوں نے بھی پھر وہی جواب دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہی تھی:

آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے اس موقع پر حضرت یوسفؑ کا حوالہ

دے کر سورۃ یوسف کی آیت 92 ہی تلاوت کی تھی جس کی مزید تشریح محمد بن اسحاق نے "اذھبوا فانتم الطلقاء" کے جملہ سے کر دی۔ یوں مودودی صاحب وامثالہ کو صحابہ پر طعن و تشنیع کا ایک موقع میسر آ گیا۔ حالانکہ حدیث میں نبی اکرمؐ کا بیان کردہ خطبہ بڑا ہی واضح تھا اور وہ "طلقاء" جیسے لفظ کے ساتھ کسی قسم کی تشریح کا محتاج ہرگز نہیں تھا۔

اس خطبہ میں نبی اکرمؐ کا "انداز" نہایت ہی قابل غور ہے کہ اپنے سامنے موجود قریش کے جملہ خاندانوں کو مخاطب کر کے ایک سوال کرتے ہیں، جواب ملنے کے بعد پھر اسی سوال کو دہراتے ہیں اور قریش بھی اسی جواب کا اعادہ کرتے ہیں کہ "ابن أخ وابن عمّ رحیم کریم"

قریش نے اپنے اس جواب میں حقیقت کا اعتراف اور اپنی پالیسی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو کلی طور پر فاتح مکہ نبی اکرمؐ کے حوالے کر دیا اور یوسفؑ جیسے سلوک کی توقع رکھی۔ قریش کا یہ جواب بھی یوسفؑ کے بھائیوں کے جواب سے ملتا جلتا تھا:

"قالوا تاالله لقد اثرك الله علینا وان کنّا لخطئین o" (یوسف 91)

انہوں (برادرانِ یوسفؑ) نے کہا: اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے۔

فتح مکہ کے موقع پر بھی نبی اکرمؐ کو ہر طرح کی برتری حاصل ہے اور اپنے بھائیوں کے مظالم بھی یاد ہیں لیکن جس طرح یوسفؑ نے بھائیوں کے مظالم کو ان کی جہالت اور نادانی (اذانتم جٰھلون ـــ (یوسف 89) پر محمول کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم وھوارحم الرّاحمین" آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ بعینہ اسی طرح نبی اکرمؐ نے بھی "ابن أخ وابن عم رحیم کریم" کے جواب میں اپنے اخلاق کریمانہ کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں فرمایا: فانّی اقول کما قال أخی یوسف:

"لاتثریب علیکم الیوم یغفر الله لکم وھوارحم الرّاحمین"

میں بھی وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ آج

تم پر کوئی ملامت نہیں۔اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

"اذھبوا فانتم الطلقاء" تو "یقینی" طور پر پیغمبر کے کلام میں راوی کا اپنا اضافہ معلوم ہوتا ہے۔"لاتثریب علیکم الیوم ...." میں صرف "معافی" ہی کا اعلان نہیں کیا گیا بلکہ کسی قسم کی طعنہ زنی سے بھی اجتناب برتا گیا۔

اس کے بعد جب یوسفؑ کی اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے ملاقات ہوتی ہے تو ان کے سامنے اپنے رب کے احسانات کے ذکر کا آغاز یوں کرتے ہیں کہ:

"و قد احسن بی اذ اخرجنی من السّجن وجاء بکم من البدو" (یوسف 100)

اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جب کہ مجھے جیل خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا۔

حالانکہ حضرت یوسفؑ کی کہانی جیل کی رہائی سے نہیں بلکہ کنوئیں میں ڈالنے سے شروع ہوتی تھی لیکن اسے زبان پر اس لیے نہیں لائے کہ اس کے ذکر سے بھائیوں کو طعنہ ملتا اور شرمندگی اٹھانا پڑتی جب کہ وہ اس سے پہلے بصورتِ وعدہ یہ اعلان فرما چکے تھے کہ "لاتثریب علیکم الیوم...."

تمہارے لیے آج کے بعد نہ کوئی طعنہ ہے اور نہ ملامت۔اگر قصہ کنوئیں میں ڈالنے سے شروع کرتے تو اس صورت میں بھائیوں کو نہ صرف طعنہ ملتا (کہ یہ ہیں کنوئیں میں ڈالنے والے) بلکہ وعدہ کی خلاف ورزی بھی ہوتی۔اس لیے اپنے والد کو یہ بھی نہیں بتلایا کہ مجھے قید میں ڈالا گیا۔اور کہانی کا آغاز "قد احسن بی اذ اخرجنی من السّجن ...." سے کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے جب مجھے قید سے نکالا۔

غور فرمائیں! یہاں نہ کنوئیں میں ڈالنے کا ذکر ہے اور نہ ہی قید خانے میں ڈالنے کا۔ کنوئیں میں ڈالنے کا ذکر ہوتا تو بھائیوں کو طعنہ ملتا اور انہیں شرمندہ بھی ہونا پڑتا۔

اور اگر قید میں ڈالنے کا ذکر کرتے تو پھر عزیزِ مصر اور اس کی بیوی پر ملامت ہوتی۔پیغمبر

کے اخلاق کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ عزیز مصر اور اس کی بیوی پر طعن و ملامت ہو کیونکہ ان کے گھر میں بھی کچھ عرصہ قیام رہا اور کھاتے پیتے بھی رہے۔

نبی اکرمؐ فتح مکہ کے موقع پر قریش کے لیے اگر "لا تثریب علیکم الیوم" کا اعلان نہ بھی فرماتے اور صرف "فانی اقول کما قال اخی یوسف" پر ہی اکتفاء کر لیتے تو پھر بھی اس سے وہی مفہوم مراد لیا جاتا جو اگلے جملے میں بیان کیا گیا ہے لیکن آپؐ نے "لا تثریب علیکم الیوم ..." فرما کر سارے معاملے کو مزید واضح اور آسان کر دیا کہ:

جاؤ قریشیو! آج کے بعد تم پر کوئی طعنہ بھی نہیں۔

نبی اکرمؐ نے تو یہ اعلان 21۔رمضان المبارک 8ھ میں فرما دیا تھا لیکن سخت افسوس ہے مودودی صاحب و امثالہ پر کہ انہوں نے قریش میں سے بھی صرف بنو امیہ سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہؓ اور حضرت مروان بن حکمؓ کو ہدفِ طعن و ملامت بنانا بطور مشن کے جاری رکھا۔

اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ مولانا مودودی صاحب و امثالہ کی حضرت معاویہؓ اور حضرت مروان بن حکمؓ پر یلغار اور انہیں "طلقاء" میں سے ہونے کا بار بار طعنہ دینا کہ "مروان طلقاء میں سے تھا، معافی یافتہ خاندان کا فرد تھا، اس نے متعدد مرتبہ صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لیے بمشکل ہی قابلِ برداشت ہو سکتا تھا.... اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر رہے، نہ ہیبت، نہ محبت" (خلافت و ملوکیت ص 109، 115)

موصوف کے مذکورہ "ریمارکس" خاندان بنو امیہ کے ساتھ محض تعصب اور عناد پر مبنی ہیں جب کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ پر لفظ "طلقاء" کا اطلاق نہ تو کسی طور پر درست اور صحیح ہے اور نہ ہی یہ لفظ موجب لعن و طعن ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر امور خلافت میں مداخلت کا الزام

حضرت مروان بن حکمؓ غالباً دنیا کے پہلے شخص ہیں جو ولادت سے پہلے ہی ہدف تنقید بنا دیے گئے۔ کبھی حضرت عائشہؓ کی "زبان" سے یہ الفاظ ادا کرائے گئے کہ "ولكن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم لعن ابا مروان ومروان في صلبه" کبھی ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے "کہلوایا": "الست ابن اللعين الذي لعنه رسول الله صلّى الله عليه وسلّم" اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان "جاری کرایا" کہ:

"لعن الله الحكم وما ولد۔" پھر ولادت کے بعد جب دعا او تبریک کے لیے انہیں نبی اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے "فرمایا":

"الوزغ ابن الوزغ الملعون ابن الملعون"

حضرت مروانؓ پر اس قدر یورشوں کے باوجود اس طبقے کو تسکین پھر بھی نہ ہوئی تو انہوں نے ان کے پورے قبیلے (بنوامیہ) کو نبی اکرمؐ کا "مبغوض" قبیلہ قرار دے دیا کہ:

"كان ابغض الاحياء الى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بنوامية و بنو حنيفة وبنو ثقيف" (حوالہ جات پیچھے گزر چکے ہیں)

جب فتح مکہ (8ھ) کے موقع پر حضرت مروانؓ کے والد حضرت حکمؓ مشرف بہ اسلام ہوئے (ظاہر ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں مروانؓ بھی شامل تھے جن کی عمر اس وقت سات سال کے لگ بھگ تھی) تو اس کے معاً بعد سات سالہ لڑکے کو بھی بغیر کسی قصور کے "مدینہ منورہ" سے "طائف" کی طرف جلاوطن کر کے "طلقاء" کے طبقے میں شامل کر دیا گیا۔

معاندین و ناقدین کے نزدیک یہ جلاوطنی عہد رسالتؐ، عہد صدیقی اور عہد فاروقی تک برقرار رہی۔ پھر جب حضرت عثمانؓ اموی سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے اپنے اختیار اور اجتہاد سے ان کی جلاوطنی ختم کر کے انہیں مدینہ منورہ آنے کی اجازت دے

دی۔اس وقت حضرت مروانؓ عالم شباب اور عملی زندگی میں داخل ہو چکے تھے اور اسی دوران میں انہیں حضرت عثمانؓ کا داماد بننے کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔

حضرت عثمانؓ نے ان کی جنگی وانتظامی صلاحیت و قابلیت کے پیش نظر مختلف اوقات میں انہیں مکہ، طائف اور بحرین کا والی و حاکم بھی بنایا۔سخت حیرت ہے کہ اس دوران معاندین نے ان کے خلاف کوئی نیا "ایشو" کھڑا نہیں کیا؛ بس سابقہ اعتراضات کا ہی اعادہ کرتے رہے۔

32ھ میں حضرت مروانؓ کے والد مدینہ منورہ میں انتقال کر گئے تو حضرت عثمانؓ نے انہیں اپنے ذاتی "کاتب" یا "سیکرٹری" کی حیثیت سے دارالخلافہ ہی میں روک لیا۔لیکن اس وقت مصر، کوفہ اور بصرہ کے علاقوں میں سبائیوں نے زبردست پروپیگنڈے کے ذریعے حضرت عثمانؓ کے خلاف فضا مکدر کر دی تھی۔

ظاہر ہے کہ اس "مکدر فضا" سے حضرت مروانؓ کیوں کر محفوظ رہ سکتے تھے؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو حضرت عثمانؓ سے بھی پہلے سبائیوں کا ہدف تھے ،لہذا ان کے خلاف طعن و تشنیع کا یہ سلسلہ ابن سبا کی معنوی ذریت میں آج تک جاری ہے۔علمائے اہل سنت میں سے مولانا سید احمد رضا بجنوری پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت مروانؓ کے خلاف تمام اعتراضات کو مربوط انداز میں یکجا کر دیا۔جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

"بقول حضرت شاہ صاحب (علامہ محمد انور شاہ کاشمیری) کے قتل عثمانؓ کا باعث بھی مروان ہی تھا کیونکہ وہ ان کا سیکرٹری تھا اور اسی نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے ایک جھوٹا خط عامل مصر ابن ابی سرح کے نام لکھا تھا اور حضرت عثمانؓ کی مہر بھی بغیر ان کی اجازت کے لگا دی تھی اور حضرت عثمانؓ ہی کے اونٹ پر ان ہی کے غلام یا کسی دوسرے کو بٹھا کر مصر روانہ کر دیا تھا کہ جتنے لوگ مصر سے شکایات لے کر مدینہ آئے ہیں جب وہ مصر پہنچیں تو ان سب کو فلاں فلاں طریقہ پر قتل کر دینا۔وہ خط راستہ میں پکڑا گیا اور اس کو لے کر مصری وفد واپس آیا اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ نے ایسا خط لکھا ہے؟ انہوں نے حلف اٹھایا کہ میں نے ہرگز ایسا خط نہیں لکھا نہ میرے امر و علم سے لکھا گیا۔اس پر سارے بلوائیوں نے متفقہ مطالبہ

کیا کہ یا تو مروان کو ہمارے سپرد کر دیں تا کہ ہم اس سے پوری تحقیق کر کے اس کا تدارک کرائیں یا آپ اپنے آپ کو معزول کر لیں ورنہ تیسری صورت آخری یہ ہے کہ آپ خود شہید ہو جائیں گے۔ پھر جس طرح بلوہ کے دنوں میں بلوائیوں کو مروان نے بار بار مشتعل کیا اور حضرت علیؓ کے بہتر مشوروں کو حضرت عثمانؓ محض مروان کی وجہ سے نہ مان سکے۔''

(انوار الباری جلد 17۔ص 192۔193)

قارئین یہ نہ سمجھیں کہ شاہ صاحب کی طرف سے حضرت مروانؓ کے خلاف فقط یہی الزامات پیش کیے گئے ہیں؛اس کی تفصیل پیچھے زیر عنوان ''علامہ محمد انور شاہ کاشمیری'' گزر چکی ہے۔ یہاں صرف حضرت عثمانؓ کے عہد کے حوالے سے ان کے اعتراضات سامنے لائے گئے ہیں۔

بانی جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مروان کے اس پس منظر (کہ وہ طلقاء میں سے تھا،اس کی تربیت و قلب ماہیت نہیں ہوئی تھی ،اس کا باپ گستاخ رسولؐ وطرید رسولؐ تھا اور جلاوطنی میں یہ بھی باپ کے ساتھ تھا) کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس کا سیکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا....

یہ مان لینا لوگوں کے لیے سخت مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتوب شخص کا بیٹا اس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اسے خلیفہ کا سیکرٹری بنا دیا جائے۔خصوصاً جب کہ اس کا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعہ حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا....

دوسری چیز جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن حکم کی ماموریت تھی۔ان صاحب نے حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے کام ایسے کیے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمانؓ پر پڑتی تھی حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔علاوہ بریں یہ

صاحب حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہ کے باہمی خوش گوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تا کہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔

یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لیے بمشکل ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ اسی بناء پر دوسرے لوگ تو درکنار خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر رہے نہ ہیبت، نہ محبت۔

کسی تاویل سے بھی اس بات کو صحیح نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ ریاست کا سربراہ اپنے ہی خاندان کے ایک فرد کو حکومت کا چیف سیکرٹری بنا دے۔"

(خلافت وملوکیت ص110، 111، 115، 322)

خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی اس سے بڑھ کر اور توہین و تنقیص کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی حیثیت ایک "عضو معطل" کی تھی اور ریاست کا "مختار کل" ان کا سیکرٹری (جو ترقی کرتے کرتے چیف سیکرٹری بن گیا تھا) مروان تھا۔ جس کا اس منصب پر فائز ہونا لوگوں کو سخت ناگوار گزرتا تھا بالخصوص اس کا معتوب (سزا یافتہ) باپ بھی زندہ موجود تھا جو حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔

مودودی صاحب نے اس قدر گھٹیا اور سطحی و بودے دلائل دیے ہیں کہ ان پر تبصرہ کرنے سے بھی کراہت محسوس ہوتی ہے۔

کیا باپ کی موجودگی میں کسی اہل شخص کو عہدے سے محروم رکھا جا سکتا ہے؟
کیا کسی شخص کو باپ کے "معتوب" ہونے کی بناء پر نا اہل قرار دیا جا سکتا ہے؟

کیا ایک ذاتی ''منشی'' کا منصب اکابر صحابہ کے شایانِ شان ہے؟ پھر معلوم نہیں کہ اس منصب پر مروانؓ کی تقرری سے اکابر صحابہؓ کی توہین و تنقیص کا پہلو کس طرح نکال لیا گیا؟

مودودی صاحب یہ دعویٰ بھی کر رہے ہیں کہ سیکرٹری کا ''معتوب'' باپ اپنے بیٹے کے ذریعے حکومتی کاموں پر اثر انداز ہوسکتا تھا۔ اس سے ایک ''امکان'' ظاہر ہو رہا ہے۔ اگر فی الواقعی وہ ''معتوب'' شخص حکومتی ''کاموں'' پر اثر انداز ہوا تھا تو مودودی صاحب جیسا ذہین شخص کبھی ''امکان'' ظاہر نہ کرتا بلکہ ان ''کاموں'' کی نشاندہی کرتا۔ یہاں ''کاموں'' کو تو چھوڑیے کسی ایک کام کی بھی مثال نہیں دی جاسکتی۔ مودودی صاحب کی عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مروانؓ حضرت عثمانؓ کے پورے دور میں پہلے سیکرٹری رہے ہیں پھر ترقی کر کے چیف سیکرٹری بن گئے تھے۔ کیا اس مزعومہ و مفروضہ سیکریٹریٹ میں کسی اور ''سیکرٹری'' کا بھی کوئی ''اتہ پتہ'' معلوم ہوسکتا ہے؟ آخر اس ''چیف سیکرٹری'' کے ماتحت اور کتنے سیکرٹری کام کر رہے تھے؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عہد عثمانی میں حضرت مروانؓ مختلف مناصب پر فائز رہے ہیں۔ انہوں نے جنگی مہموں میں بھی شرکت کی اور بحرین کے حاکم بھی رہے۔ موصوف اس ''الکاتب'' کے منصب پر تو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری حصے میں تعینات کیے گئے تھے اور حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش بھی 35ھ میں بپا کی گئی تھی۔ جب کہ ان کے والد صحابی رسولؐ حضرت حکمؓ بقول مودودی صاحب 32ھ میں وفات پا گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو خلافت و ملوکیت ص 111 بر حاشیہ)

سوال یہ ہے کہ وفات کے تین سال بعد باپ آخر کس طرح بیٹے پر اثر انداز ہوسکتا تھا؟ مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کی شہادت سے کچھ لمحات ہی پہلے حضرت نائلہ کی گواہی سے حضرت مروانؓ پر انتہائی گھناؤنا، مکروہ اور گھٹیا الزام عائد کیا ہے کہ

''اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر رہے نہ ہیبت، نہ محبت''

جو شخص مذکورہ ''اوصاف'' کا حامل ہو تو اس شخص کے ''اسلام و ایمان'' کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

سخت تعجب ہے کہ مودودی صاحب ایسے "مفکر اسلام" نے حضرت مروانؓ پر اس قدر لغو، باطل، جھوٹا، گھٹیا اور مکروہ الزام عائد کرتے وقت کسی اصول کو بھی مد نظر نہیں رکھا۔ موصوف یہ الزام تو حضرت مروانؓ کے والد حضرت حکمؓ پر عائد کرتے رہے کہ "وہ نبی اکرمؐ کے گھروں میں تانک جھانک اور کسی طرح سن گن لے کر نبیؐ کے راز افشاء کر دیتا تھا" اور کردار اپنا یہ نکل آیا کہ موصوف نے میاں بیوی (حضرت عثمانؓ اور حضرت نائلہ) کے درمیان گھر کے اندر ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ہونے والی یہ گفتگو سن لی کہ "اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کروا کے چھوڑے گا، اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے، نہ ہیبت، نہ محبت"

بلکہ اس گفتگو سے مودودی صاحب پر مروان کے بہت سارے وہ کام بھی کھل گئے جو اس نے حضرت عثمانؓ کی اجازت یا ان کے علم میں لائے بغیر کر ڈالے تھے۔ تعجب بالائے تعجب یہ کہ وہ ایسے امور کی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکے۔

جس خط کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے تو اس کے متعلق پہلی بات یہ ہے کہ اس کا تعلق سیکرٹری شپ کے آخری لمحات کے ساتھ ہے جب کہ اعتراض تقرری کے وقت سے ہی کیا جا رہا ہے اور دوسری بات یہ کہ وہ خط سراسر جعلی اور محض افسانہ ہے جس کا حضرت مروانؓ کے ساتھ کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اس پر بحث آگے آ رہی ہے۔

مودودی صاحب نے "مروانؓ دشمنی" میں خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کے دور خلافت راشدہ کی بھی نہایت ہی مکروہ انداز میں تصویر کشی کی ہے کہ جس خلیفہ کی سلطنت "افغانستان اور ترکستان سے لے کر شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی" (خلافت و ملوکیت ص 323) اس کے نظم و نسق کا یہ حال تھا کہ خود دار الخلافہ میں اپنے سیکرٹری پر ان کا کوئی کنٹرول نہیں تھا اور انہوں نے اپنے داماد کو پوری خلافت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا تھا جو اس قدر جری تھا کہ ان کی اجازت اور ان کے علم میں لائے بغیر امور خلافت سر انجام دیتا تھا۔

کیا مودودی صاحب کے سیکرٹری سے بھی جماعت اسلامی کے بارے میں اس طرز

عمل کی توقع رکھی جا سکتی ہے؟

کیا اس وسیع و عریض سلطنت کے درجنوں گورنرز اور عمال میں سے کسی ایک گورنر یا والی و عامل نے کبھی خلیفہ وقت سے سیکرٹری یا چیف سیکرٹری کے خلاف شکایت کی تھی؟

حضرت مروانؓ کے سیکرٹری شپ کے تمام عرصے میں اہل مصر کی طرف سے گورنر مصر کے نام خط میں ردو بدل کی صرف ایک شکایت سامنے لائی گئی (جس کی وضاحت آگے مستقل عنوان کے تحت آ رہی ہے) مگر جناب مودودی صاحب نے کس طرح بات کا بتنگڑ بنا دیا؟

حضرت مروانؓ کے سیکرٹری کے عہدے پر تقرر کی تفصیلات پیچھے زیر عنوان "حضرت مروانؓ بحیثیت کاتب" گزر چکی ہیں۔ ان کا انتخاب خالصتاً میرٹ کی بنیاد پر عمل میں آیا۔ وہ اس فن میں بھی مہارت رکھتے تھے، ان کی دیانت و امانت اور اہلیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ایک خلیفہ راشد نے ان پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے ان کی تقرری کی اور وہ اس منصب سے معزول بھی نہیں کیے گئے۔ لہٰذا حضرت مروانؓ کی اہلیت پر اعتراض خود "معترض" کے نااہل ہونے کی دلیل ہے۔

ان کی تقرری کے وقت کوفہ، بصرہ اور مصر کے باشندوں سمیت کہیں بھی کوئی ہیجان یا اضطراب پیدا نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ان کا اس منصب پر فائز ہونا سابقین اولین سمیت کسی کو کبھی ناگوار گزرا۔ معلوم نہیں کہ چودہ صدیوں بعد ہندوستان اور پاکستان میں اس حوالے سے "ہیجان و اضطراب" کیوں پیدا ہو رہا ہے؟

معترضین کے اس اعتراض کو اگر درست تسلیم کیا جائے کہ حضرت مروانؓ نے بحیثیت سیکرٹری و کاتب "امور خلافت" میں مداخلت کی یا انہوں نے خلافت کی باگ ڈور ہی اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی یا اس پر اثر انداز ہوتے رہے تو پھر خلیفۂ راشد یا خلافتِ راشدہ کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے جو سراسر شیعی اور سبائی نقطۂ نظر ہے۔ باری تعالیٰ ہر مسلمان کو اس طرح کی "سوچ" سے محفوظ رکھے۔ آمین

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا الزام

گذشتہ اعتراض کے آغاز میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت راشدہ میں علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیری ،مولانا سید احمد رضا بجنوری اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے حوالے سے حضرت مروانؓ کے خلاف اعتراضات پر مشتمل ایک فہرست پیش کی جا چکی ہے۔بنیادی طور پر ان سب الزامات کا تعلق حضرت مروانؓ کی سیکرٹری شپ سے ہی ہے لیکن یہاں انہیں الگ الگ زیر بحث لایا جارہا ہے۔

حضرت مروانؓ پر ''معترضین'' کی طرف سے ایک الزام یہ بھی تھا کہ انہوں نے امور خلافت میں بے جا مداخلت کر کے اور سیکرٹری شپ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے لیے مشکلات پیدا کیں۔لیکن یہ حضرات اپنے ''دعویٰ'' کی تائید میں کوئی ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے۔

دراصل ''معترضین'' نے فتنہ وفساد کے اصل بانی قاتلین عثمانؓ یعنی سبائیوں اور مصر، کوفہ وبصرہ کے مفسدوں، فتنہ پروروں اور بلوائیوں سے قارئین اور عامۃ المسلمین کی توجہ ہٹا کر ان کا رخ بنوامیہ بالخصوص حضرت عثمانؓ ،حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ کی طرف موڑ دیا ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ شہادت عثمانؓ کے اصل ''اسباب'' سے آگاہ تاریخ کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ حضرت مروانؓ کا دامن ان الزامات سے ہرگز داغدار نہیں ہے۔
حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت میں پیش پیش جہاں سبائی تحریک کے کارکن تھے وہیں بعض لوگ کسی جرم میں سزا ملنے یا کوئی عہدہ نہ ملنے کی بناء پر بھی حضرت عثمانؓ سے ذاتی اور شخصی طور پر رنجش اور شکایت رکھتے تھے۔ان میں سے بعض نے مخالفت میں کھل کر اور

سرگرمی سے حصہ لیا جب کہ بعض بظاہر خاموش رہے لیکن مخالفین نے ان کی خاموشی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

یہ سب لاوا ایکا یک اور اچانک نہیں پک گیا تھا بلکہ اس کے لیے باغیوں نے چار سال کے عرصہ میں خفیہ ریشہ دوانیوں اور منظم سازشوں کے جال بچھا کر با قاعدہ فضا ہموار کی جس کے نتیجے میں سبائی تحریک نے آگے چل کر با قاعدہ مسلح بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔

سبائیوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف اپنی پروپیگنڈہ مہم میں بعض ''فقہی'' اختلافات کا سہارا بھی لیا تھا مثلاً یہ کہ:

حضرت عثمانؓ منیٰ اور عرفات میں قصر نماز کے بجائے پوری نماز پڑھتے ہیں، اس طرح انہوں نے جمہور سے الگ مسلک اختیار کیا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے حضرت عبید اللہ نے اپنے والد کے قتل کی سازش میں ملوث ''ہرمزان اور جفینہ'' کو قتل کر دیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص لینے کے بجائے اپنی جیب یعنی ذاتی مال سے ''دیت'' ادا کر دی تھی لیکن بلوائیوں نے قصاص نہ لینے کی وجہ سے انہیں موردِ الزام ٹھہرایا،

حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہ کو معزول کر کے اپنے اعزہ و اقرباء کو بڑے بڑے عہدوں پر کیوں مقرر کیا؟

حکم بن اُبی العاص جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا، حضرت عثمانؓ نے انہیں واپس کیوں بلایا؟

انہوں نے اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر کیوں بنایا؟

حضرت عثمانؓ بیت المال سے بڑی رقوم بغیر کسی استحقاقِ شرعی کے اپنے خاندانِ بنو امیہ کے افراد و اشخاص میں تقسیم کرتے تھے اس طرح وہ خیانت کے مرتکب ہوئے وغیرہ۔

حضرت عثمانؓ نے اسی موقع پر معترضین کو ہر اعتراض کا جواب دے دیا تھا لیکن آج تک ان ہی اعتراضات کو دہرایا جا رہا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ ''معترضین'' نے حضرت مروانؓ

کی سیکرٹری شپ کے حوالے سے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا کہ انہیں کیوں سیکرٹری مقرر کیا گیا ہے؟ البتہ گورنر مصر کے نام ان کے خط لکھنے پر ضرور معترض ہوئے۔

جناب مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کے لیے مشکلات پیدا کرنے کے حوالے سے حضرت عائشہ کو بھی بطور گواہ پیش کیا ہے۔

یہ ایک طویل روایت کا ایک ٹکڑا ہے جسے سبائیوں نے خود وضع کیا ہے۔اس کے علاوہ تاریخ الامم والملوک کے مؤلف جناب ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری بھی ''شیعیت'' سے متہم ہیں جب کہ اس روایت کا راوی محمد بن عمر واقدی بھی دروغ گو، جھوٹا اور نا قابل اعتبار ہونے کے علاوہ بنوامیہ دشمنی میں 'معترضین' ہی کا ہم مسلک ہے۔

مزید برآں حضرت عثمانؓ کی شہادت 35ھ میں واقع ہوئی تھی اور اس وقت واقدی کا باپ بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔یہ متعصب معترضین ہی کا حوصلہ ہے کہ اس قسم کی روایت سے وہ حضرت مروانؓ کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔

امام طبری کے مفصل حالات سے آگاہ ہونے کے خواہش مند قارئین راقم الحروف کی 832 صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب: ''امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' کی طرف مراجعت کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر معاملات کو بگاڑنے کا الزام

"معترضین" نے حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ جب بلوائیوں اور باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے گھر کے اندر محصور کر دیا تھا تو ایسے نازک وقت میں اکابر صحابہؓ نے فریقین سے "گفتگو" کر کے معاملات کو سلجھانے کی بھرپور کوشش کی لیکن مروان ہر مرحلے پر طے شدہ "معاملات" کو پھر سے بگاڑ دیتا تھا حتیٰ کہ حضرت نائلہ نے بھی "اپنے شوہر محترم (حضرت عثمانؓ) سے صاف صاف کہا کہ: اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کر چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے، نہ ہیبت، محبت۔" (خلافت وملوکیت ص 116)

اس "الزام" کو ثابت کرنے کے لیے مودودی صاحب نے "الطبری جلد 3 ص 396۔397" اور البدایۃ والنہایۃ جلد 7 ص 172۔173" کا حوالہ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام ابن کثیر کا ماخذ بھی تاریخ طبری ہی ہے جن پر "تشیع" کا الزام ثابت ہے اور خود مودودی صاحب کے قول کے مطابق بھی موصوف "پکے" شیعہ ہی ثابت ہوتے ہیں کہ:

"بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے معاملہ میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بناء پر بعض لوگوں نے انہیں خواہ مخواہ شیعہ قرار دے ڈالا اور ایک بزرگ نے تو ان کو "امام من ائمۃ الامامیۃ" تک قرار دے دیا۔۔۔۔ دراصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر رفض کا الزام اس غصے کی بناء پر لگایا تھا کہ وہ امام احمد بن حنبل کو صرف محدث مانتے تھے، فقیہ نہیں مانتے تھے۔ اسی وجہ سے حنبلی ان کی زندگی ہی میں ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے تھے اور ان کی وفات کے بعد انہوں نے مقابر مسلمین میں ان کو دفن تک نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ اپنے گھر پر دفن کیے گئے۔" (خلافت وملوکیت ص 313)

مودودی صاحب کے اس اعتراف (کہ طبری بعض فقہی مسائل اور بالخصوص "حدیث

غدیر خم" میں شیعہ مسلک سے متفق تھے) کے بعد تا قیامِ قیامت طبری کو ہرگز "سنی" قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حافظ احمد بن علی سلیمانی کہتے ہیں کہ:

"کان یضع للروافض "(میزان الاعتدال للذہبی جلد 3 ص 35)

طبری روافض کے لیے روایات وضع کیا کرتے تھے۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

ابن جریر طبری کی وفات 310ھ میں پچاسی یا چھیاسی سال کی عمر میں ہوئی اور اپنے گھر میں ہی دفن کیے گئے کیونکہ کچھ حنابلی حضرات نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور انہیں رافضیوں کی طرف منسوب کیا تھا۔(البدایۃ والنہایۃ جلد 11 ص 147)

مودودی صاحب کی "فریب دہی" ملاحظہ ہو کہ:

"حنابلہ نے طبری پر رفض کا الزام اس غصے کی بناء پر لگایا کہ وہ امام احمد بن حنبل کو صرف محدث مانتے تھے فقیہ نہیں۔"

معلوم نہیں کہ کسی کو "محدث یا فقیہ" ماننے یا نہ ماننے کا "رفض" کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جب کہ "رفض" کی اصل وجہ موصوف خود بڑے نرم اور دھیمے انداز میں لکھ چکے ہیں کہ "بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے معاملہ میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بناء پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں شیعہ قرار دے ڈالا اور ایک بزرگ نے تو ان کو "امام من ائمۃ الامامیۃ" تک قرار دے دیا۔"

حالانکہ کسی جاہل اور ان پڑھ شیعہ سے بھی یہ پوچھ لیا جائے کہ حدیث "غدیر خم" کا تعلق کسی فقہی مسئلہ سے ہے تو وہ بھی یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس کا تعلق تو ہمارے "بنیادی عقیدہ" سے ہے۔

اسی "حدیث" سے اہل تشیع حضرت علیؓ کی "خلافت بلافصل" ثابت کرتے ہیں۔ جب کہ طبری نے اہل سنت کے موقف کی تردید کرتے ہوئے اس حدیث کی صحت کئی

طریقوں سے ثابت کی اور اس موضوع پر مستقل ایک کتاب (کتاب الفصائل) لکھی۔

(تذکرۃ الحفاظ للذھبی جلددوم ص 713)

مودودی صاحب نے حدیث "غدیر خم" کے علاوہ بعض فقہی مسائل میں بھی اہل تشیع کے ساتھ اتفاق کا اعتراف کیا ہے۔ان میں سے ایک اہم مسئلہ "پاؤں پر مسح" کا بھی ہے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

"ابن جریر وضو کے دوران پاؤں کے مسح کا قول کیا کرتا تھا اور ان کا دھونا واجب نہیں سمجھتا تھا اور یہ بات اس کی بہت مشہور تھی۔" (البدایۃ والنہایۃ جلد 11۔ص 147)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر باہمی تعلقات خراب کرنے کا الزام

''معترضین''(مولانا سید احمد رضا بجنوری اور مولانا مودودی و دیگر حضرات) نے جہاں حضرت مروانؓ پر بلوائیوں کے ساتھ''معاملات''بگاڑنے کا الزام لگایا ہے وہیں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ و دیگر اکابر صحابہ کے مابین تعلقات خراب کرنے کا بھی الزام عائد کیا ہے اور کہا ہے کہ''حضرت علیؓ کے بہتر مشوروں کو حضرت عثمانؓ محض مروان کی وجہ سے نہ مان سکے''ملاحظہ ہو:
(انوار الباری جلد 17۔ص 193)

جب کہ مودودی صاحب نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

''علاوہ بریں یہ صاحب (یعنی مروان) حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہؓ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تا کہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں''(خلافت و ملوکیت ص 116)

''معترضین''کا یہ اعتراض اور الزام حضرت مروانؓ کی نسبت خود خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کی شخصیت کو زیادہ داغدار اور مجروح کرتا ہے کہ وہ''کان کے کچے تھے اور دل کے صاف نہ تھے''کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ کے مخلصانہ مشوروں کو نظر انداز کر کے اپنے نوجوان داماد اور چچا زاد بھائی مروانؓ کی رائے کو فوقیت دے دی جس سے نہ صرف حالات مزید خراب ہوئے بلکہ صحابہ کرامؓ کے باہمی تعلقات میں بھی دراڑیں پڑ گئیں۔

جس شخص میں ذرہ برابر بھی عقل و دانش ہو وہ اس اعتراض و الزام کو''معترضین''کے منہ پر دے مارے گا۔ بھلا جو شخص ایک عرصہ سے مشکلات کے بھنور میں پھنسا ہوا ہو اور موت بھی اسے سامنے نظر آ رہی ہو وہ یگانے تو رہے ایک طرف بیگانوں کے ساتھ بھی تعلقات خراب نہیں ہونے دے گا۔

اس الزام کو اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لیے درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے

خود حضرت عثمانؓ کی "اہلیتِ خلافت" پر سوال اٹھتا ہے۔ کیا خلیفہ راشد میں اس قدر بھی فہم و فراست اور سیاست و بصیرت نہ تھی کہ وہ معاملات کا صحیح ادراک کر کے پہلی ہی مرتبہ مروانؓ کی ڈانٹ ڈپٹ کر دیتے تاکہ آئندہ وہ "مسلسل تعلقات خراب کرنے کی کوشش میں مصروف نہ رہتے"

سخت تعجب ہے کہ مودودی صاحب نے حضرت مروانؓ کو خلیفہ راشد سے زیادہ سمجھدار اور دانشمند قرار دے دیا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ اور ان کے پرانے رفیقوں کے درمیان "تعلقات خراب" کرا کے اپنے آپ کو خلیفہ وقت کا زیادہ "خیر خواہ اور حامی" باور کرا لیا۔

دوسری طرف حضرت عثمانؓ غیر پیچیدہ اور معمولی قسم کے عام حالات کا بھی ادراک نہ کر سکے اور اپنے پرانے رفیقوں کے ساتھ تعلقات خراب کر بیٹھے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے پرانے رفیقوں کے ساتھ تعلقات خراب کر کے کون سے نئے مقاصد حاصل کیے؟

اگر مروانؓ اس قسم کا کردار ادا نہ بھی کرتے تو پھر بھی حضرت عثمانؓ جناب مروانؓ کو ایک داماد اور چچازاد بھائی کی حیثیت میں اپنا "حامی و خیر خواہ" ہی سمجھتے۔

"معترضین" کی طرف سے حضرت مروانؓ پر حضرت عثمانؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ کے تعلقات خراب کرنے کا یہ صرف الزام ہی نہیں بلکہ "بہتان عظیم" بھی ہے۔

علاوہ ازیں "معترضین" کے یہ اعتراضات اور الزامات حضرت مروانؓ سے زیادہ خود خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت عثمان ذو النورینؓ کی کردار کشی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر دھمکی آمیز تقریر کرنے کا الزام

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر علاوہ دیگر الزامات کے ایک الزام یہ بھی عائد کیا ہے کہ:

''متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لیے بمشکل ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا''

(خلافت و ملوکیت ص 116)

مودودی صاحب کا اسلوب ملاحظہ فرمائیں کہ کس دیدہ دلیری سے ''طلقاء'' کے لفظ کو یہاں بطور تحقیر استعمال کر رہے ہیں۔ اس پر مفصل بحث پیچھے گزر چکی ہے۔ بشرط صحت روایت اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اذھبوا فانتم الطلقاء" کے الفاظ ادا بھی فرمائے ہیں تو اس سے صرف بنو امیہ نہیں بلکہ قریش کے جملہ خاندان مراد ہیں نیز ''طلقاء'' کا لفظ قریش کے لیے عظمت، منقبت اور فضیلت کا باعث ہے۔ یہ لفظ کسی طور پر بھی مذمت اور تحقیر کے لیے استعمال نہیں ہوتا مگر جن لوگوں کے دلوں میں ''بیماری'' ہے وہ اس لفظ کو برا معنی پہناتے ہوئے بطور تحقیر اور مذمت استعمال کرتے ہیں۔

کاش مودودی صاحب حضرت مروانؓ کی ان ''تہدید آمیز'' تقاریر کا متن بھی جاری کر دیتے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اعتراف فرما دیتے کہ ان تک یہ تقاریر سینہ بسینہ پہنچی ہیں۔ طبری میں جو ایک آدھ تقریر منقول بھی ہے تو اس کی روایتی و درایتی حیثیت کے قطع نظر اس تقریر کے اصلی مخاطب سابقین اولین تو کیا عام صحابہ بھی نہیں ہیں بلکہ اس تقریر کے اصل مخاطب سبائیوں، بلوائیوں، مفسدوں اور باغیوں کا وہ گروہ ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

ظاہر ہے کہ کوفہ، بصرہ اور مصر سے یہ ''محاصرین'' کسی نیک مقصد کی خاطر یا بطور

مہمان (سٹیٹ گیسٹ) تو نہیں آئے تھے کہ وہ کسی "پروٹوکول" یا "اکرام" کے مستحق ہوتے۔ معلوم نہیں کہ مولانا مودودی صاحب کو حضرت مروانؓ کے بلوائیوں کے سامنے کیے گئے "تہدید آمیز" خطاب سے کیوں تکلیف پہنچی؟ کیونکہ وہ تو "سبئیوں" کے "ترجمان" ہیں نہ کہ سبائیوں کے۔

موصوف اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"اسی زمانہ فتنہ میں ایک اور موقع پر حضرت علیؓ سخت شکایت کرتے ہیں کہ میں معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں اور مروان ان کو پھر بگاڑ دیتا ہے۔ آپ خود منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو مطمئن کر دیتے ہیں اور آپ کے جانے کے بعد آپ ہی کے دروازے پر کھڑے ہو کر مروان لوگوں کو گالیاں دیتا ہے اور آگ پھر بھڑک اٹھتی ہے۔"

(خلافت و ملوکیت ص 332)

مودودی صاحب نے یہ واقعہ بھی تاریخ طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ مروان سے یہ "حرکات" فتنہ کے زمانہ میں سرزد ہوئیں۔ اس اعتراف سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر مروان نے (بشرط صحت روایت) اس طرح کا کوئی خطاب کیا بھی ہے تو بطور دفاع کیا ہے کیونکہ حملہ آور اور چڑھائی کر کے آنے والے تو سبائی تھے۔

حضرت مروانؓ کی اس تقریر کے مخاطب نہ صحابہ کرامؓ ہیں نہ اولادِ صحابہ یا اہل مدینہ بلکہ باغی اور بلوائی ہیں۔ اس سے مودودی صاحب کا یہ الزام تو غلط ثابت ہو گیا کہ مروان نے متعدد مرتبہ صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں 'طلقاء' کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لیے بمشکل قابل برداشت ہو سکتا تھا۔

اس تقریر کے حوالے سے مودودی صاحب کا ماخذ تاریخ طبری ہے جس کی حقیقت پیچھے زیر عنوان "مروانؓ پر معاملات کو بگاڑنے کا الزام" گزر چکی ہے۔ طبری خود بھی ناقابل اعتبار اور شیعہ ہے جب کہ اس روایت کے راوی بھی جناب واقدی صاحب ہیں جو کذاب

اور متروک الحدیث ہیں۔

اس کا پورا نام محمد بن عمر بن واقد الاسلمی المدنی ہے۔ واقدی شہادت عثمانؓ کے 100 سال بعد 130ھ میں پیدا ہوا اور 207ھ یا 209ھ میں فوت ہوا۔ یہ بغداد کا قاضی بھی رہا۔

امام احمد بن حنبلؒ واقدی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"ھو کذاب یقلب الاحادیث"

وہ کذاب ہے اور احادیث میں تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔

امام بخاری اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ "متروک" ہے۔

یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ یہ ثقہ نہیں اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی روایات درست نہیں ہوتیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ بلکہ سمعانی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ واقدی کی جانب جتنی کتابیں منسوب ہیں یہ اس کی اپنی تصانیف نہیں بلکہ ابراہیم بن محمد المدینی رافضی کی تصانیف ہیں۔ چونکہ وہ بہت بدنام ہو چکا تھا اس لیے واقدی نے اس کی کتابوں کو اپنے نام سے پھیلایا۔ یہی بات نواب مہدی علی خان نے اپنی کتاب "آیات بینات" میں تحریر کی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ واقدی بہت بڑا تقیہ باز بزرگ تھا اور تشیع کے پھیلانے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ چنانچہ ابن ندیم شیعہ نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ وہ تقیہ باز اور اچھے مذہب کا حامل شیعہ تھا۔ واقدی کے مفصل حالات جاننے کے لیے ملاحظہ ہو: (میزان الاعتدال للذہبی جلد 3۔ص 110 تحت محمد بن عمر بن واقد الاسلمی، تذکرۃ الحفاظ جلد 1۔ص 348، تہذیب التہذیب جلد 9۔ص 364۔366)

"معترضین" کے بقول اگر حضرت مروانؓ کے کردار کی وجہ سے نوبت شہادت عثمانؓ تک پہنچی تھی تو پھر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ تو پھر حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوہریرہؓ وغیرہم، حضرت عثمانؓ کی

حفاظت کرنے اور ان کی حمایت کرنے اور ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنے سے دست بردار کیوں نہ ہوئے؟ یہ حضرات دفاع کرنے کے بجائے حضرت عثمانؓ سے صاف کہہ دیتے کہ تمام شر و فساد کا ذمہ دار مروان ہے جس کے ہاتھ میں آپ نے تمام سلطنت کی باگ ڈور دے رکھی ہے لہٰذا ہم غلط کام میں تعاون نہیں کرسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب سبائی داستانیں ہیں جو بعد میں گھڑی گئی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر گورنر مصر کے نام خط لکھنے کا الزام

گورنر مصر کے نام لکھا گیا مزعومہ و مفروضہ خط حضرت مروانؓ پر نہ صرف ایک سنگین ترین الزام ہے بلکہ اس کے ردعمل میں کوفہ، بصرہ اور مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا دوبارہ محاصرہ کرنے کے علاوہ ان کے خون سے اپنے ہاتھ بھی رنگین کیے۔اس خط کا اس قدر رچہ چا کیا گیا کہ بعض ممتاز علمائے اہل سنت بھی اس ''جعلی خط'' کو حقیقی و اصلی تصور کر بیٹھے۔ چنانچہ علامہ محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

''غرض مروان کے اندر حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی اس قدر تھی کہ ٹھکانہ نہیں ہے۔ اسی نے حضرت محمد بن ابی بکر (یہ نبی اکرمؐ کی وفات کے وقت صرف 3 ماہ کے بچے تھے جب کہ حضرت مروانؓ کی عمر اس وقت 8 برس تھی) کے لیے بجائے ''فاقبلوہ'' کے ''فاقتلوہ'' لکھ دیا تھا۔(انوار الباری جلد 16 ص 337)

حضرت مروانؓ کے بارے میں موصوف کا یہ نظریہ مودودی صاحب کے وکیل صفائی چوہدری محمد اسلم صاحب نے بھی فیض الباری جلد دوم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

''(محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی مقرر کر کے) حضرت عثمانؓ نے مروان کو جوان کا کاتب تھا حکم دیا کہ وہ یہ لکھے ''اذا جاء کم محمد بن ابی بکر فاقبلوہ'' جب محمد بن ابی بکر تمہارے پاس آئیں تو انہیں قبول کر لو۔

مروان نے ''فاقبلوہ'' کے بجائے ''فاقتلوہ'' (ان کو قتل کر دو) لکھ دیا....اس پر یہ فتنے بھڑک اٹھے۔'' (خلافت و ملوکیت اور علمائے اہل سنت ص 85)

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری کے داماد مولانا سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

''اور اسی (یعنی مروان) نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے ایک جھوٹا خط عامل مصر ابن ابی سرح کے نام لکھا تھا اور حضرت عثمانؓ کی مہر بھی بغیر ان کی اجازت کے لگا دی تھی اور

حضرت عثمانؓ ہی کے اونٹ پر ان ہی کے غلام یا کسی دوسرے کو بٹھا کر مصر کو خط روانہ کر دیا کہ جتنے لوگ مصر سے شکایات لے کر مدینہ آئے ہیں جب وہ مصر پہنچیں تو ان سب کو فلاں فلاں طریقہ پر قتل کر دینا۔ وہ خط راستہ میں پکڑا گیا اور اس کو لے کر مصری وفد واپس آیا اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ نے ایسا خط لکھا ہے؟ انہوں نے حلف اٹھایا کہ میں نے ہرگز ایسا خط نہیں لکھا نہ میرے امر و علم سے لکھا گیا۔ اس پر سارے بلوائیوں نے متفقہ مطالبہ کیا کہ یا تو مروان کو ہمارے سپرد کر دیں تا کہ ہم اس سے پوری تحقیق کر کے اس کا تدارک کرائیں یا آپ اپنے آپ کو معزول کر لیں ورنہ تیسری صورت آخری یہ ہے کہ آپ خود شہید ہو جائیں گے۔" (انوار الباری جلد 17۔ص 192۔193)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

"خط پہچانا گیا تو معلوم ہوا کہ مروان کا لکھا ہوا ہے.... مگر حضرت عثمانؓ نے مروان کو دینے سے انکار کر دیا۔ مروان ان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ ان کی مروت نے گوارا نہ کیا کہ مروان کو اپنے اختیار سے ایذا پہنچائیں۔" (خلفائے راشدینؓ ص 197)

علمائے حق کے مذکورہ بیانات اور ان کی تائید سے بظاہر یہ واضح ہوتا ہے کہ خط "جعلی اور فرضی" نہیں تھا بلکہ اصلی اور حقیقی تھا۔ خط کی باقاعدہ "شناخت پریڈ" ہوئی اور پہچان لیا گیا کہ یہ مروان ہی کا تحریر کردہ ہے، اس پر مہر بھی حضرت عثمانؓ کی ہے نیز اونٹ پر غلام بھی ان ہی کا ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری کے پاس تو تیرہ سو سال بعد خط کا عکس بھی پہنچ آیا جس کی رو سے انہوں نے کچھ انکشافات بھی فرمائے ان میں سے ایک انکشاف یہ بھی ہے کہ مروان نے "فاقبلوہ" کو "فاقتلوہ" بنا دیا تھا۔ خط کا تجزیہ تو آگے آ رہا ہے یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت کاشمیری کی تحقیق کے مطابق مروان نے صرف ایک شخص "محمد بن ابی بکر" کے قتل کا حکم دیا تھا جب کہ ان کے داماد حضرت بجنوری نے فرمایا کہ "جتنے لوگ مصر سے شکایات لے کر مدینہ آئے ہیں جب وہ مصر پہنچیں تو ان کو فلاں فلاں طریقہ پر قتل کر دینا۔"

بجنوری صاحب نے مصری وفد میں شامل تمام لوگوں کے حضرت مروان کے ہاتھوں

نہ صرف ''ڈیتھ وارنٹ'' جاری کرائے بلکہ یہ ہدایات بھی جاری کروائیں کہ ان کو ''فلاں فلاں طریقہ سے قتل کر دینا''۔

سچ ہے کہ ''تعصب اور عداوت'' میں عقل وفراست اور بصارت وبصیرت کام چھوڑ دیتی ہے۔ اسی تعصب اور مروان دشمنی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ اپنے اندھے عقیدت مندوں کو کس طرح یقین دلاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ''سارے بلوائیوں کے اس متفقہ مطالبے'' کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی کہ ''مروان کو ہمارے سپرد کریں تاکہ ہم اس سے پوری تحقیق کر کے اس کا تدارک کرائیں'' کیونکہ ایسے ''پاکباز'' لوگوں کا مطالبہ کسی صورت میں بھی قابل رد نہ تھا۔ صد افسوس کہ موصوف کو بلوائیوں کا ''متفقہ مطالبہ'' تو یاد رہ گیا لیکن خود ان کی شرعی اور قانونی حیثیت کو ''ہضم'' کر گئے۔ کیا کسی ''ملزم'' کو ''تحقیق وتفتیش'' کے لیے سلطنت و خلافت کے باغیوں کے سپرد کیا جاسکتا ہے؟ اس طرح کے ''مطالبے'' پر کسی مدرسہ کا مہتمم بھی اپنے طالب علم کو دشمن کے حوالے نہیں کرتا۔

قاضی ابوبکر ابن العربی لکھتے ہیں کہ:

''اگر حضرت عثمانؓ، مروانؓ کو ان کے سپرد کر دیتے تو آپ ظلم کرتے۔'' اس کی صحیح صورت یہ تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس مروانؓ یا اور کسی پر مقدمہ دائر کرتے اگر ان کا جرم ثابت ہو جاتا تو آپ حکم نافذ کرتے اور اس سے حق لیتے لیکن ایسا حق کوئی برآمد نہ ہوا۔''

(العواصم من القواصم اردو ص 194۔195)

اگر فاضل علمائے کرام کے نزدیک اس سارے فتنہ کے بانی حضرت مروانؓ ہی تھے اور انہوں نے ہی خط میں محمد بن ابی بکر کے قتل کا حکم دیا تھا، خط کے پکڑے جانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے باغیوں کے (مروانؓ کو ان کے حوالے کرنے کے) متفقہ مطالبے کو مسترد کر دیا تھا تو سوال یہ ہے کہ جنگ جمل میں جب یہی ''بانی فتنہ'' گرفتار ہو گئے تھے تو حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی سفارش پر انہیں رہا کیوں فرمایا تھا؟ یہ تو اصل ''مجرم'' کو سزا دینے کا بہترین موقع تھا۔

سخت حیرت ہے کہ ہمارے فاضل اور انتہائی قابل احترام علمائے کرام نے سبائیوں کے اس وضعی اور جعلی خط کو اصلی اور حقیقی سمجھ لیا۔

حضرت مروانؓ کو قتل عثمانؓ میں جو سب سے زیادہ ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اس کی بنیاد حضرت مروانؓ کی طرف منسوب یہی خط ہے جو باغیوں کے خلاف عامل مصر کے نام لکھا گیا تھا وہ خط راستے ہی میں باغیوں کے ہاتھ لگ گیا اور اس طرح بغاوت کی دبی ہوئی چنگاری ایک دفعہ پھر سلگ اٹھی اور باغیوں کا گیا ہوا قافلہ پھر مدینے واپس آ گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس ''خط'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''پھر مصریوں کا وفد خوش ہو کر واپس آ گیا پھر اس دوران میں کہ وہ ابھی راستہ ہی میں تھا تو دیکھا گیا کہ اونٹ سوار کبھی ان سے مل جاتا ہے کبھی جدا ہو جاتا ہے پھر ان کی طرف لوٹ کر آتا ہے پھر جدا ہو جاتا ہے۔ اور ان کو گالیاں بھی دیتا ہے (ویسبھم) تو ان لوگوں نے اس سے کہا کہ یقیناً تیرا کوئی خاص کام ہے، بتا کہ تیرا معاملہ کیا ہے؟

اس نے کہا کہ میں امیر المؤمنین کا ایلچی ہوں اس کے مصر کے عامل کی طرف تو انہوں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا عامل مصر کے نام جس پر حضرت عثمانؓ کی مہر لگی ہوئی تھی کہ وہ ان کو قتل کر دے یا ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ دے۔

تو پھر ان لوگوں نے مدینہ کا رخ کیا یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے اور علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا: کیا تم نے اس دشمن خدا (عثمانؓ) کو نہیں دیکھا کہ اس نے ہمارے لیے ایسا اور ایسا حکم لکھا ہے۔ واللہ! اب اس کا خون ہم پر حلال کر دیا گیا تو ہم اس کی طرف لوٹ کر آئے ہیں (آپ ہمارے ساتھ چلیں) علیؓ نے کہا: نہیں واللہ میں تمہارے ساتھ نہیں کھڑا ہوں گا تو انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں کیوں لکھا تھا؟

تو علیؓ نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم میں نے تمہیں کبھی کوئی خط نہیں لکھا۔ (راوی نے کہا کہ) یہ سن کر ان کے بعض نے بعض کی طرف دیکھا اور کہا کہ اسی کے لیے تم قتال کرو

گے؟ یا اسی کے لیے تم جماعت بنے ہو؟ اور علیؓ چل کھڑے ہوئے پھر مدینہ سے ایک قریہ کی طرف نکل گئے۔

پھر یہ لوگ چلے کہ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ تم نے ہمارے بارے میں ایسا اور ایسا لکھا تو عثمانؓ نے فرمایا کہ:

اب تو صرف دو ہی باتیں ہیں کہ تم میرے مقابلے پر دو گواہ مسلمانوں میں سے لاؤ یا میں قسم کھاؤں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ میں نے خود لکھا اور نہ املاء کرایا اور یہ بات تم جانتے ہو کہ خط دوسرے کی طرف سے (یعنی جعلی طور پر) لکھا جا سکتا ہے اور مہر بھی دوسری مہر کے مطابق بنائی جا سکتی ہے۔

اس پر انہوں نے ان سے کہا کہ خدا کی قسم! اللہ نے تمہارا خون حلال کر دیا اور انہوں نے وہ عہد و میثاق توڑ دیا۔" (ازالۃ الخفاء مترجم۔ص 364۔365 جلد 4)

اس روایت کی رو سے قاصد کی ڈرامہ بازی اور اداکاری کے جو مناظر سامنے آئے ہیں وہ خود اس خط کے جعلی ہونے کا واضح ثبوت ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق باغیوں نے واپس آ کر حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ اس معاملہ میں ہمارے ساتھ عثمانؓ کے پاس چلیں۔ جواباً حضرت علیؓ نے فرمایا:

"لا واللہ لا اقوم معکم۔ قالوا: فلم کتبت الینا؟ قال: لا، واللہ ما کتبت الیکم کتاباً قط۔ قال فنظر بعضھم الی بعض ثم قال بعضھم لبعضھم ألھذا تقاتلون أو لھذا تغضبون۔"

نہیں اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں چلوں گا۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں کیوں خط لکھے؟ (اور خطوط کے ذریعے کیوں بلوایا؟) تو حضرت علیؓ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم میں نے تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا۔ اس پر وہ ایک دوسرے کی طرف (تعجب و حیرانی سے) دیکھنے لگے۔ اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تم اسی کی خاطر قتال کرتے ہو؟ یا اسی کی طرف داری کے لیے غضب ناک ہوتے ہو؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبائیوں نے حضرت علیؓ کی جانب سے کئی فرضی خطوط لوگوں کو لکھے اور ایک سازش اور منصوبے کے تحت وہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر اکساتے رہے۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر نے "البدایة والنھایة" کے متعدد مقامات میں لکھا کہ جو صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ مدینہ میں موجود تھے ان کی طرف سے بھی مختلف اطراف میں جعلی خطوط بھیجے گئے۔ (ملاحظہ ہو: البدایة والنھایة جلد 7 ص 173۔ 175 تحت مجیء الاحزاب الی عثمانؓ المرّة الثانیة الی مصر)

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ قتل عثمانؓ پر لوگوں کو ابھارا کرتی تھیں۔ علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ:

"کذب لا اصل لہ و ھو من مفتریات ابن قتیبة و ابن اعثم الکوفی والسمساطی و کانوا مشھورین بالکذب والافتراء"

(تفسیر روح المعانی۔ الجزء الثانی والعشرون ص 11۔ تحت "بیان براۃ عائشة من مخالفة اللّٰہ و رسولہ)

یہ سب جھوٹ ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ ابن قتیبہ، ابن اعثم کوفی اور سمساطی جو مشہور کذاب و مفتری تھے ان کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

سخت تعجب ہے کہ بلوائیوں نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی قسموں پر اعتبار کر لیا (کہ ہم نے آپ کی طرف کوئی خط نہیں لکھا) مگر حضرت عثمانؓ کے معاملے میں نہ کوئی گواہی پیش کی اور نہ ہی ان کی قسم کو تسلیم کیا۔

خط میں افسانہ تو یہ تراشا گیا کہ حضرت عثمانؓ نے گورنر مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (خط میں نام کی تصریح موجود ہے۔ ملاحظہ ہو الطبری جلد 5 ص 120) کے نام اس نوعیت کا خط لکھا یا لکھوایا تھا۔ جب کہ خط میں گورنر کا نام ہی اس کے جعلی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ گورنر موصوف مصر میں موجود ہی نہیں تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کی اجازت سے مدینہ کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ ان کے چلے آنے کے بعد بلوائیوں کے زبردست حامی

محمد بن ابی حذیفہ نے مصر کی حکومت پر قبضہ کرلیا تھا۔ایسی صورت حال میں حضرت عثمانؓ یا ان کے سیکرٹری یا چیف سیکرٹری گورنر مصر کے نام کیوں کر خط لکھ سکتے تھے؟

حضرت عثمانؓ یا حضرت مروانؓ پر ایک الزام یہ بھی لگایا گیا ہے کہ انہوں نے گورنر کے نام خط میں ''محمد بن ابی بکر'' کے قتل کا حکم دیا تھا۔اس الزام کی تردید کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

ہر وہ شخص جو حضرت عثمانؓ کے حالات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ حضرت عثمانؓ، محمد بن ابی بکر اور ان جیسے آدمیوں کے قتل کا حکم دینے والے نہیں تھے اور نہ ہی آپ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے باغیوں میں سے کسی کو قتل کیا ہو یا قتل کا حکم دیا ہو۔حالانکہ ان باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کی کوشش کی (جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے)اور محمد بن ابی بکر بھی دوسرے باغیوں کے ہمراہ ان کے مکان میں گھس آئے تھے اور آپ بطور دفاع بھی ان باغیوں سے لڑنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔پھر غور کرو کہ آپ (حضرت عثمانؓ) ایک ناکردہ گناہ پر ایک آدمی (محمد بن ابی بکر) کے قتل کا حکم کیسے دے سکتے تھے؟ یہ ناممکن ہے۔(منہاج السنہ الجزء الثالث ص 188 طبع بیروت)

اس خط کے جعلی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ

اگر اس خط میں محمد بن ابی بکر کے قتل کا حکم ہوتا تو محمد بن ابی بکر کے لیے ایک مرتبہ اس کے اظہار کا ایک اچھا موقع ہاتھ آیا تھا مگر انہوں نے اس کا اشارتاً بھی ذکر نہ کیا۔

جب محمد بن ابی بکر دیگر بلوائیوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کے ارادہ سے ان کے گھر میں داخل ہوئے تھے اور ان کی داڑھی سے پکڑ کر انہیں کھینچا تھا تو حضرت عثمانؓ نے اس وقت ایک جملہ ادا فرمایا کہ:

''اگر آج آپ کے والد زندہ ہوتے تو وہ آپ کے اس عمل پر کیا کہتے؟''

یہ سن کر محمد بن ابی بکر پیچھے ہٹ گئے۔

اگر گورنر مصر کے نام خط میں محمد بن ابی بکر کے قتل کا حکم ہوتا تو وہ یقیناً اس موقع پر

حضرت عثمانؓ کو یہ جواب دیتے کہ:

"اگر آج میرے والد زندہ ہوتے تو وہ میرے قتل کا حکم صادر کرنے پر آپ کو کیا کہتے؟ محمد بن ابی بکر کا اس موقع پر پیچھے ہٹ جانا اور جواب نہ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ سارا قصہ بعد میں تراشا گیا یا پھر اس خط میں قتل وغیرہ کا کوئی حکم نہیں تھا۔

خط کی کہانی سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ خط گورنر تک نہیں پہنچا بلکہ راستے میں ہی قاصد نے اپنے احمقانہ اور مشکوک کردار و حرکات سے خود کو گرفتار کرالیا۔ سوال یہ ہے کہ خط کھولنے والے کون لوگ تھے؟ کن کے سامنے کھولا گیا؟ مہر کس نے توڑی؟ کیا وہ فی الواقع حضرت عثمانؓ ہی کی مہر تھی؟ کیا یہ وہ مہر تو نہ تھی جو 30ھ میں حضرت عثمانؓ سے ایک کنوئیں میں گر گئی تھی؛ بعد میں تلاش کے باوجود وہ مہر نہ مل سکی۔

اگر بالفرض اس خط میں "فاقبلوہ" کے بجائے "فاقتلوہ" کے الفاظ لکھے بھی گئے ہوں تو ان کے لکھنے والے حضرت مروانؓ ہرگز نہیں ہوسکتے۔ یہ "اضافہ" ان لوگوں کا ہی ہوسکتا ہے جنھوں نے خط کھولا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں بلوائی حضرت عثمانؓ کے استفسار پر نہ "گواہ" پیش کرسکے اور نہ ہی حضرت عثمانؓ اور حضرت مروانؓ کا "حلف" تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوئے۔ تاریخ میں ان دونوں حضرات کے "حلف" کی تصریح پائی جاتی ہے:

"و حلف عثمان علی ذلك......فحلف مروان"

(مقدمہ ابن خلدون۔الفصل الثلاثون فی ولایتہ العھد۔ص 215)

"فاقبلوہ/فاقتلوہ" پر مستقل بحث آگے آرہی ہے۔

جعلی خط کی منصوبہ بندی عبداللہ بن سبا، اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ نے کی تھی۔ اور اس سے ان کا مقصد حضرت عائشہؓ کی حمایت حاصل کرنا تھا کہ جب ان کے علم میں یہ بات آئے گی کہ حضرت عثمانؓ نے ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کے قتل کا حکم جاری کیا تھا تو وہ حضرت عثمانؓ سے ناراض ہوجائیں گی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ:

حضرت عثمانؓ کی خواہش کے مطابق اور صحابہ کرامؓ کے سمجھانے پر جب بلوائی واپس

اپنے اپنے شہروں کو روانہ ہو گئے اور فتنہ فرو ہو گیا تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ یا حضرت مروانؓ اس قسم کا خط لکھیں کیونکہ اس کا مقصد تو ایک نیا فتنہ کھڑا کرنا تھا جس میں ان حضرات کا نہ کوئی مفاد تھا اور نہ کوئی مصلحت۔

اس کے برعکس اس نئے فتنہ کے ساتھ بلوائیوں اور فتنہ پرور لوگوں کا مفاد وابستہ تھا جن میں اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ سرفہرست تھے۔یہ دونوں حضرات اپنے شہروں کو واپس جانے کے بجائے اس مقصد کے لیے مدینہ میں ہی ٹھہر گئے تھے (طبری جلد 5 ص 120) اور بالآخر حضرت عثمانؓ یا حضرت مروانؓ کی طرف سے جعلی خط تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

جن تاریخی روایات میں خط کی سازش کے انکشاف کے بعد "مہر، اونٹ اور غلام" کا تذکرہ پایا جاتا ہے تو یہ سب مرسل روایات ہیں۔ان کے بیان کرنے والوں کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ یا پھر وہ لوگ ہیں جن کی امانت، عدالت اور صداقت میں طعن کیا گیا ہے۔نیز یہ روایات جھوٹی بلغو اور باطل ہیں۔

پھر خط کے "مضمون" کے متعلق بھی روایات میں اضطراب پایا جاتا ہے۔بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ:

جب عبدالرحمٰن بن عدیس تمہارے پاس آئے تو اس کو سو کوڑے لگاؤ اور اس کا سر اور داڑھی مونڈھ دو اور اسے قید خانہ میں بند کر دو اور پھر میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو۔نیز عمرو بن حمق اور سودان بن حمران اور عروہ بن نباع سے بھی یہی سلوک کرو۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

جب محمد بن ابی بکر اور فلاں فلاں آدمی تمہارے پاس آئیں تو ان کو قتل کر دو اور ان کے پاس جو حکم نامہ ہے اس کی پرواہ نہ کرو اور اپنے عہدہ پر قائم رہو جب تک کہ میرا دوسرا حکم نہ پہنچے۔

اور تیسری روایت کا مضمون اس طرح ہے کہ:

ان کو قتل کرو، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹو اور انہیں صلیب پر لٹکا دو۔

ایک ہی خط کے اضطراب سے بھرپور یہ مختلف مضامین خط کے جعلی ہونے کے لیے

کافی ثبوت ہیں۔اس کے علاوہ یہ بات بھی خط کا جعلی ہونا ثابت کرتی ہے کہ:

مفسدوں، باغیوں اور بلوائیوں کے قافلے مختلف اطراف مشرق و مغرب میں جانے کی وجہ سے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے لیکن حیرت انگیز طور پر یہ سب لوگ جب مدینہ میں ایک ہی وقت پر پہنچے تو حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا:

اے کوفہ اور بصرہ والو! تمہیں کیسے معلوم ہوگیا کہ مصری لوگوں کو ایک خط ملا ہے حالانکہ تم کئی منزل دور جا چکے تھے اور پھر تم واپس بھی آ گئے ۔اللہ کی قسم یہ پروگرام مدینہ میں مرتب ہوا ہے۔حضرت علیؓ کا اشارہ اشتر نخعی اور حکم بن جبلہ کی طرف تھا جو مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھے اور یہی وہ دو آدمی تھے جنہوں نے سازش تیار کی تھی۔

عراقی بلوائیوں نے حضرت علیؓ کو جواب دیا کہ:

اس معاملہ کو آپ جانے دیں ہمیں اس آدمی (یعنی عثمانؓ) کی ضرورت نہیں یہ ہم سے الگ ہو جائے۔

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ خط کا قصہ سب جھوٹا تھا اور ان کا سب سے اہم مقصد حضرت عثمان کو خلافت سے معزول کرنا یا بصورت دیگر ان کو قتل کرنا تھا۔جسے اللہ نے اپنی شریعت میں حرام قرار دیا تھا۔

مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور بلوائیوں میں یہ سوال و جواب تمام روایتوں میں پایا جاتا ہے اور بات واضح ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے نام سے خط لکھا اور پھر بلوائیوں کو بھی خط لکھا کہ تم مدینہ واپس آ جاؤ انہی لوگوں نے حضرت علیؓ کے نام سے ان بلوائیوں کی طرف بھی خط لکھا تھا کہ تم مدینہ آ جاؤ۔(طبری جلد 5 ص 108)

سلیمان بن مہران (اعمش) کہتے ہیں کہ:

اے اس موجودہ دور کے مسلمانو! سن لو! جن مجرم ہاتھوں نے حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے نام سے جھوٹے خط لکھے ان ہی لوگوں نے یہ سارا فساد بپا کیا تھا اور ان ہی لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے نام سے اپنے مصر کے عامل کے نام ایسے

وقت میں خط لکھا جب کہ حضرت عثمانؓ کو معلوم تھا کہ مصر میں ان کا اس وقت کوئی عامل نہیں ہے اور وہ جھوٹے خط جن قلموں نے حضرت عثمانؓ کے نام سے لکھے ان ہی قلموں نے حضرت علیؓ کے نام سے بھی خط لکھے۔

یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ فتنہ پرور لوگ مدینہ واپس آجائیں حالانکہ یہ لوگ خلیفہ حضرت عثمانؓ کے موقف کو صحیح تسلیم کر کے واپس جا چکے تھے اور جو کچھ ان کے نام سے لکھا گیا وہ سب جھوٹ تھا اور امیر المؤمنین تو وہی کام کرتے تھے جو حق اور بھلائی پر مبنی ہوتا تھا اور نبی کریمؐ کے داماد (حضرت عثمانؓ) جنہیں شہادت اور جنت کی بشارت سنائی گئی تھی، ایسے آدمی نہ تھے کہ وہ ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے جن کو سبائی لوگ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ ان کی نگاہ میں تو اسلام بھی مجرم تھا اور وہ اسلامی نسلیں جن کو اپنی خالص اور رصاف و پاک تاریخ محرف اور گدلی ہو کر ملی وہ اس خبیث یہودی (ابن سبا) کا کارنامہ ہے اور پھر اس کے بعد اس کے کینہ پرور ساتھیوں کا جو خواہشات کے پیرو ہیں۔

کیا اسلامی نسلوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ وہ اپنی صحیح تاریخ اور اپنے بڑوں کی سیرت کو پہچانیں؟ بلکہ کیا اس دور میں لکھنے والے مؤلفین و مصنفین اور مقالہ نگاروں کے لیے وقت نہیں آیا کہ اللہ سے ڈریں اور بغیر تحقیق و تدقیق کے نیک و پرہیز گار لوگوں کو متہم کرنے کی جرأت نہ کریں؟ تاکہ وہ بھی اس غلطی کے مرتکب نہ ہوں جس کے دوسرے مرتکب ہوئے ہیں۔ (العواصم من القواصم اردو۔ص 218۔220)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ یہ خط (جس کے بارے میں بلوائیوں کا یہ خیال تھا کہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے ہے، جس پر ان کی مہر بھی ثبت ہے اور اسے زکوۃ کے اونٹ پر ان کا غلام سوار ہو کر مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے پاس لے جا رہا تھا؛ جس کے اندر یہ فرمان تھا کہ ان باغیوں کو قتل کر دیا جائے) ہی سراسر جعلی اور جھوٹ پر مبنی تھا جسے حضرت عثمانؓ یا حضرت مروانؓ کے نام سے گھڑا گیا تھا۔ نیز ان باغیوں نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے صرف یہی ایک منحوس و جعلی خط نہیں لکھا تھا بلکہ اسی طرح کے

بہت سے خطوط حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے نام سے بھی لکھے تھے جن کا ان حضرات نے صاف طور پر اسی وقت انکار کر دیا تھا۔

سخت تعجب ہے کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ اور مولانا سید احمد رضا بجنوری جیسے متبحر علماء نے بغیر تحقیق و تدقیق کے اس جعلی خط کو صحیح سمجھتے ہوئے حضرت مروانؓ کو متہم قرار دے دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر "فاقبلوہ" کو "فاقتلوہ" میں تبدیل کرنے کا الزام

یہ الزام بھی اگر چہ پہلے الزام ہی کا حصہ ہے اور اس کے تحت پیچھے اس کا مختصر جواب بھی گزر چکا ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اور ایک دوسرے پہلو کے اعتبار سے اسے یہاں الگ عنوان کے تحت پیش کیا جا رہا ہے۔

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

مروان کے اندر حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی اس قدر تھی کہ ٹھکانہ نہیں ہے۔ اسی نے حضرت محمد بن ابی بکر (جنھوں نے حضرت عثمانؓ پر بنیت قتل پہلا حملہ کیا تھا) کے لیے بجائے "فاقبلوہ" کے "فاقتلوہ" لکھ دیا تھا"(انوار الباری جلد 16 ص 337)

جب کہ چوہدری محمد اسلم صاحب "فیض الباری" جلد دوم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عثمانؓ نے مروان کو جوان کا کاتب تھا حکم دیا کہ وہ یہ لکھے:

"اذا جاء کم محمد بن ابی بکر فاقبلوہ" جب محمد بن ابی بکر تمہارے پاس آئیں تو انہیں قبول کرلو۔

مروان نے "فاقبلوہ" کی بجائے "فاقتلوہ" (ان کو قتل کر دو) لکھ دیا۔ اس پر یہ فتنے بھڑک اٹھے۔" (خلافت و ملوکیت اور علمائے اہل سنت ص 85)

حضرت شاہ صاحب نے "فاقبلوہ /فاقتلوہ" میں ضمیر کا مرجع "محمد بن ابی بکر" کو قرار دیا (اذا جاء کم محمد بن ابی بکر فاقبلوہ /فاقتلوہ) جب کہ شاہ صاحب کے داماد اور مرتب "انوار الباری" مولانا سید احمد رضا بجنوری نے یہ انکشاف بھی فرمایا کہ مروان نے خط میں گورنر مصر کو لکھا تھا کہ "جتنے لوگ مصر سے شکایات لے کر مدینہ آئے ہیں جب وہ مصر پہنچیں تو ان سب کو فلاں فلاں طریقہ پر قتل کر دینا۔" (انوار الباری جلد 17۔ ص 193)

ظاہر ہے کہ شکایت کنندگان سینکڑوں میں تھے جن کے قتل کا حکم دیا گیا پھر "فاقتلوہ" کے بجائے "فاقتلوھم" ہونا چاہیے تھا۔

پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ خط کے متن کے بارے میں تمام روایات "مضطرب" ہیں اور یہ "اضطراب" خط کے وضعی اور جعلی ہونے کا ایک واضح ثبوت ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خط خلیفہ وقت کی طرف سے اپنے جونیئر ملازم "گورنر" مصر کے نام لکھا جا رہا ہے جو "واحد" ہے مگر اسے بصیغہ جمع "فاقتلوہ" کا حکم دیا جا رہا ہے۔

سخت حیرت ہے کہ حضرت مروانؓ ایک خالص عربی، قریشی اور تمام تر اہلیت و قابلیت کے باوجود خلیفہ کی طرف سے ایک "ماتحت" کے نام لکھائے جانے والے ایک مختصر خط میں "دفتری زبان و اسلوب" کا لحاظ بھی نہ رکھ سکے اور "فاقتلہ" کو "فاقتلوہ" بنا دیا۔ بجنوری صاحب کی "املاء" کے مطابق تو "فاقتلوھم" ہونا چاہیے تھا جو اصل میں "فاقتلھم" ہوتا۔

اس "تکنیکی" غلطی سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ خط میں یہ "اضافہ" حضرت مروانؓ کی طرف سے نہیں ہو سکتا بلکہ اشتر نخعی جیسے نااہل لوگ ہی یہ "کارنامہ" سرانجام دے سکتے ہیں۔

بہر حال یہاں حضرت شاہ صاحبؒ نے "فاقتلوہ" میں "ہ" ضمیر کا مرجع صرف محمد بن ابی بکر کو قرار دیا ہے۔

اگر موصوف خط میں "فاقبلوہ/فاقتلوہ" کے الفاظ پر ہی ادنیٰ تامل فرما لیتے تو کم از کم حضرت مروانؓ پر اس قسم کے الزامات لگانے سے تو محفوظ ہو جاتے کیونکہ گورنر کی تقرری کا معاملہ کوئی پہلی مرتبہ تو عمل میں نہیں آ رہا تھا بلکہ اس سے پہلے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور خود حضرت عثمانؓ کے بارہ سالہ دور خلافت میں بھی حسب ضرورت عمل میں آتا رہا۔ کیا کسی ایک گورنر کی تقرری کے موقع پر بھی "اذا جاء کم... فاقبلوہ" کے الفاظ سے رعایا کو حکم دیا گیا تھا؟

ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی لکھتے ہیں کہ:

سیدنا عمرؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ گورنروں کے انتخاب کے سلسلہ میں اہل شوریٰ سے مشورہ لینے اور گورنر نامزد کر دینے کے بعد ایک قرارداد تیار کرتے تھے۔ اکثر مؤرخین

نے اسے "معاہدہ تقرری" کا نام دیا ہے۔ ہم مجازی طور پر اسے "قرار دادِ خلافت" کا نام دے سکتے ہیں۔

افسران و گورنران کی تقرری کے وقت آپ کے تیار کردہ حلف نامے کی متعدد عبارتیں تاریخی کتابوں میں ملتی ہیں البتہ جس بات پر تقریباً تمام مؤرخین متفق نظر آتے ہیں وہ یہ ہے کہ عمر بن خطابؓ جب کسی کو افسر یا گورنر مقرر کرتے تھے تو مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو گواہ بناتے اور عہدیداروں سے قرارداد میں درج کردہ شرائط کی پابندی کرنے کا عہد لیتے۔

بسا اوقات گورنری کے لیے تجویز کردہ شخص مجلس میں موجود نہ ہوتا تو آپ اس کے نام سے عہد نامہ تیار کرتے اور اسے اس کے پاس بھیج کر حکم دیتے کہ فلاں ریاست میں چلے جاؤ۔ وہاں تمہاری تقرری ہوگئی ہے۔ جیسا کہ بحرین کے گورنر علاء بن حضرمیؓ کو عہد نامہ ارسال کیا اور حکم دیا کہ بصرہ چلے جاؤ۔ اب عتبہ کے بعد تم وہاں کے گورنر بنائے جا رہے ہو۔

اسی طرح اگر آپ کسی امیر کو معزول کر کے کسی دوسرے کو اس کی جگہ بھیجتے تو نیا امیر سرکاری خط کے ساتھ وہاں جاتا جس میں پہلے امیر کی معزولی اور نئے امیر کی تقرری کا حکم ہوتا جیسا کہ جب آپ نے بصرہ کی گورنری سے مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول کیا اور ان کی جگہ پر ابوموسیٰ اشعریؓ کو گورنر بنایا تو ابوموسیٰؓ کو اسی طرح کا خط لکھ کر دیا۔"

(سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے۔ ص 522۔ 523۔ مؤلفہ ڈاکٹر علی محمد، محمد الصلابی۔ مترجمہ شمیم احمد خلیل السلفی، عبدالمعین بن عبدالوہاب مدنی۔ بحوالہ "الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدۃ ص 407، الولایۃ علی البلدان ص 49۔ جلد 2)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ (جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ادوار میں ان کے کاتب و مشیر رہے) کے سامنے عام گورنروں کی تقرری کا یہ طریق کار موجود تھا اور وہ خود بھی شیخینؓ ہی کی سنت پر کاربند تھے؛ تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ یا حضرت مروانؓ نے اکابر صحابہؓ کی طویل تگ و دو اور مصالحت کے نتیجے میں ایک "خاص" گورنر کی تقرری کے موقع پر یہ احتیاطی تدابیر اختیار نہ کی ہوں گی؟

ظاہر ہے کہ محمد بن ابی بکر کی بحیثیت گورنر تقرری کا خط خود ان ہی کو دیا گیا تھا جس پر دیگر شرائط (قرار دادِ خلافت کے مطابق) کے علاوہ مصر کے پہلے گورنر کی معزولی کا بھی ذکر تھا اور اس تقرر نامے پر بھی گواہان اور خلیفہ کے دستخط نیز مہر خلافت بھی ثبت تھی تو پھر سوال یہ ہے کہ جب حضرت مروانؓ کا تحریر کردہ "مفروضہ و مزعومہ" خط راستے میں سوار سمیت پکڑ لیا گیا تھا تو نامزد گورنر نے سوار کو "زیرِ حراست" رکھ کر مصر کا رخ کیوں نہ کیا اور مدینہ کیوں واپس پلٹے؟ اور اگر وہ مصر کی جانب سفر جاری رکھتے اور وہاں پہنچ کر اپنا تقرر نامہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے سامنے پیش کرتے تو بتایا جائے کہ "سابق گورنر" کے پاس انکار کی کیا گنجائش تھی؟ کیونکہ حضرت مروانؓ کی طرف سے تیار کردہ "فـاقتـلـوہ" کے حکم پر مشتمل نیا "تقرر نامہ" اونٹنی اور رغلام سمیت نئے نامزد گورنر محمد بن ابی بکر کے زیر قبضہ اور زیر حراست تھے۔

اس صورت میں مصری وفد کو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سے اپنے قتل کا اندیشہ آخر کس طرح ہو سکتا تھا؟ کیا یہ تاریخ کا بدترین "مکذوبہ" نہیں ہے؟

معلوم نہیں کہ حضرت علامہ انور شاہ جیسی عبقری شخصیت نے اس "تاریخی مکذوبے" پر کیوں کر اعتماد کر لیا؟

جناب شاہ صاحب نے حضرت مروانؓ پر اس الزام کی بھی تصدیق فرمائی ہے کہ انہوں نے "فتنہ پروری" کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے "فاقبلوہ" میں "ب" کو "ت" میں تبدیل کر دیا تھا جس سے "فاقبلوہ" کا حکم "فاقتلوہ" میں تبدیل ہو گیا۔

خط کا یہ فتنہ ذی قعد کے آخر یا ذی الحج 35ھ کے اوائل کا بیان کیا جاتا ہے جب کہ اس وقت تک تو قرآن مجید کے حروف پر بھی نقطے نہیں لگائے گئے تھے۔ چنانچہ الٰہ آباد یونیورسٹی شعبہ عربی کے پروفیسر ڈاکٹر زبید احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ابتداءً" خط عربی میں نہ نقطے تھے اور نہ حرکات اور اس سے عربوں کو تو کچھ بھی دقت نہیں ہوتی تھی مگر عجمیوں کو بڑی مشکل تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اردو کا خطِ شکستہ مروجہ

عدالت ہائے سرکاری جس میں نقطے تو کہاں حرفوں کی صورتیں بھی ٹھیک نہیں ہوتیں۔ ہم تو اسے بآسانی پڑھ سکتے ہیں مگر غیر قوم کا آدمی لفظ لفظ پر ٹھوکر کھائے گا۔

نصف صدی ہجری تک قرآن شریف پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ زیر و زبر (حرکات) عرب صحیح پڑھتے تھے اور ان کی قراتوں میں کچھ فرق نہیں آتا تھا لیکن آگے چل کر جب عجمیوں کی آمیزش شروع ہوگئی تو ان کی غلط قراتوں کی وجہ سے حرکت کی ضرورت کا احساس ہوا۔ چنانچہ ابوالاسود دوئلی م 69ھ نے جو علم نحو کا بھی موجد تھا اوّلاً اسم، فعل و حرف میں تمیز کرنے والے نقطے مقرر کیے مگر ان سے حروف متشابہ میں تمیز نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے بعد یہ نقطے اعراب کی صورت میں تبدیل ہو گئے جو اب تک مروج ہیں....

ابتداء عربی خط میں نقطے نہیں تھے کیونکہ جن خطوں سے "خط عربی" ماخوذ ہے وہ بھی اس وقت تک نقطوں سے خالی تھے، پس نقطوں کے موجد عرب ہیں۔ چونکہ حرکتوں کے اختراع کے بعد بھی نقطے نہ ہونے کی وجہ سے غلطیاں ہوتی رہیں خصوصاً عجمیوں کو تو بڑی دقت پیش آتی تھی وہ ہم شکل حروف میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج بن یوسف کے حکم سے نصر بن عاصم نے نقطے ایجاد کیے۔ پھر آگے چل کر "ہمزہ" وضع ہوا۔ غرضیکہ پہلی صدی کے وسط میں حرکات و نقاط سب ایجاد ہو گئے تھے۔

ابتداء حرکات و نقاط کا زیادہ رواج نہیں ہوا کیونکہ لوگ اس کے استعمال کو ناپسند کرتے تھے مگر رفتہ رفتہ عام رواج ہو گیا۔ حرکات تو اب بھی کم استعمال ہوتے ہیں، صرف قرآن شریف میں التزام کے ساتھ حرکات لگائے جاتے ہیں مگر معمولی خط و کتابت حتیٰ کہ طباعت میں بھی ان کی پابندی نہیں کی جاتی۔" (ادب العرب۔ حصہ اول۔ ص 73۔74)

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اہل عرب میں ابتداءً حروف پر نقطے لگانے کا رواج نہیں تھا بلکہ لکھنے والا خالی حروف لکھنے پر اکتفاء کرتا تھا اور پڑھنے والے اس طرز کے اتنے عادی تھے کہ انہیں بغیر نقطوں کی تحریر پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔ سیاق و سباق کی مدد سے مشتبہ حروف میں امتیاز بھی

بآسانی ہو جاتا تھا بلکہ بسا اوقات نقطے ڈالنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مؤرخ مدائنی نے ایک ادیب کا مقولہ نقل کیا ہے کہ:

كثرة النقط في الكتاب سوء ظنّ بالمكتوب اليه

خط میں کثرت سے نقطے ڈالنا مکتوب الیہ (کی فہم) سے بدگمانی کے مرادف ہے۔

چنانچہ مصاحف عثمانی بھی نقطوں سے خالی تھے اور عمومی رواج کے علاوہ اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ اس رسم الخط میں تمام متواتر قرأتیں سما سکیں لیکن بعد میں عجمی اور کم پڑھے لکھے مسلمانوں کی سہولت کے لیے قرآن کریم پر نقطے ڈالے گئے۔

اس میں روایات مختلف ہیں کہ قرآن کریم کے نسخے پر سب سے پہلے کس نے نقطے ڈالے؟ بعض روایتیں یہ کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے ابو الاسود دؤلی نے انجام دیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے عبد الملک بن مروان کی فرمائش پر یہ کام کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف نے حسن بصری، یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثی کے ذریعے انجام دیا۔ بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن کریم پر نقطے ڈالے وہی نقطوں کا موجد بھی ہے، اس سے پہلے نقطوں کا کوئی تصور نہیں تھا....

(علوم القرآن ص 193۔194)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ زیر بحث "خط" کا قصہ ہر زاویے اور ہر اعتبار سے خلاف واقع، خلاف حقیقت، لغو، باطل اور سبائیوں کا وضع کردہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے حضرت مروانؓ کے دشمنوں کی روایت پر اعتماد کر کے زیر بحث الزام کی تصدیق و تائید فرمائی ہے۔ پھر ان ہی دشمنوں نے "فیض الباری" کی ایک عبارت کی رو سے خود حضرت شاہ صاحبؒ پر "تحریف قرآن" کا الزام عائد کر دیا حالانکہ اس کتاب کے مرتب موصوف کے شاگرد عزیز مولانا بدر عالم صاحبؒ ہیں جو ایک عام شاگرد ہی نہیں بلکہ محدث کبیر ہیں۔ امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے حضرت شاہ صاحب کا دفاع کرتے ہوئے یہ قرار دیا ہے کہ اس عبارت میں

"قبلها" کو "قبلہ" میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اہل تشیع شاہ صاحب پر تحریف قرآن کا الزام عائد کرتے ہیں۔

اب ان بزرگوں کی اس تاویل کی رو سے اگر استاذ کی براُت کریں تو شاگرد تحریف قرآن کا قائل نظر آتا ہے اور اگر شاگرد کو بے قصور ٹھہرائیں تو پھر استاذ پر یہ گھناؤنا الزام عائد ہوتا ہے۔ لیکن شاگرد نے تو "فیض الباری شرح صحیح بخاری" میں اپنے استاذ ہی کے فرمودات نقل کیے ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ "لفظی" تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں یا "معنوی" کے۔ ہر دو صورتوں میں امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ کی "تاویلات" کی روشنی میں اشکال برقرار ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ 1938ء میں مصر سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد اب تک مصر، ہندوستان اور پاکستان سے اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان تمام ایڈیشنوں میں وہ قابل اعتراض عبارت (جس کی رو سے قرآن مجید کا لفظاً محرف ہونا لازم آتا ہے) جوں کی توں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب صحیح بخاری کی ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"جان لو! بے شک تحریف کے بارے میں تین مذاہب ہیں:

1۔ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ آسمانی کتابوں میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے لفظی بھی اور معنوی بھی۔ اس مذہب کی طرف ابن حزم کا میلان ہے۔

2۔ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تحریف قلیل ہے اور شاید ابن تیمیہ اسی جانب مائل ہیں۔

3۔ اور ایک جماعت نے تحریف لفظی کا سرے سے انکار کیا ہے۔ پس ان کے نزدیک تحریف تمام تر معنوی ہے۔

میں (علامہ انور شاہ کاشمیری) کہتا ہوں کہ پھر تو اس (مؤخر الذکر) مذہب کے مطابق لازم آئے گا کہ قرآن بھی محرف ہو۔ کیونکہ اس میں بھی تحریف معنوی کچھ کم نہیں ہے۔

"والذی تحقق عندی أنّ التحریف "فیہ" لفظی ایضاً أمّا أنّه عن عمدا او لمغلطة فالله تعالی اعلم"

اور جو چیز میرے نزدیک محقق اور ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اس میں تحریف لفظی بھی ہوئی ہے۔ یہ تحریف یا تو انہوں نے جان بوجھ کر کی ہے یا ان سے غلطی کی بناء پر ہوگئی ہے۔"

(فیض الباری علی صحیح البخاری الجزء الثالث ص 395)

کتب سابقہ میں "تحریف" کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ بعض کے نزدیک ان میں لفظی و معنوی دونوں طرح کی تحریف ہوئی ہے۔ جب کہ بعض کے نزدیک صرف معنوی تحریف ہوئی ہے۔ اس مؤخر الذکر قول کو رد کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

اگر کتب سابقہ میں صرف "معنوی" تحریف ہی تسلیم کی جائے تو اس کی رو سے قرآن کریم کو بھی محرف تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ اس میں بھی "تحریف معنوی" کم نہیں ہے۔

قرآن کریم میں بکثرت "معنوی تحریف" کا اقرار کرنے کے بعد موصوف اپنی تحقیق یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

اور جو چیز میرے نزدیک محقق اور ثابت ہے وہ یہ ہے کہ "أنّ التحریف فیہ لفظی ایضا" اس میں یقیناً تحریف لفظی بھی ہے۔

"فیہ" کی وجہ سے اہل تشیع کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب قرآن مجید میں تحریف معنوی کے ساتھ ساتھ "تحریف لفظی" کے بھی قائل ہیں۔

1938ء سے 1998ء تک یعنی ساٹھ سال کے طویل عرصہ میں اکابر نے اس کی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں سمجھی یا ان کا دھیان اس طرف نہیں گیا، یا اکابر کو زیر بحث عبارت میں سرے سے کوئی اشتباہ لاحق ہوا ہی نہیں تھا کیونکہ سیاق و سباق کی روشنی میں "فیہ" کی ضمیر سے حضرت شاہ صاحبؒ کی مراد کتب سماویہ میں تحریف تھی نہ کہ قرآن میں۔ مگر بعد میں مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے زیر عنوان: ایک اہم مغالطہ کا ازالہ" اس کی وضاحت

جاری فرمائی کہ:

''راقم اثیم نے عبارت دیکھی تو معلوم ہوا کہ کتابت کی غلطی ہے بجائے "فیھــا" کے "فیــہ" غلط طبع ہوا ہے اور "فیھا" کی ضمیر "الـکـتـب الســمـاویۃ" کی طرف راجع ہے نہ کہ "الـقـرآن" کی طرف۔ اور اس بات پر ایک تو خود مذکورہ عبارت کا یہ آخری حصہ دال ہے "اما انـہ عـن عـمـد منھم او لمغلطۃ" کہ اہل کتاب نے کتب سماویہ کے اندر یا تو جان بوجھ کر تحریف لفظی کی ہے اور یا یہ کام ان سے خطاء اور غلطی کی وجہ سے صادر ہوا ہے .... ''

(ماہنامہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ص 6۔ جنوری 1998ء)

موصوف نے فیض الباری کی اشاعت اول کے ساٹھ سال بعد اپنے طور پر جہاں حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے "صفائی" پیش کی ہے وہیں اس بات کا اعتراف بھی فرمایا ہے کہ اس عبارت میں "فیہ" کتابت کی غلطی ہے جو اصل میں "فیھا" ہے۔

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا مجیب الرحمٰن (آف ڈیرہ اسماعیل خان) کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

ا۔ کتابت کی غلطی کی وجہ سے بجائے "فیھا" کے جو ضمیر کتب سماویہ کی طرف راجع ہے "فیــہ" لکھا گیا ہے جو بظاہر قرآن کریم کی طرف راجع سمجھی جاتی ہے جو قطعاً غلط ہے۔ فیض الباری جلد 4 ص 537 میں "قـال ابـن عباس" سے لے کر "فـکـان التـفسیر یختلط بالتوراۃ من ھذا الطریق" تک عبارت دیکھیں، بات بخوبی واضح ہو جائے گی۔

۲۔ اس بے سند اور بے ثبوت قول سے قرآن کریم میں تحریف کیسے ثابت ہوگی؟

۳۔ "بـعـضـھـم" سے رافضی مراد ہیں اور وہ تو تحریف کے قائل ہیں۔ ان مردودوں کے قول سے قرآن کریم میں تحریف کیوں کر ثابت ہو سکتی ہے؟ کلبی اور سدی دونوں رافضی، کذاب اور وضاع ہیں، ان کی نقل اہل حق کے لیے کیسے حجت ہو سکتی ہے؟

۴۔ ''کبریت احمر'' میرے پاس نہیں ہے اور آج کل میں مدرسہ نہیں جاتا۔ سیاق وسباق سے پتہ چلے گا کہ اس کا قائل کون ہے؟ تائید کرتا ہے یا تردید کرتا ہے؟ پھر ایک

غیر معصوم کے غلط قول سے قرآن کریم میں تحریف کیسے تسلیم ہو سکتی ہے؟

۵۔ شیعہ واقعی تحریف کے قائل ہیں۔ راقم اثیم کی کتاب "ارشاد الشیعة" میں اس کی مفصل با حوالہ بحث درج ہے اس کو ضرور ملاحظہ کریں۔"

(الشریعہ۔ خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر ص 929-930)

موصوفؒ نے اپنے ایک مسترشد مولانا عبدالحفیظ کے نام اپنے خط میں مزید وضاحت فرمائی ہے کہ:

"عزیز القدر! اس عبارت میں "فیھا" کی جگہ "فیہ" لکھا گیا ہے اصل عبارت یوں ہے:

"أنّ التحریف فیھا (ای الکتب السماویة کالتوراة والانجیل وغیرھا) لفظی ایضاً"

ترجمہ۔ "فیھـــا" کی ضمیر کا مرجع کتب سماویہ ہیں یعنی کتب سماویہ تورات، زبور و انجیل وغیرہ میں تحریف ہوئی ہے نہ کہ قرآن میں۔ مگر "فیہ" کی ضمیر مفرد مذکر کی وجہ سے یہ مغالطہ ہوا کہ شاید قرآن میں تحریف ہوئی ہے....

اس تحریر کو غور سے پڑھیں اور اس کی کاپیاں بنا کر اپنی طرف سے علماء میں تقسیم کریں بڑی دین کی خدمت ہوگی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد 9۔ ص 145، 147۔ مؤلفہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی)

مولانا لدھیانوی نے خود بھی فیض الباری کی متنازعہ عبارت کی "فیھا و فیہ" کی بحث میں پڑے بغیر تشریح کی ہے۔

امام اہل سنت نے اوپر جو "اصل عبارت" تحریر فرمائی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فیض الباری کے تمام ایڈیشنوں میں "نقلی" عبارت شائع ہوتی رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ "اصلی عبارت" طویل عرصہ کے بعد کہاں سے "دست یاب" ہوئی ہے اور اس کا "ماخذ" کیا ہے۔ یہ "اصل عبارت" تو اس وقت صحیح قرار دی جا سکتی ہے جب اس کی مولانا بدر عالم صاحب کے "قلمی مسودے" کے ساتھ مطابقت ثابت کر دی جاتی جو بظاہر "ناممکن" ہے۔

موصوفؒ کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہونے کے علاوہ جہاں خود "فیض الباری" کی عبارت

میں "تحریف" ہے وہیں اہل تشیع کے موقف کی تائید بھی ہے کیونکہ یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ اگر حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں "فیہ" ہی ہو تو اس کا مرجع قرآن ہوگا۔ اسی لئے امام اہل سنت کو یہ وضاحت کرنا پڑی کہ یہاں "فیہ" غلط لکھا گیا ہے۔ صحیح لفظ "فیھا" ہے جس کا مرجع کتب سماوی ہے نہ کہ قرآن۔

موصوف نے اصل عبارت میں "فیہ" کے بجائے "فیھا" لکھنے کے بعد بین القوسین عربی میں یہ الفاظ خود ہی بڑھا دیے ہیں: "ای الکتب السماویۃ کالتوراۃ والانجیل وغیرھا" پھر ان الفاظ کا ترجمہ کرتے وقت "زبور" کو بھی شامل کرلیا مگر اس میں دیگر سماوی کتب کی شمولیت کی "گنجائش" بھی چھوڑ دی یعنی "تورات، زبور و انجیل" کے علاوہ دیگر کتب ہیں۔ اس "وضاحت" کے باوجود "ابہام" پھر بھی باقی ہے۔

"فیہ، فیھا" سے متعلق تمام بحث کو امام اہل سنت کی مذکورہ "توضیح" کا ایک تنقیدی جائزہ اور حضرت شاہ صاحب کے لفظ "فیہ" پر اہل تشیع کے اعتراض کو "تسلیم کرنے کی صورت میں" زیر مطالعہ لائیں۔

مولانا سرفراز خان صفدر نے مولانا مجیب الرحمٰن کے نام خط میں اپنی کتاب "ارشاد الشیعۃ" کے بارے میں اس بات پر زور دیا ہے کہ "اس کو ضرور ملاحظہ کریں" چنانچہ موصوف اس میں فرماتے ہیں کہ:

"تمام اہل اسلام کا یہ پختہ عقیدہ اور اس پر ان کا اتفاق و اجماع ہے کہ آج جو قرآن کریم مسلمانوں کے پاس موجود ہے یہ بعینہ وہی ہے جو لوح محفوظ میں تھا اور جو بواسطۂ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تئیس (23) سال میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ وغیرہا مقامات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جس میں ایک حرف کی کمی بیشی، تغیر و تبدل اور حذف و اضافہ نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا مگر شیعہ و امامیہ کے نزدیک قرآن کریم میں کمی بیشی واقع ہوئی ہے ....

مسلمانوں کے پاس جو قرآن کریم ہے اور جو انہیں اپنی جانوں سے بھی عزیز تر ہے

اس کی آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) ہیں اور مشہور شیعی عالم علامہ قزوینی کی نقل اور حساب کے مطابق اس کی آیات کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول کے لحاظ سے اس میں چھ ہزار تین سو چھپن (6356) اور دوسرے کے اعتبار سے چھ ہزار دو سو چھتیس (6236) آیات ہیں۔ لیکن اصول کافی میں ہے کہ امام ابوعبداللہ جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

بلاشک وہ قرآن کریم جس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لائے اس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

(اصول کافی ص 671۔ طبع نولکشور لکھنؤ ومع الصافی جزء ششم ص 75)....

غور فرمائیں کہ بقول شیعہ شنیعہ کے سترہ یا اٹھارہ ہزار آیات پر مشتمل قرآن گھٹتے گھٹتے تقریباً سوا چھ ہزار (6236) آیات رہ گیا ہے تو پھر اس کے تغیر و تبدل اور کمی بیشی میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے....

اگر معاذ اللہ تعالیٰ شیعہ کی ان خودساختہ اور تراشیدہ روایات کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر قرآن کریم میں سابق آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے بدرجہا زیادہ تحریف ثابت ہوتی ہے۔''

(ارشاد الشیعہ ص 35-37۔ طبع سوم اکتوبر 1992ء مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

حضرت موصوف نے یہاں اہل تشیع کے حوالے سے ''بیشی'' کے اعتبار سے 17 ہزار اور باعتبار ''کمی'' 6236 ۔ آیات کے اقوال نقل فرمائے ہیں یعنی اہل تشیع ''کمی و بیشی'' دونوں اعتبار سے تحریف کے مرتکب ہیں۔

جب کہ ہمارے پاس ''جو قرآن ہے اور وہ ہمیں اپنی جانوں سے بھی عزیز تر ہے، یہ بعینہ وہی ہے جو لوح محفوظ میں تھا اور جو بواسطۂ حضرت جبرائیلؑ 23 سال کے عرصہ میں نازل ہوا، جس میں ایک حرف کی کمی بیشی، تغیر و تبدل اور حذف و اضافہ نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔ اس کی آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں۔''

(یہ ملحوظ رہے کہ موصوف نے یہ تعداد بطور چیلنج و تحدی لفظوں اور ہندسوں میں دونوں

طرح لکھی ہے جس میں کتابت کی غلطی کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے) اس طرح موصوف قرآن مجید میں اپنے ہی استدلال کی روشنی میں ایک "حرف" نہیں بلکہ پوری چار سوتیس (430) آیات کی بیشی کے قائل ہو گئے ہیں۔

"شیعہ شنیعہ" کا 6236۔آیات کا قول تو پوری دنیا میں شائع ہونے والے اہل سنت کے قرآن مجید کے عین مطابق ہے۔

جب کہ امام اہل سنت کا 6666۔آیات پر مشتمل قرآن کا دنیا میں کہیں بھی وجود نہیں ہے۔

سخت حیرت ہے کہ موصوف جیسا متبحر عالم دین بالکل خلاف واقع اور خلاف حقیقت قول (6666) کی بناء پر اہل تشیع کے "مبنی بر حقیقت" قول (6236) کو چار سوتیس آیات کی کمی پر محمول کرتے ہوئے انہیں تحریف کا مرتکب قرار دے رہا ہے۔ اگر شیعہ شنیعہ چار سو تیس آیات کی کمی کی بناء پر "تحریف" کا مرتکب ہے تو چار سوتیس آیات کی "بیشی" کا قائل بھی خود موصوف کی اپنی تحریر (ایک حرف کی کمی بیشی، تغیر و تبدل اور حذف و اضافہ نہیں ہوا اور نہ تا قیامت ہوگا) کی روشنی میں "تحریف" ہی کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

6236۔آیات کے قائل شیعہ پر تو "کمی بیشی" کا اطلاق نہیں ہوتا البتہ 6666۔آیات کے قائل "امام اہل سنت" پر اپنے دعویٰ کے مطابق ضرور 430۔آیات کی "بیشی" کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت موصوفؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب "ارشاد الشیعۃ" میں شیعہ کی "تکفیر" کی "وجوہ" میں سے پہلی وجہ ہی ان کے "عقیدہ تحریف قرآن" کو قرار دیا ہے جس میں تعداد آیات میں کمی بیشی (17 ہزار اور 6236) سے استدلال کر کے ان کا کفر ثابت کیا ہے۔

23 اکتوبر 2014ء کو اسلام آباد میں مقیم ہری پور کے ایک عالم دین نے راقم الحروف سے رابطہ کر کے یہ "خوشخبری" سنائی کہ ایک شیعہ افسر سنی مذہب قبول کرنے پر آمادہ ہے بشرطیکہ "ارشاد الشیعۃ" میں بتائی گئی قرآن مجید کی آیات کی تعداد (6666) کا ثبوت فراہم

کر دیا جائے۔ مگر سوائے ندامت کے اس کی "پیش کش" کا جواب نہ دیا جاسکا۔ راقم الحروف اپنے مضمون "تعداد آیات قرآن" میں اس پر مفصل بحث کر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ستمبر 1997ء، ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر 1997ء، ماہنامہ شمس الاسلام دسمبر 2012 اور ماہنامہ الاحرار ملتان اکتوبر 2013ء۔)

یہ ملحوظ رہے کہ کوئی سنی قرآن مجید کی مقدار میں کسی قسم کی بیشی یا کمی کا ہرگز قائل نہیں ہے۔ یہاں صرف آیات کے شمار کے حوالے سے بات ہو رہی ہے۔

جب کہ شیعہ شنیعہ 6236۔ آیات کا صحیح قول تسلیم کرنے کے باوجود مقدار میں کمی و بیشی کا قائل ہے۔ لہٰذا وہ "تحریف" کے الزام سے کبھی بھی "بری" نہیں ہوسکتا۔

مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے فیض الباری کی متنازعہ عبارت کی جو توضیح فرمائی ہے کہ "فیہ" کتابت کی غلطی اور اصل عبارت "فیھا" (ای الکتب السماویۃ کالتوراۃ، والانجیل وغیرھا)" ہے اور "فیھا" کی ضمیر کتب سماویہ کی طرف راجع ہے۔

پیچھے بتایا جاچکا ہے کہ "اصل عبارت" کا دعویٰ بلا دلیل اور بالکل خلاف واقع ہے۔ پھر "فیھا" کی ضمیر کو کتب سماویہ کی طرف راجع قرار دینے میں نرا تکلف ہے کیونکہ فیض الباری کی عبارت میں "فیہ" سے پہلے قرآن کا ذکر ہے اور یہ ضمیر اسی کی طرف راجع ہے۔ اگر اسے بقول امام اہل سنت کتابت کی غلطی قرار دے کر "فیھا" میں تبدیل کیا جائے تو پھر اس کی نسبت کتب سماویہ کی طرف تو صحیح ہوسکتی ہے لیکن یہ قریب یعنی قرآن کو چھوڑ کر بعید کی طرف نسبت کرنے کا تکلف ہوگا کیونکہ عبارت میں کتب سماویہ کا ذکر قرآن سے بھی پہلے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کاشمیریؒ "فیہ" کی ضمیر مفرد مذکر قرآن ہی کے لیے لائے ہیں اور یہ ہر اعتبار سے صحیح ہے۔ البتہ "فیہ" کے استعمال سے قرآن میں تحریف لفظی تسلیم کرنے کا الزام عائد ہوتا ہے جس سے بچنے کے لیے امام اہل سنت نے "فیہ" کو نہ صرف "فیھا" میں تبدیل کر دیا بلکہ "أی الکتب السماویۃ کالتوراۃ والانجیل وغیرھا" کا اپنی طرف سے اضافہ بھی کر دیا۔

موصوف کو اس "تصحیح" کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ اہل تشیع نے فیض الباری کی

اسی عبارت کی بناء پر حضرت کاشمیری صاحبؒ پر "تحریف قرآن" کا الزام عائد کیا تھا جس کی وجہ سے سنی مناظر کو لا جواب ہونا پڑا۔ ملاحظہ ہو: ماہنامہ نصرت العلوم گوجرانوالہ جنوری 1998ء، آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد 9 ص 143، مؤلفہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔

اس غیر حقیقی "تصحیح و تاویل" سے بہتر تو یہی تھا کہ موصوف اپنی پیش کردہ اس دلیل پر ہی اکتفاء کر لیتے کہ "فیض الباری حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی تالیف نہیں ہے بلکہ حضرت شاہ صاحب بخاری شریف پڑھاتے وقت جو فرماتے تھے لکھنے والے اپنی استعداد کے مطابق نوٹ کر لیتے تھے جن میں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم مدنی وغیرہ بھی ہیں۔ فیض الباری مؤخر الذکر بزرگ کی جمع کردہ تقریر ہے جس کو انہوں نے عربی عبارت کا جامہ پہنایا ہے اور اس میں بعض اغلاط بھی ہیں۔" (ماہنامہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ص 5 جنوری 1998ء)

فیض الباری میں "اغلاط" کا اعتراف دیگر حضرات کے علاوہ خود مؤلف و مرتب مولانا بدر عالم صاحب نے بھی کیا ہے لیکن "فیھا" کی جگہ "فیہ" کی غلطی 60 سال بعد امام اہل سنت نے پکڑی ہے جو بوجوہ صحیح نہیں ہے:

اوّلاً۔ پاک و ہند کے اکابر علماء دیوبند نے اس نئی تحقیق کی توثیق و تائید نہیں کی ہے۔

ثانیاً۔ متنازعہ عبارت میں "فیہ" کی جگہ "فیھا" لانے میں کوئی منطق نہیں ہے کہ جس سے قرآن کے بجائے اس ضمیر کو کتب سماویہ کی طرف راجع قرار دیا جائے۔ اس لیے کہ ان کتب کی "تحریف لفظی" میں تو کوئی مومن بالقرآن شک ہی نہیں کر سکتا کیونکہ "یحرفون الکلم عن مواضعه" (المائدہ 13)، "فویل للذین یکتبون الکتب بایدیهم ثم یقولون هذا من عندالله" (البقرۃ 79)، "من الذین هادوا یحرّفون الکلم عن مواضعه" (النساء 46)، "وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله ثم یحرّفونه من بعد ماعقلوه وهم یعلمون" (البقرۃ 75)

جیسی قرآنی نصوص کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحبؒ نے کون سی "جدید تحقیق اور

انکشاف'' سے زوردار انداز میں یہ ثابت کیا کہ:

والذی تحقق عندی أنّ التحریف فیه لفظیّ ایضا"

اور جو چیز میرے نزدیک محقق اور ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اس میں تحریف لفظی بھی ہے۔

اگر مولانا سرفراز خان صفدر کی جدید تحقیق اور ''اصل عبارت'' کے مطابق "فیــہ" کے بجائے "فیھــا" سے شاہ صاحبؒ کی مراد و تحقیق یہ بتائی جائے کہ ''کتب سماویہ'' میں تحریف معنوی کے ساتھ ساتھ ''تحریف لفظی'' بھی ہوئی ہے تو اس سے مذکورہ قرآنی نصوص کی موجودگی میں کون سی نئی تحقیق سامنے آئی ہے۔ یہ چیز تو ''تحصیل حاصل'' کے درجے میں آتی ہے اور نزول قرآن کے بعد تو ہر دور کے مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ کتب سماویہ میں لفظی تحریف ہوئی ہے۔

قرآنی نصوص کے بعد اس بات میں سرے سے کسی ''نئی تحقیق یا انکشاف'' کی ضرورت ہی نہیں تھی اور نہ ہی سابقہ کتب سماویہ میں ''تحریف لفظی'' ثابت کرنے کے لیے "والــــذی تحقق عندی" جیسے الفاظ استعمال کرنے کا کوئی تقاضا تھا۔ لہٰذا تحریف لفظی سے حضرت کاشمیری صاحبؒ کی یہاں مراد قرآن مجید میں تحریف ہے۔ اسی لیے مولانا بدر عالم صاحب یہاں "فیھا" کے بجائے "فیہ" لائے ہیں جس کا مرجع کتب سماویہ نہیں بلکہ قرآن مجید ہے۔

ثالثاً۔ حضرت امام اہل سنت کا "فیہ" کے بجائے "فیھا ...." کو اصل عبارت قرار دے کر اسے کتب سماویہ کی طرف لوٹانا بالکل ایک بڑا تکلف ہے۔

رابعاً۔ حضرت شاہ صاحبؒ "والــذی تحقق عندی أنّ التحریف فیه لفظی" کے بعد "ایضاً" بھی لائے ہیں جو اس بات کا مؤید ہے کہ موصوف کے نزدیک قرآن کریم کی معنوی تحریف (جو بہت زیادہ تھی) تو مسلم تھی ہی کیونکہ وہ دوٹوک اور واشگاف الفاظ میں پہلے ہی اقرار کر چکے ہیں "قلت یلزم علی هذا المذهب أن یکون القرآن أیضاً محرّفا فانّ التحریف المعنوی غیرقلیل فیه أیضاً۔"

میں کہتا ہوں کہ پھر تو اس مذہب کے مطابق قرآن بھی محرف ہوگا کیونکہ اس میں بھی

تحریف معنوی کم نہیں ہے۔

لہٰذا "فیہ" کے علاوہ "والذی تحقق عندی أنّ التحریف فیہ لفظیّ" کے بعد "أیضا" قرآن مجید میں تحریف لفظی پر دلالت کرتا ہے اور اس نئی تحقیق تک وہ کافی غور و خوض، محنت شاقہ اور بڑی عرق ریزی کے بعد پہنچے ہیں۔

خامساً۔ امام اہل سنت نے اس بحث کے شروع میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ فیض الباری حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی تالیف نہیں ہے بلکہ ان کے شاگرد مولانا بدر عالم صاحب کی جمع کردہ ہے اور دیگر اغلاط کی طرح اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے اصل عبارت میں "فیہا" کو "فیہ" میں تبدیل کر دیا ہو۔

اس استدلال میں کوئی "وزن" نہیں ہے کیونکہ پھر تو فیض الباری کی ہر بحث میں اس طرح کا احتمال ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ آیا یہ استاذ صاحب کی طرف سے ہے یا شاگرد نے اس کی نسبت استاذ کی طرف کر دی ہے۔ اس لحاظ سے تو استاذ کی ہر بات یا تحریر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

اسی لیے اہل علم کے ہاں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ "ظاہر کلام اور صریح عبارت" کے مقابلے میں "احتمالات" کو اہمیت نہیں دی جا سکتی۔

مولانا بدر عالم صاحبؒ نے اپنے ذیلی حاشیہ "بدر الساری" میں بعض اغلاط کی نشان دہی بھی کی ہے لیکن اس مقام پر خاموشی سے آگے گزر گئے ہیں۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل عبارت میں "فیہ" ہی تحریر تھا ورنہ مؤلف اس کی ضرور نشاندہی کرتے۔

اور اگر بالفرض اس احتمال کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ مولانا بدر عالم صاحب مرتب و جامع "فیض الباری" نے شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت میں "فیہا" کو "فیہ" میں تبدیل کر دیا تھا جس سے قرآن مجید میں "لفظی تحریف" کا اثبات پایا جاتا ہے۔

اس سے تو پھر مولانا بدر عالم صاحب پر یہ الزام عائد ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید میں لفظی تحریف کے قائل تھے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا مولانا بدر عالم صاحبؒ پر اس "تحریف

لفظی" کی بناء پر کفر کا فتویٰ لاگو ہوگا؟

سادساً۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے "والذی تحقق عندی أن التحریف فیه لفظیّ أیضاً" جیسی واضح ،صریح ، نا قابلِ تشکیک اور تاکیدی عبارت کے ذریعے اپنی "تحقیق" پیش فرمائی ہے جس میں یقینی طور پر "فیه" قرآن کی طرف ہی راجع ہے۔

نیز اس جملہ میں تاکید در تاکید پائی جاتی ہے۔ فعل "تحقق" حرف تاکید "أنّ" اور جملہ اسمیہ کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے کہ اس میں لفظی تحریف واقع ہوئی ہے جب کہ "فیها" کے استعمال کا یہاں کوئی موقع ہی نہیں ہے۔

سابعاً۔ مولانا سرفراز خان صفدر نے "فیها" کے علاوہ یہ دلیل بھی دی ہے کہ:

"اور اس بات پر ایک تو خود مذکورہ عبارت کا یہ آخری حصہ دال ہے "أمّا أنّه عن عمد منهم أو لمغلطة" کہ اہل کتاب نے کتب سماویہ کے اندر یا تو جان بوجھ کر تحریف لفظی کی ہے اور یا یہ کام ان سے خطاء اور غلطی کی وجہ سے صادر ہوا ہے۔"

(ماہنامہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ص 6۔جنوری 1998ء)

موصوف کا محولہ آخری حصہ تو اس بات پر دال نہیں ہو سکتا کہ اہل کتاب نے کتب سماویہ میں "قصداً یا خطاءً" "تحریف لفظی کا ارتکاب کیا ہے۔ قرآنی نصوص (جن کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے) کے پیش نظر یہاں "لمغلطة/خطاء" کا ذکر کوئی معنی نہیں رکھتا اس لیے کہ جس نے بھی لفظی تحریف کا ارتکاب کیا ہے تو اس نے "قصداً و عمداً" ہی کیا ہے۔

موصوف نے "أمّا أنّه" کا ترجمہ "اہل کتاب" کیا ہے کہ انہوں نے کتب سماویہ میں تحریف کی ہے۔

جب کہ "أمّا أنّه" سے اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک تو "فیه" کی وجہ سے کتب سماویہ مراد نہیں لی جا سکتیں اور دوسرا یہ کہ یہود و نصاریٰ بھی اس سے مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ عبارت میں "أو لمغلطة فالله تعالی أعلم به" کے الفاظ بھی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے "خطاءً" کتب سماویہ میں تحریف کی حالانکہ یہ "نصوص قطعیہ" کے

خلاف ہے۔ پیچھے قرآنی آیات کی روشنی میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ وہ عمداً تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں بلکہ قرآن نے تو تحریف کے علاوہ ان کا ایک یہ جرم بھی بیان کیا ہے کہ:

"و انّ منهم لفريقاً يلوُن السنتهم بالكتٰب لتحسبوه من الكتٰب و ماهومن الكتٰب و يقولون هو من عند الله و ما هو من عند الله و يقولون على الله الكذب و هم يعلمون"(آل عمران78)

اور بے شک ان میں ایک فریق وہ ہے جو مروڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ تا کہ تم خیال کرنے لگو (ان کی) اس (الٹ پھیر) کو بھی اصل کتاب سے حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں یہ بھی اللہ کی طرف سے (اترا) ہے حالانکہ وہ نہیں ہے اللہ کے پاس سے اور وہ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ جان بوجھ کر۔

اس آیت کی رو سے بھی اس بات کی تردید ہوگئی ہے کہ انہوں نے "خطاءً" اس میں تحریف کی۔

لہٰذا قرآنی نصوص کے بعد ان الفاظ کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ الفاظ (او لمغلطة ....) اس بات کی دلیل ہیں کہ "فيه" سے مراد خود قرآن ہے اور اس میں لفظی تحریف کا ارتکاب یا عمداً ہوا ہے یا پھر خطاء۔ اگر بالفرض اس سے کتب سماویہ مراد ہیں تو پھر شاہ صاحبؒ نے "غلطی اور خطاء" کے الفاظ سے بظاہر یہود و نصاریٰ کے جرم قبیح کو ہلکا کر کے پیش کیا ہے اور ایسی رعایت تو کسی "مدعی اسلام" سے ہی برتی جاسکتی ہے نہ کہ یہود و نصاریٰ سے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مولانا سرفراز خان صفدر نے جو "اصل عبارت" پیش کی ہے اس میں "فيها" مذکور ہے یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے بلکہ فیض الباری میں موجود عبارت یعنی "فيه" ہی "اصل" ہے اور اس سے قرآن مجید ہی مراد ہے نہ کہ کتب سماویہ۔

موصوف نے حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے تو یہ صفائی پیش کر دی کہ وہ قرآن میں تحریف لفظی کے قائل نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے "فيها" کی ضمیر استعمال کی تھی جس سے مراد کتب سماویہ ہیں اور مولانا بدر عالم صاحب کو اعتراض سے اس طرح بچالیا کہ یہ "کتابت

کی غلطی" ہے۔اس طرح تحریف قرآن کے الزام میں ایک تیسرا آدمی یعنی "کاتب" بھی دھر لیا گیا۔

حضرت مروانؓ کی طرف منسوب جعلی خط کے ضمن میں یہ تفصیل اس لیے پیش کی گئی ہے کہ حضرت مروانؓ پر تو ان کے دشمنوں نے گورنر مصر کے نام خط میں "فاقبلوہ" کو "فاقتلوہ" میں تبدیل کرنے کا الزام لگایا تھا جس کی تیرہ سو سال بعد شاہ صاحب نے بھی تائید و توثیق فرما دی ہے لیکن فیض الباری کی متنازعہ عبارت میں تو "اپنوں" نے الزام لگایا ہے اور اس میں شاہ صاحب، مولانا بدر عالم صاحب اور جناب کاتب کے اسمائے گرامی آتے ہیں کہ اگر شاہ صاحب نے "فیھــا" کہا تھا تو اسے مؤلف فیض الباری یا کاتب میں سے یقیناً کسی ایک نے "فیہ" میں تبدیل کر دیا تھا اور اگر شاہ صاحب نے ہی "فیہ" فرمایا تھا تو پھر اہل تشیع کے اعتراض سے بچنے کی خاطر مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے "فیھــا" کو شاہ صاحبؒ کی طرف غلط طور پر منسوب کر دیا۔اس طرح اس الزام میں شاہ صاحبؒ، مولانا بدر عالم صاحب، نامعلوم کاتب و کمپوزر، مولانا سرفراز خان صفدر اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے علاوہ ان کی تحقیق کے ساتھ اتفاق کرنے والے دیگر علماء کرام بھی ملوث ہو گئے ہیں۔

امام اہل سنت نے اپنے مضمون کا عنوان ہی یہ رکھا کہ "ایک اہم مغالطہ کا ازالہ" اور اس کی نوبت بھی فیض الباری کی اشاعت کے 60 سال بعد آئی۔

معلوم نہیں کہ اس سے "ازالہ" ہوا ہے یا ایک اور الزام عائد ہو گیا ہے۔موصوف اس "ازالہ" کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"چند سال پہلے کی بات ہے کہ راقم اثیم کے پاس کراچی سے دو ساتھی ایک جامع مسجد سوسائٹی کے خطیب حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب فاضل دیوبند کے فرزند اور ایک اور صاحب وفد کے طور پر ہوائی جہاز پر گکھڑ آئے کہ ایک مخالف فریق (اہل تشیع) کے مناظر نے یہ بات کہی ہے کہ تحریف قرآن کے ہم ہی قائل نہیں بلکہ تمہارے مسلّم بزرگ، محدث اور فقیہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ سابق صدر المدرسین و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند بھی

قرآن کریم میں تحریف لفظی کے قائل ہیں ....''

(ماہنامہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ص 5۔جنوری 1998ء)

شیعہ مناظر کے اعتراض کے جواب میں موصوف نے اپنی نئی تحقیق پیش کر کے خود بھی اسے اپنے رسالہ میں شائع کیا ہے اور مولانا مجیب الرحمٰن صاحب اور اپنے ''مسترشد'' مولانا عبدالحفیظ صاحب کو بھی ہدایت فرمائی ہے کہ ''اس مضمون کی کاپیاں بنا کر اپنی طرف سے علماء میں تقسیم کریں۔بڑی دین کی خدمت ہوگی۔'' (آپ کے مسائل اوران کا حل جلد 9۔ص 147۔مؤلفہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی)

اگر ''تحقیق'' ہی صحیح نہ ہو تو پھر اس کی کاپیاں بنا کر علماء میں تقسیم کرنا دین کی خدمت کس طرح قرار دی جاسکتی ہے؟ اس ''تحقیق'' کا سیر حاصل تجزیہ پیچھے گزر چکا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فیض الباری کی ''متنازعہ عبارت'' میں ''فیــــہ'' کی ضمیر ہی استعمال فرمائی تھی اور مولانا بدر عالم صاحب نے بھی اسے صحیح نقل کیا۔اس عبارت میں شاہ صاحبؒ نے کتب سماویہ میں تحریف پر بحث کرتے ہوئے قرار دیا تھا کہ ان میں تحریف معنوی ولفظی دونوں ہی ہوئی ہیں۔

جن لوگوں نے اسے صرف ''معنوی'' کہا ہے وہ صحیح نہیں،اس کے مطابق تو پھر یہ لازم آئے گا کہ قرآن بھی محرف ہے کیونکہ اس میں بھی تحریف معنوی کچھ کم نہیں ہے۔

اس کے بعد اپنی تحقیق یہ بتائی کہ اس (یعنی) قرآن میں بھی لفظی تحریف ہوئی ہے۔اس تحقیق سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی تحریف لفظی کے قائل ہیں۔ کیونکہ وہ تو یہود و نصاریٰ کا جرم بتا رہے ہیں کہ وہ اس تحریف کے مرتکب ہوئے۔ظاہر ہے کہ حدیث "لیأتینّ علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منهم من اتی امه علانیة لکان فی امتی من یصنع ذلك "(مشکوۃ باب العلم)

اور حدیث "لتتبعنّ سنن من کان قبلکم شبراً بشبر و ذراعاً بذراع ...."(صحیح بخاری کتاب الاعتصام رقم الحدیث 7320)

کے مطابق نبی اکرمؐ کی اس پیشن گوئی کو پورا ہونا تھا جو اسلام کے نام نہاد مدعیان یعنی اہل تشیع کے ہاتھوں پوری ہو کر رہی جس کا حضرت شاہ صاحبؒ نے فیض الباری میں یہود ونصاریٰ کی کتب سماویہ میں تحریف کا ذکر کر کے "فیہ" کی ضمیر لا کر قرآن کی طرف اشارہ کر دیا کہ میری تحقیق کے مطابق اس میں بھی اہل تشیع نے یہود و نصاریٰ کی پیروی کرتے ہوئے تحریف لفظی کر ڈالی۔

حضرت شاہ صاحبؒ "رافضیوں" کو بھی یہود و نصاریٰ کی طرح کافر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک دوسری کتاب میں امام بخاری کا یہ نظریہ بیان فرماتے ہیں کہ:

"ما ابالی صلّیت خلف الجهمی والرافضی ام صلّیت خلف الیهود والنصاریٰ ولا یسلّم علیهم ولا یعادون ولا یناکحون ولا یشهدون ولا توکل ذبائحهم"

میں ایک جہمی یا رافضی کے پیچھے نماز پڑھ لینے میں اور کسی یہودی یا نصرانی کے پیچھے نماز پڑھ لینے میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ (اس لیے کہ یہ دونوں فرقے یہود و نصاریٰ کی طرح کافر ہیں اگرچہ یہ خود کو مسلمان کہیں) نہ ان کو سلام کرنا چاہیے، نہ ان کے مریضوں کی عیادت کرنی چاہیے، نہ ان سے شادی بیاہ کرنا چاہیے، نہ ان کی شہادت قبول کرنی چاہیے، نہ ان کا ذبیحہ کھانا چاہیے۔"

مصنف (یعنی شاہ صاحب) فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی پہلی اور دوسری (مذکورہ) عبارت کتاب "الاسماء والصفات" میں بھی موجود ہے اور دوسری عبارت کو حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں بھی نقل کیا ہے۔" ("اکفار الملحدین" مترجمہ مولانا محمد ادریس میرٹھی ص 112)

لہٰذا حضرت شاہ صاحب نے کتب سماویہ میں جہاں یہود و نصاریٰ کی تحریف لفظی بیان کی ہے وہیں یہود و نصاریٰ ہی کی پیروی میں روافض کا کردار بھی پیش کیا ہے کہ وہ بھی قرآن میں تحریف لفظی کے مرتکب ہوئے ہیں جب کہ "تحریف معنوی" کے مرتکب روافض کے علاوہ "کچھ اور بھی" ہیں۔

اس طرح فیض الباری میں "فیہ" کی ضمیر ہی اصل ہے جس سے قرآن کریم کی طرف اشارہ مقصود ہے نہ کہ "فیہا" جو کتب سماویہ کی طرف راجع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

"فیہ" یا "فیہا" کے علاوہ بھی فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف بکثرت مشکوک و مشتبہ انتسابات پائے جاتے ہیں جن کی نشاندہی بالکل آغاز ہی میں کر دی گئی تھی اور اس بات کا اعتراف مولانا محمد یوسف بنوری نے بھی فرمایا ہے جنہوں نے "فیض الباری" کی عبارات و مضامین کی اصلاح اور پروف ریڈنگ وغیرہ کی زحمتیں 9/8 ماہ تک برداشت کر کے اس پر باقاعدہ ایک "مقدمہ" بھی تحریر فرمایا لیکن اس کے باوجود بہت سی اغلاط باقی رہ گئیں اور اسی ناقص حالت میں کتاب کی طباعت بھی جاری رہی۔

ستم بالائے ستم یہ کہ مصری طباعت میں حضرت بنوریؒ کا جو مقدمہ شائع ہوا تھا اس میں سے جابجا عبارات میں حذف و الحاق کر کے لاہور کے ایڈیشن (جو مولانا سید آفتاب عالم کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے) میں شامل کر دیا گیا۔ اہل ذوق و تحقیق مصری و لاہوری ایڈیشن کے "مقدمہ" میں اس حذف و الحاق کے "نادر نمونے" اور مثالیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت مروانؓ کی طرف منسوب خط میں بشرط صحت روایت "فاقبلوہ/فاقتلوہ" کا بالکل معمولی حذف و الحاق تو مصری سبائیوں و بلوائیوں نے کیا تھا جب کہ حضرت بنوریؒ کے مقدمہ میں یہ حذف و الحاق قصداً و عمداً خود مؤلف فیض الباری مولانا بدر عالم کے ذریعے عمل میں لایا گیا۔ اسے "بزرگانہ نوک جھونک" یا "معاصرانہ چشمک" کا نام بھی نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ فعل صریحاً بد دیانتی اور خیانت کے زمرے میں آتا ہے۔

"فاقبلوہ" کو "فاقتلوہ" میں کس نے تبدیل کیا تھا؟ اگرچہ شاہ صاحبؒ نے نہایت ہی تیقن کے ساتھ تیرہ سو سال قبل کے ایک واقعہ میں حضرت مروانؓ کو ملزم قرار دیا ہے جسے کسی بھی "علمی فورم" پر ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا جب کہ "فیض الباری" میں تغیر و تبدل اور تحریف کرنے والے خود ان کے شاگرد عزیز محدث کبیر مولانا بدر عالم صاحب ہیں جنہوں نے اپنے عظیم استاذ کی وفات (1933ء) کے صرف پانچ سال بعد 1938ء میں یہ

کارنامہ سرانجام دیا۔

یہ بحث اگرچہ براہِ راست زیرِ نظر کتاب سے متعلق نہیں ہے (بلکہ یہ ایک علیحدہ اور مستقل مقالے کی متقاضی ہے) لیکن یہاں کلی طور پر غیر متعلق بھی نہیں ہے کیونکہ اس سے حضرت مروانؓ کی طرف منسوب خط کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے داماد اور شاگرد اور مولانا بدرعالم صاحب کے ہم راز، ہمدم اور رفیق کار مولانا سید احمد رضا بجنوری فرماتے ہیں کہ:

"1938ء میں راقم الحروف نے محترم مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رفاقت میں حرمین شریفین اور مصر وغیرہ کا سفر کیا تھا اور مصر میں طویل قیام کر کے فیض الباری اور نصب الرایہ کو طبع کرایا تھا۔ فیض الباری کے شروع میں مولانا بنوریؒ کا مقدمہ بھی تھا جو کئی بار کی طباعتوں میں بدستور شائع ہوتا رہا پھر اس کے ساتھ عزیزی مولوی سید آفتاب عالم سلمۂ کے اہتمام سے بھی پہلی دو جلدیں لاہور سے شائع ہوئیں۔ جن میں حضرت مولانا سید بدر عالم صاحبؒ کے حواشی واستدراکات کا اضافہ ہے اور ان میں مفید علمی وحدیثی افادات دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔ مگر اس کے مقدمہ وغیرہ میں حذف والحاق کا جو غیر موزوں اقدام کیا گیا ہے اس سے مجھے نہایت افسوس بھی ہوا۔

مولانا بنوری میرے رفیق سفر ہوئے اور قاہرہ جا کر یہ طے ہوا کہ مولانا، فیض الباری کے اصول و پروف دیکھیں۔ حتی الامکان عبارات وکتابت کی غلطیاں بھی درست کریں اور میں نصب الرایہ کا کام اس طرح کروں۔ 9/8 ماہ کا طویل عرصہ ہم نے اس کام میں لگایا۔ دورانِ طباعت میں مولانا نے مجھے بار بار کہا کہ تہذیبِ عبارات اور تصحیح پروف وغیرہ کا کام تو میں کر رہا ہوں اور کر بھی سکتا ہوں مگر کتاب میں دوسری خامیاں بھی ہیں جن کے لیے بیسیوں کتابوں کی مراجعت درکار ہے وہ اس وقت نہیں ہو سکتی۔ اور خاص طور سے حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف بکثرت انتسابات مشکوک و مشتبہ نظر آتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ اب تو صرف یہی ہو سکتا ہے کہ آپ مقدمہ میں ان امور کی طرف اشارہ کر دیں گے اور وہ بھی

اس طرح کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات بھی خطاؤں سے محفوظ ہو سکے اور مولانا (بدر عالم صاحب) کو اس طرح بچائیں کہ وہ مراجعت کا وقت نہ پا سکے اور دوسرے فارغین طلبہ کی درسی تقاریر بھی ان کے سامنے تھیں، ان سے ایسی اغلاط کی دراندازی ہوئی ہوگی...

تو پھر یہ بات کیوں کر مناسب تھی کہ مولانا بنوریؒ کی تنقید صحیح کی عبارت کو ان کے مضمون میں سے حذف کر کے دوسری عبارات داخل کر دی گئیں جن میں ان کے مقصد و منشاء کے بالکل خلاف یہ دعویٰ کیا گیا کہ مؤلف فیض الباری کو اس کام کے لیے خدا کی طرف سے توفیق کامل حاصل ہوئی تھی اور ان کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے یہ آسانی بھی مل گئی تھی کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم عالیہ کا احاطہ کرلیں اور انہوں نے اس کام کے لیے سعی بلیغ کی اور امالی شیخ کو ضبط تام کیا تھا اور انہوں نے اس کام کے لیے مصادر کی مراجعت تامہ مرۃ بعد مرۃ کی تھی اور بلاشک وریب حضرتؒ کے علوم کی خدمت ان سے زیادہ اتم و اکمل کوئی دوسرا تلمیذ شیخ کر ہی نہ سکتا تھا۔

مولانا بنوریؒ نے اپنے نقد میں یہ بھی کہا تھا کہ "باوجود سعی مشکور کے مؤلف یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ انہوں نے حضرت کے امالی و مشکلات علوم و تراجم رجال وغیرہ کو بنقیرہ وقطمیرہ جمع کرلیا ہے اور آپ کے فوائد علمیہ و نظریات عمیقہ میں سے کسی کو نظر انداز نہیں ہونے دیا۔"

اس عبارت کو سراسر بدل کر یہ دعویٰ بلسان العلامة البنوری درج کر دیا گیا کہ "مؤلف نے امالی شیخ کو بنقیرہ وقطمیرہ جمع کر دیا ہے اور حضرت کے تمام ہی مشکلات علوم، تراجم رجال، فوائد مختلفہ و نظریات عمیقہ کا احاطہ کرلیا ہے۔ حتیٰ کہ امالی شیخ میں سے کوئی کلمہ بھی بغیر احصاء و ضبط کے نہیں چھوڑا اور خود مؤلف نے جو اپنے مقدمہ میں (اس کے خلاف) لکھا ہے وہ محض ان کی تواضع اور کسر نفسی ہے اور کچھ نہیں۔

واضح ہو کہ یہ سب حذف و الحاق کی کاروائی ص 31 و ص 32 میں موجود ہے اور مولانا کا آخری مضمون سراسر بدل کر ان کا نام بھی آخر سے حذف کر دیا گیا ہے۔ فیا للعجب!

اس کے علاوہ حضرت المؤلف کی طرف سے جو کلمة الشکر کا ایک صفحہ مصری ایڈیشن

میں شائع ہوا تھا وہ بھی حذف کر کے عزیز آفتاب میاں سلمہٗ نے دوسرے مضمون کا کلمۃ الشکر شائع کیا ہے۔تا کہ یہ امر صفحۂ تاریخ سے محو ہو جائے کہ کس کی تحریک سے یہ تالیف فیض الباری کا کام شروع ہوا تھا، کس ادارہ نے پہلے سرپرستی کی، معاوضہ بھی ادا کیا اور پھر کس ادارہ نے اس کے مصارف طبع برداشت کیے اور کس نے طباعت قاہرہ کے زمانہ میں اس کتاب کی اصلاح مضامین و عبارات، تصحیح اصول و پروف ریڈنگ وغیرہ کی زحمتیں 9/8 ماہ تک گوارا کی تھیں۔والی اللہ المشتکیٰ....

آخر میں مختصراً گذارش ہے کہ فیض الباری میں اب بھی بہت سی مسامحات و اغلاط ہیں جن میں کچھ کی نشاندہی بھی اصحاب تصانیف نے کی ہیں (لیکن "والذی تحقق عندی أن التحریف فیہ لفظیّ أیضاً" میں "فیہ" کی نشاندہی مولانا سرفراز خان صفدر کے علاوہ کسی نے بھی نہیں کی ــــ از مؤلف کتاب ہٰذا) یہ بھی عدم مراجعت اصول اور عدم واقفیت تراجم رجال کا نتیجہ ہے جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ ایسی اغلاط سے مبرّا تھے اور اس کی طرف ان کی نسبت کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔اس لیے پاکئ داماں کی حکایت طویل کرنے سے بہتر ہے کہ مراجعات اصول اور مطالعہ تراجم رجال کر کے ان خامیوں کا ازالہ کیا جائے اور اس خوش فہمی کا سہارا نہ لیا جائے کہ خود حضرت مؤلف نے جن خامیوں کا اعتراف کر لیا تھا وہ محض تواضع و کسر نفسی تھی۔پھر یہ کہ مولانا بنوریؒ کے مقدمہ میں جو حذف و الحاق کیا گیا ہے اس کی معذرت شائع کی جائے....

(موصوف نے اپنے مضمون کے آخر میں "مصری طبع اور محرف طبع" کے عکس بھی شائع کئے ہیں) ملاحظہ ہو:

(ماہنامہ بینات کراچی ص 13 تا 24۔شوال المکرم 1406ھ/ جولائی 1986ء)

حضرت مروانؓ پر تو ان کے دشمنوں کی طرف سے یہ محض الزام تھا کہ انہوں نے گورنر مصر کے نام حضرت عثمانؓ کی طرف سے ایک خط لکھا تھا جس میں انہوں نے "فاقبلوہ" کے الفاظ کو "فاقتلوہ" میں بدل دیا تھا جب کہ مولانا بدر عالم صاحبؒ مہاجر مدنی جیسے محدث

کبیر پر حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف بہت سے امور منسوب کرنے کی خود ان کے ہم مسلک اور پیر بھائی مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ جیسے صادق اور امین اور ثقہ حضرات مع دستاویزی ثبوت گواہی دے رہے ہیں۔

یہاں "تفہیم مسئلہ" کی خاطر غلط انتسابات اور حذف والحاق کی طرف ایک کتاب سے مثال دی گئی ہے ورنہ اس قسم کا کردار ادا کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ان بزرگوں نے حضرت مروانؓ کے خلاف تو "ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا" کے حکم الٰہی کی پرواہ کیے بغیر ہر ظالم، فاسق، سبائی، بلوائی اور باغیٔ خلافت کے الزام کو یقینی خیال کرلیا ہے لیکن اپنے استاذ کے بارے میں فیض الباری میں پائے جانے والے غلط انتسابات کے بارے میں یہ ہدایت جاری کررہے ہیں ان کا رد اس انداز سے ہو کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات بھی خطاؤں سے محفوظ ہو جائے۔(اہل علم بہتر جانتے ہیں کہ "خطاؤں" سے محفوظ ذات کس طبقہ کی ہے)

حضرت مروانؓ کا تعلق تو پھر صغار صحابہ میں ہوتا ہے جب کہ بعض حضرات کے نزدیک ان کی صحابیت مختلف فیہ ہے مگر ان کے والد محترم بالیقین صحابی ہیں۔وہ 8ھ میں فتح مکہ کے موقع پر بالاتفاق مشرف بہ اسلام ہوئے اور بعہد عثمان ذوالنورینؓ 32ھ میں وفات پائی۔حضرت عثمانؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھا کر انہیں جنت البقیع میں دفن کردیا۔

اپنے خسر اور استاذ کے ادب سے سرشار یہی فاضل مضمون نگار اس صحابی رسولؐ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"مروانؓ کا باپ حکم بھی بہت بدکردار تھا، وہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے حجروں پر جاسوسی کیا کرتا تھا، ان میں وہ جھانکتا تھا اور راز کی خبریں لوگوں کو پہنچایا کرتا تھا، حضور علیہ السلام کی نقلیں اتارتا تھا وغیرہ۔" (انوار الباری جلد 17۔ص 194)

صاحب امالی حضرت شاہ صاحب کی "ذات" تو خطاؤں سے محفوظ ہے اور وہ ایسی اغلاط سے مبرا تھے۔ان کے بارے میں فیض الباری میں جو غلط انتسابات ہیں (جو خود ان

کے شاگرد اور مسترشد نے منسوب کیے ہیں) ان کی طرف یہ نسبت کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔ ان انتسابات کے بارے میں بہتر یہ ہے کہ مراجعات اصول اور مطالعۂ تراجم رجال کر کے ان خامیوں کا ازالہ کیا جائے۔"

کاش! یہ حضرات، حضرت مروان اور ان کے والد محترم حضرت حکم رضی اللہ عنہما کے خلاف دشمنانِ صحابہؓ کے الزامات کے بارے میں بھی "مراجعاتِ اصول اور مطالعۂ تراجم رجال" جیسی "ہدایت" پیش نظر رکھ لیتے۔

مگر صد افسوس ان مظلوم صحابہ کے بارے میں سبائیوں و بلوائیوں کے الزامات صحیح تصور کر کے دشمنوں کے ساتھ ساتھ خود بھی ان کی کردار کشی کے مرتکب ہو گئے۔ باری تعالیٰ ان کی اس لغزش اور خطا کو بھی معاف فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا باعث بننے کا الزام

مؤلف انوار الباری مولانا سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

''بقول حضرت شاہ صاحبؒ (علامہ محمد انور شاہ کاشمیری) کے قتل عثمانؓ کا باعث بھی مروان ہی تھا کیونکہ وہ ان کا سیکرٹری تھا اور اسی نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے ایک جھوٹا خط عامل مصر ابن ابی سرح کے نام لکھا تھا۔ وہ خط راستہ میں پکڑا گیا اور اس کو لے کر مصری وفد واپس آیا اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ نے ایسا خط لکھا ہے؟ انہوں نے حلف اٹھایا کہ میں نے ہرگز ایسا خط نہیں لکھا۔ اس پر سارے بلوائیوں نے متفقہ مطالبہ کیا یا تو مروان کو ہمارے سپرد کر دیں ... یا اپنے کو معزول کر لیں ورنہ تیسری صورت آخری یہ ہے کہ آپ خود شہید ہو جائیں گے۔'' (انوار الباری جلد 17۔ ص 192-193)

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اسی بناء پر دوسرے لوگ تو درکنار خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ:

اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے، نہ ہیبت، نہ محبت۔'' (خلافت و ملوکیت ص 116)

حضرت شاہ صاحب اور جناب مودودی صاحب دونوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل کی ذمہ داری حضرت مروانؓ پر ڈالی ہے اور دونوں نے اس ''خط'' کو ہی بنیاد بنایا ہے البتہ مؤخر الذکر نے حضرت عثمانؓ کی اہلیہ حضرت نائلہ کو بطور گواہ پیش کیا ہے۔

جہاں تک گورنر مصر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام خط لکھنے کا تعلق ہے تو اس پر سیر حاصل اور مدلل و مفصل گفتگو پیچھے گزر چکی ہے۔ مذکورہ جعلی اور وضعی خط کا الزام حضرت

مروانؓ پر عائد کیے گئے تمام الزامات میں ''شاہ'' یا ''ماسٹر'' الزام کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اس پر ہر ہر پہلو کے اعتبار سے جامع گفتگو کر کے اس کی اصل حقیقت واضح کر دی گئی ہے جس سے حضرت مروانؓ پر قتل عثمانؓ کے الزام کی عمارت اپنی بنیاد سمیت زمین بوس ہو گئی ہے۔ اور کوئی بھی انصاف پسند آدمی اس قسم کے لچر الزام کو نوکِ قلم یا نوکِ زبان پر نہیں لا سکتا۔ سخت تعجب ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک لغو، باطل، بے بنیاد اور سبائیوں کے وضع کردہ خط کی بناء پر حضرت مروانؓ کو کیوں کر مورد الزام ٹھہرا دیا؟

حضرت موصوف اصل قاتلین کا ذکر تو احترام کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ ''اس خط کو لے کر مصری وفد واپس آیا'' حالانکہ یہ وہی مفسد، سبائی، بلوائی اور باغی تھے جو کئی دن تک مدینۃ النبیؐ، مسجد نبوی اور مرکز خلافت کا تقدس پامال کر چکے تھے۔ ان کی حیثیت کوئی ''سٹیٹ گیسٹ'' کی تو نہیں تھی کہ ''سفارتی ادب و احترام'' کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا۔

پھر ان سازشیوں، باغیوں، مفسدوں اور بلوائیوں پر ''وفد'' کا اطلاق بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ کسی جماعت کی طرف سے نمائندہ بن کر نہیں آئے تھے بلکہ مصر، بصرہ اور کوفہ کے مفسدوں پر مشتمل یہ ساری جماعت ہی واپس آ گئی تھی۔ ''وفد'' تو ایک باوقار لفظ ہے۔ اور اس میں شامل نمائندہ لوگ کسی کی حاکمیت تسلیم کر کے اس کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرتے ہیں لیکن حضرتؒ کا یہ ''معزز وفد'' خود ان کے بقول ''حاکمانہ'' انداز اختیار کر کے خلیفۂ وقت سے کہتا ہے کہ کیا آپ نے یہ خط لکھا ہے؟ حضرت عثمانؓ کے حلفاً انکار کے بعد ''متفقہ مطالبہ'' کرتا ہے کہ یا تو مروان کو ہمارے سپرد کر دو تا کہ ہم خود اس سے تفتیش کریں یا پھر خلافت سے الگ ہو جائیں یا پھر شہادت کے لیے تیار ہو جائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک دوسرے مقام پر فتنوں کے بھڑکانے کا سبب خود حضرت عثمانؓ کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''ثم أن سبب تهيج هذه الفتن أنّ امير المؤمنين عثمان رضى الله عنه كان يستعمل اقاربه وكان بعضهم لا يحسنون العمل فقدح النّاس فيهم وبلغوا

امرهم الى عثمان رضى الله عنه فلم يصدقهم وظنّ انّهم يغرون باقاربه بلا سبب ولعلّهم لا يطيب بانفسهم تولية اقاربه فيشون بهم ....ثمّ أن عثمان رضى الله عنه وان لم يعزل اقاربه من أجل شكايات الناس لكنّه لم يحمهم أيضاً۔"

(فیض الباری جلد 2۔ص 22۔طبع اول مجلس علمی ڈابھیل 1938ء)

پھر ان فتنوں کے بھڑکنے کا سبب یہ ہوا کہ امیر المؤمنین عثمانؓ اپنے رشتہ داروں کو مناصب حکومت پر مقرر کرتے تھے اور ان میں سے بعض کا طرز عمل اچھا نہ تھا۔اس پر لوگ معترض ہوئے اور ان کی شکایات لوگوں نے حضرت عثمانؓ تک پہنچائیں مگر انہوں نے ان کی تصدیق نہیں کی اور خیال کیا کہ یہ لوگ میرے رشتہ داروں سے خواہ مخواہ جلتے ہیں اور شاید انہیں میرے رشتہ داروں کا مناصب پر مقرر کیا جانا ، نا گوار ہے اس لیے یہ ان کی شکایتیں کرتے ہیں...پھر یہ بات بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اگر چہ اپنے رشتہ داروں کو لوگوں کی شکایات پر معزول نہیں کیا مگر انہوں نے ان کی حمایت بھی نہیں کی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فتنوں کے بھڑکنے کا سبب یہ بتایا کہ حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ داروں کو مناصب حکومت پر مقرر کرتے تھے جن میں سے بعض کا طرز عمل صحیح نہیں تھا اور انہوں نے اگر چہ ان امراء کی حمایت نہیں کی لیکن لوگوں کی شکایت پر انہیں معزول بھی نہیں کیا۔

کیا خلیفہ کی حمایت کے بغیر کوئی شخص اپنے منصب پر برقرار رہ سکتا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے شکایت کے باوجود انہیں معزول نہیں کیا تو پھر اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک شکایات درست نہیں تھیں اسی لیے ان کی شکایات کی تصدیق نہیں کی گئی۔یہ بات کسی خلیفہ راشد کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی شکایات کو محض اس شبہ کی بنیاد پر رد کر دے کہ یہ لوگ میرے رشتہ داروں سے خواہ مخواہ جلتے ہیں اور ان کا مناصب پر مقرر کیا جانا انہیں نا گوار ہے۔حضرت عثمانؓ کا ان عمال کو معزول نہ کرنا ان کی حمایت ہی تو ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے نزدیک حضرت عثمانؓ کے بعض رشتہ دار عمال کا طرز عمل اچھا نہ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے ہی رشتہ دار عمال ایسے نہ تھے۔

فتنے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری حصے میں بھڑکے تھے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس وقت خراسان سے لے کر شمالی افریقہ تک کی وسیع و عریض سلطنت میں حضرت عثمانؓ کے اقارب میں سے صرف چار صوبوں (بصرہ، کوفہ، شام، مصر) میں حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز، ولید بن عقبہ، حضرت معاویہؓ اور عبداللہ بن سعد کو گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ جب کہ پانچویں رشتہ دار حضرت مروانؓ خلیفہ کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ باقی تمام عمال غیر اموی تھے۔ یہ ملحوظ رہے کہ کوفہ میں ایک وقت حضرت سعید بن العاص کی تقرری بھی عمل میں آئی تھی۔ اس طرح سرکاری مناصب کے حامل کل چھے رشتہ دار تھے۔

نبویؐ، صدیقی و فاروقی عمال پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان ادوار میں بنو امیہ اہم مناصب سے نوازے گئے تھے۔ عمال عثمانی میں اوپر حضرت معاویہؓ اور حضرت ولید بن عقبہ کے جو نام آئے ہیں تو انہیں بھی حضرت عمر فاروقؓ نے مقرر کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ نے ان حضرات کو رشتہ داری کی بنیاد پر نہیں بلکہ انتظامی صلاحیت و اہلیت کی وجہ سے مقرر فرمایا تھا جو شرعاً ہرگز قابل اعتراض نہیں ہے۔ جو شخص ان پر اعتراض کرتا ہے وہ بالواسطہ شریعت اسلامیہ پر معترض ہوتا ہے کہ اس نے کیوں ایسی معیوب و قابل اعتراض چیز کو ممنوع قرار نہیں دیا۔

اگر رشتہ داروں کو مناصب عطا کرنا خلاف شرع ہوتا تو حضرت علیؓ اپنے اقارب کو ہرگز مناصب عطا نہ کرتے۔ حضرت علیؓ نے شام کے سوا (جو ان کے زیر تسلط نہیں تھا) باقی تقریباً تمام صوبوں میں اپنے رشتہ داروں کو مناصب حکومت پر فائز کیا تھا مثلاً:

یمن پر عبیداللہ بن عباسؓ، مکہ پر معبد بن عباسؓ، مدینہ پر قثم بن عباسؓ، عراق پر عبداللہ بن ہبیرہ، مصر پر اپنے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ اور فوج کا سپریم کمانڈر اپنے حقیقی بیٹے محمد بن الحنفیہ کو مقرر فرمایا۔

حضرت علیؓ کی اس ''اقربا نواز'' پالیسی کو مشہور فتنہ پرداز اشتر نخعی نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور وہ چیخ اٹھا: ''یمن پر عبیداللہ، حجاز پر قثم، بصرے پر عبداللہ اور کوفے پر خود علیؓ ہیں۔ گر یہی

ہونا تھا تو ہم نے خواہ مخواہ شیخ (عثمانؓ) کو قتل کیا۔" (تعلیقات العواصم من القواصم ص 119)

یہی اشتر حضرت علیؓ کا مشیر رہا بعد میں اسے مصر کی گورنری کا پروانہ بھی دے دیا گیا۔

یہ الگ بات ہے کہ وہ چارج لینے سے پہلے راستے ہی میں ہلاک ہو گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے بھی اپنے رشتہ داروں کو اہلیت دیکھ کر ہی مناصب عطا کیے تھے۔

باقی حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ فرمانا (کہ "لوگوں کی شکایات کے باوجود حضرت عثمانؓ نے انہیں معزول نہیں کیا") بھی محل نظر ہے۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں باسند یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ:

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ جن شہروں کے لوگ اپنے حاکم کو ناپسند کرتے ہوں وہ کھڑے ہو جائیں تو (جائز شکایت پر) میں ان کے حاکم کو عہدے سے معزول کر دوں گا اور اس کی جگہ جس کو وہ پسند کرتے ہوں میں حاکم بنا دوں گا۔

اہل بصرہ نے کہا کہ عبداللہ بن عامرؓ پر ہم راضی ہیں۔ یہ ہمیں منظور ہے تو ان کے لیے ابن عامر کو برقرار رکھا۔

اور کوفہ والوں نے کہا کہ ہمارے ہاں سے سعید بن العاص کو معزول کر کے ابوموسیٰ اشعریؓ کو حاکم بنا دیں۔ حضرت عثمانؓ نے اسی طرح تقرری کر دی۔

اہل شام نے کہا کہ حضرت معاویہؓ کی حکومت پر راضی ہیں تو حضرت عثمانؓ نے شام کے علاقہ کے لیے انہیں برقرار رکھا۔

اہل مصر نے کہا کہ ہمارے ہاں سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو معزول کر کے عمرو بن العاصؓ کو حاکم بنا دیں تو حضرت عثمانؓ نے ان کی خواہش کے مطابق عمل کر دیا۔

(تاریخ صغیر ص 44-45۔ طبع الہ آباد ہند)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فتنوں کے بھڑکنے کا جو یہ سبب بتایا ہے کہ "حضرت عثمان ؓ نے حکومتی مناصب پر اپنے رشتہ داروں کو مقرر کر دیا تھا جن میں سے بعض کا طرز عمل صحیح نہیں تھا...." یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اس فتنے کو بھڑکانے والا وہ سازشی گروہ

تھا جسے عبداللہ بن سبا نے خاص اسی مقصد کے لیے تیار کیا تھا۔

حکومتی مناصب پر فائز حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں میں سے ان کے سیکرٹری یا کاتب حضرت مروانؓ کو بطور خاص ان کے قتل کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی ایک لغو، باطل، جعلی اور وضعی خط کی بنیاد پر حضرت مروانؓ کو حضرت عثمانؓ کا ''قاتل'' قرار دے دیا جو اس نازک ترین موقع پر حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے باوجود ان کا دفاع کرتے کرتے شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ملاحظہ ہو: (البدایۃ والنہایۃ جلد 7۔ص 188)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے قتل عثمانؓ میں حضرت مروانؓ کے ملوث ہونے پر بحوالہ طبری حضرت عثمانؓ کی اہلیہ سیدہ نائلہ کی گواہی پیش کی ہے۔

اس روایت کا سند کے اعتبار سے یہ حال ہے کہ خود ابن جریر طبری متہم بالتشیع ہیں اور صحابہ کے خلاف اس کی روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جناب طبری نے اسے محمد بن عمر واقدی سے روایت کیا ہے جو بالاتفاق دروغ گو اور جھوٹا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بنوامیہ کا سخت مخالف بھی ہے۔ طبری اور واقدی پر مفصل گفتگو پیچھے زیر عنوان ''مروانؓ پر معاملات کو بگاڑنے کا الزام'' اور ''مجمع صحابہ میں دھمکی آمیز تقریر کرنے کا الزام'' گزر چکی ہے۔

مودودی صاحب نے حضرت نائلہ کے حوالے سے یہ بھی کہا کہ:

''اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت''

جب کہ طبری میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"لیس له عندالناس قدراً ولا هيبة ولا محبة"

مودودی صاحب نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے حضرت مروانؓ پر ایک اور سنگین الزام عائد کر دیا کہ ''اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے ....'' معلوم نہیں کہ موصوف نے ''اس شخص کے اندر اللہ کی .... '' کن عربی الفاظ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ بھی ''بغض مروانؓ'' ہی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ طبری اور واقدی کے مذہبی جذبات و رجحان سے قطع نظر اس جملہ کا وہ

معنی نہیں بنتا جو حضرت نے فرمایا ہے۔اس کا سادہ ترجمہ تو یہ ہے کہ:

''لوگوں کے دلوں میں نہ ان کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت''

اس تفصیل سے حضرت مروانؓ کے خلاف دیگر الزامات کی طرح اس الزام کی لغویت بھی ثابت ہوگئی ہے کہ وہ گورنر مصر کے نام خط لکھ کر اور معاملات و باہمی تعلقات کو بگاڑ کر حضرت عثمانؓ کے قتل کا سبب بنے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر ''جھوٹی گواہی'' دینے کا الزام

18 ۔ذی الحجہ 35ھ کو امام مظلوم، خلیفہ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک اور المناک شہادت کا سانحہ فاجعہ پیش آیا۔تاریخ اقوام عالم میں اس عظیم سانحہ سے زیادہ عبرتناک واقعہ اور کوئی نہیں گزرا۔جس میں ایک شریف النفس، حلیم الطبع مظلوم نے اپنے دفاع میں ہر قسم کی قدرت رکھنے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور امت کی خون ریزی سے اجتناب کی خاطر اپنا ہاتھ روک لیا۔

اس سانحہ فاجعہ سے نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذاتی بے حرمتی ہوئی بلکہ ایک امام کی بے حرمتی، منصب خلافت کی بے حرمتی (جس کا سارا دبدبہ و جلال خاک میں مل گیا)، اسلام کی بے حرمتی، مدینۃ النبیؐ کی بے حرمتی شہر حرام ذی الحجہ کی بے حرمتی اور حرم نبی ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بے حرمتی ہوئی۔

خونِ عثمانؓ کا قصاص لینا یوں بھی آیت کریمہ:یایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی ... "(البقرۃ، آیت نمبر 178) کی نص صریح کے مطابق فرض تھا مگر مذکورہ ''بے حرمتیوں'' کی بناء پر اس ''قصاص'' کی اہمیت کس قدر بڑھ جاتی ہے لہٰذا دیکھتے ہی دیکھتے پوری مملکت میں قصاصِ عثمانؓ کے مطالبے کی صدا گونجنے لگی کہ جب تک ''مجرموں'' کو قصاص میں قتل نہیں کر دیا جاتا احکام شرعیہ کی بجا آوری کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مناسک حج سے فارغ ہو کر واپس مدینہ منورہ تشریف لا رہی تھیں کہ راستہ میں انہیں اس سانحہ فاجعہ کی اطلاع ملی۔بعد میں حضرت طلحہؓ اور حضرت حضرت زبیرؓ سے بھی سانحہ کے اصل حالات معلوم ہوئے۔چنانچہ ایک اجتماع میں باہمی مشاورت سے ام المؤمنینؓ کی قیادت میں ایک ہزار افراد پر مشتمل یہ ''لشکر'' بصرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔مفتی اعظم پاکستان جناب مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا، رات کے وقت وہاں کتے بھونکے، حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ: یہ کون سی جگہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مقام ''حوأب'' ہے۔

''حوأب'' کا نام سنتے ہی حضرت عائشہؓ چونک اٹھیں، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آ گیا، آنحضرتؐ نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ایک دن فرمایا تھا:

''کیف بأحداکنّ تنبح علیھا کلاب الحوأب''

تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔

حضرت عائشہؓ نے ''حوأب'' کا نام سن کر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کہ مجھے واپس لوٹا دو۔ اور ایک دن ایک رات وہیں ٹھہری رہیں، لیکن بعض حضرات نے کہا کہ آپ چلی چلیں، آپ کی وجہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح ہو جائے گی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے تردید بھی کی کہ یہ جگہ ''حوأب'' نہیں ہے اور اس طرح جو مقدر میں تھا وہ پیش آیا اور حضرت عائشہؓ نے سفر دوبارہ شروع فرما دیا....''

(عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص 36۔ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

مفتی صاحب نے ''مقام حوأب'' کی تردید کے لیے یہاں امام ابن کثیر کی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' جلد 7۔ ص 231 کا حوالہ دیا ہے مگر انہوں نے کسی ''مصلحت'' کی خاطر ''گواہی'' دینے والے کا نام حذف کر دیا ہے۔

امام ابن کثیر (م 774ھ) فرماتے ہیں:

''ان کا گزر پانی کے ایک چشمہ پر سے ہوا جسے حوأب کہا جاتا ہے تو انہیں کتے بھونکے۔ جب حضرت عائشہؓ نے یہ آواز سنی تو فرمایا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا: ''الحوأب''۔

فضربت باحدیٰ یدیھا علی الاخریٰ و قالت: انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔ ما

اظنّنی الّا راجعة"

تو انہوں نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا:

"انّا للّٰه و انّا الیه راجعون" میں تو اپنے آپ کو واپس ہونے والی سمجھتی ہوں۔

اہل لشکر نے کہا: کیوں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیویوں سے فرماتے ہوئے سنا کہ:

تم میں سے وہ کون ہوگی جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ پھر انہوں نے ہاتھ پھیر کر اپنے اونٹ کو بٹھا دیا اور اس سے اتر گئیں اور فرمایا: "ردّونی ، ردّونی أنا واللّٰه صاحبة ماءُ الحوأب۔"

مجھے واپس لے چلو، مجھے واپس لے چلو۔ اللہ کی قسم حوأب کے چشمہ والی میں ہی ہوں۔

قافلہ یہاں ایک دن اور ایک رات ٹھہرا رہا۔ اس اثناء میں عبداللہ بن زبیرؓ نے ام المؤمنین سے کہا: بے شک جس شخص نے آپ کو یہ اطلاع دی ہے کہ یہ چشمہ "حوأب" ہے یقیناً اس نے جھوٹ کہا ہے۔ "وقال لها عبداللّٰه ابن الزبیر ان الّذی أخبرك ان هذا ماء الحوأب قد کذب"

(اس کے بعد نیچے حاشیہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ:)

"جاء ابن الزبیر بخمسین رجلا شهدوا عند عائشة هذا الماء لیس بماء الحوأب، فکانت هذه اوّل شهادة زور شهدتها فی الاسلام۔"

عبداللہ بن زبیرؓ پچاس آدمی لائے جنہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس یہ گواہی دی کہ یہ چشمہ "حوأب" کا چشمہ نہیں ہے۔ اس طرح یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے جو عہد اسلام میں دی گئی۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7۔ ص 258۔ طبع بیروت)

امام طبری (م 310ھ) لکھتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حوأب کا چشمہ ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ الغرض حضرت عائشہؓ آگے بڑھ کر بصرہ

پہنچ گئیں۔''

(تاریخ طبری اردو۔خلافت راشدہ حصہ سوم ص 95۔مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

مولانا شاہ معین احمد ندوی لکھتے ہیں:

''راستہ میں حوأب کے چشمہ پر قافلہ پہنچا تو حضرت عائشہؓ نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں، پوچھا یہ کون سا چشمہ ہے؟ معلوم ہوا حوأب۔یہ سن کر فرمایا: مجھے یہیں سے واپس کر دو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم ان میں سے نہ ہونا جن پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔لیکن چالیس آدمیوں نے قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ حوأب کا چشمہ نہیں ہے، اس وقت حضرت عائشہؓ آگے بڑھیں...''(تاریخ اسلام اولین ص 270۔ناشر ادارہ نشریات اسلام، اردو بازار لاہور)

مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند احمد کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ نے ''ماء حوأب'' کی تحقیق کے بعد واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے انہیں بصرہ کی طرف سفر جاری رکھنے پر آمادہ کیا: فوقفت ، فقالت أظننی الا مراجعة ، فقال لها طلحة والزبیر...'' ملاحظہ ہو: (مصنف ابن أبی شیبہ کتاب الجمل جلد 15۔ص 260۔مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، مسند احمد بن حنبل جلد 6۔ص 52)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

''اہل سنت کی روایات میں بصراحت آپ (یعنی حضرت عائشہؓ) کے یہ الفاظ ملتے ہیں: ''رُدّونی ، رُدّونی '' مجھے واپس لے چلو، مجھے واپس لے چلو۔''

اسی کے ساتھ ان (اہل سنت) کی روایات میں بطور تتمہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے واپسی میں پس و پیش کیا مگر اہل لشکر نے اس سلسلہ میں آپ سے موافقت نہ کی اور باہم اختلاف رائے پیدا ہوا۔

اسی دوران مروان بن الحکم اور دوسرے لشکری قریب کے دیہات و آبادی سے اسی (80) ایسے افراد کو بطور گواہ لائے جو یہ کہتے تھے کہ:

یہ پانی حوأب نہیں کہلاتا بلکہ کوئی اور پانی ہے۔ اسی گواہی کے بعد آپ آگے روانہ ہوئیں..." (تحفہ اثناعشریہ ص 634۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حدیث کلاب حوأب کی رو سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حوأب کے چشمہ کے قریب ''کتوں'' کے بھونکنے سے سخت بے قرار ہوئیں اور ''چونک'' پڑیں کیونکہ اسی موقع پر انہیں نبی اکرمؐ کی وہ حدیث یاد آ گئی تھی جس میں آپ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

کیف باحداکنّ تنبح علیها کلاب الحوأب ، أیتکنّ تنبح علیها کلاب الحوأب ، کیف باحداکنّ إذا نبحتها کلاب الحوأب ، ذکر النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم خروج بعض امهات المؤمنین فضحکت عائشة فقال :انظری یا حمیراء أن لا تکونی انت ، وقد کان النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال یا حمیراء: کأنّی بك ینبحك کلاب الحوأب تقاتلین علیًّا وانت له ظالمة ، التی تنبحها کلاب الحوأب ثم ضربت عضد بعیرها فاناخته و قالت ردّونی ، ردّونی أنا واللّٰه صاحبة ماء الحوأب ایتکنّ التی تنبحها کلاب کذا وکذا؟ إیّاك یا حمیراء۔"

(مصنف ابن ابی شیبه جلد 15 ص 260 ، مسند احمد بن حنبل جلد 6 ص 52، المستدرك جلد 3 ص 120، جلد 4 ص 85 طبع بیروت ، العقد الفرید جلد 4 ص 309 تحت قولهم فی اصحاب الجمل ، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال)

مذکورہ روایات کی بناء پر حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقدام کی تغلیط کی جاتی ہے اور ان پر قرآن (وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ) اور حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث کلاب حوأب) کی مخالفت کا الزام لگایا جاتا ہے اور ان ہی روایات کے ذریعہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت مروان بن الحکم رضی اللہ عنہم پر جھوٹے گواہ تیار کرنے اور خود ان پر جھوٹی گواہی دینے کا الزام عائد ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ''سیدنا مروانؓ کے نام کی تصریح کی ہے کہ وہ ''قریب کے دیہات و آبادی سے اسی (80) ایسے افراد کو بطور گواہ لائے جو یہ کہتے تھے کہ یہ پانی حوأب نہیں کہلاتا بلکہ کوئی اور پانی ہے۔ اسی گواہی کے بعد آپ آگے روانہ ہوئیں...''

(تحفہ اثنا عشریہ ص 634 مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اسی گواہی کے متعلق ''علمائے اہل سنت'' نے کہا ہے کہ:

"فکانت ھذہ اوّل شھادۃ زور شھدتھا فی الاسلام۔"

(البدایہ والنہایہ جلد 7 ص 258۔ طبع بیروت)

یہ پہلی گواہی ہے جو (عہد) اسلام میں دی گئی۔

اس طرح حضرات طلحہ، زبیر، عبداللہ بن زبیر اور مروان رضی اللہ عنہم پر نہ صرف جھوٹی گواہی دینے اور جھوٹے گواہ تیار کرنے کا الزام عائد ہوتا ہے بلکہ مجلس میں شریک ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت دیگر صحابہ کرام کا بلند مقام اور عظیم کردار بھی مجروح ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث میں ''جھوٹی گواہی'' کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سورۃ الفرقان کی آیت 72 "وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ" میں "يَشْهَدُوْنَ" کو ''شہادت'' بمعنی گواہی سے لیا ہے اور معنی آیت کے یہ قرار دیے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جھوٹی گواہی کا گناہ کبیرہ اور وبالِ عظیم ہونا قرآن و سنت میں معروف و مشہور ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو ''اکبر کبائر'' فرمایا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ جس شخص سے متعلق ثابت ہو جائے کہ اس نے جھوٹی شہادت دی ہے تو اس کو چالیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور اس کا منہ کالا کر کے بازار میں پھرایا جائے اور رسوا کیا جائے اور پھر طویل زمانے تک قید میں رکھا جائے۔'' (معارف القرآن جلد 6 ص 507۔ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

یہ ملحوظ رہے کہ سورۃ الفرقان کی آخری پندرہ آیات میں قیامت تک آنے والے

''عباد الرحمٰن'' کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک وصف جھوٹی گواہی کا نہ دینا بھی ہے۔ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ ان ''اوصاف'' کے اولین مخاطب و مصداق ہیں لہٰذا ان کی طرف ''جھوٹی گواہی'' دینے کی نسبت کسی طور پر بھی صحیح قرار نہیں دی جا سکتی۔

سخت حیرت ہے کہ بعض علمائے اہل سنت نے صحابہ کرام بالخصوص حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کو نہ صرف ''جھوٹی گواہی'' بلکہ قرب و جوار سے اسی (80) جھوٹے گواہ تیار کرنے کا بھی مرتکب قرار دے دیا۔فیا اسفا!

حدیث کلاب حوأب کی روایتی و درایتی حیثیت اور اس سے متعلق تمام مباحث کی تفصیل معلوم کرنے کے خواہش مند قارئین راقم الحروف کی کتب ''حدیث حوأب کا مصداق کون؟'' اور ''حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ بجواب رسلیا حدیث کلاب حوأب پر قیل وقال کا علمی محاسبہ'' (مؤلفہ مفتی تفضل علی تلمیذ رشید مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب) کی طرف مراجعت فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر جنگ جمل میں پہل کرنے کا الزام

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے حضرت مروانؓ پر ایک گھناؤنا الزام یہ بھی عائد کیا ہے کہ انہوں نے جنگ جمل کے آغاز سے پہلے مصالحت کی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت ''بے قاعدہ طریقے سے جنگ برپا کردی اور وہ جنگ برپا ہو کر رہی جسے دونوں طرف کے اہل خیر روکنا چاہتے تھے۔''

مفصل الزام کے لیے ملاحظہ ہو: (خلافت و ملوکیت ص 128-129۔)

حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

''مروان فتنہ پرداز، خون ریزیوں کا باعث اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا باعث بنا ہے۔ اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تا کہ خود صاحب حکومت بنے۔ جنگ جمل کے واقعہ میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کون ہے جو حرم نبی پر دست درازی کرتا ہے؟ پھر کوئی آیا اور اونٹ کے تلوار ماری جس سے عماری گرنے لگی اور حضرت علیؓ (جب کہ احمد رضا بجنوری کے مطابق اشترنخعی) نے دیکھ کر فوراً پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو گرنے سے بچایا اور جنگ ختم ہوگئی۔''

(انوار الباری شرح صحیح بخاری جلد 16 ص 337)

اگر حضرت بجنوری یہ ''الزامات'' نقل نہ کرتے تو یہ باور کرنا مشکل تھا کہ شاہ صاحب جیسی شخصیت بھی ''مروانؓ دشمنی میں اس حد تک جا سکتی ہے۔ معلوم نہیں کہ ''ہر جنگ'' سے شاہ صاحب کی کیا مراد ہے۔ حضرت مروانؓ نے تو ام المؤمنینؓ کی زیر قیادت اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ و دیگر صحابہ کرامؓ کی معیت میں قصاص عثمانؓ کی خاطر صرف جنگ جمل میں حصہ لیا تھا (صفین میں ان کی شرکت ہی محل نظر ہے) معلوم نہیں کہ موصوف ''ہر جنگ'' سے کیا تاثر دینا چاہتے ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی لغو الزام ہو سکتا ہے؟

ام المؤمنینؓ پر ''دست درازی'' کے الزام کو نقل کرنے سے بھی سخت گھن محسوس ہوتی ہے۔ کیا ایک بیٹا ام المؤمنین جیسی اپنی ماں پر دست درازی کر سکتا ہے؟ پھر ماں بھی وہ جو حضرت مروانؓ کے بھائی اور خسر سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے لیے میدان عمل میں اتری ہوں۔

ام المؤمنینؓ پر ''دست درازی'' اور تبرا کرنے والے تو حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے۔ وہ تو اس قدر جری تھے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کے سامنے بھی برا بھلا کہنے سے باز نہیں آئے جس پر انہوں نے اس موذی ام المؤمنینؓ کو دھتکارتے ہوئے فرمایا:

اغرب مقبوحا منبوحا أتؤذی حبیبة رسول اللہ صلّی اللہ وعلیه وسلّم

او! منحوس و مردود دفع ہو جاؤ کیا تو نبی اکرمؐ کی محبوبہ کو ایذا دیتا ہے۔

(جامع الترمذی۔ابواب المناقب باب من فضل عائشةؓ)

حضرت شاہ صاحبؒ نے تو سیدنا مروانؓ کے متعلق اپنی ''تحقیق'' پیش کی ہے۔ اگر وہ با حوالہ الزامات پیش فرماتے تو روایتاً و درایتاً اس پر بحث ہو سکتی تھی لہٰذا ایسے الزامات کی تردید کے لیے یہ آیت نذر قارئین ہے: ''و لو لا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنآ ان نتکلّم بهذا سبحنك هذا بهتان عظیم'' (النور۔16) اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں یہ بات۔ اللہ تو پاک ہے۔ یہ تو بڑا بہتان ہے۔

جہاں تک مودودی صاحب کے اس الزام کا تعلق ہے کہ مروان نے مصالحت کی کوشش کو ناکام بنانے کی خاطر جنگ برپا کر دی تھی تو اسے وہی شخص تسلیم کر سکتا ہے جسے عقل و خرد سے ذرہ برابر بھی کوئی حصہ نہ ملا ہو۔ کیونکہ ایک معمولی عقل والا بھی اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ مصالحت کی کامیابی میں کس فریق کو نقصان کا خطرہ ہو سکتا تھا لہٰذا اسے ناکام بنانے کی ذمہ داری بھی اسی فریق پر عائد ہوگی جسے اس قسم کا خدشہ نہیں بلکہ یقین تھا۔

اگر قصاص عثمانؓ کا مطالبہ بغیر کسی جنگ کے تسلیم ہو جاتا ہے تو حضرت مروانؓ اور ان کے گروہ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی اور خوشی ہو سکتی تھی؟ یقیناً یہ صلح و مصالحت صرف حضرت علیؓ کی فوج میں موجود قاتلین عثمانؓ کے لیے موت کے مترادف تھی۔ اسی لیے انہوں

نے ہی جنگ میں پہل کر کے صلح کی کوشش کو ناکام بنایا تھا۔اس بات کا اعتراف خود مودودی صاحب نے کیا ہے کہ:

”حضرت علیؓ کی فوج میں قاتلین عثمانؓ موجود تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان کے درمیان مصالحت ہوگئی تو پھر ہماری خیر نہیں ....“ (خلافت وملوکیت ص 129)

جنگ جمل کے آغاز سے پہلے اس مصالحت کا آغاز بھی حضرت علیؓ نے حضرت قعقاعؓ کو حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف بھیج کر کیا۔اہل جمل نے واضح جواب دیا کہ ہمارے یہاں آنے کا مقصد ”اصلاح بین المسلمین“ اور ”قاتلین عثمانؓ“ کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے کیونکہ مطالبۂ قصاص کو پورا کرنا قرآن کا حکم ہے۔

حضرت قعقاعؓ نے ان کے مطالبے کو درست قرار دیا اور کہا کہ موجودہ حالات میں اسے پورا کرنا ممکن نہیں ہے کچھ مہلت چاہیے۔اس پر اہل جمل نے ان کی التواء وتاخیر کی تجویز کے ساتھ اتفاق کرلیا۔حضرت علیؓ نے بھی اس تجویز کے ساتھ اپنی رضامندی کا اظہار فرمادیا۔سوائے قاتلین عثمانؓ کے دونوں گروہ بڑے خوش ہوئے۔(ففرح هؤلاء و هؤلاء)

اس کے بعد حضرت علیؓ نے اپنے لشکر میں یہ عام منادی کرادی کہ کل ہم صلح کی خاطر اہل جمل کے پاس جائیں گے اور وہ لوگ اس موقع پر ہمارے لشکر سے الگ ہو جائیں جنہوں نے قتل عثمانؓ میں شرکت یا اعانت کی ہے۔

صلح کی یہ صورت دیکھ کر قاتلین عثمان گھبرا گئے کہ یقیناً یہ صلح ہمارے قتل پر ہی ہوگی لہٰذا انہوں نے اس مصالحت کو ناکام بنانے کے لیے منصوبے کے مطابق تاریکی میں اہل جمل پر اچانک حملہ کردیا جس کی وجہ سے یہ جنگ برپا ہوئی۔مگر صد افسوس کہ جناب مودودی صاحب اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی مدافعت میں ہتھیار اٹھانے والوں کو ہی الٹا فتنہ پرداز اور جنگ جمل کا باعث قرار دے دیا۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا الزام

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"مشہور روایات کے مطابق حضرت طلحہؓ کو مروان بن الحکم نے قتل کردیا....

(نیچے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ) ثقات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل مروان ہی ہے حالانکہ وہ ان کی فوج میں شامل تھا۔" (خلافت وملوکیت ص 130)

حضرت طلحہؓ کی شہادت تو جنگ جمل کے اختتام پر واقع ہوئی لیکن مودودی صاحب تو یہ فرماتے ہیں کہ مروان تو شروع سے ہی اسی ارادے کے ساتھ شامل لشکر ہوئے تھے:

"چنانچہ یہ قافلہ مکہ سے بصرے کی طرف روانہ ہوگیا۔بنی امیہ میں سے سعید بن العاص اور مروان بن الحکم بھی ان کے ساتھ نکلے۔مرّ الظہران (موجودہ وادی فاطمہ) پہنچ کر سعید بن العاص نے اپنے گروہ کے لوگوں سے کہا کہ:

اگر تم قاتلین عثمانؓ سے بدلہ لینا چاہتے ہو تو ان لوگوں کو قتل کردو جو تمہارے ساتھ اس لشکر میں موجود ہیں (ان کا اشارہ حضرت طلحہؓ زبیرؓ وغیرہ بزرگوں کی طرف تھا)

مروان نے کہا کہ نہیں ہم ان کو (یعنی طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت علیؓ) کو ایک دوسرے سے لڑائیں گے۔دونوں میں سے جس کی بھی شکست ہوگی وہ تو یوں ختم ہو جائے گا اور جو فتح یاب ہوگا وہ اتنا کمزور ہو جائے گا کہ ہم بآسانی اس سے نمٹ لیں گے۔ (حوالہ مذکور ص 128)

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

"اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حدیث نبی اکرمؐ سن کر مدینہ طیبہ کو لوٹ گئے، مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مارا اور زخمی کردیا جس سے وہ شہید ہوئے۔مروان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے اور کوئی میدان سے نہ جائے....

(مولانا احمد رضا بجنوری بحوالہ "نماز بوقت خطبہ" مؤلفہ مولانا عبداللہ خان لکھتے ہیں

کہ) ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ امام بخاری کے یہاں جرح و توثیق میں قوتِ دلیل کا سوال نہیں بلکہ خود ان کے رجحانِ طبع پر فیصلہ ہے۔ قابل اعتماد سمجھ لیں تو مروان بن الحکم کو جس کی پیشانی پر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا ٹیکہ لگا ہوا اور جس کو سفاک امت کہنا بھی بے جا نہیں.... "(انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 16 ص 337-338)

حضرت شاہ صاحبؒ کے داماد مولانا سید احمد رضا بجنوری مزید لکھتے ہیں کہ:

"اور اس (مروان) کے نہایت بدبختانہ اعمال سے یہ بھی ہے کہ اس نے یوم جمل میں حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر شہید کیا تھا۔ بخاری میں ہے کہ حضرت طلحہؓ نے حضور علیہ السلام کی حفاظت کرتے ہوئے اپنا ہاتھ بے کار کر دیا تھا علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ جنگ احد میں حضور علیہ السلام کی حفاظت کرتے ہوئے صرف حضرت طلحہؓ رہ گئے تھے تو انہوں نے اپنے جسم مبارک پر اسی سے زیادہ زخم کھا کر بھی حضورؐ کو بچایا تھا اور اسی پر حضور علیہ السلام نے خوش ہو کر فرمایا تھا کہ طلحہؓ کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ ایسے جنتی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا حوصلہ صرف مروان جیسا شقی القلب ہی کر سکتا تھا۔" (انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 17۔ص 192)

قاتلِ طلحہؓ (مروان) سے متعلق مذکورہ داستان اگر "انوار الباری" جیسی "مستند" کتاب میں حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے داماد جیسے ثقہ راویوں سے بیان نہ ہوتی تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس پر یقین کرنا مشکل امر تھا۔

معلوم نہیں کہ "شاہ صاحبان" نے سبائیوں اور کذابوں سے مروی روایات پر اعتماد کر کے حضرت مروانؓ پر انتہائی گھناؤنے الزامات کیوں کر عائد کر دیے؟

شاہ صاحبؒ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں کے متعلق لکھا کہ وہ "حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مدینہ طیبہ کو لوٹ گئے۔ مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مارا جس سے وہ شہید ہو گئے۔"

اس موقع پر انہوں نے قصداً حضرت زبیرؓ کی شہادت کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کا قاتل ایک جانا پہچانا اور حضرت علیؓ ہی کے لشکر کا سپاہی تھا جس نے خود حضرت علیؓ کے

سامنے پیش ہو کر انعام کے لالچ میں اس قتل کا اعتراف کیا تھا جس پر حضرت علیؓ نے اسے جہنم کی بشارت سے سرفراز فرمایا۔

شاہ صاحبؒ نے یہاں قارئین کو یہ یقین تو دلایا ہے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر واپس چلے گئے لیکن اس حدیث کا ''ماخذ'' نہیں بتلایا۔''

دراصل اس حدیث کو نقل کرنے والے امام حاکم ہیں (جو مشہور شیعہ ہیں) اس حدیث کے مطابق حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو جنگ کے دوران یہ کہا کہ کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب نبی اکرمؐ نے تجھ سے پوچھا تھا کہ:

"أتحبّه ، فقلت وما يمنعني ، قال: اما انّك استخراج عليه و تقاتله و انت ظالم ، قال: فرجع الزبير" (مستدرك للحاكم جلد چهارم ص445)

کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ میں (یعنی زبیرؓ) نے کہا: ہاں یا رسول اللہ مجھے اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: ایک دن تم اس کے خلاف خروج کرو گے اور اس سے قتال کرو گے اور تم اس وقت ظالم ہو گے۔ یہ سن کر حضرت زبیرؓ واپس پلٹ گئے۔

امام ذہبی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"والعابد لايعرف والحديث فيه نظر" (حوالہ مذکور)

عابد مجہول ہے اور یہ حدیث محل نظر ہے۔

مولانا شاہ معین الدین مزید رنگ آمیزی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا۔ مروان بن حکم کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت طلحہؓ کو ایسا تاک کر تیر مارا جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا۔ زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا۔ اب میدان جنگ میں صرف ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور ان کے جان نثار فرزند رہ گئے۔'' (سیر الصحابہؓ جلد اول ص 273)

اس ''افسانہ'' سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مروانؓ نے حضرت علیؓ کے سپاہی ابن جرموز کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کر لیے تھے۔ حضرت زبیرؓ کو ابن جرموز

نے قتل کر دیا اور حضرت طلحہؓ کو مروانؓ نے۔ جب کہ یہ واقعہ بھی جنگ کے اختتام پر رونما ہوا۔ سخت تعجب ہے کہ جس جنگ میں تیرہ ہزار مسلمان قتل ہو گئے ہوں اور سینکڑوں زخمی بھی ہوں اس گھمسان کی جنگ میں بھی حضرت مروانؓ نے ''زہر آلود'' تیر بچا کر رکھا ہوا تھا جس سے انہوں نے حضرت طلحہؓ کو شہید کیا۔

اسی طرح حضرت زبیرؓ کی شہادت کے متعلق بھی تاریخ میں بہت سے افسانے موجود ہیں۔ایک افسانہ تو یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ واپس جا رہے تھے عمرو بن جرموز اور چند باغی لوگوں نے ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

دوسرا افسانہ یہ ہے کہ ابن جرموز نے حضرت زبیرؓ کو نیند کی حالت میں قتل کیا۔تیسرا افسانہ یہ ہے کہ ابن جرموز نے انہیں اس حالت میں شہید کیا کہ وہ نماز ادا فرما رہے تھے۔ فیاللعجب!

سوال یہ ہے کہ اگر اتنی جنگ ہوئی تھی کہ جس میں مقتولین کی تعداد تیرہ ہزار تک پہنچ گئی (یہ بھی ایک تاریخی مکذوبہ اور بے سر و پا افسانہ ہے جسے سیف بن عمر جیسے کذاب راویوں نے مشہور کیا ہے؛ حالانکہ مؤرخ خلیفہ بن خیاط نے دونوں طرف سے مقتولین جمل کی تعداد مع فہرست ایک سو بتائی ہے۔(ملاحظہ ہو: تاریخ خلیفہ بن خیاط ص 187، 190)

جب کہ زخمیوں کی تعداد تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہی ہو گی تو اس دوران میں یا اس کے ختم ہونے کے بعد حضرت زبیرؓ کو اتنی جلدی ایسا اطمینان کیسے ہو گیا کہ وہ وادی السباع میں آ کر آرام سے سو گئے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایسے وقت میں جب اہل جمل کو شکست ہو گئی تھی تو آں محترمؓ اپنی ''نعشوں''، زخمیوں، فوج اور اپنی قائد ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو چھوڑ کر ان سے الگ کیسے ہو گئے تھے؟

یہ چیز تو فوجی اخلاق اور عام اخلاق کے بھی خلاف ہے۔عشرہ مبشرہ کے افراد کے بارے میں تو اس قسم کے کردار کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت علیؓ کو نبی اکرمؐ کا یہ ارشاد عین میدان جنگ ہی میں کیوں یاد آیا؟ اس سے پہلے انہیں کیوں نہ یاد آیا؟ اگر حضرت شاہ صاحب کی بیان فرمودہ یہ حدیث صحیح تھی تو حضرت علیؓ کو فوج میدان میں اتارنے کی کیا ضرورت تھی۔ بغیر کسی جنگی اقدام کے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو پہلے ہی اپنے پاس بلا کر یہ حدیث کیوں نہیں سنائی؟ حضرت علیؓ نے حضرت قعقاعؓ کو جب صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے اصحاب جمل کے پاس بھیجا تھا تو یہ حدیث کیوں نہ ان تک پہنچائی گئی؟ لیکن حیرت ہے کہ ان تمام مواقع پر یہ حدیث ان حضرات میں سے کسی کو یاد نہ آئی پھر معلوم نہیں کہ اس قدر اچانک وہ حدیث ان کے لوح حافظہ پر کس طرح ابھر آئی؟

اگر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے یہ حدیث سن کر جنگ سے کنارہ کشی اختیار کی تھی اور اس جنگ کو وہ فی الواقع مذموم سمجھنے لگے تھے تو یہ مخالف کیمپ میں واپس کیوں گئے؟ حضرت علیؓ کے کیمپ میں کیوں نہ آئے؟

یہ بات بھی بعید از فہم ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حدیث رسولؐ سن کر خود تو اپنے طور پر جنگ سے علیحدہ ہو گئے ہوں اور ان کی زیر قیادت جو فوج لڑ رہی تھی اس کو انہوں نے اس کی کوئی اطلاع نہیں دی حالانکہ جب ان پر اپنی غلطی واضح ہو گئی تھی تو ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے ماتحت لڑنے والوں کو بھی اس سے آگاہ کرتے ورنہ اس کے بغیر نہ خود ان کی جنگ سے علیحدگی و کنارہ کشی کوئی معنی رکھتی ہے اور نہ ہی از روئے شریعت وہ صرف اتنی سی بات سے بری الذمہ قرار پاسکتے ہیں کیونکہ وہ ایک عام سپاہی کی حیثیت سے شریک جنگ نہیں تھے بلکہ درحقیقت فوج کے کمانڈر اور قائد تھے۔ معلوم نہیں کہ ان کی زیر کمان فوج ان کے بعد پھر کس کے حکم و اشارے پر لڑتی رہی؟

جنگی تاریخ کا شاید یہ انوکھا واقعہ ہے کہ کمانڈروں نے تو جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی لیکن فوج بدستور برسر پیکار رہی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ انوکھا واقعہ ہے کہ خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے اس سبائی و مکذوبہ روایت کو "حدیث رسولؐ" سمجھ لیا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن ابن خلدون کا بیان کردہ "قصہ" بھی نذر قارئین کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"اس کے بعد امیر المؤمنین نے زبیرؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم کو وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے فرمایا تھا کہ بے شک تم ایسے شخص سے لڑو گے جس پر تم ہی ظلم کرنے والے ہو گے؟ جواب دیا: ہاں مجھے یاد آ گیا۔ اگر تم میری روانگی سے پیشتر مجھے اس بات کو یاد دلاتے تو میں ہرگز خروج نہ کرتا اور اب واللہ میں تم سے ہرگز نہ لڑوں گا....

زبیرؓ ام المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی: جب سے میں نے ہوش سنبھالا سوائے آج کے اس موقع کے ہمیشہ اپنا انجام کار جانتا تھا۔ ام المؤمنینؓ نے کہا: تمہارا کیا قصد ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا: میرا یہ قصد ہے کہ میں ان سب کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔ ام المؤمنینؓ جواب نہ دینے پائی تھیں کہ عبداللہ بن زبیرؓ بول اٹھے: ہاں جب دونوں کو صف آراء کر لیا اور ایک کو دوسرے کی عداوت پر ابھار دیا تو اب چلے جانے کا قصد کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ آپ ابن ابی طالب کے پھریروں سے ڈر گئے اور آپ نے یہ سمجھ لیا کہ اس کے اٹھانے والے جواں مرد جنگ جو ہیں اور اس کے نیچے چمکتی ہوئی تلواریں ہیں۔ اس سے آپ میں بزدلی آ گئی ہے۔ زبیرؓ نے کہا: میں نے قسم کھالی ہے۔ جواب دیا: اپنی قسم کا کفارہ دیں اپنے غلام مکحول کو آزاد کر دیں...."

(تاریخ ابن خلدون اردو۔ حصہ اول ص 497-498 مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا یہ مکالمہ اپنے والد حضرت زبیرؓ سے ہو رہا ہے جو یکے از عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ اسی سے اس "قصے" کی لغویت ثابت ہو جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اس مکالمہ میں حضرت مروانؓ کا نام کس طرح فراموش ہو گیا؟

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے معتقدین کی ایک کثیر تعداد فوج میں شامل تھی۔ کیا یہ سب حضرات اس تعلیم نبویؐ سے لاعلم اور بے خبر تھے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لیے وہی چیز پسند کرنا چاہیے جو اپنے لیے پسند کرے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ وہ خود تو جنگ سے علیحدہ ہو گئے اور اپنے معتقدین کو اس سے رکنے کی کوئی تلقین نہ کی؟

پھر یہ بات بھی ایک ''معمہ'' ہی ہے کہ جنگ سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر حضرت علیؓ کے ایک سپاہی ابن جرموز نے ان کے خون سے اپنے ہاتھ کیوں رنگین کیے؟ حالانکہ وہ ان کے ہم خیال ہو گئے تھے۔ حضرت طلحہؓ کے قتل کی طرح یہ ''اقدام'' بھی حضرت مروانؓ کو اٹھانا چاہیے تھا لیکن شاید ان کے پاس کوئی دوسرا ''زہر آلود'' تیر نہ بچا ہو اس لیے انہوں نے ابن جرموز کی خدمات حاصل کر لی ہوں۔

اس ''جملہ معترضہ'' کے بعد یہ بات بھی نہایت ہی قابل غور ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ہزاروں معتقدین ان کی غیر جانبداری اور جنگ سے کنارہ کشی دیکھنے کے باوجود کیوں کر مصروف جنگ رہے؟ اور انہوں نے جنگ سے کیوں علیحدگی اختیار نہ کی؟ اگر جنگ صفین میں ''نیزوں پر قرآن کریم'' کے بلند کرنے سے لشکرِ علیؓ میں پھوٹ پڑ گئی تھی تو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی ''کنارہ کشی'' کی وجہ سے اصحاب جمل میں پھوٹ کیوں نہ پڑی؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ الزام حضرت مروانؓ پر عائد کر دیا کہ انہوں نے حضرت طلحہؓ کو اس لیے شہید کیا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے لیکن رئیس المؤرخین ابن خلدون نے تو عبداللہ بن زبیرؓ کا ذکر کیا ہے (کہ وہ جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے نہ کہ مروانؓ) جن کا اپنے والد کے ساتھ مکالمہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف منسوب یہ ''مکالمہ'' اور حضرت مروانؓ کی طرف قتل طلحہؓ کی نسبت دونوں کذب و افتراء پر مبنی ہیں۔

اس مکذوبہ قصہ کے برعکس مختلف صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت زبیرؓ میدانِ جنگ سے کنارہ کش نہیں ہوئے بلکہ برابر لڑتے رہے ایک موقع پر دن کے اول حصے میں کچھ لوگ پسپا ہوئے تو حضرت زبیرؓ نے یہ اعلان کیا کہ:

''انا الزبیر الیّ ایھا الناس'' ''میں زبیرؓ ہوں اے لوگو! میری طرف آؤ۔''

(تاریخ طبری جلد چہارم ص 206 تحت احوال 36ھ بیان جنگ جمل)

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ:

"لـمّـا وقف الـزبير يوم الجمل دعاني فقمت إلى جنبه فقال :يا بنىّ إنّه لا يقتـل اليـوم الاّ ظـالـم أو مظلوم واني لا أراني الاّ سأقتل اليوم مظلومًا و انّ من اكبر همّى لَديني ....قال عبدالله فجعل يوصيني بدَينه و يقول يابنىّ ان عجزتَ عـن شـيء منـه فـاستعن عليه مولاى قال فوالله ما دريتُ ما أراد حتّى قلت يا أبـت مـن مـولاك قـال: الـلّه-قال: فوالله ما وقعتُ فى كربة من دَينه الاّ قلتُ يا مـولـى الـزبيـر اقض عنه دينه فيقضه فقتل الزبير ...."(صـحيح بخاري-كتاب فـرض الـخـمـس باب بركة الغازى فى ماله حيّاًو ميّتاً مع النبىّ صلّى اللّه عليه وسلّم و ولاة الأمر-رقم الحديث 3129)

جب حضرت زبیرؓ ''یوم الجمل'' میں کھڑے ہوئے تو مجھے طلب فرمایا۔ میں آکر ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا تو انہوں نے فرمایا:

اے بیٹے آج کے دن قتل ہونے والے یا ظالم ہیں یا پھر مظلوم اور مجھے نظر آرہا ہے کہ میں مظلوم کی حیثیت سے مارا جاؤں گا اور مجھے سب سے بڑی فکر اپنے قرضہ کی لگی ہوئی ہے (یعنی میں مقروض ہوں)....

عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں پھر مجھے انہوں نے اپنا قرضہ جلد ادا کرنے کی وصیت کی اور کہا: اے بیٹے اگر تم کسی امر میں عاجز ہو جاؤ تو اس میں میرے مولا سے امداد حاصل کرنا۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! مجھ پر ان کا قرض ادا کرنے میں کوئی مصیبت پڑی تو میں نے کہا: اے زبیرؓ کے مولا تو ہی ان کا قرض ادا کر دے تو اللہ نے ان کے ذمہ کا قرض ادا کر دیا (یعنی اسباب فراہم کر دیے) پس حضرت زبیرؓ شہید ہو گئے۔

امام بخاری نے اس باب کا نام ہی یہ رکھا کہ ''نبی اکرمؐ اور خلفاء کے ہمراہ رہ کر جہاد کرنے والے کے مال میں بحالت زیست و مرگ برکت ہونے کا بیان''۔ اور اس میں حضرت زبیرؓ کی جنگ جمل کے موقع پر مظلومانہ قتل سے پہلے قرض کی ادائیگی سے متعلق

وصیت پر مشتمل یہ حدیث لائے ہیں۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت زبیرؓ مظلوم تھے اور وہ میدان جنگ میں ہی شہید ہوئے؛ وہ آخر دم تک ثابت قدم رہے اور اپنے اقدام و موقف کو صحیح سمجھتے رہے۔ جنگ سے کنارہ کشی کا قصہ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے۔ انہوں نے میدان جنگ میں کھڑے ہو کر اپنے قرض کی ادائیگی کی وصیت کرتے ہوئے اپنے شہید ہونے کی پیش گوئی فرمائی جو بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

حدیث و تاریخ کی معتبر روایات سے یہی بات ثابت ہے البتہ جنگ روکنے کی کوشش جس طرح دوسرے اکابر فرمارہے تھے اسی طرح حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اس کوشش میں سرگرم رہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مروانؓ پر یہ الزام عائد کیا کہ ان کا حضرت طلحہؓ کے قتل سے یہ مقصد تھا کہ جنگ جاری رہے جب کہ ان کے داماد مولانا احمد رضا بجنوری نے مزید رنگ آمیزی کرتے ہوئے کہا کہ:

اس کے ''بدبختانہ اعمال'' میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے حضرت طلحہؓ کو شہید کیا۔ ایسے جنتی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا حوصلہ صرف مروان جیسا ''شقی'' ہی کر سکتا تھا۔

یہاں موصوف نے بھی جمع کا لفظ ''اعمال'' استعمال کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مروانؓ کے ''اعمال نامے'' میں حضرت طلحہؓ کے قتل جیسے بہت سے ''بدبختانہ اعمال'' درج ہیں۔ ظاہر ہے کہ ''بدبختانہ اعمال'' کا ریکارڈ ''سجین'' میں ہی محفوظ ہوتا ہے؛ معلوم نہیں کہ ناقدین و معترضین کی حضرت مروانؓ کی وفات (رمضان 65ھ) کے تیرہ سو سال بعد (جب کہ جنگ جمل 36ھ میں واقع ہوئی تھی) مقام ''سجین'' میں ان کے ریکارڈ تک کس طرح رسائی ہوئی؟

سخت حیرت ہے کہ ان علمائے حق نے حضرت مروانؓ کے خلاف سبائیوں اور کذابوں کی روایات پر اعتماد کر کے نہایت ہی تیقن کے ساتھ نہ صرف انہیں حضرت طلحہؓ کا قاتل قرار

دیا بلکہ قتل طلحہؓ کے علاوہ ان کے دیگر ''اعمال'' کو ''بد بختانہ'' گردانتے ہوئے ان پر ''سفاک امت اور شقی'' ہونے کا فتویٰ بھی داغ دیا۔فیا اسفا!

یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت طلحہؓ کی شہادت جنگ جمل میں (جو سبائیوں کی بھڑکائی ہوئی تھی) قصاص عثمانؓ کے مسئلہ پر حضرت علیؓ کی فوج کے ساتھ تصادم کے نتیجے میں ایک تیر لگنے سے واقع ہوئی تھی۔مؤرخ طبری (م 310ھ) لکھتے ہیں کہ:

"فوقف فی بعض الصفوف فجاءہ سہم غرب فی رکبتہ"

(تاریخ الطبری جلد 5۔ص 215۔تحت حالات جمل 36ھ)

حضرت طلحہؓ صفوں کے درمیان کھڑے تھے کہ ایک ''نامعلوم'' تیر ان کے گھٹنے میں پیوست ہوگیا۔اس سلسلہ میں اکثر مؤرخین نے دو طرح کی روایات ذکر کی ہیں۔حضرت مروانؓ کو بعض روایات میں بصیغۂ تمریض "یقال ، قیل ، یزعمون ، یقولون" وغیرہ الفاظ کے ساتھ ''تیر انداز و قاتل'' نامزد کیا گیا ہے جن کے ''قائل'' کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔اور جن روایات میں ''سند'' کے ساتھ حضرت مروانؓ کے نام کی تصریح پائی جاتی ہے تو ان راویوں کی ''سیرت و کردار'' سے آگاہ ہو جانے کے بعد کوئی منصف مزاج ''غیر مسلم'' بھی حضرت مروانؓ کو ''قاتل'' قرار نہیں دے سکتا۔

ان روایات میں اگر ''مجہول'' راویوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو ''معروف'' راویوں میں ایک راوی جناب عبدالسلام بن صالح ہیں۔ان کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ کٹر شیعہ ہے،علامہ عقیلی فرماتے ہیں کہ یہ خبیث رافضی اور کذاب ہے،امام نسائی اور دارقطنی نے بھی اسے غیر ثقہ اور خبیث رافضی کہا ہے جو احادیث وضع کیا کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ:

"کلب للعلویۃ خیر من بن امیۃ" یعنی علوی لوگوں کے کتے بھی بنو امیہ سے اچھے ہوتے ہیں۔(ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال،تہذیب التہذیب تحت عبدالسلام بن صالح)

لہٰذا اس راوی کی روایت پر اعتماد کر کے کوئی شیعہ یا بغض مروانؓ کا اسیر و مریض ہی حضرت مروانؓ کو حضرت طلحہؓ کا قاتل قرار دے سکتا ہے۔

اسی طرح طبقات ابن سعد کی دوسری روایت جو خلیفہ عبدالملک پر منتہی ہوتی ہے تو اس میں دو راوی ''مجہول'' ہیں جن کا نام تک مذکور نہیں۔ ایک راوی جناب ابو حباب کلبی ہیں جن کا اسم گرامی اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ اس کی روایت رد کر دی جائے۔

ان میں سے ایک روایت جو قیس بن ابی حازم کے قول پر ختم ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیر حضرت طلحہؓ کے گھٹنے میں لگا تھا۔ روح بن عبادہ سے مروی ایک روایت ''عوف'' پر ختم ہوتی ہے (اس پر قدری اور شیعہ ہونے کا بدنما داغ بھی ہے) وہ ''بلغنی'' کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یعنی ان کے بعد راوی مجہول ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیر ان کی پنڈلی میں لگا تھا۔

روح بن عبادہ سے مروی دوسری روایت جو حضرت نافع پر ختم ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کی زرہ ایک جگہ سے ٹوٹ گئی تھی جس سے جسم کا کچھ حصہ کھل گیا تھا تیر وہیں آ کر لگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیر گھٹنے یا پنڈلی میں نہیں لگا بلکہ جسم کے بالائی حصے میں لگا کیونکہ زرہ گھٹنے پر نہیں پہنچ جاتی۔ مذکورہ روایات کا اختلاف اور اضطراب ہی حضرت مروانؓ کی قتل طلحہؓ سے بریت ثابت کرنے کے لیے کافی ثبوت ہے۔

اس طرح کی موضوع اور من گھڑت روایتیں یقیناً قابل رد و مردود ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان راویوں میں کوئی راوی موقع کا گواہ نہیں ہے اور نہ ہی شرکائے جمل میں سے کسی نے یہ الزام حضرت مروانؓ پر لگایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مؤرخین یہ بھی تصریح کر رہے ہیں کہ ''فجاءہ سھم غرب'' ''ایک نامعلوم تیر آ کر ان کو لگا۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

''اما طلحۃ فجاءہ فی المعرکۃ سھم غرب یقال رماہ بہ مروان بن الحکم فاللّٰہ اعلم ...یقال انّ الّذی رماہ بھذا السھم مروان بن الحکم ...و قد قیل انّ الّذی رماہ غیرہ و ھذا عندی اقرب و ان کان الاول مشھورا واللّٰہ اعلم۔'' (البدایۃ والنھایۃ جلد 7۔ص 241، 247)

میدان جنگ میں حضرت طلحہؓ کو ایک تیر لگا جس کا مارنے والا نا معلوم ہے کہا جاتا ہے کہ یہ تیر انداز مروان بن حکم ہے۔ حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتے ہیں.... کہا جاتا ہے کہ یہ تیر انداز مروان بن حکم تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور تھے۔ میرے (یعنی ابن کثیر کے) نزدیک یہی قول صحت کے زیادہ قریب ہے۔ اگرچہ مشہور پہلا قول ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

امام ابن کثیر یہاں دو قولوں میں موازنہ کر کے اپنی تحقیق یہ بتا رہے ہیں کہ میرے نزدیک صحت کے زیادہ قریب یہ قول ہے کہ تیر انداز حضرت مروان نہیں تھے بلکہ کوئی اور شخص تھا؛ اگرچہ صیغۂ تمریض سے منقول پہلا قول ہی مشہور ہے کہ "کہا جاتا ہے" کہ وہ مروان تھے۔ "یقال" افواہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ موصوف نے ہر دو مرتبہ "فاللہ اعلم" لکھ کر اس "افواہ" کی بھی مزید تضعیف کر دی کہ حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اصل تیر انداز کون تھا؟

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام ابن کثیر کے نزدیک تیر اندازی اور قتل کی نسبت حضرت مروانؓ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ لیکن "افواہ" کے طور پر پہلا قول ہی "مشہور" ہے۔

مودودی صاحب کی فریب دہی ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے قاری کو دھوکہ اور مغالطہ دینے کے لیے دو قولوں کو "روایات" بنا دیا حالانکہ روایت ایک ہی ہے۔ موصوف نے دوسرا ستم یہ ڈھایا کہ اس "قول اول" کو "مشہور روایات" کہہ دیا جس سے قاری کا ذہن حدیث کی اصطلاح "مشہور" کی طرف جاتا ہے۔ "مشہور روایات کے مطابق حضرت طلحہؓ کو مروان بن الحکم نے قتل کرایا۔" (خلافت وملوکیت ص 130)

اہل علم اس مغالطہ دہی کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں: کہاں ایک "بازاری گپ" اور کہاں محدثین کی اصطلاح میں "مشہور" روایت کی حیثیت (لا یستوی الخبیث والطیب)

مشہور شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ:

"قتل یوم الجمل أتاہ سہم لا یدری من رماہ واتہم بہ مروان"

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جزء اول کتاب الایمان باب الزکوۃ من الاسلام)

حضرت طلحہؓ جنگ جمل میں قتل کیے گئے۔انہیں ایک تیر آ کر لگا۔کوئی نہیں جانتا کہ اسے کس نے پھینکا تھا اور مروان پر اس کی "تہمت" لگائی گئی ہے۔علامہ عینی نے بھی حضرت مروانؓ کی طرف قتل طلحہؓ کی نسبت کو محض ایک تہمت قرار دیا ہے۔

قاضی ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ:

"بیان کیا جاتا ہے کہ مروان نے جب حضرت طلحہؓ کو جنگ کی صفیں درست کرتے ہوئے دیکھا...اور اس کو ایک تیر مارا اور قتل کر دیا اور اس بات کو اللہ تعالیٰ علام الغیوب کے سوا اور کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ ہی کسی ثقہ آدمی نے اس کو روایت کیا ہے۔"

(العواصم من القواصم اردو۔ص 263۔مطبوعہ ادارہ احیاء السنۃ گرجاگھر گوجرانوالہ)

علامہ محب الدین اس پر نقد کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"اخبار کی سب سے بڑی آفت ان کے راوی ہیں اور علوم اسلامیہ میں اس خبیث جھوٹ کی آفت کا علاج موجود ہے۔ہر ایک خبر کے راوی سے اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ اس خبر کا مصدر متعین کرو (کہ تم نے یہ خبر کہاں سے لی ہے؟) اور دنیا کی کوئی امت اخبار کے مصادر کے مطالبے میں مسلمانوں کی مثال نہیں پیش کر سکتی خصوصاً اہل سنت کا فرقہ۔اور یہ حضرت طلحہؓ اور مروانؓ والا قصہ ایسا بے بنیاد ہے کہ اس کے بنانے والے کا کوئی پتہ نہیں کہ کون ہے اور کون نہیں؟ اور جب تک یہ خبر معتبر آدمی، معروف سند اور معتبر روات سے بیان نہ کرتے قاضی ابو بکر ابن العربی کا حق نہیں تھا کہ اس کو نقل کرتے۔صرف یہی جملہ کہنا چاہیے تھا کہ اسے علام الغیوب ہی جانتا ہے۔

اس کے برعکس طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل حضرت علیؓ کا لشکری تھا:

ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت طلحہؓ کے بیٹے عمران آئے اور سلام عرض کیا۔حضرت علیؓ نے انہیں "مرحبا" کہا تو وہ کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! آپ مجھے خوش آمدید کہتے ہیں "و قد قتلت والدی واخذت مالی"

حالانکہ آپ نے میرے والد (طلحہؓ) کو قتل کر دیا اور میرا مال بھی قبضہ میں لے لیا ہے۔

حضرت علیؓ نے جواباً فرمایا: تمہارا مال بیت المال میں محفوظ ہے کل آ کر اپنا مال وصول کر لینا۔ اور جہاں تک تمہارے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کے والد کو میں نے قتل کیا ہے تو مجھے امید ہے کہ تمہارے والد اور میں آخرت میں ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"و نزعنا ما فی صدورھم من غلٍّ اخواناً علی سرر متقابلین"(الحجر 47)

مومنوں کے دلوں سے ہم کینہ کو دور کر دیں گے اور وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تخت نشین ہوں گے۔ (طبقات ابن سعد جلد 3۔ص 160۔ تحت طلحہ بن عبید اللہ)

اس روایت سے حسب ذیل امور کی نشاندہی ہوتی ہے:

1۔ ربعی بن حراش حضرت علیؓ کی اس مجلس میں موجود تھے اور خود بغیر کسی واسطے کے اسے روایت کر رہے ہیں۔

2۔ یہ مجلس حضرت طلحہؓ کی شہادت کے بعد قائم ہوئی جس میں خود مقتول کے لڑکے اپنے والد کے قتل کی نسبت منہ پر حضرت علیؓ کی طرف کر رہے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قاتل کا تعلق حضرت علیؓ کے گروہ سے تھا۔

3۔ اگر حضرت طلحہؓ کے قاتل حضرت مروانؓ ہوتے تو حضرت علیؓ کے لیے یہ نہایت ہی مناسب موقع تھا کہ وہ عمران بن طلحہؓ کو صاف صاف بتا دیتے کہ تمہارے والد کو خود تمہارے ہی گروہ کے ایک فرد "مروان" نے قتل کیا ہے۔ اس کا الزام مجھ پر کیوں لگاتے ہو؟

4۔ حضرت طلحہؓ کے قتل کا معاملہ کسی غار یا کسی ویران وادی میں پیش نہیں آیا تھا بلکہ طرفین کے ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں اور صف میں کھڑے ہونے کی حالت میں تازہ تازہ پیش آیا تھا جس کے فوراً بعد عمران بن طلحہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین مذکورہ مکالمہ ہوا تھا۔ اگر مروانؓ قاتل ہوتے تو حضرت طلحہؓ کے وارث اور ولی الدم ضرور انہیں نامزد کر دیتے۔

یہ نکات صرف مذکورہ مجلس اور "مکالمہ" کے حوالے سے پیش کیے گئے ہیں۔ جن

روایات میں حضرت مروانؓ کو "قاتل" قرار دیا گیا ہے تو اصولِ روایت کے اعتبار سے ان کا تجزیہ پیچھے گزر چکا ہے کہ وہ موضوع، لغو، باطل اور من گھڑت ہیں جنہیں سبائیوں، رافضیوں اور کذابوں نے روایت کیا ہے۔ جب کہ اصولِ درایت کے اعتبار سے بھی یہ روایات بوجوہ نا قابلِ قبول اور مردود ہیں:

اوّلاً: ۔شرکائے جنگ میں سے کوئی بھی اس کہانی کو بیان نہیں کرتا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں دشمنانِ بنو امیہ کی طرف سے یہ وضع کی گئی ہے۔

ثانیاً: ۔جنگ جمل 10۔جمادی الاولیٰ یا 15۔جمادی الثانیہ 36ھ میں زیر قیادت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ "لڑی" گئی تھی اور حضرت عائشہؓ کی وفات 17۔رمضان المبارک 58ھ میں واقع ہوئی۔ کیا وجہ ہے کہ ام المؤمنینؓ نے ان 22 سالوں میں کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا؟ جب کہ بقول علامہ محمد انور شاہ کاشمیری، حضرت مروانؓ نے ام المؤمنین پر جنگ جمل میں "دست درازی" بھی کی تھی۔ سخت حیرت ہے کہ ام المؤمنینؓ نے کبھی اس کا انکشاف نہیں کیا۔

اگر ام المؤمنینؓ حضرت مروانؓ کو حضرت طلحہؓ کا قاتل سمجھتیں تو وہ حضرت معاویہؓ کو منع فرما دیتیں کہ انہیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا گورنر مقرر نہ کیا جائے۔

ثالثاً: ۔اگر حضرت مروانؓ قاتل طلحہؓ ہوتے تو حضرت معاویہؓ جیسے صاحب تدبیر و سیاست، جلیل القدر صحابی، کاتب وحی، مدبر اسلام اور خلیفہ راشد، روئے زمین کے مقدس ترین شہروں (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) پر انہیں حاکم نہ بناتے۔

رابعاً: ۔اگر حضرت مروانؓ قاتلِ طلحہؓ ہوتے تو مکہ و مدینہ کے شہری (صحابہ و تابعین) سراپا احتجاج ہو جاتے اور ان کی امارت قبول نہ کرتے۔

خامساً: ۔حضرت طلحہؓ اور حضرت مروانؓ جمل کے دن اکٹھے "اصلاح بین الناس" کی دعوت دیتے رہے۔ ان کا موقف بھی ایک اور مشن بھی ایک ہی تھا پھر وہ اپنے ہی قائد کے خون سے ہاتھ رنگین کیوں کرتے؟

سادساً:۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت طلحہؓ جو قصاص عثمانؓ کی خاطر بے پناہ مشقتیں و تکالیف برداشت کرتے ہوئے اس تحریک کو جاری رکھے ہوئے تھے؛ بھلا حضرت مروانؓ جیسا مدبر اور ماہر سیاست اپنے چچا زاد بھائی اور خسر کے قصاص کی خاطر اپنی جان جو کھوں میں ڈالنے والے کو کیوں قتل کرتا ؟

سابعاً:۔ جس وجہ سے حضرت مروانؓ کو قتل طلحہؓ میں ملوث کیا جاتا ہے وہی سرے سے لغو، باطل، اور غلط ہے یعنی مروانؓ حضرت طلحہؓ کو قاتلین عثمانؓ میں سے سمجھتے تھے حالانکہ قتل عثمانؓ میں کوئی صحابی ملوث نہیں تھے۔ اگر یہی بات تھی تو جنگ جمل کے وقوع کا انتظار کیوں کرتے رہے؟ یہ کام تو بصرہ پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی کہیں انجام پا سکتا تھا۔

ثامناً:۔ حضرت طلحہؓ کے معتقدین کی ایک کثیر تعداد ان کے ہمراہ تھی۔ ان کی موجودگی میں اس قسم کی کسی کاروائی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے بصورت دیگر ''قاتل'' کو کہیں بھی پناہ نہ ملتی۔

تاسعاً:۔ اگر حضرت مروانؓ ''قاتل طلحہؓ'' ہوتے تو جب وہ جنگ جمل میں گرفتار ہو گئے تھے تو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ان کی رہائی کی سفارش نہ کرتے اور نہ ہی حضرت علیؓ ان کے محاسن بیان کر کے ان کی رہائی کے احکام صادر کرتے۔ اگر حضرت مروانؓ بقول علامہ انور شاہ کاشمیری ''فتنہ پرداز، خون ریزیوں کا باعث، شہادت عثمانؓ کا باعث، گورنر مصر کے نام خط میں ''فاقبلوہ'' کو ''فاقتلوہ'' میں تبدیل کرنے والے اور حضرت طلحہؓ کے قاتل'' ہوتے تو حضرت علیؓ کے لیے حضرت مروانؓ کو ان کے ''بد بختانہ اعمال'' کی سزا دینے کا بہترین موقع تھا مگر انہوں نے انہیں رہا کر دیا۔

عاشراً:۔ اگر حضرت مروانؓ قتل طلحہؓ میں ملوث ہوتے تو امام مالکؒ، امام محمدؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، امام ابوداؤد، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ جیسے ائمہ حدیث وفقہ ان سے روایات قبول نہ کرتے۔ تلك عشرة كاملة۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس ''مقدمہ'' میں ورثاء کی طرف سے نہ کوئی دعویٰ سامنے آیا، نہ کوئی ''ایف آئی آر'' کاٹی گئی، نہ کوئی شرعی، اخلاقی و قانونی ثبوت اور نہ ہی

کسی نے کوئی گواہی دی۔ کیا اس نوعیت کے کسی "مقدمہ" میں "اخلاف" صدیوں بعد متعین طور پر کسی شخص کو "مجرم" قرار دے سکتے ہیں؟ کیا بغیر کسی شرعی ثبوت کے کسی شخص پر "قتل" ایسا سنگین اور عظیم الزام عائد کیا جا سکتا ہے؟

کیا "قیل ، یقال ، یزعمون" جیسے الفاظ سے شہادت و گواہی کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے؟ کیا یہ الفاظ "بدگمانی" کا مفہوم نہیں دے رہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے "انّ بعض الظنّ اثم" کے تحت بدگمانی کو حرام اور معصیت قرار نہیں دیا؟ کیا محض بدگمانی کے اظہار سے کسی کے خلاف قتل کا جرم ثابت ہو جاتا ہے؟ کیا کسی شخص پر بلا ثبوت و بلا دلیل کسی معصیت کا الزام لگا دینا شرعاً حرام نہیں ہے؟

یقیناً مذکورہ سوالات کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ ان امور کی بناء پر کسی شخص پر اخلاقاً، قانوناً اور شرعاً کسی قسم کی کوئی "فردِ جرم" عائد نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی کسی شخص کو متعین طور پر "مجرم" قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ الٹا بغیر شرعی دلیل کسی پر معصیت کا الزام لگانے والا یا کسی مومن سے سوءِ ظن رکھنے والا خود حرام، معصیت اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

سخت حیرت ہے کہ علامہ محمد انور شاہ کاشمیری اور مولانا سید احمد رضا بجنوری و امثالہ نے رافضیوں اور کذابوں کی بیان کردہ موضوع، من گھڑت، واہی اور مضطرب روایات کی بناء پر حضرت مروانؓ کو متعین اور یقینی طور پر "شقی ، بدبخت اور حضرت طلحہؓ کا قاتل" قرار دے دیا۔ فیا اسفا!

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جنگ جمل میں فریقین میں سے حضرت طلحہؓ کے علاوہ بھی بیسیوں حضرات قتل ہوئے ہیں۔ کیا ان سب مقتولین کے قاتل نامزد ہو گئے ہیں؟

جنگ میں تو "فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ" والا معاملہ پیش آیا ہی کرتا ہے سوال یہ ہے کہ اس کا انجام کیا ہوا؟ اس موقع پر حضرت علیؓ کے تاثرات کیا تھے؟

جنگ ختم ہو جانے کے بعد حضرت علیؓ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مقتولین کے درمیان گئے، آپ کی نگاہ محمد بن طلحہ پر پڑی تو بے ساختہ زبان سے یہ الفاظ نکلے "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون"

اللہ کی قسم یہ ایک نیک نوجوان تھا۔ پھر آپ غمزدہ ہو کر بیٹھ گئے۔ مقتولین کے لیے رحمت ومغفرت کی دعائیں کرنے لگے اوران کے محاسن کا تذکرہ کیا۔

پھر لوٹ کر اپنے مکان میں آئے تو دیکھا کہ زوجہ محترمہ اور دونوں بیٹیاں عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ اوران کے قریشی قرابت داروں پر غم کے آنسو بہا رہی تھیں؛ آپ نے انہیں سمجھایا اور کہا: مجھے امید ہے کہ ہم سب ان لوگوں کے حکم میں ہوں گے جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ o

اور ہم ان کے سینوں میں جو بھی کینہ ہے نکال دیں گے۔ بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

پھر آپ نے کہا: اگر ہم اس کے مصداق نہیں ہیں تو اور کون ہیں؟ آپ برابر یہی بات دہراتے رہے۔" (مصنف ابن ابی شیبہ جلد 15 ص 261، 268)

حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں مسلمانوں کے باہمی تصادم پر اظہار تأسف کرتے ہوئے فرمایا:

"اللّٰھم لیس ھذا اردت ، اللّٰھم لیس ھذا اردت" (حوالہ مذکور ص 275)

اے اللہ میرا ایسا ارادہ نہ تھا، اے اللہ میرا ایسا ارادہ نہ تھا۔

"وددت انّی کنت مت قبل ھذا بعشرین سنۃ" (حوالہ مذکور ص 282)

کاش کہ بیس سال پہلے ہی میرا انتقال ہو گیا ہوتا۔

امام ابن کثیر حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"یاحسن لیت اباك مات منذ عشرین سنۃ فقال لہ یاابت قد کنت انھاك من ھذا قال یا بنیّ انّی لم أر أنّ الامر یبلغ ھذا" (البدایۃ والنھایۃ جلد 7۔ ص 240)

اے حسن! کاش تیرا باپ آج سے 20 سال قبل فوت ہو گیا ہوتا۔ تو حضرت حسنؓ نے ان سے کہا: اے ابا جان میں نے تو آپ کو اس سے منع کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اے بیٹے میں نہیں جانتا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

''غرض مفسدین و مجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا اور جب فتنہ فرو ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے ....

اسی طرح حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا۔ فتنہ فرو ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو اپنی رانوں پر ہاتھ رکھ کر یہ فرماتے تھے کہ: کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیاً منسیاً ہو گیا ہوتا۔''

(معارف القرآن جلد 7۔ص 138)

اگر علیٰ سبیل التنزل بالکل یک طرفہ کاروائی کرتے ہوئے اور ملزم کو صفائی کا موقع دیے بغیر تھوڑی دیر کے لیے حضرت مروانؓ کو حضرت طلحہؓ کا قاتل ''تسلیم'' بھی کر لیا جائے تو پھر بھی اہل سنت کی جملہ کتب عقائد میں جنگ جمل و صفین کے واقعات کو ''مشاجرات صحابہؓ'' میں شمار کرتے ہوئے ''امساک، توقف اور سکوت'' کی تاکید کی گئی ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہو گیا ہے کہ ''محاصرہ عثمانی سے لے کر جنگ جمل کے اختتام'' تک ہر مرحلے پر بعض علمائے اہل سنت نے قصداً و عمداً اصل سبائی فتنہ پردازوں سے توجہ ہٹا کر حضرت طلحہؓ کے قتل سمیت تمام واقعات کا رخ حضرت مروانؓ کی طرف پھیرنے کی ''سعی نامحمود'' کی ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور حضرت مروانؓ، حضرت طلحہؓ کے قتل سے اسی طرح ''بری'' ہیں جس طرح ''بھیڑیا'' خونِ یوسفؑ سے بری تھا۔ واللہ أعلم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر ناصبیت کا الزام

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

''ہاں بخاری میں مروان سے البتہ روایت آئی ہے باوجودیکہ وہ نواصب میں سے تھا بلکہ اس بدبخت گروہ کا سرغنہ اور سربراہ تھا...

(تحفہ اثناعشریہ اردو۔ص139۔مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

موصوف اسی کتاب کے پہلے باب میں ہی ''نواصب'' کا یہ شرعی حکم بیان کرآئے ہیں کہ:

''اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہنوز تبرائی ان اہل سنت اور خارجیوں میں فرق و تمیز نہیں کرتے حالانکہ اہل سنت حضرت علیؓ کے مخلصین خاص ہیں۔خاندانِ نبوت پر دل وجان سے فدا ہیں۔شام وعراق اور مغرب کے ناصبیوں سے نہ صرف علمی اور زبانی لڑائی لڑنے میں مشغول ہیں بلکہ تلواروں کی لڑائی میں بھی دوبدو ہوچکے ہیں۔نواصب کو نہایت بدزبان سمجھتے ہیں۔'' (حوالہ مذکور ص29۔مترجمہ مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی)

تحفہ اثناعشریہ فارسی کے پہلے اردو مترجم مولانا عبدالمجید خان صاحب ہیں جن کا ترجمہ ''ہدیۂ مجیدیہ'' کے نام سے اب بھی مسلسل شائع ہورہا ہے۔اس میں مذکورہ اقتباس کا حسب ذیل ترجمہ کیا گیا ہے:

''اور عجب یہ کہ اب تک شیعہ سبّیہ کے نزدیک فرقۂ نواصب کا فرقۂ اہل سنت سے تمیز و تفرقہ نہیں، دونوں کو برابر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ فرقہ یعنی اہل سنت ،فرقہ شیعہ خاص جناب امیر کا ہے کہ بہ دل و جان فدا خاندانِ نبوت کے ہیں اور ہمیشہ نواصب شام ومغرب اور عراق کے ساتھ لڑائیاں تیغ وسنان کی لڑتے رہے اور مناظرے علمی وزبانی کرتے رہے اور رد و شعائر شریعت اور رکھونے بدعاتِ مروانیہ میں ساعی وسرگرم ہوئے اور نواصب کو بدترین کلمہ گویوں بلکہ ہم سر سگ وخوک (کتے وخنزیر) جانتے رہے۔'' (ہدیۂ مجیدیہ اردو ترجمہ تحفہ اثناعشریہ ص10)

جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے سابق استاذ حدیث مولانا عبدالرشید نعمانی حضرت مروانؓ کو شاہ عبدالعزیز صاحب کی پیروی میں ''نواصب'' کا سربراہ اور سرغنہ سمجھتے ہیں۔شاہ صاحب نے تو ''نواصب'' کو ''کتے اور خنزیر'' کے برابر قرار دیا تھا جب کہ نعمانی صاحب نے روافض کے ساتھ شامل کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''سواس کے لیے ان نادانوں نے اپنے پیش رو روافض کی تقلید میں جھوٹ پر کمر باندھی ہے۔روافض حضرات خلفائے ثلاثہؓ اور عام صحابہ پر افترا کرتے ہیں، یہ نواصب حضرت علیؓ، حضرات حسنینؓ اور ان تمام صحابہ کرامؓ پر، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے، طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں۔تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ روافض سے کنارہ کش رہتے ہیں اور صحابہ کرام کے بارے میں ان کی ایک نہیں سنتے ۔

اسی طرح ان نواصب کی بھی کسی خرافات پر دھیان نہ دیں۔صحابہ کرامؓ کی تنقیص اور تحقیر کا جہاں تک تعلق ہے اس بارے میں نواصب اور روافض دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ دونوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے ....

موجودہ دور کے ملحدوں، کیمونسٹوں اور منکرین حدیث نے اپنی پوری توانائیاں اس امر پر صرف کر رکھی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے عقائد سے برگشتہ کیا جائے ۔ اس سلسلہ میں ان کا پہلا اقدام یہی ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ پر ہاتھ صاف کیا جائے اور مسلمانوں کا اعتماد اس پر سے اٹھایا جائے۔تاریخ اسلام میں جو محبوب شخصیتیں ہیں ان کو مجروح کیا جائے، ان کے کردار میں کیڑے نکالے جائیں۔

اور جو شخصیتیں نفرت کا نشان رہی ہیں ان کی عظمت بٹھائی جائے، ان کی خوبیاں گنائی جائیں ۔اسی غرض سے یہ لوگ مروان اور یزید کے دیوانے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی عیب چینی کرتے ہیں۔''

(حادثۂ کربلا کا پس منظر ص 116، 118۔ مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور)

نعمانی صاحب کے نزدیک حضرت مروانؓ تو ''نواصب'' کے سرغنہ و سربراہ اور نفرت کا

نشان ہیں ہی لیکن جو ملحد، کیمونسٹ اور منکرین حدیث ان کی خوبیاں گنواتے ہیں اور ان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں وہ بھی "ناصبی" ہیں اور ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

وفاقی شرعی عدالت پاکستان کے سابق جج اور مودودی صاحب کے ترجمان ملک غلام علی صاحب "ناصبی" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ناصبی اس کو کہتے ہیں جو حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت سے بغض وعناد اپنا جزو ایمان سمجھتا ہو۔ نصب، عربی زبان میں دائمی حسد اور مستقل بغض وعداوت کا دوسرا نام ہے جو شخص اس مرض میں مبتلا ہو وہ بلاشبہ نفاق کی زد میں ہے...

(موصوف بحوالہ شاہ عبدالعزیز حضرت مروانؓ کو نواصب کا سرغنہ قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ) پاکستان میں اس فتنہ ناصبیت کے بانی اور سرخیل محمود احمد عباسی ہیں اور یہ ایک افسوسناک اور تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہمارے بعض "سنی" حلقوں نے اس فتنے کی خوب پذیرائی و حوصلہ افزائی کی ہے... حقیقت یہ ہے کہ ناصبیت جدیدہ جسے ہمارے بعض علماء و اہل مدرسہ تقویت بہم پہنچا رہے ہیں یہ ناصبیت قدیمہ سے بھی بازی لے گئی ہے۔ پرانی ناصبیت کے علم برداروں کی یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد کا علی الاعلان انکار کرتے یا ان کی سیرت کو داغدار کر کے پیش کرتے اس لیے وہ بس امیر معاویہؓ کے فضائل و مناقب میں مبالغہ آمیزی پر اکتفاء کرتے تھے.... لیکن عہد جدید کے ناصبیوں کا اور ان کے ہم نواؤں کا حال یہ ہے کہ وہ اعلانیہ حضرت علیؓ کی خلافت کو مشتبہ، غیر منعقد اور ناکام ثابت کرنے اور انہیں طالب اقتدار اور شورش پسندوں کا آلہ کار بنا کر دکھانے کی مذموم جسارت کر رہے ہیں اور اس کے بالمقابل نہ صرف حضرت معاویہؓ کو صلوات اللہ علیہ، خلیفہ راشد اور امام معصوم بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ یزید، مروان اور حکم کو بھی "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کے زمرہ مبشرہ میں داخل کر رہے ہیں۔

اب بعض "سنی" حضرات خواہ وہ حنفی دیوبندی ہوں یا اہل حدیث ہوں، جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب "خلافت وملوکیت" کے خلاف اتنی ہنگامہ آرائی و خامہ فرسائی

کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ سارا جھگڑا اس کتاب سے پیدا ہوا، ان سے بجا طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ فرض کیا اس بے بنیاد الزام کو تسلیم کر لیا جائے کہ اس کتاب سے صحابہ کرام کی توہین اور رافضیوں کی تقویت کا سامان ہو گیا لیکن اس سے پہلے یہ جو رافضیت سے بدتر ناصبیت کا پودا آپ کے زیر سایہ برگ و بار لا رہا ہے اور پھل پھول رہا ہے یہ بھی آپ کے نزدیک فتنہ کی تعریف میں آ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر آ سکتا ہے تو اس کے خلاف آپ نے کتنا زور لگایا ہے.... صرف چند اصحاب مثلاً مولانا محمد طیب صاحب، مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کو چھوڑ کر اکثر علماء بالکل خاموش رہے ہیں لیکن خلافت و ملوکیت کا سلسلہ مضامین جونہی شائع ہونا شروع ہوا تو فضا میں اچانک حرکت پیدا ہو گئی۔ سنی و ناصبی سب گلے مل گئے اور مولانا مودودی کی مخالفت میں یک زبان ہو گئے۔''

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 10-15)

ملک غلام علی صاحب کی حضرت مروانؓ اور حکمؓ کے خلاف مرتبہ فرد جرم پیچھے مستقل عنوان کے تحت نقل ہو چکی ہے؛ یہاں ''ناصبی'' کے حوالے سے ان کا نکتۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔ حضرت مروانؓ کی صحابیت اگر چہ ''مختلف فیہ'' ہے لیکن حضرت معاویہؓ اور حضرت حکمؓ کی صحابیت تو متفقہ ہے۔ موصوف نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ انہیں "رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ" کے زمرۂ مبشرہ میں محسوب کرنے والوں کو بھی جدید ناصبی بنا ڈالا؟

ملک صاحب نے ''ناصبیت'' کی جو تعریف بیان کی ہے اس کا اطلاق حضرت مروانؓ پر ہرگز نہیں ہوتا۔ ان کے حضرت علیؓ کے خانوادہ کے ساتھ مثالی مذہبی، سماجی اور نسبی تعلقات تھے جو بعد میں ان کی اولاد کے مابین بھی قائم رہے۔ اس کی تفصیل آ گے ''حضرت علیؓ پر سبّ و شتم'' اور ''خطبہ کو نماز عید سے مقدم'' کرنے کے الزامات کے تحت آ رہی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (م 1239ھ) اور ان کے پیرو ہر دور میں نہایت ہی ''لجاجت'' کے ساتھ اہل تشیع کی خدمت میں یہ ''درخواست'' پیش کرتے چلے آ رہے ہیں کہ ہم (یعنی اہل سنت) بھی جناب امیر کا خاص شیعہ فرقہ ہیں، پورے خاندان نبوت پر دل

وجان سے فدا ہیں اور ہمیشہ نواصب سے خواہ وہ شام وعراق کے ہوں یا مغرب کے زبانی، علمی اور تیغ وسنان کی لڑائیاں لڑتے رہے ہیں؛ یہاں تک کہ مروانیوں کے ساتھ ساتھ مروانی بدعات کا بھی قلع قمع کر چکے ہیں اوران کو بدترین کلمہ کو بلکہ کتے اور خنزیر کا ہم سر جانتے اور سمجھتے رہے۔ بلکہ ہم نے تو ''قاتلین عثمان'' کو بھی یہ مشورہ دیا تھا کہ ''وہ دس بارہ سال صبر وچین سے اور بیٹھے رہتے تو ان کو ایران وخراسان کی طرح ہندوسندھ، ترک وچین میں بھی ''علی علی'' کے نعرے لگانے کو مل جاتے ان بدبختوں کو یہ سوچنے کی بھی توفیق نہ ہوئی کہ عثمان غنیؓ نے ان کے ہاتھوں سے کام چھین کر کو بنوامیہ کو مسلط کیا مگر نام تو ''محمد وآل محمد'' کا بالا ہو رہا ہے'' (تحفہ اثناعشریہ ص 105۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اس کے باوجود سخت تعجب ہے کہ آپ (اہل تشیع) ابھی تک خوارج ،نواصب اور اہل سنت کے درمیان فرق اور تمیز روا نہیں رکھ سکے اور اہل سنت اور نواصب دونوں کو ہمیشہ سے ایک درجہ میں رکھتے چلے آرہے ہیں۔

اہل سنت جس قدر بھی پسپائی اختیار کریں اور بھلے ایک دوسرے کو باہم ''یزیدی، خارجی، ناصبی، سبائی، حیاتی اور مماتی وغیرہم ایسے القابات سے نوازتے رہیں لیکن اہل تشیع تمام اہل سنت کو ہمیشہ متفقہ طور پر ''ناصبی'' ہی قرار دیتے رہیں گے۔ یہ بات تو انہوں نے ''سبائیت'' کے یوم تاسیس سے ہی طے کر لی تھی؛ لہٰذا اہل سنت اپنے مشن کے فروغ ودفاع کے لیے باہم متحد ومتفق ہو جائیں کیونکہ اہل تشیع اپنی ایجاد کردہ اصطلاح (ناصبی) سے کسی طور پر بھی دست بردار نہیں ہو سکتے۔

بنیادی اور اصولی طور پر اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے نزدیک ''بغض علیؓ وخاندان نبوت'' ہی ''ناصبیت'' ہے۔ البتہ اس کا اطلاق اول الذکر کے نزدیک قدرے محدود ہے اور مؤخر الذکر کے نزدیک جملہ اہل سنت اس اصطلاح کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔

اہل تشیع عام طور پر اہل سنت کے لیے ''عامۃ'' یا ''ناصبی'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اہل سنت والجماعت دائرہ اسلام سے خارج ہیں، کتے سے زیادہ

پلید مخلوق ہیں حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں۔

امام باقر سے پوچھا گیا کہ کسی معروف شیعہ عورت کا نکاح کسی ناصبی (سنی) سے کر دوں؟ فرمایا:

نہیں۔"لانّ الناصب کافر" کیونکہ ناصبی کافر ہیں۔(الاستبصار جلد 3۔ص 184)

(حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بھی تو ناصبیوں کو بدترین کلمہ گو، ہم سر سگ و خوک (کتے اور خنزیر) جانتے ہوئے علمی وزبانی مناظرے ومجادلے کے علاوہ مقاتلہ بھی کرتے رہے اور حضرت مروانؓ کو تمام نواصب کا سرغنہ، شیطان اور لعنت کا مستحق سمجھتے رہے)

امام محمد باقر کے سامنے "ناصبی" کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:

ان سے نہ نکاح کرو، نہ انہیں نکاح دو، نہ ان کا ذبح کیا ہوا جانور کھاؤ اور نہ ہی ان کے ساتھ رہائش اختیار کرو۔(حوالہ مذکور)

حضرت امام باقر کے اس فرمان سے بھی ثابت ہوگیا کہ حضرت مروانؓ ہرگز ناصبی نہیں تھے کیونکہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد نے آل مروان کے ساتھ سلسلہ مناکحت برقرار رکھا۔

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ کسی یہودی اور عیسائی عورت سے شادی کرنا افضل ہے یا فرمایا کہ کسی سنی مرد یا عورت سے شادی کرنے سے یہودی اور نصرانی سے شادی کرنا اچھا ہے۔(فروع کافی ص 351)

حضرت جعفر صادق نے فرمایا:

خبردار! اپنے آپ کو حمام کے پانی سے دور رکھنا کہ جس میں یہودی، نصرانی اور مجوسی کے غسل کا پانی جمع ہوتا ہو اور "ناصبی" کا غسالہ تو ان سے بھی کہیں زیادہ ناپاک اور گندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سے کتے سے زیادہ نجس کوئی دوسرا پیدا نہیں کیا اور ہم اہل بیت کا ناصب تو کتے سے بھی زیادہ نجس ہے۔(اللمعۃ الدمشقیۃ جلد 5 ص 234)

شیعہ مجتہد سید نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں کہ:

جو لوگ اہل بیت رسول سے عداوت رکھیں ان کو ناصبی کہنا غلط ہے بلکہ ناصبی وہ لوگ

ہیں جو شیعان اہل بیت سے عداوت رکھیں۔

حضرت جعفر صادق نے فرمایا: ناصبی وہ ہے جو اے شیعہ تمہیں اچھا نہ سمجھتا ہو اور بغض وعداوت رکھتا ہو۔ ناصبی کی علامت یہ ہے کہ وہ حضرت علی پر دوسروں کو فضیلت دیتا ہو۔

(انوار النعمانیہ جلد 2۔ص 307۔ بحوالہ فقہ جعفریہ جلد 2۔ص 35،42)

ترجمان شیعیت ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ:

جس جگہ حرامی غسل کرے اس جگہ غسل نہ کرو اور نہ اس جگہ غسل کرو جہاں ناصبی غسل کرتا ہے کیونکہ وہ ولد الزنا سے بھی بدتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سب سے ذلیل کتے کو پیدا کیا ہے اور ناصبی کتے سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (حق الیقین ص 516)

موصوف اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

امام علی نقی سے سوال کیا گیا کہ:

"ہم ناصبی کی تعریف جاننے میں محتاج ہیں۔ ہم اس سے زیادہ نہیں جانتے کہ جو ابوبکر و عمر کو حضرت امیر المومنین پر فضیلت دیتا ہو اور ان کی خلافت و امامت پر اعتقاد رکھتا ہو۔"

امام علی نقی نے فرمایا:

"ہر کہ ایں اعتقاد، داشتہ باشد او ناصبی است"

کہ جو بھی یہ اعتقاد رکھتا ہو وہ ناصبی ہے۔ (حق الیقین ص 521)

مشہور شیعہ سکالر عبد الکریم مشتاق لکھتے ہیں کہ:

"خود ہی انصاف کیجیے کہ احادیث رسول سے انکار کر کے، تاویل و تفسیر قرآن سے منکر ہو کر، تقدس انبیاء و اولیاء کو پامال کر کے، شعائر اللہ کی بے حرمتی کر کے، محمد و آل محمد علیہم السلام کی عظمت کی نفی کر کے یزید و ولید و مروان کی حمایت کر کے، حسنؑ و حسینؑ کی گستاخی کر کے، خلفاء مسلمین کی تکذیب کر کے، رسالت محمدیہ سے کنارہ کش ہو کر، ولائت خدا سے دور رہ کر، علیؑ و اولاد علیؑ سے بغض رکھ کر، حسینیت کی مخالفت کر کے، یزیدیت کی حمایت کر کے، خلافت کو مردود کر کے، ملت مسلمہ میں فتنہ و فساد برپا کرنے والے ناصبی لوگ کیسے مسلمان

ہو سکتے ہیں؟(علی و لی اللہ ص 27)

ترجمان شیعیت غلام حسین نجفی نے کتاب ''کیا شیعہ مسلمان ہیں؟'' کے جواب میں ''کیا ناصبی مسلمان ہیں؟'' کے نام سے ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس میں سلف وخلف بالخصوص علمائے دیوبند کو نام بنام ''ناصبی'' قرار دے کر کافر کہا گیا ہے۔

یہی مصنف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتا ہے کہ:

''خلاصۃ الکلام منافق اور دشمن خاندانِ نبوت ناصبی شخص جنت میں نہیں جا سکتا اور ناصبی وہ لوگ ہیں جس طرح معاویہ اور یزید تھے۔اور اگر تسلی نہیں ہوئی تو ہم پہلے آپ کو کچھ مقدار ناصبیوں کا تعارف کرواتے ہیں اور پھر اصل مقصد کی طرف رجوع کریں گے ....

نواصب وہ قوم ہے جو حضرت علیؑ کی دشمنی کو دین سمجھتی ہے ....

قبائل میں بنو امیہ اور بنو مروان پہلے درجہ کے ناصبی تھے۔

سید مرتضٰی کے بھائی جب کم سن تھے اور جس استاد کے پاس نحو پڑھتے تھے ایک دن استاد نے پوچھا کہ اس مثال میں:

''رأیتُ عُمَرَ'' میں علامتِ نصب ہے۔

سید رضی نے فوراً جواب دیا کہ بغض علی بن ابی طالبؑ کہ عمر میں ناصبیت کی علامت حضرت علیؑ کی دشمنی ہے۔البتہ جواب میں ایک لطافت ہے جس کو علم نحو پڑھے ہوئے لوگ سمجھتے ہیں۔

خلاصۃ الکلام بنو امیہ کے خلفاء ناصبی تھے اور دلیل یہ ہے کہ وہ خلفاء جمعہ کے روز خطبوں میں خاندانِ نبوت کو گالیاں دیتے تھے اور معاویہ و یزید اس بدعت کے بانی تھے پس دونوں پکے ناصبی تھے کیونکہ دونوں نے خاندانِ نبوت کو برا بھی کہا ہے اور دونوں نے خاندانِ نبوت سے جنگ بھی کی ہے ....

ارباب انصاف خاندانِ بنو امیہ ایک بدترین قبیلہ تھا قوم عرب میں۔کیونکہ اسلام میں

بہت بڑا گناہ کہ جس کے بعد نماز، روزہ اور دیگر عبادات قبول نہیں ہوتے، وہ جرم ناصبیت ہے یعنی خاندانِ نبوت اور حضرت علیؓ سے دشمنی رکھنا اور اس برائی میں تمام قبائل سے بنوامیہ پہلے نمبر پر ہیں۔(اس کے بعد مصنف حکم بن عاص، مروان بن حکم، معاویہ بن ابی سفیان اور یزید بن معاویہ کو ناصبیت میں بالترتیب اول، دوم، سوم اور چہارم نمبر قرار دے کر مناظر اسلام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا تحفہ اثناعشریہ سے فتویٰ نقل کرتا ہے کہ)"علماء اہل سنت ناصبی لوگوں کو بدترین کلمہ گو سمجھتے ہیں اور ان کو کتے اور خنزیر کے برابر جانتے ہیں۔"

ارباب انصاف آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ شاہ عبدالعزیز نے نواصب کے بارے میں جو کچھ لکھ دیا ہے اب مزید کچھ لکھنے کی گنجائش ہی نہ رہی۔"

(کردار یزید در جواب خلافت معاویہ و یزید ص 24-34)

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں "ناصبیت" کی تعریف پر متفق ہیں۔ اہل تشیع بالخصوص غلام حسین نجفی نے تمام اہل سنت اور بطور خاص حضرت عمرؓ کے علاوہ حضرت حکمؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت مروانؓ اور ان کے متبعین کو بدترین ناصبی قرار دیا ہے۔

اہل سنت کے بعض علماء بھی حضرت مروان بن حکمؓ اور بنو مروان کے "ناصبی" ہونے پر اہل تشیع کے ساتھ متفق ہیں بلکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے حضرت مروانؓ کو تمام ناصبیوں کا سرغنہ اور سربراہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح کچھ "سنی" علماء حضرت معاویہؓ، ان کے متبعین اور ان کا دفاع کرنے والوں کو بھی "ناصبی" کہتے ہیں۔ اس لیے اہل تشیع سے اہل سنت اور ناصبیوں میں فرق و امتیاز کی درخواست کرنا بالکل بے سود ہے۔

جب خود بعض علماء اہل سنت اقرار کر رہے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کو خطائے اجتہادی کا نام نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ خطائے منکر تھی نیز یہ جنگ بغض علیؓ اور نفسانیت کے جذبہ سے بھی خالی نہ تھی اور یہیں سے ناصبیت کو باقاعدہ فروغ ملا۔ حضرت معاویہؓ خود بھی اور ان کے حکم سے ان کے گورنر بھی خطبات جمعہ میں حضرت علیؓ پر سب و شتم

کرتے رہتے تھے۔ بھلا اس صورت میں اہل تشیع کے "موقف" کو کیوں کر جھٹلایا جا سکتا ہے؟ کہ ایک "سابِّ علیؓ" کو تو ناصبی قرار دیا جائے اور جن کے حکم سے یہ سب وشتم ہوا ہے خلیفۃ المسلمین اور کاتب وحی و جلیل القدر صحابی مان لیا جائے۔

جس طرح اہل سنت کی صفوں میں "نواصب" گھسے ہوئے ہیں اسی طرح "روافض و خوارج" بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ دراصل ان دونوں گروہوں کا بنیادی تعلق فرقہ سبائیہ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں پہلے ایک ہی "جماعت" تھے۔ واقعہ "تحکیم" کے بعد فرقہ سبائیہ پہلی مرتبہ "دھڑے بندی" کا شکار ہوا جس کے نتیجے میں "خوارج" کا ظہور ہوا۔ حضرت معاویہؓ کے خلاف تو یہ دونوں گروہ پہلے ہی برسر پیکار تھے اب خوارج حضرت علیؓ کے بھی بالمقابل آ گئے۔ اس طرح "خارجی" وہ لوگ کہلائے جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے دشمن ہیں۔ جس طرح "معاویہؓ دشمنی" میں خارجی و رافضی ایک ہیں اسی طرح "علیؓ دشمنی" میں بھی خارجی اور ناصبی ایک ہوئے۔ علیؓ و معاویہؓ تو یقیناً "بھائی بھائی" ہیں لہٰذا ان دونوں کے دشمن ہی دراصل و درحقیقت سبائی و رافضی اور خارجی و ناصبی ہیں۔

لہٰذا اصلی سنی وہی ہیں جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے محبّ ہیں اور ہمیشہ ایک مرکز کے ساتھ وابستہ رہے۔ انہوں نے "شہروں" کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ مرکز کو مستحکم کیا خواہ وہ مدینہ منورہ ہو یا کوفہ، دمشق ہو یا بغداد۔ قاہرہ ہو یا استنبول ان کی غالب ترین اکثریت اپنے اپنے دور میں ان ہی مراکز کے ساتھ وابستہ رہی۔ اس دوران میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مکہ اور اندلس نے متوازی مرکز کی حیثیت اختیار کر لی لیکن انہیں استحکام حاصل نہ ہو سکا۔ مکہ کا مرکز تو 9 سال بعد ہی تحلیل ہو گیا جب کہ اندلس کا متوازی مرکز ایک طویل عرصہ تک قائم رہا مگر "اختلاف مراکز" کے باوجود یہ ایک ہی نظریہ سے منسلک رہے۔ عالم اسلام میں نظریاتی بنیاد پر "خلافت فاطمیہ" کی صورت میں پہلی حکومت قائم ہوئی جس نے صحابہ کرامؓ کی توہین و تنقیص کو بطور مشن اپنایا جس کے اثرات آج بعض اہل سنت میں بھی در آئے ہیں۔ جب کہ خلافت راشدہ، خلافت بنوامیہ، خلافت بنوعباس اور خلافت عثمانیہ

کے تاج دار جزوی اختلاف کے باوجود اہل سنت ہی کے ترجمان تھے۔ بدقسمتی سے اہل سنت میں اب ''مرکزیت'' قائم نہیں رہی۔ ''قبائلی عصبیت'' نے ''مسلکی عصبیت'' کا روپ دھار لیا۔ پھر ایک ایک مسلک میں کئی کئی دھڑے بن گئے۔ ''سنیت'' کے لبادے میں کوئی سنی عالم ''رافضیت وسبائیت'' کو فروغ دے رہا ہے تو کوئی ''خارجیت و ناصبیت'' کو ہوا دے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''خارجی فتنہ'' اور ''سبائی فتنہ'' کے نام سے بڑی ضخیم کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں جن کا ہدف اصلی خارجی وسبائی ہرگز نہیں ہیں بلکہ انہیں تو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اس میدان میں ہم بھی ''خودکفیل'' ہو گئے ہیں۔ لہٰذا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے متبعین اہل تشیع کو خواہ کتنا ہی یقین دلائیں کہ ہم نواصب کے خلاف ''زبانی، علمی اور سیفی'' طور پر ہمیشہ برسرِ پیکار رہے ہیں اور ''مروانی بدعات'' کا بھی خاتمہ کر چکے ہیں۔ نیز نواصب کو ''نہایت بدزبان اور کتے اور خنزیر'' کے برابر سمجھتے ہیں خدارا اب تو اہل سنت اور خارجیوں و ناصبیوں میں فرق و تمیز کریں لیکن اہل تشیع یہ بات تسلیم کرنے کے لیے کبھی بھی آمادہ اور راضی نہیں ہوں گے کیونکہ ان کے نزدیک اہل سنت الجماعت ہی درحقیقت ناصبی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے کا الزام

مولانا سید احمد رضا بجنوری بحوالہ مولانا عبداللہ خان فرماتے ہیں کہ:

''....اس زمانہ میں مسجد نبوی کا خطیب مروان تھا جو سلطنت نامرضیہ بنی امیہ کی جانب سے والی مدینہ تھا۔ مروان حکومت متسلّطہ کا ایک رکن ہونے کے علاوہ خود بھی بڑا ظالم و جابر تھا۔ صحابہ کرام کے ساتھ ان بد بخت حکام کا طرز عمل بے حد گستاخانہ تھا حتیٰ کہ خطبوں میں دل آزار کلمات کہنے سے گریز نہیں کرتے تھے اور اپنے امراء کی قصیدہ خوانی بھی کرتے تھے۔ اس لیے علماء کرام ان لوگوں کے خطبے سننا بھی پسند نہ کرتے تھے....''
(انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 16 ص 338)

مولانا سید احمد رضا بجنوری فرماتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہؓ کے دوسرے گورنروں کے بارے میں تو یہ بحث کسی حد تک چل سکتی ہے کہ وہ خطبۂ جمعہ و عید میں سبِ علیؓ کرتے تھے یا نہ کرتے تھے مگر مروان کے بارے میں یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ وہ اپنے عامل مدینہ ہونے کے زمانہ میں ضرور ایسا کرتا تھا اور اسی لیے اس نے خطبۂ عید کو بھی نماز پر مقدم کر دیا تھا۔'' (انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 17۔ ص 193)

حضرت موصوفؒ نے گورنر مدینہ اور صحابہ و تابعین و مسجد نبوی کے خطیب و امام کو ''بد بخت''، جاہ پرست، اقتدار پرست، قاتل، ظالم جابر کہنے کے علاوہ ان پر خطبات جمعہ و عیدین میں حضرت علیؓ پر سب و شتم کرنے کا الزام عائد کرتے ہوئے انہیں سلطنت نامرضیہ بنی امیہ اور حکومت متسلّطہ (یعنی خلافت معاویہؓ) کا رکن بھی قرار دیا ہے۔

اس طرح موصوف نے حضرت مروانؓ کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہؓ کو بھی مورد طعن ٹھہرا دیا ہے۔ ان کی خلافت ہرگز ہرگز متسلطہ نہیں تھی۔ حضرت حسنؓ کی ان کے حق میں خلافت

سے دستبرداری کے بعد وہ امت کے متفق علیہ خلیفہ تھے اور ان کی خلافت پر صحابہ و تابعین کا اجماع تھا۔ جب ان حضرات کے نزدیک خلیفہ خود ہی "متغلّب و متسلّط" ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا نامزد کردہ گورنر بھی قاتل، جابر، ظالم اور سابِّ علیؓ ہی ہو گا۔ العیاذ باللّٰہ

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت مروانؓ، حضرت معاویہؓ کے بیس سالہ دور خلافت میں دس سال سے زائد عرصہ تک مدینہ منورہ (بلکہ ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ مکہ اور طائف کو بھی ان کی ولایت میں شامل کر دیا گیا تھا) کے گورنر رہے۔ پہلی مرتبہ 42 تا 48ھ اس عہدہ پر کام کرتے رہے پھر 48ھ میں انہیں معزول کر کے سعید بن العاصؓ کو گورنر بنایا گیا جو 54ھ تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 54ھ میں حضرت معاویہؓ نے حضرت سعید بن العاصؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ دوبارہ حضرت مروانؓ کو مقرر فرمایا جو 57ھ تک اس منصب پر برقرار رہے۔ (ملاحظہ ہو: الاستیعاب الجزء الثالث ص 426)

گویا حضرت مروانؓ دو مرتبہ گورنر مقرر ہوئے اور دو مرتبہ ہی انتظامی حکمت عملی کے تحت معزول بھی کیے گئے؛ کیا کوئی ناقد یہ ثابت کر سکتا ہے کہ ان کی معزولی حضرت علیؓ پر سب و شتم کی وجہ سے عمل میں آئی تھی۔ "اذ لیس فلیس"۔ اگر حضرت مروانؓ اپنی گورنری کے پہلے دور (42 تا 48ھ) میں "گالیاں" دیتے رہے اس لیے انہیں معزول کیا گیا تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ 54ھ میں انہیں دوبارہ بحال کیوں کیا گیا؟

بلکہ مولانا مودودی صاحب کے نزدیک تو حضرت علیؓ پر "سب و شتم" معزولی کا باعث نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ یہ سب تو خود خلیفہ کی مرضی سے اور ان کے حکم کی تعمیل میں ہی ہو رہا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں

سے یہ گالیاں سنتے تھے۔کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔"(خلافت وملوکیت ص 174)

عہد صحابہ و خیر القرون میں بالخصوص مسجد نبوی کا اس سے زیادہ مکروہ نقشہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت وتربیت یافتہ، کاتب وحی، جلیل القدر صحابی اور خلیفۂ راشد حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنر دین و اخلاق اور شریعت تو درکنار انسانی اخلاق سے بھی عاری تھے۔العیاذ باللّٰہ

معترضین و ناقدین نے حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنر مدینہ و خطیب مسجد نبوی حضرت مروانؓ کو شریعت کا مخالف، اخلاق کا دشمن، خطبۂ جمعہ جیسے پاک عمل میں گندگی وغلاظت اچھالنے اور اچھلوانے والا اور نہایت ہی مکروہ بدعات کا مرتکب قرار دے کر خود صحابہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کردی ہے۔پیچھے یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ مدینہ منورہ میں دونوں مرتبہ حضرت مروانؓ کے بعد حضرت سعید بن العاصؓ کو گورنر مقرر کیا گیا لیکن ان پر تو سبائیوں نے بھی اس نوعیت کا الزام نہیں لگایا اس طرح مودودی صاحب کا یہ دعویٰ تو غلط ثابت ہوگیا ہے کہ "تمام گورنر" اس فعل شنیع کے مرتکب تھے۔

مودودی صاحب نے اگرچہ صراحتاً اس مقام پر حضرت مروانؓ کا نام نہیں لیا لیکن ""مسجد نبوی، منبر رسولؐ اور روضۂ رسولؐ"" کا حوالہ دے کر خود ہی تصریح کردی ہے کہ یہی خطیب صاحب یہ "فریضہ" انجام دیتے تھے۔

مودودی صاحب نے تو اپنے الزام میں خلیفہ وقت حضرت معاویہؓ کے علاوہ ان کے تمام گورنروں کو نامزد کیا ہے جب کہ علامہ انور شاہ کاشمیری کے داماد اور ان کے "امالی" بنام ""انوار الباری"" کے جامع و مرتب مولانا سید احمد رضا بجنوری نے واضح اور صاف طور پر فرمادیا ہے کہ "حضرت معاویہؓ کے دوسرے گورنروں کے بارے میں تو یہ بحث کسی حد تک چل سکتی ہے کہ وہ خطبہ جمعہ وعیدین میں سب علیؓ کرتے تھے یا نہ کرتے تھے مگر مروان کے بارے

میں یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ وہ اپنے عاملِ مدینہ ہونے کے زمانہ میں ضرور ایسا کرتا تھا۔"

اس "تحقیق" سے حضرت مروانؓ کا "سبّ علیؓ" ثابت ہو یا نہ ہو مگر خود حضرت موصوف کا اپنا اندرونی و باطنی "مرض و کرب" ضرور ثابت ہو گیا ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنروں بالخصوص حضرت مروانؓ کا دامن اس طرح کے تمام مکروہات، قصوں، کہانیوں اور داستانوں سے پاک ہے جنہیں یہودیوں، مجوسیوں، رافضیوں اور سبائیوں نے ایک خاص مقصد کے لیے تصنیف کیا ہے۔ جہاں تک حضرت معاویہؓ پر "سبّ علیؓ" کے الزام کا تعلق ہے تو اس کے مفصل اور تحقیقی جو اب کے لیے راقم الحروف کی کتاب "حضرت معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

امام ابن کثیر نے حضرت مروانؓ سے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"جب وہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا والی مقرر ہوا تو یہ ہر جمعہ کے خطبہ میں برسرِ منبر حضرت علیؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا اور حضرت حسنؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ تیرے باپ حکم پر اللہ نے اپنے نبیؐ کی زبان پر لعنت کی تو اس وقت اس کی پشت میں تھا آپ نے فرمایا تھا "لعن اللّٰہ الحکم و ما ولد" "اللہ کی لعنت ہو حکم پر اس کی اولاد پر"

(البدایہ والنہایہ جلد 8۔ص 259)

اس روایت کا مفصل جواب پیچھے زیرِ عنوان "ملعون ابن ملعون" گزر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں ابن کثیر کا ماٴخذ تاریخ طبری ہے جس میں اسے بروایت جناب ہشام بن محمد بن السائب کلبی اور لوط بن یحییٰ نقل کیا گیا ہے۔

علمائے رجال نے کلبی اور ابومخنف پر شدید قسم کی جرح کی ہے کہ یہ حضرات "غیر معتبر، ضعیف و متروک، قصہ گو، اخباری، رافضی اور جلے بھنے آگ لگانے والے شیعہ" ہیں۔

(لسان المیزان جلد 4۔ص 492، جلد 6۔ص 197، میزان الاعتدال جلد 2 ص 260، جلد 3۔ص 256)

یہ ملحوظ رہے کہ کلبی اور ابومخنف صرف علمائے اہل سنت کے نزدیک ہی شیعہ نہیں بلکہ

خود علمائے شیعہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں:

"انه لا ینبغی التأمل فی کونه(لوط بن یحییٰ)شیعیاً امامیاً"

لوط بن یحیٰی کے شیعہ امامی ہونے میں کسی کو شک نہ کرنا چاہیے۔

(تنقیح المقال جلد2ص 44 ، اعیان الشیعة جلد1ص 153)

یہی شیعہ حضرات ہشام بن محمد بن السائب کلبی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"امامیًا لاشبهة فیه"

ہشام بن محمد کلبی کے امامی شیعہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ملاحظہ ہو:

(تنقیح المقال جلد3۔ص 303 ، اعیان الشیعة جلد1۔ص 154)

صد افسوس جناب شاہ صاحبان اور مودودی صاحب وامثالہ نے ان خبیث ،مردود، سبائی، رافضی ، شیعہ ، کذاب اور دروغ گو راویوں پر اعتماد کرکے صحابہ سے متعلق قرآن وحدیث کے واضح احکام کو پس پشت ڈالتے ہوئے حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ پر نہایت ہی مکروہ اور گھناؤنا الزام عائد کردیا۔

جناب مودودی صاحب اور سبائیت کے وکیل صفائی اور وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج جناب ملک غلام علی صاحب کو داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے کس عیاری کے ساتھ ان کذاب راویوں کا دفاع کیا۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

عجیب بات ہے کہ جب سے خلافت وملوکیت لکھی گئی ہے ہر شخص کتب رجال کے دفتر لے کر بیٹھ گیا ہے اور ایک ایک روایت کے راویوں کے حالات سنا رہا ہے کہ وہ ایسا تھا اور ایسا تھا....

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کتب تواریخ کا مطالعہ کرنا چاہے وہ پہلے اپنے پاس لسان المیزان ،تہذیب التھذیب ، کتاب الجرح والتعدیل وغیرہ کی ضخیم مجلدات رکھے اور پھر ہر روایت کے رجال کی چھان بین ان کتابوں میں کرتا رہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب رجال تحقیق حدیث کے لیے مدوّن کی گئی ہیں اور ان کی تجریحات

کو تاریخی روایات اور ان کے راویوں پر چسپاں کرنا اصولاً صحیح نہیں ....

مولانا مودودی کی نقل کردہ زیر بحث روایت کا ایک راوی ابو مخنف ہے جسے ابن عدی کے حوالے سے محمد تقی صاحب (شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد تقی عثمانی) نے "جلا بھنا شیعہ" قرار دیا ہے۔ مولانا مودودی صاحب کے دوسرے ناقدین نے بھی اس راوی کو بے تحاشا گالیاں دی ہیں۔ اب حال یہ ہے کہ ابن جریر کی دور رفتن کی تاریخ کا تقریباً اسی، نوے فیصد حصہ اس راوی کی روایات پر مشتمل ہے۔ اور اگر یہ سب کذب و افتراء ہے تو پھر تاریخ طبری کو ہاتھ لگانا بھی گناہ عظیم ہونا چاہیے۔" (خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 114، 116، 117)

کیا خوب "استدلال" ہے؟ ایک شیعہ راوی صحابہؓ کے خلاف جو بکتا رہا اسے تو "سچ اور حق" مان کر تسلیم کر لیا جائے مگر خود راوی کی "ذات شریف" زیر بحث لانے سے تاریخ طبری مجروح ہو جائے گی اور اس کو ہاتھ لگانا بھی گناہ عظیم ہو جائے گا۔

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت مروانؓ اپنے خطبات جمعہ و عیدین میں حضرت علیؓ پر "سب" کرتے تھے تو اس "سب" کی حقیقت صحیح بخاری کی حسب ذیل روایت سے بخوبی معلوم ہو جاتی ہے:

عبدالعزیز بن ابی حازم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

"انّ رجلاً جاء الی سھل بن سعد فقال: ھٰذا فلان لأمیر المدینة یدعو علیّاً عند المنبر۔ قال: فیقول ما ذا؟ قال: یقول له أبو تراب۔ فضحك۔ قال: واللّٰه ماسمّاه الّا النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم و ما کان له اسم أحبّ الیه منه فَاسْتَطْعَمْتُ الحدیث سھلاً وقلت: یا أبا عبّاس کیف؟ قال:

دخل علیّ علی فاطمة ثمّ خرج فاضطجع فی المسجد۔ فقال النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم این ابن عمّك۔ قالت: فی المسجد۔ فخرج الیه فوجد رداءه قد سقط عن ظھره و خلص التّراب الی ظھره فجعل یمسح التّراب عن

ظهره فيقول: اجلس أباتراب ، مرّتين۔"(صحيح بخاری۔ كتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب رضی الله عنه رقم الحديث 3703، صحيح مسلم۔ كتاب الفضائل علیؓ)

ایک شخص حضرت سہل بن سعدؓ کے پاس آ کر کہنے لگا: فلاں شخص (یعنی مروانؓ) مدینہ کا اکم منبر کے پاس بیٹھ کر حضرت علیؓ کو برا کہتا ہے۔ حضرت سہلؓ نے کہا: کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: انہیں ابوتراب کہتا ہے۔

سہلؓ یہ سن کر ہنسے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ کنیت تو نبی اکرمؐ نے رکھی تھی اور حضرت علیؓ کو بھی یہ کنیت بہت ہی زیادہ پسند تھی۔

ابوحازم کہتے ہیں: میں نے اس وقت حضرت سہلؓ سے درخواست کی: اے ابو العباس! اس کنیت کی وجہ تسمیہ بیان فرمائیں تو انہوں نے فرمایا:

ایک دفعہ حضرت علیؓ، سیدہ فاطمہؓ کے پاس سے ہو کر مسجد میں جا کر لیٹ گئے۔ نبی اکرمؐ نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا: تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: مسجد میں۔ یہ سن کر آپؐ ان کے پاس گئے تو انہیں اس حال میں پایا کہ ان کی چادر پیٹھ پر سے گر گئی ہے۔ آپؐ اپنے دست مبارک سے ان کی مٹی صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے: ابوتراب اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔ یہ بات دو مرتبہ ارشاد فرمائی۔

صحیح بخاری کی اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ گورنر مدینہ حضرت مروانؓ نے منبر کے پاس بیٹھ کر ایک آدھ مرتبہ حضرت علیؓ کا ذکر ان کی پسندیدہ کنیت "ابوتراب" سے کر دیا جسے مودودی صاحب و امثالہ نے وہ خطیبانہ بلکہ معاندانہ رنگ دیا جس کا عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء نے تصور بھی نہ کیا ہوگا۔

صحیح بخاری، جناب مودودی صاحب، علامہ انور شاہ کاشمیریؒ اور سید احمد رضا بجنوری کی عبارات کا تقابل کر کے قارئین حقیقت تک بآسانی رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت میں نہ خطبات جمعہ کا ذکر ہے نہ سب و شتم کی بوچھاڑ کا اور نہ ہی "علی المنبر" کے

الفاظ ہیں۔ یعنی خلاف معمول منبر کے پاس بیٹھ کر ''کنیت، ابوتراب'' سے یاد کیا گیا تو قدیم سبائیوں نے اسے صرف ''سب'' کا نام دیا جس کی چودہ صدیاں بعد مودودی صاحب وامثالہ نے ''مسجد نبوی میں، عین روضۂ نبوی کے سامنے منبر رسولؐ پر، خطبات جمعہ میں، حضورؐ کے محبوب ترین عزیز، حضرت علیؓ پر سب وشتم اور گالیوں کی بوچھاڑ کی جاتی تھی اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے، مروان بڑا فتنہ پرور اور ظالم و جابر تھا جو سلطنت نامرضیہ بنی امیہ و حکومت متسلطہ کی جانب سے والی و گورنر تھا اس کی طرف سے کی گئی سب وشتم بلاشک وشبہ محقق و ثابت ہو چکی ہے'' جیسے ریمارکس سے منظر کشی کرتے ہوئے آخر میں یہ نتیجہ بھی بیان کر دیا کہ:

''کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔''

حالانکہ مولانا مودودی صاحب، حضرت علیؓ کے بارے میں اس رائے کا اظہار کر چکے ہیں کہ:

''میں جب دیکھتا ہوں کہ تمام معتبر روایات کی رو سے شیخین اور حضرت عثمانؓ کے پورے دور خلافت میں جس خلوص اور کامل جذبۂ رفاقت کے ساتھ انہوں نے ان تینوں حضرات کے ساتھ تعاون کیا اور جیسے محبت کے تعلقات ان کے درمیان رہے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی وفات کے بعد جس طرح دل کھول کر وہ ان کی تعریفیں کرتے رہے، تو مجھے وہ روایات کمزور محسوس ہوتی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ان میں سے ہر ایک کے خلیفہ بنائے جانے پر ناراض تھے اور وہ روایات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ انہوں نے ہر ایک کی خلافت، آغاز ہی میں دل سے قبول فرمائی تھی۔

جب دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم ان روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو ان کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہیں اور خواہ مخواہ وہی

روایات کیوں قبول کریں جو اس کی ضد نظر آتی ہیں۔" (خلافت وملوکیت ص-347348)

کاش موصوف یہی طرزِ عمل حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ کے بارے میں بھی اختیار کر لیتے کیونکہ ان کے بارے میں بھی دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور صحیح سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ پھر انہوں نے ان روایات کو کیوں ترجیح نہیں دی جو ان کے مجموعی طرزِ عمل اور مقام صحابیت سے مناسبت رکھتی ہیں؟ اور خواہ مخواہ رافضیوں اور کذابوں کی روایات کیوں قبول کیں جو اس کی ضد نظر آتی ہیں؟

حضرت مروانؓ کا حضرت علیؓ کو "ابوتراب" کی کنیت سے پکارنا ہرگز "سبّ" میں داخل نہیں ہے البتہ اسے "گالیاں یا سب وشتم کی بوچھاڑ" سمجھنا یقیناً "سبّ" کہلائے گا۔ تو اس طرح "ابوتراب" کہنے والا حضرت علیؓ کو گالیاں نہیں دے رہا بلکہ اسے "سبّ" سمجھنے والا حضرت علیؓ پر "سبّ وشتم" کی بوچھاڑ کر رہا ہے۔

"سبّ" ایک عام لفظ ہے جو مختلف معانی و مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں گالی دینا، ناروا تنقید کرنا، مخالفین کے موقف کی تغلیط کرنا اور عار دلانا بھی شامل ہے۔ چنانچہ مولانا ابن منظور لکھتے ہیں کہ:

"والسبّ العار و يقال صار هذا الامر سبّة عليهم...اي عاريسبّ به۔"

(لسان العرب جلد1۔ص 456)

"سب" کا معنی عار دلانا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ کام ان لوگوں پر "سبّہ" ہو گیا یعنی عار بن گیا۔

صحیح بخاری میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ:

"انّي سابيت رجلاً فعيرته بامّه فقال لي النبيّ صلّى الله عليه وسلّم يا اباذر عيّرته بامّه انّك امرؤ فيك جاهلية۔" (صحيح بخاري۔ كتاب الايمان باب المعاصي من امر الجاهلية)

میں نے ایک آدمی کو سبّ کیا (کہ تو ایک سیاہ رنگ کی عورت کا بیٹا ہے) تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے اسے ماں کے متعلق عار دلائی ہے۔ ابھی تم میں

جاہلیت کا اثر باقی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ لفظ سبّ ہر مقام پر گالم گلوچ کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ ایک موقع پر تو نبی اکرمؐ نے خود یہ لفظ استعمال فرمایا:

آپؐ نے غزوہ تبوک کے سفر میں صحابہ کرامؓ کو یہ ہدایت فرمائی کہ کل جب تم تبوک کے چشمے پر پہنچو تو تم میں سے کوئی شخص میرے پہنچنے سے پہلے اس پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ اتفاق سے دو ساتھی قافلہ سے آگے نکل کر چشمہ پر پہنچ گئے اور انھوں نے پانی پی لیا۔ جب آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو نبی اکرمؐ نے ان دونوں کو "سبّ" کیا۔ "فسبّهما النبیّ صلی اللّٰہ علیه وسلم"

امام مالکؒ نے اس واقعہ کو بایں الفاظ نقل کیا ہے:

"فسبّهما رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم وقال لهما ماشاء اللّٰه ان یقول۔" (موطأ امام مالك۔باب الجمع بین الصّلوٰتین فی الحضر والسفر)

تو آپؐ نے ان دونوں کو سبّ کیا اور جو اللہ نے چاہا ان دونوں سے فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"فایّ مسلم لعنته او سببته فاجعله له زکوٰۃ ورحمة" (صحیح مسلم کتاب البرّ والصلة والادب باب من لعنه النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ولیس هو اهل لها)

پس جس مسلمان پر میں لعنت کروں یا برا کہوں تو اسے اس کے لیے پاکی و رحمت کا باعث بنا دے۔

کیا ان مواقع پر لفظ "سبّ" سے گالی مراد لی جاسکتی ہے؟

حضرت عمرؓ نے بھی یہ لفظ استعمال فرمایا:

"انّ عمر بن الخطاب قال یوم الخندق وجعل یسبّ قریش"

(جامع الترمذی۔باب ماجاء فی الرجل تفوته الصّلوٰۃ)

حضرت عمرؓ خندق کے دن کفار قریش کو سبّ کرنے لگے۔

ایک موقع پر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں نے ایک دوسرے کو سب کیا۔

"فاستبّ عليٌّ وعباسٌ" (صحيح بخاري كتاب المغازي باب حديث بني نضير)

امام مسلم نے حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عباسؓ کے حسب ذیل الفاظ نقل کیے ہیں کہ:

"اقض بيني وبين هذا الكاذب ، الآثم ، الغادر ، الخائن ـ"

(صحيح مسلم ـ كتاب الجهاد والسير باب حكم الفيء)

یعنی میرے اور اس جھوٹے، گناہ گار، غدار اور خائن کے درمیان فیصلہ کیجیے۔

حضرت مروانؓ پر "سب وشتم" کا الزام اس لیے عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو "ابوتراب" کی کنیت سے مخاطب کیا تھا لیکن یہاں حضرت عباسؓ، خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کی موجودگی میں حضرت علیؓ کو "الكاذب ، الآثم ، الغادر ، الخائن" کہہ رہے ہیں اگر "ابوتراب" کہنا سب وشتم کی بوچھاڑ ہے تو ان الفاظ کو کیا نام دیا جائے گا؟

مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا نہ صرف عجیب بلکہ اولادِ علیؓ پر بھی ظلم عظیم ہے کہ:

"حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے" عجیب اس لیے کہ ہر آواز "اپنے کانوں" سے ہی سنی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کے اضافے سے موصوف کا کیا مقصد تھا؟

اولادِ علیؓ پر یہ اس لیے عظیم ظلم ہے کہ آج اگر جماعت اسلامی کا کارکن اس قدر غیرت مند ہو سکتا ہے کہ وہ مودودی صاحب پر "سبّ وشتم" کی بوچھاڑ کرنے والوں سے وظائف وتحائف وصول نہیں کر سکتا۔ کیا اولادِ علیؓ میں اتنی غیرت بھی نہ تھی کہ وہ اپنے کانوں سے یہ گالیاں سن کر بھی تا دم زیست بخوشی وظائف وتحائف، ہدایا وعطایا وصول کرتے رہے۔

یہ حقائق اسی تاریخ میں واضح طور پر موجود ہیں کہ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر ہاشمی حضرات حضرت معاویہؓ سے لاکھوں روپے بطور سالانہ وظائف اور رہر آمد و رفت کے موقع پر اس کے علاوہ بھی عطیات وتحائف وصول

کرتے رہے۔ حالانکہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے ہی ان کے گورنر حضرت علیؓ کو گالیاں دیتے تھے لیکن بعض اوقات اسی گورنر مدینہ کے ہاتھوں سے یہ عطایا بھی وصول کرتے تھے۔

ملاحظہ ہو:

(البدایہ والنہایہ جلد 8۔ ص 41۔ جلاء العیون در بیان نصوص امامت و معجزات امام حسنؓ)

حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ داروں کا یہ وظائف و تحائف اور ہدایا و عطایا وصول و قبول کرنا ہی ''سب و شتم'' کے الزام کی واضح تر دید ہے۔

مودودی صاحب کا یہ ارشاد بھی یقیناً باعث تعجب ہے کہ: ''حضرت معاویہؓ کا گورنر مدینہ (حضرت مروانؓ) مسجد نبوی میں، منبر رسولؐ پر عین روضۂ نبوی کے سامنے۔'' موصوف کا جس طرح یہ جملہ عجیب تھا کہ ''حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے'' اس سے بھی عجیب تر یہ جملہ ہے کہ:

''منبر رسولؐ پر عین روضۂ نبوی کے سامنے''

جس شخص کو بھی مسجد نبوی میں جانے کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ وہاں ''قبلہ'' جنوب کی سمت میں واقع ہے اور خطیب جب منبر پر کھڑا ہوگا یا بیٹھے گا تو اس کے ''عین سامنے'' نمازی ہوں گے جب کہ خطیب کا رخ ''شمال'' کی طرف ہوگا اور اس وقت تو دیگر ازواج مطہرات کے حجرات بھی مسجد نبوی سے باہر تھے جنہیں 88ھ میں گرا کر مسجد کی توسیع کی گئی۔ اور اس سمت میں ''روضۂ نبوی'' بالکل واقع ہی نہیں ہے؛ وہ تو ''مشرق'' کی جانب واقع ہے۔ موصوف اگر ''منبر پر'' نہ لکھتے تو پھر اس کا کسی حد تک احتمال تھا کہ ممکن ہے کہ مسجد نبوی میں ''روضۂ نبوی کے عین سامنے'' کھڑے ہو کر خطیب صاحب ''وظیفہ سب و شتم'' ادا کرتے ہوں لیکن موصوف نے ''منبر'' کے علاوہ ''خطبہ جمعہ'' کی تصریح کر کے یہ ''احتمال'' بھی خود ہی ختم کر دیا۔

اگر بفرض محال حضرت مروانؓ خطبہ جمعہ میں فی الواقع ''سب و شتم'' کی بوچھاڑ کرتے تو نہ صرف حضرت علیؓ کی اولاد، ان کے رشتہ دار بلکہ تمام مسلمان سراپا احتجاج بن جاتے اور قاضی شرع کے پاس استغاثہ دائر کرتے جب کہ مدینہ کے قاضی بھی ایک ہاشمی بزرگ تھے

جن کی تقرری بھی گورنر مدینہ حضرت مروانؓ کے حکم سے عمل میں آئی تھی۔ چنانچہ مختلف روایات میں آتا ہے کہ:

حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کو جب منصب قضاء کے لیے ایک قاضی کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الہاشمی کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا۔ تابعین میں سے یہ پہلے قاضی مقرر ہوئے۔ ملاحظہ ہو:

(طبقات ابن سعد جلد 5۔ ص 13۔ کتاب الثقات لابن حبان تحت عبداللہ بن حارث)

سخت حیرت ہے کہ یہ سب حضرات مسجد نبوی میں اسی امام کی اقتداء میں نمازیں بھی ادا کرتے تھے اور ''گالیاں'' بھی سنتے تھے۔ کیا نبی اکرمؐ کے محترم و مقدس شہر میں ''حجر بن عدی'' جیسا بہادر ایک شخص بھی نہیں تھا۔ یہ ملحوظ رہے کہ حضرت حجر بن عدی نے بقول مؤرخین کوفہ کی مسجد میں خطبہ کے دوران احتجاجاً اپنے خطیب و گورنر کی طرف کنکریاں پھینکی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب سبائیوں کی وضع کردہ داستانیں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت مروانؓ کا قصاص عثمانؓ کے معاملہ میں حضرت علیؓ کے ساتھ اختلاف تھا اور صحابہ و تابعین کی ایک کثیر تعداد ان کی ہم خیال تھی لیکن جنگ جمل و صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ مصالحت اور حضرت حسنؓ کی حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری کے بعد یہ سب حضرات حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ کے محسن تھے۔ علاوہ دیگر احسانات کے حضرت مروانؓ پر حضرت علیؓ کا ایک احسان بھی تھا کہ انہوں نے جنگ جمل میں گرفتار ہو جانے کے بعد حضرات حسنینؓ کی سفارش پر انہیں رہا کر دیا تھا۔ نیز ان ''ہاشمی بزرگوں'' کے تعاون کے بغیر نہ خلافت قائم رہ سکتی تھی اور نہ ہی کوئی شخص نہایت ہی امن و سکون کے ساتھ ''گورنری'' کے فرائض انجام دے سکتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ان ''ہاشمی بزرگوں'' کے خاندان بنو امیہ بالخصوص حضرت مروانؓ کے ساتھ ہر قسم کے (مذہبی، سیاسی، سماجی حتیٰ کہ نسبی) خوش گوار تعلقات ہمیشہ قائم رہے۔

پیچھے یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مروانؓ مختلف اوقات میں (42ھ تا 48ھ، 54ھ تا 57ھ) دس سال سے زائد عرصہ تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے اور مسجد نبوی میں امامت و

خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔اس تمام عرصہ میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت علیؓ کے دیگر رشتہ داران ہی کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے رہے۔

حضرت جعفر صادقؒ اپنے والد امام باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"كان الحسن بن علي والحسين يصلّيان خلف مروان قال: فقيل له: اما كان ابوك يصلّي اذا رجع الى البيت قال فيقول لا والله ما كانوا يزيدون على صلوة الائمة۔"

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ہمیشہ مروانؓ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے۔امام باقرؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے آباؤ اجداد (مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد) جب گھر لوٹتے تو کیا وہ نمازیں لوٹاتے نہیں تھے تو امام باقرؒ نے فرمایا:

نہیں اللہ کی قسم! وہ اپنے "امام صلوٰۃ" کی نماز سے زیادہ کچھ بھی نہیں بڑھاتے تھے۔

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد 2۔ص 378۔البدایہ والنہایہ جلد 8۔ص 258 تحت مرون بن الحکمؓ)

امام بخاری نے یہ روایت ایک دوسری سند سے نقل کی ہے کہ:

....حدثني شرحبيل أبو سعد قال رأيت الحسن والحسين يصلّيان خلف مروان" (تاريخ صغير المجلدالاول ص136۔طبع دارالمعرفة بيروت لبنان)

شرحبیل ابوسعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو حضرت مروانؓ کی اقتداء میں نماز پڑھتے دیکھا۔

ترجمان شیعیت ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ:

"عن موسى بن جعفر عن ابيه قال: كان الحسن والحسين يصلّيان خلف مروان بن الحكم فقالوا لاحدهما ما كان أبوك يصلّي اذا رجع إلى البيت ۔ فقال: لا والله ما كان يزيد على صلوٰة"

حضرت موسیٰ بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جناب مروان بن الحکمؓ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے۔لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے باپ دادا جس وقت گھر واپس آتے تو کیا وہ نماز کو نہیں لوٹاتے تھے؟ تو

انہوں نے فرمایا: نہیں: اللہ کی قسم! وہ امام کی اقتداء میں ادا کی گئی نماز پر کچھ بھی زیادتی نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت حسینؓ کی اولاد بھی اموی خلفاء و حکام کی اقتداء میں بغیر کسی تقیہ کے نماز ادا کرتی رہی۔ چنانچہ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ:

"....انّا لنصلّی خلفهم من غیر تقیة و أشهد علی علی بن حسین أنّه کان یصلّی خلفهم فی غیر تقیة"

ہم خلفاء وقت (مروان و آل مروان) کی اقتداء میں بغیر تقیہ کے نماز ادا کرتے ہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدین) ان ہی کی اقتداء میں تقیہ کے بغیر نمازیں ادا کرتے رہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ 64ھ میں یزید کی وفات کے بعد خلافت بنی امیہ کے زوال 132ھ تک مروان اور آل مروان ہی سریر آرائے خلافت ہوتے رہے اور اس دوران میں اولاد علیؓ بالخصوص حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدین، حضرت باقر اور حضرت جعفر صادق خلفاء وقت کی اقتداء میں ہی نماز ادا کرتے رہے۔ صرف مؤخر الذکر نے بنو امیہ اور بنو عباس دونوں کی خلافت کا زمانہ پایا۔ وہ 148ھ میں وفات پا گئے تھے۔

اگر حضرت مروانؓ اپنے خطبات جمعہ میں حضرت علیؓ پر "سبّ وشتم" کی بوچھاڑ کرتے تو کیا اولاد علیؓ خلفاء وقت (مروان و آل مروان) کی اقتداء کر سکتی تھی؟

حضرت حسینؓ کے ساتھ حضرت مروانؓ کے تعلقات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت مروانؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو انہوں نے ابن زیاد کے نام اپنے خط میں لکھا کہ: "حسین بن علیؓ تمہاری طرف کوفہ کو چل پڑے ہیں اور وہ حسین بن علیؓ ہونے کے علاوہ حسین بن فاطمہؓ بھی ہیں اور سیدہ فاطمہؓ نبی اکرمؐ کی لخت جگر ہیں۔ ساری دنیا کی سلامتی سے زیادہ ہمیں حضرت حسینؓ کی سلامتی مطلوب ہے۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ تمہاری نفسانیت بھڑ اٹھے اور اس کو کوئی چیز نہ روک

سکے اور عوام اس کو بھلا نہ سکیں اور قیامت تک اس کے تذکرے کرتے رہیں۔ والسلام"

(البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 165)

پیچھے یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرات حسنینؓ کے حضرت مروانؓ کے ساتھ نہایت ہی خوشگوار تعلقات تھے۔ ان ہی کی سفارش پر حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں ان کی گرفتاری کے بعد انہیں رہا کیا تھا۔ اسی طرح آل حسینؓ کے ساتھ بھی حضرت مروانؓ کے یہ تعلقات قائم رہے۔ امام ابن کثیر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

ایک دفعہ حضرت مروانؓ نے حضرت زین العابدین کو ایک لاکھ درہم کی کثیر رقم قرض حسنہ کے طور پر عطا کی۔ پھر جب حضرت مروانؓ بیمار ہوئے تو انہوں نے اپنے بیٹے عبدالملک کو وصیت کی کہ ان سے قرض کی رقم واپس نہ لینا۔

عبدالملک نے اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے یہ خطیر رقم ان سے واپس نہیں لی۔

"فلمّا حضرته الوفات اوصٰی الی ابنه عبدالملك ان لا يسترجع من علی بن الحسين شيئاً....

ثم لمّا مرض مروان اوصٰی ان لايؤخذ من علی ابن الحسين شيئاً ممّا كان اقرضه .... {ملاحظه هو: البداية والنهاية جلد8ص 258تحت مروان بن الحكم ، جلد9۔ ص104۔ تحت علی بن الحسينؓ(زين العابدين)}

یہ تعلقات یک طرفہ نہیں تھے بلکہ دونوں طرف سے تھے۔ چنانچہ واقعہ حرہ کے موقع پر حضرت مروانؓ کی اہلیہ محترمہ سیدہ عائشہ بنت عثمان ذوالنورینؓ کو حضرت زین العابدین نے پہلے اپنی جاگیر "ینبوع" پر بحفاظت پہنچایا بعد میں اپنے صاحبزادے سید عبداللہ کی معیت میں طائف پہنچا دیا تھا۔ ملاحظہ ہو: (تاریخ طبری تحت واقعہ حرہ)

ایک مرتبہ حضرت مروانؓ کے دور میں ابراہیم بن حفصہ نے حضرت زین العابدینؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کا "عقیدت مند" ابوحمزہ الثمالی کہتا ہے کہ:

"لاتصلّی خلف ائمة ولا تناكح الّا من يریٰ مثل رأينا۔فقال علی بن

الحسین: بل تصلّی خلفھم و نناکحھم بالسنۃ"

ہم ان خلفاء و امراء کے پیچھے نماز ادا نہیں کریں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ نکاح و رشتہ داری کا تعلق قائم کریں گے مگر اس کے ساتھ نکاح کا سلسلہ قائم کریں گے جو ہماری رائے کے ساتھ متفق ہو۔ یہ سن کر حضرت زین العابدینؒ نے فرمایا کہ:

بلکہ ہم ان کی اقتداء میں نماز بھی ادا کریں گے اور سنت کے مطابق ان کے ساتھ نکاح بھی کریں گے۔ (المصنف لابن ابی شیبہ جلد۔ص 378-379۔ تحت ذکر الصلوٰۃ خلف الامراء)

بنو امیہ اور بنو ہاشم کے مابین سلسلہ مناکحت دونوں خاندانوں کی باہمی محبت اور یگانگت کی واضح دلیل ہے۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب "تذکرہ سیدنا معاویہؓ" میں ایسے بتیس (32) نکاحوں اور رشتہ داریوں کی تفصیل دی ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زین العابدینؒ کے اس ارشاد (کہ "ہم سنت کے مطابق ان کے ساتھ نکاح بھی کریں گے") کی تشریح میں تمام بنو امیہ کے بجائے صرف "بنو مروان" اور آل علیؓ کے درمیان نسبی روابط کی ایک جھلک نذر قارئین کر دی جائے:

1۔ حضرت علیؓ کی بیٹی سیدہ رملہ حضرت مروانؓ کی بہو تھیں جو ان کے بیٹے معاویہ (بن مروان) کے حبالہ عقد میں آئیں۔

(ملاحظہ ھو: کتاب نسب قریش لمصعب زبیری ص 45۔ تحت "ولد علی بن ابی طالب"، جمھرۃ انساب العرب لابن حزم ص 87۔ تحت اولاد الحکم بن ابی العاص وولمروان ابنہ)

2۔ سیدہ زینب بنت حسن مثنّٰی بن حسن بن علیؓ کا نکاح خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان بن الحکمؓ کے ساتھ ہوا۔ سیدہ زینب نجیب الطرفین ہیں۔ ان کی والدہ کا نام سیدہ فاطمہ بنت حسین بن علیؓ ہے۔ (کتاب نسب قریش لمصعب زبیری ص 52۔ تحت "اولاد حسن مثنّٰی" جمہرۃ انساب العرب لابن حزم ص 108)

3۔ سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسن بن علیؓ کا نکاح حضرت مروانؓ کے پوتے ولید بن

عبدالملک کے ساتھ ہوا اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ سیدہ نفیسہ کی والدہ کا نام لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد 5۔ ص 234 تحت زید بن حسن بن علیؓ)

اہل تشیع نے اس نکاح کو تسلیم کرتے ہوئے "توہین آمیز" انداز اختیار کیا ہے کہ:

"خرجت الی الولید بن عبدالملک بن مروان" سیدہ نفیسہ ولید کی طرف نکل گئی تھی۔

(ملاحظہ ہو: عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص 70۔ مؤلفہ سید جمال الدین)

4۔ سیدہ خدیجہ بنت حسین بن علیؓ کا نکاح حضرت مروانؓ کے حقیقی بھائی الحارث بن حکمؓ کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث کے ساتھ ہوا۔

(جمہرۃ انساب العرب لابن حزم ص 109۔ تحت اولاد محمد بن مروان بن الحکمؓ)

علامہ مصعب الزبیری نے خدیجہ کے بجائے ام کلثوم نام لکھا ہے۔

(ملاحظہ ہو: کتاب نسب قریش۔ ص 171)

5۔ سیدہ خدیجہ کے بعد ان کی چچا زاد بہن سیدہ حمادہ بنت الحسن مثنٰی بن حسن بن علیؓ بھی اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ (جمہرۃ انساب العرب لابن حزم ص 109)

6۔ حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کی پوتی سیدہ رملہ بنت محمد بن جعفر بن ابی طالب کا نکاح سلیمان بن ہشام بن عبدالملک بن مروان کے ساتھ ہوا۔

(کتاب المحبّر لأبی جعفر بغدادی ص 449)

7۔ مصعب بن زبیرؓ کی بیوہ سیدہ سکینہ بنت حسن بن علیؓ کا نکاح خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بھائی اور حضرت مروانؓ کے پوتے الاصبغ بن عبدالعزیز کے ساتھ ہوا۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس وقت الاصبغ کی دوسری بیوی امیر یزید کی بیٹی ام یزید بھی موجود تھی۔

(کتاب المعارف لابن قتیبه ص 94۔ جمهرة انساب العرب 96 ، نسب قریش ص 59)

8۔ ربیحہ بنت سکینہ بنت حسین بن علیؓ کا نکاح عباس بن ولید بن عبدالملک بن مروانؓ کے ساتھ ہوا۔ (نسب قریش لمصعب زبیری۔ ص 59)

9۔ ام ابیھا بنت عبداللہ بن جعفر کا نکاح عبدالملک بن مروانؓ کے ساتھ ہوا۔ ان کی دوسری حقیقی بہن ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر امیر یزید کے حبالۂ نکاح میں تھیں۔
(جمهرة انساب العرب ص 62۔ کتاب نسب قریش ص 83، البدایہ والنہایہ جلد 9 ص 69)

10۔ حضرت علیؓ کے حقیقی نواسے اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے حقیقی بھانجے (از بطن سیدہ زینب بنت علیؓ) علی بن عبداللہ بن جعفر کی پوتی سیدہ ربیحہ بنت محمد بن علی الزینبی کی شادی یزید بن عبدالملک بن مروانؓ کے ساتھ ہوئی۔ (کتاب المحبر لأبی جعفر بغدادی ص 440)

آل علیؓ اور آل مروانؓ کے مابین مذکورہ باہمی نسبی روابط اور سلسلۂ مناکحت سے بھی ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت مروانؓ مسجد نبوی میں اپنے خطبات جمعہ میں حضرت علیؓ پر ''سب وشتم'' کی بوچھاڑ نہیں کرتے تھے۔

آل علیؓ اور آل مروانؓ کے درمیان مذہبی، سماجی اور نسبی تعلقات کی روشنی میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری اور مولانا احمد رضا بجنوری کے اس دعویٰ کی کیا حیثیت باقی رہ گئی ہے کہ ''حضرت معاویہؓ کے دوسرے گورنروں کے بارے میں تو یہ بحث چل سکتی ہے کہ وہ خطبۂ جمعہ وعید میں سب علیؓ کرتے تھے یا نہ کرتے تھے مگر مروان کے بارے میں یہ بات محقق ہوچکی ہے کہ وہ اپنے عاملِ مدینہ ہونے کے زمانہ میں ضرور ایسا کرتا تھا۔''

اگر حضرت مروانؓ اس فعل کے مرتکب ہوتے تو کیا حضرت علیؓ کی اولاد آل مروانؓ کے ساتھ نسبی روابط قائم رکھ سکتی تھی؟ تیرہ چودہ صدیاں بیت جانے کے بعد جس ''غیرت و جلال'' کا مظاہرہ ''دیوبند، ڈابھیل اور اچھرہ و منصورہ'' میں کیا جارہا ہے اسی ''غیرت'' کا اظہار آخر اس وقت آل علیؓ نے کیوں نہیں کیا تھا؟

قصاص عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کے موقف ورائے کے ساتھ اختلاف کو ''سب وشتم'' کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ اختلاف رکھنے والے ہزاروں صحابہ وتابعین یعنی طالبین قصاص ہم عصر تھے اور حالات و

واقعات کا خود مشاہدہ کرنے والے تھے لیکن چودہ صدیاں بعد آنے والوں کو اس بات کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ طالبین قصاص بالخصوص خود حضرت معاویہؓ اور حضرت مروانؓ پر بے جا الزام تراشی کریں۔

اگر حضرت علیؓ کے موقف کے ساتھ اختلاف اور اس پر تنقید کو "سب وشتم" کی بوچھاڑ قرار دیا جائے تو اس فعل کا ارتکاب جناب مولانا مودودی صاحب سے بڑھ کر حضرت مروانؓ نے ہرگز نہیں کیا تھا۔ موصوف کی اپنی جسارت ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت علیؓ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا...

لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیے درآں حالیکہ قتل عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علیؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں....

اسی طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لے کر خود ان کی اپنی شہادت تک ایک ایک مرحلے پر ان کا جو رویہ رہا ہے اس کے ہر جزو کا ایک صحیح محمل میں نے تلاش کیا اور ان کے اپنے بیانات میں، یا اس وقت کے حالات و واقعات میں مجھے مل گیا۔

مگر صرف ایک مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بناء پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی ہے۔" (خلافت وملوکیت ص 146، 348)

اگر حضرت مروانؓ کا حضرت علیؓ کو ان کی کنیت "ابوتراب" سے مخاطب کرنا "سب وشتم" کی بوچھاڑ کے مترادف ہے تو خود موصوف کے مذکورہ بیان کو کیا نام دینا چاہیے جس میں انہوں نے "قاتلین عثمانؓ کو گورنری دینے کی بناء پر حضرت علیؓ کی مدافعت سے صاف طور پر اپنی معذوری ظاہر کر دی اور قرار دیا کہ حضرت علیؓ کے اس کام کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش نہیں ہے۔"

کیا یہ کلمات "ابوتراب" سے بڑھ کر "سب وشتم" میں شمار نہیں کیے جا سکتے؟

حضرت مروانؓ کی مسجد نبوی میں "عین روضۂ رسولؐ" کے سامنے برسر منبر حضرت علیؓ پر "سب وشتم" کی بوچھاڑ تو ثابت نہیں کی جا سکتی الٹا اس کے برعکس خود مودودی صاحب کی طرف سے یہ "بوچھاڑ" ثابت ہو گئی ہے۔

حضرت مروانؓ کے ناقدین ومعاندین نے ان پر "سب وشتم" کا الزام "ثابت" کرنے کے لیے "خطبہ قبل صلوٰۃ عید" سے بھی استدلال کیا ہے۔اس پر مفصل بحث آگے آ رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین میں رکاوٹ ڈالنے کا الزام

مولانا سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حسنؓ کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے ان کو اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن ہونے کی اجازت دے دی تھی مگر مروان ہی نے شدید مخالفت کی تھی۔ حالانکہ اس وقت وہ امیر مدینہ بھی نہ تھا اور وہاں قتل وقتال کی نوبت آجاتی اگر حضرت ابوہریرہؓ بیچ میں پڑ کر حضرت حسینؓ کو دفنِ بقیع کے لیے آمادہ نہ کر لیتے۔'' (انوار الباری جلد 17۔ص 193)

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حسنؓ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی اس لیے اپنی محترم نانی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے خوشی کے ساتھ اجازت دے دی۔ اجازت ملنے کے بعد بھی احتیاطاً فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد دوبارہ اجازت لینا۔ ممکن ہے میری زندگی میں مروت سے اجازت دے دی ہو۔ اگر دوبارہ اجازت مل جائے تو روضۂ نبوی میں دفن کرنا۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے۔ اگر مزاحمت کی صورت پیش آئے تو اصرار نہ کرنا اور بقیع الغرقد کے گورغریباں میں دفن کر دینا....

وفات کے بعد حضرت حسینؓ نے وصیت کے مطابق دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت مانگی۔ آپ نے پھر فراخ دلی کے ساتھ مرحمت فرمائی لیکن حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ حسنؓ کسی طرح روضۂ نبوی میں دفن نہیں کیے جا سکتے۔ ان لوگوں نے عثمانؓ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسنؓ کو دفن کرنا

چاہتے ہیں۔ یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ حضرت حسینؓ نے مقابلہ کرنا چاہا، مروان بھی لڑنے پر آمادہ ہوگیا اور قریب تھا کہ پھر ایک مرتبہ مدینہ کی زمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن جائے کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ پہنچ گئے اور چلائے کہ یہ کیا ظلم ہے کہ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے۔ پھر حسینؓ سے کہا کہ: اس کے لیے کشت و خون سے کیا فائدہ؟ حسنؓ کی وصیت بھول گئے کہ اگر خون ریزی کا خطرہ ہو تو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کردینا۔ اس پر حضرت حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور بنی امیہ اور بنی ہاشم میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس کے بعد سعید بن العاصؓ عامل مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور لاش مبارک جنت البقیع میں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں سپرد خاک کی گئی۔'' (سیر الصحابہؓ جلد 4۔ حصہ ششم ص 25-26۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، تاریخ اسلام حصہ اول ص 389)

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

''جب حضرت حسنؓ کا انتقال ہوا تو حضرت حسینؓ نے جا کر حضرت عائشہؓ سے اجازت (تدفین) طلب کی۔ انہوں نے کہا بخوشی۔ مروان کو معلوم ہوا تو اس نے کہا حسینؓ اور عائشہؓ دونوں جھوٹ کہتے ہیں (کذب و کذبت) حسنؓ وہاں کبھی دفن نہیں کیے جاسکتے .....'' (سیرت عائشہؓ ص 141۔ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ ندوی اس موضوع روایت کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ روایت اس شخص کی زبانی ہے جو امام کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھا۔'' (حوالہ مذکور)

ناقدین اور معترضین حضرت مروانؓ پر اعتراض اور نقد کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے۔ انہوں نے حضرت حسنؓ کی ''زہر خورانی'' کا الزام جہاں حضرت معاویہؓ پر عائد کیا تو وہیں ان کی روضہ رسولؐ میں تدفین نہ ہونے کا الزام حضرت مروان پر عائد کردیا۔ حالانکہ وہ اس وقت کسی سرکاری منصب کے حامل نہ تھے بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے۔

اگر اس الزام کو بالفرض ''صحیح'' تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر حضرت مروانؓ کے بے پناہ اثر اور قوت و طاقت کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ جس کے سامنے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، گورنر مدینہ حضرت سعید بن العاصؓ اور خلافت کی ساری انتظامی مشینری بے بس نظر آتی ہے۔

حضرت حسنؓ کی وفات علی اختلاف الاقوال 48ھ، 49ھ اور 50ھ میں واقع ہوئی۔ سخت حیرت ہے کہ حضرت معاویہؓ نے 48ھ میں زبردست اثر و رسوخ اور طاقت وقوت کی حامل شخصیت (حضرت مروانؓ) کو معزول کر کے حضرت سعید بن العاصؓ ایسے کمزور شخص کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کر دیا جو اس نازک، حساس اور غمگین موقع پر بھی فرائض انجام نہ دے سکا اور پھر وہ 54ھ تک اس منصب پر برقرار بھی رہا۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ ''حجرۃ'' (روضۂ رسولؐ) کی اصل مالکہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی دوہری رضامندی اور اجازت کے باوجود جو گورنر (سعید بن العاصؓ) حضرت حسینؓ اور دیگر بنو ہاشم کو انصاف فراہم نہ کر سکا اسی گورنر کو گھر پر جا کر حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی اموی گورنر (جن کے خلاف چند لمحات پہلے حضرت حسینؓ اپنے رفقاء کے ہمراہ ہتھیار اٹھاتے ہیں) حضرت حسنؓ کی نماز جنازہ میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو: اسد الغابہ تحت الحسن بن علیؓ، سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث ص 277)

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک (جو نماز جنازہ کے موقع پر موجود تھے) اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"شهدنا حسن بن عليؓ يوم مات و دفناه بالبقيع فلقد رأيت البقيع ولو طرحت ابرة ما وقعت الا على الانسان"

ہم حضرت حسنؓ کی نماز جنازہ اور جنت البقیع میں تدفین کے موقع پر حاضر تھے۔ میں نے اتنا کثیر مجمع دیکھا کہ اگر ''سوئی'' پھینکی جاتی تو وہ زمین کے بجائے کسی انسان پر ہی گرتی۔

(الاصابہ مع الاستیعاب الجزء الاول ص 331)

دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"وقد اجتمع الناس لجنازته ما کان البقیع یسع أحداً"

کہ ان کی نماز جنازہ میں اس قدر لوگ جمع ہوئے کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔

یہ ملحوظ رہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی (جو حضرت مروانؓ کو کسی صورت بھی کوئی رعایت دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے) نے حضرت حسنؓ کے مفصل حالات لکھنے کے باوجود حضرت مروانؓ کی طرف سے کسی "مزاحمت" کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت مروانؓ کے تو آل علیؓ بالخصوص حضرات حسنینؓ کے ساتھ ذاتی اور نسبی تعلقات تھے (بلکہ حضرات حسنینؓ تو ان کے محسن بھی تھے۔ جنگ جمل کے موقع پر ان ہی کی سفارش پر انہیں رہائی نصیب ہوئی تھی اور بعد میں جو گورنری کے منصب تک پہنچے تو اس میں بھی ان بھائیوں کی عظیم قربانی شامل تھی) ان کی جگہ اگر کوئی حضرت حسنؓ کا حقیقی دشمن بھی ہوتا تو اس قدر کثیر مجمع، حامیوں، ہمدردوں اور غم گساروں کی موجودگی میں اس سے بھی تدفین کے عمل میں رکاوٹ ڈالنے کی توقع ہرگز نہیں ہو سکتی۔

حضرت مروانؓ، حضرت حسنؓ کی نماز جنازہ اور تدفین کے انتظامات میں بھی شریک تھے۔ ان دونوں کے درمیان ہم عمر ہونے کی وجہ سے بے تکلفی تھی اور دوستانہ نوک جھونک بھی رہتی تھی جسے بھی موقع ملتا تو وہ اس کا اظہار کر دیتا تھا۔ حضرت مروانؓ جب ان کے جنازے کے ساتھ روتے ہوئے جا رہے تھے تو کسی نے کہہ دیا کہ اب رو رہے ہیں حالانکہ زندگی میں تو ان کے ساتھ نوک جھونک رہتی تھی۔ حضرت مروانؓ نے سامنے کے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں تو اس پہاڑ سے بھی زیادہ بردبار (أحلم) سے نوک جھونک کیا کرتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 38)

حضرت مروانؓ کے علاوہ اس دن ہر آنکھ اشک بار تھی بالخصوص حضرت ابو ہریرہؓ کے اس اعلان نے تو لوگوں کو خوب رلایا جب وہ مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہو کر روتے ہوئے بلند آواز سے پکار رہے تھے: "یاایھا الناس مات الیوم حِبّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ

علیہ وسلم فابکوہ۔"

اے لوگو! آج نبی اکرمؐ کے محبوب کا انتقال ہو گیا ہے تو اس پر رو کر خوب اظہار رنج کرو۔ (تاریخ ابن عساکر لابن منظور جلد 7 ص 46 تحت الحسن بن علیؓ، سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث ص 227، البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 44)

جن "مولویوں اور مؤرخوں" کی گھٹی میں "مروان دشمنی" شامل ہوان کے علاوہ کوئی صاحب بصیرت انسان اس قسم کے بے ہودہ الزامات کو ایک لحہ کے لیے بھی صحیح تسلیم نہیں کرسکتا۔

معلوم نہیں کہ حافظ ابن عبدالبر نے "مقام تخمین" سے ایک نامعلوم روح سے کس طرح تدفین حسنؓ کی روایت حاصل کر کے اس میں مزید ایک الزام کا اضافہ کردیا۔:

"فبلغ ذٰلك مروان ، فقال مروان: كذب و كذبت والله لايدفن هناك أبداً ، منعوا عثمان من دفنه في المقبرة و يريدون دفن حسن في بيت عائشة ...."

(الاستیعاب مع الاصابہ الجزء الاول ص 377)

جب یہ بات (کہ حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ کو روضۂ رسولؐ میں دفن کرنا چاہتے ہیں اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس کی اجازت دے دی ہے) مروان تک پہنچی تو انہوں نے کہا کہ اس (یعنی حضرت حسینؓ) نے جھوٹ کہا اور حضرت عائشہؓ نے بھی جھوٹ کہا (العیاذ باللہ) اللہ کی قسم انہیں کسی طور پر بھی یہاں دفن نہیں ہونے دیا جائے گا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو تو مقبرہ میں دفن ہونے سے روک دیا تھا اور وہ خود حضرت حسنؓ کو حضرت عائشہؓ کے گھر میں دفن کرنا چاہتے ہیں۔

پتہ نہیں حافظ صاحب نے کس "حال" میں اس "اکذب الحدیث" کو نقل کردیا اور علامہ سید سلیمان ندوی جیسے نقادان پر اعتماد کرتے ہوئے اس بدبودار اور موضوع روایت کی تصدیق کر بیٹھے۔ اس روایت کے "جھوٹا" ہونے کے لیے قطعاً کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا متن خود اس کا ثبوت ہے۔ حافظ ابن عبدالبر یہ بتارہے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ شاید حضرت عائشہؓ نے مروت سے مقبرہ میں

دفن کی اجازت دے دی ہو۔ آپ میری وفات کے بعد ایک مرتبہ پھر ان سے پوچھ لیں۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ نے ان کا یہ پیغام ام المؤمنین تک پہنچایا تو انہوں نے خوشی کے ساتھ اجازت دے دی۔ "فبلغ ذلك مروان ...." تو یہ بات جب مروان تک پہنچی۔

حضرت مروانؓ یہ بات کیوں کر کہہ سکتے تھے وہ خود محاصرہ عثمانی کے ایک ایک واقعہ کے چشم دید گواہ تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ حضرات حسنینؓ دار عثمانؓ کے پہرے دار رتھے، وہ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ نہ تو حضرت عثمانؓ نے مقبرے میں دفن ہونے کی کبھی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی حضرات حسنینؓ اس امر میں مانع ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کو تو جنت البقیع میں دفن نہیں ہونے دیا گیا تھا اور اس سے منع کرنے والے صحابہ و تابعین نہ تھے بلکہ خود قاتلین عثمانؓ تھے۔ سخت تعجب ہے کہ ایک بے ہودہ اور بالکل بے بنیاد بات حافظ ابن عبدالبر نے کیوں کر نقل کر دی؟

شاہ معین الدین ندوی نے استیعاب کے علاوہ اپنا دوسرا ماخذ "مروج الذهب للمسعودی" بیان کیا ہے۔ اس سے کم از کم یہ بات تو ضرور معلوم ہو گئی ہے کہ اس روایت پر مسعودی کا کوئی ہم مذہب ہی اعتماد اور یقین کر سکتا ہے۔

ممتاز شیعہ مجتہد مرزا یوسف حسین لکھتے ہیں کہ:

"عائشہ نے اونٹ پر سوار ہو کر حضرت علیؑ سے مقابلہ کیا، خچر پر سوار ہو کر حسنؑ کا جنازہ روضۂ رسولؐ میں دفن نہیں ہونے دیا اور اگر زندہ رہتی تو ہاتھی پر بھی سوار ہو گی۔" (وفات عائشہ ص 41)

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مروانؓ رکاوٹ نہیں بنے تھے بلکہ خود حضرت عائشہؓ نے ہی نہ اجازت دی تھی اور نہ ہی انہیں یہاں دفن ہونے دیا تھا۔ چونکہ اس قول سے شاہ معین الدین صاحب کا سارا ڈرامہ "فلاپ" ہو رہا تھا اس لیے انہوں نے نیچے حاشیہ میں اس قول کی پرزور تردید کر دی اور صرف حضرت مروانؓ کو ہی "مجرم" بنانے پر اپنا سارا زور قلم صرف کر دیا۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"اس موقع پر بھی حرم نبوی کے دشمنوں نے ایک روایت مشہور کردی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اجازت نہیں دی اور حضرت حسنؓ کے روضۂ نبوی میں دفن ہونے میں مزاحم ہوئیں۔ مگر یہ روایت بھی امیر معاویہؓ کے شرائط کی طرح حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔" (سیر الصحابہ جلد 4۔ حصہ ششم ص 25۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

دراصل روایت سازوں نے زیر بحث روایت حضرت عمر فاروقؓ کی اس خواہش کو پیش نظر رکھتے ہوئے گھڑی جس کا اظہار انہوں نے اپنے آخری وقت زخمی ہونے کے بعد اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کیا تھا۔ جس پر بعد میں باقاعدہ عمل بھی کیا گیا تھا۔ یہاں انہوں نے یہ سمجھا کہ حضرت حسنؓ کی (مزعومہ) خواہش پر اگرچہ عمل تو نہ ہوسکا لیکن اس سے کچھ لوگوں کے بدنام ہونے کے علاوہ تا قیامت پروپیگنڈہ مہم بھی جاری رہے گی۔

حضرت عمرؓ نے جان کنی کے وقت اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا:

ام المؤمنین عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو عمر آپ کو سلام کہتا ہے۔ یہ نہ کہنا کہ امیر المؤمنین آپ کو سلام کہتے ہیں اس لیے کہ اس وقت میں مومنوں کا امیر نہیں ہوں۔ عمر آپ سے روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے کی اجازت مانگتا ہے۔

جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس اجازت کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی تو انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

جب میں مر جاؤں تو میرے جنازے کو اٹھا کر لے چلنا پھر حجرہ کے باہر سے ام المؤمنینؓ کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ عمر بن خطاب یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کردینا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں لے جا کر دفن کردینا۔ (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری۔ کتاب فضائل الصحابہ۔ رقم الحدیث 3700)

حکیم فیض عالم صدیقی مرحوم حضرت حسنؓ کی تدفین کے حوالے سے زیر بحث روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اسی قسم کے خرافات سے تیار شدہ داستان سیدنا حسنؓ کی تدفین کے متعلق بھی دوہرائی

جارہی ہے اور سب سے بڑھ کر ظلم یہ کہ ندوۃ المصنفین، اعظم گڑھ جیسے مقام سے جو کچھ اس قسم کی خرافاتی داستانوں کی صورت میں پیش کیا گیا وہ صریحاً سبائیت کی ترجمانی بلکہ حق وکالت کے فرائض کی ادائیگی کی صورت میں سمِ قاتل بن کر پورے اماس ملت کو مسموم کرنے کا موجب بن رہا ہے۔

(تاریخ اسلام حصہ اول مؤلفہ مولانا شاہ معین الدین احمد کا صفحہ 388، 389 دیکھیے جس کا دیباچہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے)

کاش کہ ان اصحاب کی نظروں سے کنز العمال جلد 7۔صفحہ 268 کی یہ روایت گزری ہوتی:

''صدیقہؓ کائنات نے حضور صادق ومصدوق خاتم المعصومینؐ سے آنحضرتؐ کی زندگی میں حضورؐ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگی۔مگر آنحضرتؐ نے فرمایا:

انّی لی بذلك من موضع ما فیه الّا موضع قبری و قبر أبی بکر و عمر و عیسیٰ بن مریم۔

میرے پاس کسی اور کے دفن ہونے کی گنجائش ہی کہاں؟ یہاں تو صرف میری قبر اور ابوبکرؓ وعمرؓ اور عیسیٰ بن مریم کی قبروں کی جگہ کے سوا اور کسی کی جگہ ہی نہیں۔

(سیدنا حسن ابن علی رضی اللہ عنہما۔ص 82-83)

محترم جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب بھی ''تدفین سیدنا حسنؓ'' کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''یہ روایت یا اس قسم کی دوسری روایت جن لوگوں نے بھی نقل کی ہے وہ سراسر غلط اور کذب ہیں۔نہ سیدنا حسنؓ نے وہاں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار فرمایا اور نہ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں دفن ہوسکتے تھے کیونکہ وہ حجرہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اگرچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی ملکیت ہے لیکن خود انہوں نے بھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے پہلو میں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپؐ نے فرمایا: میرے پاس کسی اور کے دفن ہونے کی گنجائش ہی کہاں؟ کیونکہ یہاں تو صرف میری

قبر اور ابو بکر و عمرؓ کی قبور اور عیسیٰ بن مریم کی قبر کے سوا اور کسی کی قبر کی جگہ ہی نہیں۔"

(سیدنا حسن بن علیؓ۔ تاریخ کے آئینہ میں۔ مطبوعہ "تخلیقات" لاہور)

حکیم فیض عالم صدیقی صاحب اور حکیم محمود احمد ظفر صاحب نے "تدفین سیدنا حسنؓ" کی روایت کو جس روایت کے ذریعے غلط قرار دیا ہے وہ "روایت" بھی بوجوہ صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ وہ صحیح بخاری کی متعدد احادیث سے متصادم ہے۔

زیر بحث حدیث کی درایتی حیثیت ملاحظہ فرمائیں:

اوّلاً:۔

حضرت عائشہؓ نے نبی اکرمؐ کے ساتھ دفن ہونے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔

ثانیاً:۔

اگر نبی اکرمؐ نے اپنی قبر کی جگہ حضرت عائشہؓ کو بتا دی تھی تو پھر اس مسئلہ پر نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کے مابین بحث کیوں ہوئی؟

ثالثاً:۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زیر تبصرہ حدیث سے استدلال کیوں نہیں فرمایا؟ جب کہ اس موقع پر ایک دوسری روایت پیش کی کہ نبی جس مقام پر فوت ہوتے ہیں اسی جگہ ان کی قبر ہوتی ہے۔

رابعاً:۔

حضرت عائشہؓ سے اگر نبی اکرمؐ پہلے یہ فرما چکے تھے کہ:

"میرے پاس اور کسی کے دفن ہونے کی گنجائش ہی کہاں؟ کیونکہ یہاں تو صرف میری اور ابو بکر و عمر اور عیسیٰ بن مریم کی قبور کے علاوہ کسی اور کی قبر کی جگہ ہی نہیں۔"

تو پھر حضرت عائشہؓ نے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کے پیغام کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ کیوں فرمایا تھا؟ کہ:

"کنت ارید لنفسی فلأوثرنّه الیوم علی نفسی ...." (صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب ماجاء فی قبر النبیّ صلّی الله علیه وسلّم وابی بکرؓ وعمرؓ رقم الحدیث 1392)

اس جگہ کو میں اپنے لیے پسند کرتی تھی لیکن میں آج عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔

خامساً:۔

اگر حکیم فیض عالم صاحب اور حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی مستدل روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کی قبر کے بعد چوتھی قبر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے لیے مختص ہو چکی تھی تو پھر حضرت عائشہؓ کو اپنی وفات سے پہلے یہ وصیت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ:

"انّھا اُوصت عبداللّٰہ بن الزبیرؓ لا تدفنّی معھم و ادفنّی مع صواحبی بالبقیع لا ازکّٰی بہ ابداً" (صحیح بخاری کتاب الجنائز۔باب ماجاء فی قبرالنبیؐ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم و اُبی بکروعمر۔رقم الحدیث 1391)

حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بطور تواضع وصیت فرمائی کہ مجھے ان لوگوں (نبی اکرمؐ، ابو بکرؓ و عمرؓ) کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا۔ اس طرح میں ان سے برتری حاصل نہ کر سکوں گی۔

ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

"قالت لعبداللّٰہ ابن الزبیرؓ ادفنّی مع صواحبی ولاتدفنّی مع النبیؐ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم فی البیت فانّی اکرہ اُن اُزکّٰی ...."(صحیح بخاری ، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب ماذکرالنبیؐ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم....رقم الحدیث 7327)

حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو وصیت کی کہ مجھے دیگر ازواج مطہراتؓ کے ساتھ دفن کرنا، نبی اکرمؐ کے ساتھ دفن نہ کرنا کیونکہ میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ (دوسری ازواج مطہراتؓ کے مقابلہ میں) مجھے کوئی برتر مقام دیا جائے۔

حضرت عائشہؓ کی عاجزی و تواضع کا اندازہ صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ:

حضرت عائشہؓ کی طبیعت سخت خراب تھی۔ وفات سے قبل حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے برائے عیادت اجازت طلب کی لیکن حضرت عائشہؓ نے کچھ تامل کیا اس خوف سے کہ وہ

میری تعریف کریں گے۔ کسی نے ان سے کہا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور مسلمانوں میں ذی وجاہت ہیں تو فرمایا انہیں اجازت دے دو۔

ابن عباسؓ اندر آئے اور پوچھا آپ اپنے آپ کو کیسا پاتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اگر مجھ میں تقویٰ ہے تو خیریت سے ہوں۔ ابن عباسؓ نے کہا: آپ ان شاءاللہ خیر و عافیت ہی میں رہیں گی۔ آپ رسول اللہ کی زوجہ ہیں۔ آپ کے علاوہ کسی دوشیزہ سے آپؐ نے نکاح نہیں کیا، آپ کی برأت آسمان سے اتری۔

اس کے بعد ابن زبیرؓ آئے تو حضرت عائشہؓ نے ان سے فرمایا: ابن عباسؓ آئے تھے انہوں نے میری تعریف کی "وددت انی کنت نسیًا منسیاً۔" مگر میں تو چاہتی ہوں کہ میں گمنام اور بھولی بسری ہوتی۔

(صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ نور باب "ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا أن نتکلم بھذا سبحنك ھذا بھتان عظیم" رقم الحدیث 4753)

صحیح بخاری کی مذکورہ روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیغام سے پہلے حضرت عائشہؓ کا اپنا خیال یہ تھا کہ ان کی قبر بھی نبی اکرمؐ اور اپنے والد کی قبر کے ساتھ ہو لیکن حضرت عمرؓ کے اجازت مانگنے کے بعد انہوں نے ان کی خواہش کو اپنی خواہش پر ترجیح دے دی۔

پھر روضۂ رسولؐ میں یکم محرم 24ھ کو حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد حضرت عائشہؓ تقریباً 34 سال 8 ماہ اور 16 دن تک زندہ رہیں اور 17 رمضان المبارک 58ھ کو وفات پائی۔ اس طویل عرصہ میں انہوں نے وہاں دفن ہونے کے متعلق کوئی اظہار خیال نہیں فرمایا حتیٰ کہ اپنی آخری بیماری میں اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر یہ وصیت کی کہ مجھے جنت البقیع میں دفن کرنا کیونکہ روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے سے انہیں دیگر ازواج مطہرات پر ایک گونہ فضیلت ملتی تھی اس لیے انہوں نے تواضع اختیار کرتے ہوئے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ ہی جنت البقیع میں دفن ہونا مناسب سمجھا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نہ تو حضرت حسنؓ نے روضۂ رسولؐ میں دفن

ہونے کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی حضرت مروانؓ نے کوئی مزاحمت کی۔

سخت افسوس ہے کہ مولانا سید احمد رضا بجنوری اور مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی وغیرہما نے محض "مروان دشمنی" میں اس باطل روایت کو نقل کر کے اپنے "عقیدت مندوں" کو غلط راہ پر ڈال دیا۔

سادساً:۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ روضہ رسولؐ میں دفن ہونے کی حضرت حسنؓ سے زیادہ مستحق حضرت فاطمہؓ تھیں جنہوں نے دورِ صدیقی میں نبی اکرمؐ کے صرف 6 ماہ بعد رمضان 11ھ میں وفات پائی تھی اور اس وقت بنو امیہ کے پاس نہ خلافت تھی اور نہ ہی مدینہ منورہ کی گورنری کہ وہ مزاحم ہوتے۔ نیز اس وقت روضہ رسولؐ میں نبی اکرمؐ کی قبر مبارک کے علاوہ کوئی دوسری قبر بھی نہ تھی مگر اس بارے میں نہ حضرت فاطمہؓ کی کوئی وصیت سامنے آئی اور نہ ہی حضرت علیؓ کی کوئی خواہش۔

سابعاً:۔

حضرت فاطمہؓ کے بعد نبی اکرمؐ کے محبوب چچا حضرت عباسؓ فی الواقع اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ وہاں ان کی تدفین عمل میں آتی۔ انہوں نے 32ھ میں دورِ عثمانی میں وفات پائی تھی۔ حضرت عثمانؓ کا تعلق اگرچہ خاندانِ بنو امیہ کے ساتھ تھا لیکن اگر اس طرح کی کوئی خواہش یا وصیت ہوتی تو کوئی بھی مزاحم نہ ہوتا۔

حضرت علیؓ رمضان 40ھ میں کوفہ میں جب کہ حضرت حسینؓ محرم 61ھ میں کربلا میں شہید ہوئے۔ اس لیے ان کی تدفین بھی ان ہی مقامات پر عمل میں آئی۔

ثامناً:۔

حضرت زین العابدین محرم 94ھ میں ولید بن عبدالملک بن مروانؓ کے عہد خلافت میں فوت ہوئے اور اس وقت مدینہ منورہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیز بن مروانؓ تھے جو شیعہ وسنی دونوں کے ہاں انتہائی قابل احترام اور خلیفہ راشد مانے جاتے ہیں۔ اگر وہ بھی کوئی

وصیت فرماتے تو اس کے مطابق عمل ہوتا اور جنت البقیع میں ان کی تدفین نہ ہوتی۔

تاسعاً:۔

اس کے بعد حضرت باقر ذی الحج 114ھ میں ہشام بن عبدالملک بن مروان کے دور میں فوت ہو کر جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ان کی بھی روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے کی کوئی وصیت نہیں پائی جاتی۔

عاشراً:۔

132ھ میں بنی امیہ کی خلافت ہی کا خاتمہ ہو گیا تھا اور اس کی جگہ حضرت علیؓ کے خاندان (بنو عباس) کی خلافت قائم ہو گئی تھی۔خلیفہ منصور عباسی کے دور میں ایک اہم ترین شخصیت حضرت جعفر صادق (جن کی طرف فقہ جعفریہ منسوب ہے) 148ھ میں فوت ہوئے۔حکومت بھی اپنے ہی خاندان کی تھی اس کے باوجود ان کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

اس طرح ''حضرت فاطمہؓ،حضرت عباسؓ،حضرت حسنؓ،حضرت زین العابدینؒ، حضرت محمد الباقر اور حضرت جعفر صادق'' کی قبور جنت البقیع میں واقع ہیں اور روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے کے لیے کسی نے بھی کوئی وصیت نہیں کی تھی۔

حضرت حسنؓ کی روضۂ رسولؐ میں عدم تدفین کی وجہ سے بعض علمائے اہل سنت حضرت مروانؓ کو مطعون کرنے میں اہل تشیع سے بھی سبقت لے گئے ہیں کیونکہ ان کی امہات الکتب میں حضرت حسنؓ کے روضۂ رسولؐ میں دفن کرنے کی کوئی وصیت نہیں پائی جاتی۔بلکہ انہوں نے جنت البقیع میں دفن ہونے کی وصیت نقل کی ہے۔

شیعہ مذہب کی اہم ترین کتاب ''اصول کافی'' مؤلفہ محمد بن یعقوب کلینی (م329ھ) جس کے پہلے صفحہ پر ہی امام مہدی کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ''ھذا کاف لشیعتنا'' یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے؛ اس میں حضرت حسنؓ کی وصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ:

''...عن محمد بن مسلم قال سمعت أبا جعفر علیه السلام یقول: لمّا حضرت الحسن بن علیّ علیه السلام الوفاة قال للحسین علیه السلام یاأخی انّی اوصیك بوصیّة

فاحفظها: اذا انامت فهيئني ثم وجهني الى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لأحدث به عهداً ثم اصرفني الى امي عليها السلام ثم ردني فادفني بالبقيع ....'' (اصول كافي ـ كتاب الحجة ـ باب الاشارة والنص على الحسين بن عليّ عليهما السلام)

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر (امام محمد الباقر) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب حضرت حسنؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت حسینؓ سے کہا: اے برادر! میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں اس پر نظر رکھنا۔ جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ تیار کرنا۔ میرا رخ قبر رسولؐ کی طرف کرنا تا کہ ان سے اپنے عہد کو تازہ کروں پھر میرا رخ والدہ گرامی کی قبر کی طرف کرنا پھر مجھے بقیع میں دفن کر دینا....

دنیائے شیعیت کے عظیم مجتہد شیخ مفید (م 413ھ) لکھتے ہیں کہ:

''جب امام حسنؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے امام حسینؑ کو بلا کر فرمایا کہ: اے بھائی میں آپ سے جدا ہو کر اپنے پروردگار سے ملنے والا ہوں۔ مجھے زہر مل چکا ہے۔ میرے جگر کے ٹکڑے (کٹ کر) طشت میں گرے ہیں۔ میں جانتا ہوں جس نے مجھے زہر کا پیالہ پلایا ہے اور جہاں سے مکاری سے بھیجا گیا ہے اللہ کے ہاں اس سے جھگڑوں گا۔ آپ کو میرے حق کی قسم اس میں آپ کوئی بات نہ کرنا اور انتظار کرنا کہ خدا میرے سلسلہ میں کیا سبیل پیدا کرتا ہے۔

جب میں گزر جاؤں تو آپ میری آنکھیں بند کرنا، غسل و کفن دینا اور میرے تابوت کو اٹھا کر میرے نانا رسول اللہ کی قبر کے پاس لے جانا تا کہ میں ان سے تجدید عہد کر لوں پھر مجھے میری دادی فاطمہ کی قبر کی طرف واپس لے جا کر وہاں دفن کرنا....

{تذکرۃ الاطہار ترجمہ کتاب الارشاد۔ مؤلفہ آیت اللہ علامہ شیخ مفید۔ مترجمہ سید صفدر حسین نجفی (حوزہ علمیہ جامعہ المنتظر لاہور) مطبوعہ امامیہ پبلی کیشنز لاہور}

رئیس المحدثین ملا محمد باقر مجلسی (م 1110ھ) لکھتے ہیں کہ جس وقت وفات امام حسنؑ کا وقت ہوا، امام حسینؑ کو بلایا اور کہا: اے برادر گرامی! میں تم کو چند وصیتیں کرتا ہوں۔ میری ان

وصیتوں کی حفاظت کرنا۔ جب میں دنیا سے رحلت کروں، مجھے غسل دینا، کفن پہنانا اور مجھے میرے نانا رسولِ خدا کے پاس لے جانا کہ ان کی زیارت کروں اور اپنا عہد ان سے تازہ کروں۔ اس کے بعد مجھے میری ماں فاطمہ کی قبر کے پاس لے جانا۔ اس کے بعد مجھے قبرستان بقیع میں لے جا کر دفن کرنا.... (جلاء العیون جلد اول ص 438-439۔ مترجمہ از سید شاہد حسین شاہد۔ مطبوعہ مجلسی کتب خانہ شیخوپورہ)

اہل تشیع کی امہات الکتب (اصول کافی، کتاب الارشاد اور جلاء العیون) سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت حسنؓ نے روضۂ رسولؐ میں سرے سے تدفین کی کوئی وصیت ہی نہیں کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید احمد رضا بجنوری وغیرہ نے محض بغض وتعصب کی بناء پر حضرت مروانؓ کو اس معاملے میں بھی ہدفِ تنقید بنا ڈالا۔ فیا اسفا!

زیر بحث روایت کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات بھی کافی ہے کہ حضرت حسنؓ تو اپنے بھائی کو وصیت کر رہے ہیں کہ مجھے بقیع میں دفن کرنا اور وفات کے فوراً بعد وہ اس وصیت کو غصے کی وجہ سے بھول گئے اور ہتھیار بند ہو کر "مرنے اور مارنے" کے لیے تیار ہو گئے لیکن بقول بجنوری صاحب "اگر حضرت ابوہریرہؓ بیچ میں پڑ کر حضرت حسینؓ کو دفن بقیع کے لیے آمادہ نہ کر لیتے تو وہاں قتل وقتال کی نوبت آجاتی۔"

بہر حال اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت مروانؓ پر یہ الزام کہ انہوں نے حضرت حسنؓ کو روضۂ رسولؐ میں دفن نہیں ہونے دیا تھا محض کذب وافتراء اور تعصب پر مبنی ہے۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر خطبہ کو نماز عید سے مقدم کرنے کا الزام

سیدنا مروانؓ پر سیدنا علیؓ کو سب وشتم کرنے کے الزام کا تجزیہ پیچھے گزر چکا ہے۔ زیر بحث الزام بھی دراصل اسی سے ہی متعلق ہے بلکہ بعض علمائے اہل سنت نے تو اسے سیدنا علیؓ پر سب وشتم کے الزام کی تائید میں دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ:

"ویقال انّ اول من خطب قبل صلوۃ مروان بن الحکم أی بنیّۃ فاسدۃ... وأما مروان فکان یعرض فی خطبتہ باھل بیت النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ویسیء الادب بھم فلمّا رأی النّاس ذٰلک وأن لیس لھم صبر علی استماع أذاھم رضی اللّٰہ عنھم وجعلوا یذھبون اذا فرغوا من الصّلوۃ وترکوا خطبۃ مروان أن یسمعوھا فقدم مروان الخطبۃ علی الصّلوۃ لیلجئھم الی سماعھا فکان فعلہ ذٰلک خبثاً ظاھراً فانکروا علیہ" (الکوکب الدریّ تحت ابواب العیدین مع جامع الترمذی جلد اول ص 70)

اور کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس آدمی نے بری نیت کے ساتھ عید کا خطبہ نماز پر مقدم کیا وہ مروان تھا....

مگر مروان اپنے خطبہ میں اہل بیت نبیؐ پر طعن وتعریض کرتا تھا اور ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا اور وہ اہل بیت کی ایذا پر صبر نہ کر سکے تو وہ نماز سے فارغ ہونے کے فوراً بعد مروان کا خطبہ چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ تب مروان نے خطبۂ عید کو نماز پر مقدم کر دیا تا کہ ان کو نماز کی خاطر مجبوراً خطبہ سننا پڑے۔ مروان کا یہ فعل صریح خباثت پر مبنی تھا جس کی وجہ سے لوگوں نے نفرت کا اظہار کیا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

"ویقال أنّ من أول من خطب قبل صلوۃ فی العیدین مروان بن الحکم۔ کان

مروان بن الحکم ظالماً فحّاشاً ، مستدبراً عن سنّة علیه السلام و کان یسبّ النّاس فی المجامع مثل الجمعة و الاعیاد والنّاس کانوا لا ینتظرون بعد الصّلوٰة الی الخطبة لسبّه فی اثناء الخطبة فلذا قدّم الخطبة علی الصّلوٰة لئلاّ ینتشر النّاس و کانوا ینتظرون للصّلوٰة لا محالة "(التقریر للترمذی مع جامع الترمذی جلد اول ص 18)

اور کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے نمازِ عیدین سے پہلے خطبہ دیا وہ مروان بن حکم تھا۔ مروان بے حد پرلے درجے کا ظالم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پیٹھ دکھانے والا اور اس سے منہ موڑنے والا تھا اور لوگوں پر جمعہ اور عیدین کے مجمع ہائے عام میں سب و شتم کرتا تھا اور لوگ اس سب و شتم کی وجہ سے نمازِ عید کے بعد خطبہ کا انتظار کیے بغیر چلے جاتے تھے۔ اسی لیے اس نے نماز پر خطبہ کو مقدم کیا تاکہ لوگ منتشر نہ ہو سکیں کیونکہ ان کے لیے نماز کا انتظار تو ناگزیر تھا۔

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

"السنة الخطبة بعد العیدین و تلقاه الامة بالقبول و خالفها مروان فانّه کان یهجو فی خطبته علیاً رضی اللّٰه عنه واستنکره النّاس و کانوا لا یسمعون الخطبة فقدّم الخطبة یستمعوها ...."(العرف الشّذی ص 229۔مع جامع الترمذی جلد اول ص 762۔تحت ابواب العیدین باب فی صلوٰة العیدین قبل الخطبة)

سنت یہ ہے کہ خطبہ عیدین کی نماز کے بعد ہو اور اسے امت کی طرف سے "تلقّی بالقبول" بھی حاصل ہے جب کہ مروان نے اس سنت کی مخالفت کی کیونکہ وہ خطبہ میں حضرت علیؓ کی "ہجو" و مذمت کرتا تھا۔ لوگوں نے اسے برا سمجھا اور وہ خطبہ نہیں سنتے تھے لہٰذا مروان نے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا تاکہ لوگ اس کا خطبہ سننے پر مجبور رہوں۔

یہاں یعنی "العرف الشذی" میں "یهجو علیاً" کے الفاظ آئے ہیں جب کہ "فیض الباری" میں "یهجو" کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"لأنّه كان يسبّ عليّا و كان النّاس يقومون عنها فقدّمها۔"

(فیض الباری الجزء الثانی ص539)

چونکہ مروان خطبہ میں حضرت علیؓ پر سبّ کرتا تھا اور لوگ خطبہ سے کھڑے ہو جاتے تھے لہٰذا اس نے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا۔

ایک دوسرے مقام پر حضرت مولانا بجنوری بحوالہ مولانا عبداللہ خان فرماتے ہیں کہ:

"اس زمانہ میں مسجد نبوی کا خطیب مروان تھا جو سلطنت نامرضیہ بنی امیہ کی جانب سے والی مدینہ تھا۔ مروان حکومت متسلطہ (یعنی خلافتِ معاویہؓ) کا ایک رکن ہونے کے علاوہ خود بھی بڑا ظالم و جابر تھا۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان بد بخت حکام کا طرزِ عمل بے حد گستاخانہ تھا حتیٰ کہ خطبوں میں دل آزار کلمات کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے اس لیے "علماءِ کرام" ان لوگوں کے خطبے سننا بھی پسند نہ کرتے تھے اور غالباً حضرت ابو سعید خدریؓ نے مروان کا خطبہ سننے کی نسبت سے یہی بہتر سمجھا ہوگا کہ کچھ نماز ہی پڑھ لیں...

اور مروان کے خطبہ کے لیے شرعی خطبہ کا حکم ہی بمشکل دیا جا سکتا تھا اس لیے حضرت ابو سعید خدریؓ کی اس وقت کی نماز کو بطور دلیل پیش کرنا بے سود ہے....

(انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 16۔ ص338)

حضرت شاہ صاحب کے داماد اور مؤلف انوار الباری مزید لکھتے ہیں کہ:

"یہاں (خطبہ قبل صلوٰۃ عید) جو واقعہ مروان کا بیان ہوا ہے وہ اس زمانہ کا ہے جب وہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ طیبہ کا گورنر تھا اور حضرت شاہ صاحب نے اس موقع پر فرمایا کہ: مروان رجال بخاری سے ہے اور وہ بڑا فتنہ پرداز اور (اس نے) صحابی کو قتل کیا ہے۔ قبل نماز کے خطبہ اس لیے کیا تھا کہ حضرت علیؓ پر سب و شتم کرے اور لوگوں کو سنائے۔ امام بخاری اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ ایسے شخص کو کیوں راوی بنایا؟"

(انوار الباری شرح صحیح البخاری۔ جلد 17۔ ص192)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ:

"عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا بدعت سیئہ ہے اور مروان کی عادت تھی کہ خطبہ میں صحابہؓ کو برا کہتا تھا۔ اس لیے مسلمان نماز سے فارغ ہو کر بغیر خطبہ سنے چل دیتے تھے۔ کیونکہ خطبہ عیدین کے لیے نشست واجب تو ہے نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اس وجہ سے مروان نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا شروع کیا کہ مجبوراً لوگوں کو بیٹھنا پڑے نماز کے انتظار میں کیونکہ بغیر پڑھے تو لوگ جا نہیں سکتے جیسا کہ بغیر خطبہ سنے چلے جاتے تھے۔"

(تقریر ترمذی۔ باب فی صلوۃ العیدین قبل الخطبۃ ص 149۔ بہ تقدیم و نظر ثانی شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

مذکورہ عبارات میں اکابر علمائے اہل سنت نے تو پہلے "یقال" یعنی بصیغۂ تمریض نمازِ عید سے پہلے خطبہ کو مقدم کرنے کی نسبت حضرت مروانؓ کی طرف کی کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ کام کیا پھر اس کی علت یہ بیان کی کہ وہ اپنے خطبات جمعہ و عیدین میں "بری نیت" کے ساتھ اہل بیت نبیؐ پر طعن و تعریض کے علاوہ ان کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ اہل بیت کی ایذا پر صبر نہ کر سکے اور انہوں نے خطبہ سننا ہی چھوڑ دیا۔ (حضرت گنگوہی)

شیخ الہند نے فرمایا کہ مروان لوگوں پر سب و شتم کرتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور مولانا بجنوری نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذمت کرتا تھا اور انہیں گالیاں دیتا تھا اس لیے "علماء کرام" اس کا خطبہ نہیں سنتے تھے (یعنی "علماء" کے علاوہ باقی لوگ سن لیتے تھے) جس کی بناء پر اس نے خطبہ نمازِ عید سے پہلے دینا شروع کر دیا تا کہ نماز کی ادائیگی کی خاطر لوگوں کو مجبوراً بیٹھنا پڑے۔

پھر اس بات (یعنی سب سے پہلے مروان نے خطبہ کو نماز سے مقدم کیا تھا) کو اپنے زعم میں یقینی و قطعی خیال کرتے ہوئے حضرت مروانؓ (جو "رؤیتاً" صغار صحابہ میں سے ہیں جب کہ "روایتاً" کبار تابعین میں سے ہونے کی بناء پر ارشادات نبوی: خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم .... خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم.... کے یقیناً مصداق

ہیں) پر تیرہ / چودہ سو سال بعد "سب وشتم" کی خوب بوچھاڑ کر دی کہ:

مروان کی بری نیت تھی (جس کا علم صرف "علام الغیوب" اور "علیم بذات الصدور" ہی کو ہو سکتا ہے)، اس کا یہ فعل صریح خیانت پر مبنی تھا (حضرت گنگوہی)، مروان بے حد پرلے درجے کا ظالم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پیٹھ دکھانے والا، سنت سے منہ موڑنے والا، لوگوں پر جمعہ اور عیدین کے مجمع ہائے عام میں سب وشتم کرنے والا تھا (حضرت شیخ الہند)۔

مروان مخالف سنت تھا، سلطنت نامرضیہ بنی امیہ و حکومت متسلطہ (خلافت معاویہؓ) کی طرف سے انتہائی فتنہ پرداز اور ظالم و جابر گورنر تھا۔ (انوار الباری)

اور مروان "بدعت سیئہ" کا مرتکب تھا اور خطبہ میں صحابہؓ کو برا بھلا کہنا اس کی عادت تھی۔ (حضرت تھانوی)

سخت حیرت ہے کہ تیرہ و چودہ سو سال بعد غیظ و غضب کا یہ حال ہے اگر یہ حضرات خود اپنے کانوں سے حضرت مروانؓ کو سب وشتم کرتا ہوا سن لیتے تو معلوم نہیں کہ اس سے بڑھ کر وہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے؟

پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ اس وقت موجود صحابہ و تابعین نے "نھی عن المنکر" کا فریضہ سرانجام دینے کے بجائے فقط خطبہ کے "عدم سماع" پر ہی کیوں اکتفاء کر لیا تھا؟

پھر یہ بھی حیران کن امر ہے کہ وہ سال میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے صرف دو مواقع پر خطبہ کے وقت "بائیکاٹ" کر کے اپنا "احتجاج" ریکارڈ کرا لیتے تھے لیکن سال کے تقریباً 52 خطبات جمعہ میں وہ خاموشی سے یہ سب کچھ برداشت کر جاتے تھے۔ یہ ملحوظ رہے کہ حضرت مروانؓ مختلف اوقات میں دس سال تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے اور اس دوران میں وہ خطبات جمعہ بھی دیتے رہے۔

انوار الباری میں تو مزید ایک فتویٰ نقل کیا گیا: جس کی زد میں اس وقت مسجد میں موجود جملہ صحابہ و تابعین بالخصوص حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت سلیک آجاتے ہیں۔

فقہاء کے نزدیک یہ ایک "مختلف فیہ" مسئلہ ہے کہ خطبہ کے دوران میں نماز سنت یا تحیۃ المسجد پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں۔ صحیح حدیث سے اس کا جواز یا تاکید ثابت ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک "تحیۃ المسجد" پڑھنا مستحب ہے جب کہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک دورانِ خطبہ کسی قسم کا کلام یا نماز جائز نہیں۔

امام بخاری نے تو صحیح بخاری میں ایک باب کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ:

"اذا رأی الامام رجلاً جاء وھو یخطب أمره أن یصلی رکعتین۔"

جب امام خطبہ ارشاد فرما رہا ہو اور وہ اس دوران کسی شخص کو آتا ہوا دیکھے تو وہ اس کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دے۔

پھر اس باب میں یہ حدیث لائے ہیں کہ ایک شخص (مسجد میں) آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا: اے فلاں کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھ لو۔

"جاء رجل والنبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یخطب النّاس یوم الجمعة۔فقال: أصلّیت یافلان؟فقال: لا۔قال: قم فارکع(رکعتین)"

(صحیح بخاری کتاب الجمعة باب اذا رأی الامام رجلاً جاء وھو یخطب امره أن یصلی رکعتین۔رقم الحدیث 930)

اس سے اگلے باب میں بھی امام بخاری نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ:

"دخل رجل یوم الجمعة والنبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یخطب فقال: أصلّیت قال لا۔قال: قم فصلّ رکعتین"(صحیح بخاری۔کتاب الجمعة باب من جاء والامام یخطب صلّی رکعتین خفیفتین۔رقم الحدیث 931)

ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟

اس نے جواب دیا: نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: کھڑا ہو اور ہلکی سی دو رکعتیں پڑھ لے۔

ان احادیث کی روشنی میں بعض صحابہ و تابعین جمعہ کے دن دورانِ خطبہ نماز پڑھتے رہے ہیں اور آج بھی شوافع و حنابلہ اس پر عمل پیرا ہیں۔

مولانا عبداللہ خان تلمیذ حضرت علامہ کاشمیری نے جمعہ کے دن دورانِ خطبہ نماز پڑھنے کی ''عجیب'' تاویل فرمائی ہے کہ:

''مروان بڑا ظالم و جابر تھا۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان بد بخت حکام کا طرز عمل بے حد گستاخانہ تھا حتیٰ کہ خطبوں میں دل آزار کلمات کہنے سے گریز نہیں کرتے تھے اور اپنے امراء کی قصیدہ خوانی بھی کرتے تھے۔ (گورنر تو خود ''امراء'' میں شامل ہے ظاہر ہے کہ وہ خطبہ میں اپنے خلیفہ حضرت معاویہؓ ہی کی خوشامد کرتے ہوں گے) اس لیے علماء کرام ان لوگوں کے خطبے سننا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

اور غالباً حضرت ابو سعید خدریؓ نے مروان کا خطبہ سننے کی نسبت سے یہی بہتر سمجھا ہوگا کہ کچھ نماز ہی پڑھ لیں۔

اسی طرح سلیک کی نماز کے وقت تو حضور علیہ السلام نے خطبہ بند فرما دیا تھا۔ اس لیے ان کی نماز بوقت خطبہ نہ تھی اور مروان کے خطبہ کے لیے شرعی خطبہ کا حکم ہی بمشکل دیا جا سکتا تھا اس لیے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس وقت کی نماز کو بطور دلیل پیش کرنا بے سود ہے۔'' (انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 16 ص 338)

یہ ''فتویٰ'' صحیح بخاری کی مذکورہ بالا احادیث کے خلاف ہے کیونکہ دورانِ خطبہ نماز پڑھنا حدیث بخاری سے ثابت ہے اگرچہ احناف اور مالکیہ نے دوسری احادیث کی روشنی میں اس سے اختلاف کیا ہے لیکن اس اختلاف کا یہ معنی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی غلط ترجمانی کی جائے اور ان کی نیت پر شک کا اظہار کر دیا جائے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ ایک صحابی کو نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ نماز پڑھتے رہے اور اس دوران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دینا بند نہیں فرمایا بلکہ جاری رکھا۔

جب کہ دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ہلکی دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔

مولانا عبداللہ خان تلمیذ حضرت شاہ صاحب نے ایک صحابی کے نماز پڑھنے کے دوران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ "موقوف کرادیا جب کہ دوسرے صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پر یہ الزام عائد کردیا کہ وہ مروان کا خطبہ نہیں سننا چاہتے تھے اس لیے وہ اس دوران نماز شروع کردیتے تھے اور انہوں نے بہتر یہی سمجھا کہ سب وشتم سے بھرپور خطبہ سننے کے بجائے کچھ نماز ہی پڑھ لینی چاہیے۔ معلوم نہیں کہ موصوف نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی نیت کا کس طرح پتہ چلالیا؟ پھر اپنے مسلک کی پرواہ کیے بغیر دورانِ خطبہ نماز کی گنجائش بھی دے دی۔

موصوف کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ دورانِ خطبہ نماز جائز نہیں ہے اور حضرت ابوسعید خدریؓ کے نماز پڑھنے سے بھی اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے مروان کا خطبہ سننے سے بچنے کی خاطر نماز شروع کردی تھی۔ اس طرح صحابی رسولؐ خطبہ سننے سے تو "بچ" گئے لیکن موصوف نے اپنے فتویٰ میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں فرمائی کہ ان کی "نماز" کا کیا بنا؟ جب ایسے وقت میں نماز پڑھنا فی نفسہ جائز ہی نہیں تھا تو پھر بھلا پڑھنے کا کیا فائدہ؟

علاوہ ازیں موصوف نے اپنے فتویٰ میں یہ بھی فرمایا کہ:

"حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس وقت کی نماز کو بطور دلیل پیش کرنا بے سود ہے کیونکہ مروان کے خطبہ کے لیے شرعی خطبہ کا حکم ہی بمشکل دیا جاسکتا تھا"

یعنی ان کے نماز پڑھنے سے دوران خطبہ نماز کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ مروان کا خطبہ "شرعی" خطبہ کے حکم میں نہیں آتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ شرعی خطبہ ہوتا تو پھر اس دوران نماز پڑھنا جائز نہ ہوتا۔

موصوف کے اس فتوے کی زد میں صرف حضرت مروانؓ ہی نہیں بلکہ دیگر صحابہ و

تابعین بھی آتے ہیں۔ اگر بات فقط عید کے خطبہ تک ہی محدود ہوتی تو پھر فقہی طور پر کچھ گنجائش نکل سکتی تھی کیونکہ جمعہ اور عید کے خطبوں کے حکم میں بڑا فرق ہے:

1۔ خطبۂ عیدین، خطبۂ جمعہ کی طرح نماز کے لیے شرط نہیں بلکہ بغیر خطبہ بھی نمازِ عیدین صحیح ہو جاتی ہے۔

2۔ عیدین کا خطبہ فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ: فرق درمیان خطبۂ جمعہ و عیدین کے یہ ہے کہ خطبہ عیدین میں سنت ہے شرط نہیں اور یہ کہ عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہے بخلاف جمعہ کے۔

اگر عیدین میں خطبہ بالکل ہی نہ پڑھا جائے تو پھر بھی نماز درست ہو جائے گی۔ بخلاف خطبۂ جمعہ کے کہ اس کے بغیر نماز جمعہ درست نہیں ہے۔

تلمیذ حضرت شاہ صاحب کے ارشاد کے مطابق عیدین کے موقع پر حضرت مروانؓ کے خطبہ سے لوگ اٹھ کر چلے جاتے تھے لیکن ان کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اس کے برعکس جمعہ کا خطبہ تو شرط ہے اس کے نہ ہونے سے نماز جمعہ ہی نہیں ہوتی تو اب سوال یہ ہے کہ جب حضرت مروانؓ کا خطبہ ہی شرعی طور پر درست نہ ہوا تو پھر صحابہ و تابعین کی حضرت مروانؓ کی اقتداء میں ان کے دس سالہ دورِ امارت میں ادا کی گئی نماز جمعہ کا کیا حکم ہوگا؟

بہر حال زیر بحث الزام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت مروانؓ اپنے خطباتِ جمعہ و عیدین میں حضرت علیؓ پر ''سب'' کرتے تھے۔ اس کا مفصل و مدلل جواب پیچھے گزر چکا ہے اور وہیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق وہ ''سب'' ابوتراب کی کنیت سے پکارنا تھا۔

دوسرا الزام یہ کہ ''کہا جاتا ہے'' کہ مروان پہلا شخص ہے جس نے عیدین کا خطبہ نماز سے مقدم کیا تھا۔ یہ بات بھی محلِ نظر ہے کیونکہ اس سلسلہ کی روایات میں زبردست تعارض پایا جاتا ہے جن کی بناء پر تیقن کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت مروانؓ نے ہی سب سے پہلے خطبہ کو نماز پر مقدم کیا تھا؛ کیونکہ روایات میں مختلف حضرات کے نام ملتے ہیں

جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

حضرت مروانؓ مختلف اوقات میں (42ھ تا 48ھ، 54ھ تا 57ھ) تقریباً دس سال تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے۔ 48ھ اور 57ھ میں دونوں مرتبہ ان کی جگہ حضرت سعید بن العاصؓ امیر مدینہ مقرر ہوئے۔ پہلے آٹھ سالہ دورِ امارت میں تو اس بات کا سرے سے کوئی احتمال یا امکان ہی نہیں پایا جاتا کہ انہوں نے خطبۂ عید میں کوئی تبدیلی کی تھی۔ دوسرے دور میں بھی (54ھ تا 56ھ) یہی صورت حال برقرار رہی البتہ 57ھ میں اس تبدیلی کا امکان پایا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ 56ھ میں یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ زیرِ بحث آیا جس کے ساتھ بعض حضرات نے بجا طور پر اختلاف کیا کیونکہ وہ اس کا حق رکھتے تھے۔ چنانچہ معترضین اور مدینۃ النبیؐ کی عظمت کے پیش نظر اتفاقِ رائے پیدا کرنے کی خاطر حضرت معاویہؓ نے خود مدینہ منورہ کا دورہ کیا جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے خطبہ کو نمازِ عید پر اگر مقدم کیا بھی ہے تو ایسا پورے دورِ امارت میں صرف ایک آدھ دفعہ حسبِ ضرورت و مصلحت کیا ہوگا۔ یہ چیز نہ تو ان کے مسلک میں شامل تھی اور نہ ہی عادت میں۔ جن بزرگوں نے اسے "عادت" اور "بدعتِ سیئہ" قرار دیا ہے تو یہ ان کا محض سوءِ ظن ہے جو یقیناً "اِنَّ بعضَ الظَّنِّ اثم" میں داخل ہے۔

اگر بالفرض حضرت مروانؓ کی یہ "عادت" رہی ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ کسی روایت میں بھی اس "تبدیلی" کی منسوخی کا ذکر نہیں ملتا کہ نئے گورنر نے اس "بدعتِ سیئہ" کو ختم کر کے سنت کے مطابق نمازِ عید کا اہتمام کیا تھا؟ حضرت مروانؓ کی دونوں مرتبہ معزولی کے بعد ان کی جگہ مقرر ہونے والے دوسرے گورنر (48ھ تا 54ھ، 57ھ تا 60ھ) حضرت سعید بن العاصؓ بھی تو حضرت معاویہؓ کے مقرر کردہ تھے۔ اگر خلیفہ کی طرف سے "سب و شتم" کا حکم ہوتا (جیسا کہ بعض ناقدین و معاندین کا خیال ہے) تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے خطبے اس چیز سے پاک تھے؟

کیا مسجد نبوی کے نمازی (جو صحابہ و تابعین تھے) سنت کی اس خلاف ورزی اور بدعت سیئہ کو مسلسل برداشت کرتے رہے؟ کسی مسلم معاشرے کی کسی مسجد میں اس بات کا تصور تو چودہ سو سال کے بعد بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف کی تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کا فعل ان سے ایک آدھ مرتبہ ہی سرزد ہوا ہو گا جس سے انہوں نے بعد میں رجوع کر لیا تھا۔ اگر ان کا یہ عمل مسلسل ہوتا تو صحابہ و تابعین انہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہ دیتے۔ اس بات کی تائید "قیل ویقال" کی روایات سے نہیں بلکہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت ابو سعید خدریؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے ادوار میں نمازِ عید کی ترتیب اور معمولات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"حتّی خرجت مع مروان و هو أمير المدينة في أضحى أو فطر فلمّا أتينا المصلّى اذا منبر بناه كثير ابن الصلت فاذا مروان يريد أن يرتقيه قبل أن يصلّى فجبذت بثوبه فجبذني فارتفع فخطب قبل الصّلوٰة فقلت له: غيّرتم والله۔

فقال: يا أبا سعيد! قد ذهب ما تعلم۔ فقلت: ما أعلم والله خير ممّا لا أعلم۔ فقال انّ النّاس لم يكونوا يجلسون لنا بعد الصّلوٰة فجعلتها قبل الصّلوٰة۔" (صحیح بخاری، كتاب العيدين۔ باب الخروج الى المصلّى بغير منبر۔ رقم الحديث 956)

یہاں تک کہ میں مروان رضی اللہ عنہ گورنر مدینہ کے ساتھ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر نکلا۔ پھر جب ہم عید گاہ میں منبر کے پاس آئے جسے کثیر بن الصلت نے بنایا تھا تو اچانک حضرت مروانؓ نماز سے پہلے اس پر چڑھنے لگے تو میں نے ان کا کپڑا پکڑ کر کھینچا اور انہوں نے بھی مجھے کھینچا لیکن وہ منبر پر چڑھ ہی گئے اور نماز سے پہلے خطبہ شروع کر دیا۔ تو میں نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے تبدیلی کر ڈالی۔

حضرت مروانؓ نے کہا: جو بات آپ جانتے ہیں وہ گزر گئی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے

جو میں نہیں جانتا۔ حضرت مروانؓ نے کہا: بات یہ ہے کہ لوگ نماز عید کے بعد بیٹھتے نہیں اس لیے میں نے نماز عید سے پہلے خطبہ دے دیا۔

ذرا سی بات تھی جسے اندیشۂ عجم نے
یوں ہی بڑھا دیا زیب داستاں کے لیے

صحیح بخاری کی مذکورہ روایت سے واضح ہوتا ہے کہ خطبہ کی تقدیم کا واقعہ ایک آدھ دفعہ ہوا تھا۔ خود حضرت ابوسعید خدریؓ صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ یہ بات "عید الاضحی یا عید الفطر" کے موقع پر پیش آئی تھی۔ گویا انہیں صحیح طور پر یہ بھی یاد نہیں ہے کہ دونوں عیدوں میں سے کون سی عید کا واقعہ ہے۔

اس روایت سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی ہے کہ ایک مرتبہ بھی مستحب و مسنون عمل میں اس "تبدیلی" کو صحابی کی غیرت برداشت نہیں کر سکی اور اطاعت امیر یا گورنری کا لحاظ کیے بغیر کپڑے سے کھینچ کر منبر پر چڑھنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ اگر حضرت مروانؓ کا یہ عمل مسلسل ہوتا تو پھر اس کے رد عمل کا بھی اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس قدر سخت احتجاج کے باوجود حضرت ابوسعید خدریؓ نے خطبے کا بائیکاٹ نہیں کیا اور باقاعدہ بیٹھ کے سنا کیونکہ ان کے نزدیک بھی خطبہ بعد از نماز عید شرط، فرض یا واجب نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اٹھ کر چلے جاتے۔ دوسری طرف حضرت مروانؓ کے "احترام صحابہ" کا جذبہ بھی کس قدر عظیم ہے کہ دنیوی طور پر بلند ترین مقام کے حامل ہونے کے باوجود کسی دفتر یا تنہائی و خلوت میں نہیں بلکہ بر سر عام عید گاہ میں ایک گورنر خطیب کی حیثیت سے اپنی ہتک و توہین تو برداشت کر لی لیکن صحابی کو نہ صرف یہ کہ نرم ترین الفاظ میں اس "تبدیلی" کی وجہ سے آگاہ کیا پھر بعد میں نہ تو اس تبدیلی پر کوئی اصرار کیا اور نہ ہی اس کا اعادہ کیا۔

کیا حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے والے علماء کسی گورنر.... بلکہ کسی تھانیدار کے ساتھ اس قسم کے سلوک کا تصور کر سکتے ہیں؟ اسے بھی رہنے دیں کیا وہ اپنے استاذ، شیخ، مہتمم یا مذہبی لیڈر کی "بدعات سیئات" پر کسی ناراضگی کا اظہار کر سکتے ہیں؟ ایسا کرنا تو

دور کی بات ہے، یہ حضرات تو ان بدعات کے مؤید اور پرچارک بن گئے ہیں۔ ''مجالس ذکر کی نوعیت، شب برأت میں اشتہارات و دعوت ناموں کے ذریعے دیوبندی مساجد میں اجتماع و شب بیداری و اجتماعی سحری کا اہتمام، دیوبندی مدارس میں ختم بخاری کی تقاریب اور دیگر ''خانقاہی'' بدعات کی تائید یا ان سے چشم پوشی آخر کس بات کی غمازی کرتی ہے؟

یہ ملحوظ رہے کہ مشہور مفسر قرآن مولانا عبدالحمید خان سواتی نے جامعۃ الرشید کراچی میں طلاب کرتے ہوئے ''ختم بخاری'' کو بدعت قرار دیا تھا۔(ملاحظہ ہو ہفت روزہ ضرب مومن۔15۔اکتوبر 2004ء)

یہ تو خیر آج سے بارہ سال پہلے کی بات تھی اس کے بعد ''علمائے حق'' کی طرف سے اس میں جو ''سونامی یا طغیانی'' آئی اسے ''بدعت سیئہ'' کے علاوہ بھلا اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ یہ عنوان تو مستقل ایک کتاب کا متقاضی ہے، یہاں حضرت مروانؓ کی ''بدعت سیئہ'' کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے کہ جن کی خطبہ اور نماز عید کی صرف ''ترتیب'' میں تبدیلی کرنے پر حضرت ابوسعید خدریؓ نے اپنے شدید ردعمل کا مظاہرہ فرمایا۔

جب کہ برصغیر کی کم و بیش 97 فیصد مساجد و عیدگاہوں میں خطبات جمعہ و عیدین میں محقق علماء کی نشاندہی کے باوجود مستقل طور پر مقامی یا قومی زبان میں ایک ''تیسرے'' خطبہ کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے تو ایک آدھ مرتبہ جو خطبہ نماز کے بعد دینا چاہیے تھا وہ پہلے دے دیا۔ جب کہ ہمارے ائمہ و خطباء نے اضافہ شدہ ''تیسرے خطبہ'' کی بدعت کو نہ صرف ''دائمی سنت'' بنا دیا بلکہ صرف ''مصلحت عامہ'' کے پیش نظر اس کا درجہ ''جواز'' سے بڑھا کر ''وجوب و فرض'' تک بھی پہنچا دیا۔

سخت تعجب ہے کہ حضرت مروانؓ کے ترتیب کے عین مطابق دیے گئے خطبات جمعہ کو بھی ''غیر شرعی'' قرار دے دیا گیا (کہ ویسے تو دوران خطبہ نماز جائز نہیں ہے لیکن چونکہ مروان کے خطبہ پر ''شرعی خطبہ'' کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا اس دوران میں نماز پڑھی جاسکتی ہے) لیکن ہمارے ائمہ و خطباء تو کسی شخص کو اپنے جاری کردہ ''بدعی خطبہ'' کے دوران

میں بھی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص ''بھولے سے'' اس ''سنت'' پر عمل کرنے کی کوشش کر بیٹھے تو خطبا فوراً جلال میں آکر اسے منع کر دیتے ہیں کہ ''بیٹھ جاؤ، سنت ادا کرنے کے لیے بعد میں وقت دیا جائے گا۔''

یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جس اضافہ شدہ خطبہ پر قطعاً ''شرعی خطبہ'' کا اطلاق ہی نہیں ہوتا اس کے دوران میں تو نماز پڑھنے سے روک دیا جاتا ہے اور جو خطبہ ''شرعی'' ہوا سے غیر شرعی قرار دے کر خلافِ مسلک نماز پڑھنے کا ''جواز'' بھی تراش لیا جاتا ہے۔

بہر حال حضرت مروانؓ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی تنبیہ کے بعد اپنے اس عمل سے بھی رجوع کر لیا اور حسب سابق خطبات جمعہ و عیدین دیتے بھی اور سنتے بھی رہے حتیٰ کہ زندگی کے آخری حصے میں بھی اسی ترتیب کے مطابق نمازِ عید کے بعد ہی خطبہ ارشاد فرمایا۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت مروانؓ 64ھ میں سریر آرائے خلافت ہوئے اور تین رمضان المبارک 65ھ میں وفات پائی۔ اس طرح 64ھ میں عید الفطر اور عید الاضحی دونوں مواقع پر انہیں خطبہ دینے کا اتفاق ہوا اور وہ جمہور کی ترتیب کے مطابق ہی تھا۔ مگر صد افسوس کہ اس ''رجوع'' کے باوجود انہیں ''معاف'' نہیں کیا گیا اور چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی، اکابر علماء انہیں برابر اور مسلسل ہدفِ تنقید بنا رہے ہیں۔ یہ ''علماء'' انصاف کا خون کرتے ہوئے حضرت مروانؓ کو دینی علوم میں اپنے دور کے گورنروں پر قیاس کرتے ہوئے ''انہیں ملعون و شیطان، پرلے درجے کا ظالم، مخالف سنت اور سنت سے اعراض کرنے والا، منہ موڑنے والا اور پیٹھ دکھانے والا باور کرا رہے ہیں حالانکہ وہ صحابہ و تابعین کے گورنر، ان کے امام و خطیب ایک فقیہ و مجتہد، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے خلفائے راشدین کے فیض یافتہ و تربیت یافتہ تھے اور بلند علمی مقام کے حامل تھے۔ جنگ جمل کے فوری بعد حضرت علیؓ نے ان کے متعلق فرمایا کہ:

"و هو مع ذٰلك سيد من شباب قريش" (سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث ص 477)

حضرت مروانؓ قریش کے نوجوانوں میں سے سردار ہیں۔

ان کے قضایا و فتاویٰ سے امام مالک جیسی شخصیت استنباط و استدلال کرتی رہی۔ حضرت مروانؓ مدینہ منورہ میں بحیثیت ''قاضی'' بھی امور سرانجام دیتے رہے۔ حضرت مروانؓ اپنی گورنری کے دوران صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جس رائے پر وہ اتفاق کرتے اس پر عمل کرتے تھے۔ وہ علمی میدان میں کسی گروہی تعصب کا شکار نہیں ہوئے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کا چچا زاد بھائی اور داماد ہونے کے باوجود ایک ''دینی مسئلہ'' میں حضرت علیؓ کے فتویٰ کی تائید کی جسے خود حضرت زین العابدین (علی بن حسینؓ) نے ان سے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو: (صحیح بخاری۔ کتاب المناسك۔ باب التمتع ولقران۔ رقم الحدیث 1563)

حضرت مروانؓ نے اپنی گورنری کے دوران ایک مسئلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی اصلاح کرائی جس میں وہ روزے کے فاسد ہونے کا فتویٰ دیتے تھے جب کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الصوم۔ باب الصائم یصبح جنباً۔ رقم الحدیث 1925)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ نے اس سے ''رجوع'' کر لیا تھا:

"فرجع ابوھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عمّا کان یقول فی ذٰلك الحدیث"۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الصوم باب صحۃ الصوم من طلع علیہ الفجر وھو جنب جلد1۔ ص353)

جامعہ ازہر کے فاضل استاذ ڈاکٹر ابراہیم علی شعوط حضرت مروانؓ کا علمی مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"لقد عاصر عبداللّٰہ بن عباس و عبداللّٰہ بن عمر و توفّی قبلھما و کان لہ معھما سباق فی المجال العلمی...."

وہ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے معاصر تھے اور ان دونوں سے قبل وفات پائی لیکن بعض علمی مسائل میں ان سے سبقت لے گئے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک

عورت کی مثال دی جس نے ایک کام کے سلسلے میں نذر مانی تھی کہ اگر اس نے وہ کام کر دیا تو وہ اپنے بیٹے کو کعبہ معظّمہ کے پاس ذبح کر دے گی، پھر اس نے وہ کام کر دیا۔

پھر اس نے اپنی نذر کے مسئلے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے کوئی واضح جواب نہیں دیا کہ اللہ نے نذر کو پورا کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور اپنے نفسوں کو قتل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

پھر اس عورت نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ اللہ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور جانوں کے قتل سے بھی منع فرمایا ہے۔ پھر انہوں نے عبدالمطلب کی نذر پر قیاس کرتے ہوئے بیٹے کے بدلے ایک سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دیا۔

حضرت مروانؓ جو اس وقت گورنر تھے جب ان تک یہ فتوے پہنچے تو انہوں نے فرمایا:

”ما أری ابن عمر ولا ابن عباس قد أصابا الفتیا۔ أنّا علماً أنه لا نذر فی معصیة اللّٰه ، استغفری اللّٰه و توبی و تصدقی واعملی ماشئت من الخیر۔ فأما أن تنحری ابنك فقد نهاك اللّٰه عن ذٰلك۔

فسرّ الناس بذلك وأعجبهم قول مروان ورأوا أنّه قد أصاب الفتیا فلم یزلوا یفتون بأن لا نذر فی معصیة۔“

میں نہیں خیال کرتا کہ عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں نے درست فتویٰ دیا ہو۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے تو اللہ سے مغفرت طلب کر، توبہ کر اور صدقہ دے اور امورِ خیر میں سے جو چاہے عمل کر۔ جہاں تک بیٹے کو ذبح کرنے کا تعلق ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ نے تجھے منع فرمایا ہے۔

پس لوگ اس فیصلے سے خوش ہوئے اور انہیں امیر مروانؓ کا یہ فتویٰ بہت پسند آیا اور کہا کہ انہوں نے درست فتویٰ دیا ہے اور پھر وہ اسی کے مطابق ہمیشہ فتویٰ دیتے رہے کہ اللہ کی معصیت میں وہ نذر پوری نہ کرے۔

هذا و يظهر أن مروان اعتمد في هذه الفتيا على حديث عائشةؓ:

من نذر أن يطيع اللّٰه فليطعه و من نذر أن يعصيه فلا يعصه"

یہ فیصلہ حضرت مروانؓ کی علمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے اس فتویٰ کے معاملے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر اعتماد کیا ہے جس میں آپ فرماتی ہیں کہ:

جو شخص اللہ کی اطاعت (یعنی نیک کاموں) کی نذر کرے وہ اسے بجالائے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی (گناہ کے کاموں) کی نذر کرے تو وہ ہرگز وہ کام نہ کرے۔

[(صحیح بخاری۔ کتاب الایمان والنذور باب النذر فیما لا یملك و(لا) في معصية رقم الحديث 6700۔ بحوالہ أباطيل يجب أن تمحىٰ من التاريخ ص 314۔ تحت "مكانته (أي مروان بن الحكم) العلمية)]

حضرت مروانؓ کے متعلق ایک رائے تو وہ ہے جس کا اظہار تیرہ و چودہ سو سال کے بعد شاہ عبدالعزیز، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند اور علامہ انور شاہ کاشمیری نے محض تعصب اور جھوٹے اور من گھڑت الزامات کی بنیاد پر کیا ہے اور ایک رائے ان کے ہم عصر صحابہ و تابعین کی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کے متعلق فرمایا کہ:

"و لكنا القارى (لكتاب اللّٰه)، الفقيه (في دين اللّٰه)، الشديد في حدود اللّٰه، مروان" (سير اعلام النبلاء۔ الجزء الثالث ص 447، البداية والنهاية جلد 8 ص 257)

حضرت مروانؓ کتاب اللہ کے قاری ہیں، اللہ کے دین کے فقیہ ہیں اور اللہ کی حدود قائم کرنے میں شدید ہیں۔

قاضی ابو بکر ابن العربی حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"مروان رجل عدل من كبار الامة عند الصحابة والتابعين و فقهاء المسلمين..." (العواصم من القواصم ص 89)

حضرت مروانؓ، صحابہ و تابعین اور فقہاء مسلمین کے نزدیک عادل و ثقہ اور اس امت کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔

حضرت مروانؓ کی فضیلت اور علمی مقام کے لیے یہ بات کافی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی مدینہ منورہ میں ان کی نیابت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ ملاحظہ ہو: (صحیح مسلم ۔ کتاب الصلوٰۃ ۔ باب اثبات التکبیر فی کل رفع وخفض فی الصلوٰۃ ۔ جلد اول ص 169)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

"بل أخرج اهل الصحاح عدّة احاديث عن مروان و له قول مع اهل الفتيا" (منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعة والقدرية ـ الجزء الثالث ص 189)

جامعین صحاح نے حضرت مروانؓ سے متعدد احادیث کی تخریج کی ہے اور ان کا قول اہل فتویٰ میں شمار ہوتا ہے۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

"كان مروان من سادات قريش وفضلائها ...."كان عند مروان قضاء و كان يتبع قضايا عمر بن الخطاب"

حضرت مروانؓ قریش کے سادات اور فضلاء میں سے تھے .... ان کے پاس قضاء کا منصب بھی تھا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے رہنمائی لیتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ:

"و كان يُعَدُّ فی الفقهاء" (الاصابه الجزء الثالث ص 477)

حضرت مروان رضی اللہ عنہ اپنے دور کے فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

کاش ہمارے فاضل علماء حضرت مروانؓ کو صغار صحابہ یا کبار تابعین اور فقہاء میں شمار کرتے ہوئے ایک ایسے عمل (جس سے خود انہوں نے رجوع بھی کر لیا تھا) کی بناء پر انہیں ''بدنیت، صریح خباثت، پرلے درجے کا ظالم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پیٹھ دکھانے والا، اس سے منہ موڑنے والا، مخالف سنت، ظالم و جابر، فتنہ پرداز، قاتل صحابہ، سند یافتہ مفسد اور بدعت سیئہ'' کا مرتکب قرار نہ دیتے۔

حضرت مروانؓ کو مذکورہ ''القابات، واعزازات'' سے نوازنے والے انہیں ''فقیہ'' کیوں کر تسلیم کر سکتے ہیں؟

ان کا شمار تو پھر زیادہ سے زیادہ ''صغار صحابہؓ'' میں ہوتا ہے جب کہ ہمارے علماء حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے کثیر الروایت صحابی کو بھی یہ درجہ دینے کے لیے تیار نہیں اور نہایت ہی جسارت سے انہیں ''غیر فقیہ'' قرار دے دیتے ہیں جس پر فقہ حنفی کے ساتھ ''تصلب'' رکھنے والے بھی سراپا احتجاج بن گئے؛ چنانچہ وہ ''حدیث مصراۃ'' کے سلسلہ میں 'صاحب المنار'' کے ریمارکس (جس میں قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ کو غیر فقیہ کہا گیا ہے) پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''و اما ما ذکر صاحب المنار وغیرہ من ان حدیث المصراۃ یرد بہ ابوھریرۃؓ و ھو غیر فقیہ و روایۃ الذی لیس بفقیہ غیر معتبر اذا کانت خلاف القیاس....فاقول ان مثل ھذا قابل الاسقاط من الکتب۔''

(العرف الشذی ص 394۔تحت ابواب البیوع۔باب ماجاء فی المصراۃ)

اور بہر حال جو صاحب المنار اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء نے ''حدیث مصراۃ'' سے حضرت ابو ہریرہؓ کا ''غیر فقیہ'' ہونا مراد لیا ہے اور یہ کہا ہے کہ غیر فقیہ کی روایت کا اعتبار نہیں .... میں کہتا ہوں کہ اس طرح کی باتوں کو کتابوں سے ساقط کر دینا چاہیے۔

لیکن صد افسوس یہ ''مشورہ'' قابل عمل تو دور کی بات ہے قابل غور بھی نہیں سمجھا گیا اور صاحب المنار و دیگر اٹھارہ فقہائے احناف کے فرمودہ قول (کہ حضرت ابو ہریرہؓ غیر فقیہ ہیں) کو ہی ہمیشہ ترجیح دی گئی۔ دیگر فروعی و اختلافی مسائل میں تو ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے مسلک و ذوق کے مطابق ترجیحاً ایک مسئلہ کو اختیار کیا ہے لیکن زیر بحث مسئلہ حضرت مروانؓ سمیت کسی بھی امام کا مسلک نہیں ہے پھر حضرت مروانؓ نے ایک فقیہ و مجتہد ہونے کی حیثیت سے جو ایک آدھ مرتبہ نمازِ عید سے قبل خطبہ دیا بھی تھا (جسے بعد میں ترک بھی کر دیا تھا) تو اس کے بھی ان کے پاس ''نظائر'' موجود تھے (جن کا ذکر آگے آ رہا ہے) اس کے

باوجودان کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ وہ اپنے موقف پر ڈٹے کے بجائے صحابہ کرامؓ کی اجتماعی رائے کو ہی قابل عمل سمجھتے تھے۔ انہوں نے صحیح اور حق بات کے قبول کرنے میں اپنے مقام و منصب کی پرواہ کیے بغیر کبھی پس و پیش سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت مروانؓ سے کہا: ''آپ نے سود کی بیعت کو حلال کر دیا۔''

حضرت مروانؓ نے پوچھا: میں نے کیا کیا ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: آپ نے "بیع الصکاك" جائز کر دی حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک اس پر پوری طرح قبضہ نہ کر لے۔

پھر حضرت مروانؓ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اس بیع سے منع کر دیا۔

(ملاحظہ ہو: صحیح مسلم الجزء الثانی۔کتاب البیوع۔باب البطلان بیع المبیع قبل القبض)

فقیہ مصر حضرت لیث بن سعد اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ ابونضر سالم کہتے ہیں:

حضرت مروانؓ ایک جنازہ میں شریک ہوئے اور جب نماز جنازہ پڑھ کر واپس ہوئے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

"أصاب قیراطاً فقاخبر بذلك مروان فاقبل یجری حتیٰ بلدت رکبتاه فقعد حتیٰ اذن له۔"

انہوں نے ایک قیراط نیکی حاصل کر لی (اور ایک قیراط سے محروم رہے) یعنی نماز جنازہ میں شمولیت کے ثواب کو حاصل کیا لیکن "اذن عام" تک ٹھہرنے کے ثواب سے محروم رہے۔

حضرت مروانؓ کو جب اس بات کی اطلاع دی گئی تو وہ اس قدر تیزی سے واپس ہوئے کہ ان کے گھٹنے کھل گئے اور آکر دوسرے لوگوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئے یہاں تک کہ (تدفین کے بعد) جانے کی اجازت مل گئی۔

(البدایہ والنہایہ جلد8۔ص 260 تحت مروان بن الحکم)

امام بخاری ایک دوسرا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک جنازے میں حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا

ہاتھ پکڑا اور دونوں جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھ گئے:

"فجاء ابو سعید فأخذ بید مروان فقال: قم فواللّٰہ لقد علم ھٰذا أنّ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نھانا عن ذٰلک۔فقال أبوھریرۃ صدق"

تو ابوسعید خدریؓ آئے اور مروانؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے (یعنی جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنے سے) منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کی تصدیق کی۔

(صحیح بخاری۔کتاب الجنائز باب متیٰ یقعد اذا قام للجناز قرقم الحدیث 1309)

غور فرمائیں حضرت مروانؓ اس وقت مدینہ کے گورنر ہیں اور جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا کوئی حرام یا معصیت نہیں ہے بلکہ صرف خلاف اولیٰ یا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے۔حضرت مروانؓ تو اس حدیث سے آگاہ نہیں تھے اس لیے بیٹھ گئے تھے۔مگر حضرت ابو ہریرہؓ نے تو حدیث جاننے کے باوجود "سہوا" خلاف ورزی کی تھی لیکن حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں نہیں اٹھایا۔صرف گورنر حضرت مروانؓ کو اٹھایا کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ لوگ حکامِ وقت کی زیادہ اتباع کرتے ہیں اس لیے ان کی اصلاح مقدم ہے۔

یہاں حضرت مروانؓ نے کوئی خلاف شرع کام نہیں کیا تھا صرف "رخصت" یا مباح اور زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ پر عمل کرنے کی وجہ سے حضرت ابوسعید خدریؓ نے (جنھوں نے پہلے بھی ایک مسنون عمل کی صرف ایک مرتبہ ہیئت و ترتیب بدلنے پر منبر پر چڑھتے ہوئے کپڑے سے پکڑ کر کھینچا تھا) انہیں جنازہ گاہ میں ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

تعجب ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے "چیک اینڈ بیلنس" کے ایسے سخت نظام میں اور سب سے بڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں "مسجد نبوی میں برسرِ منبر اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین سامنے" ایک مجتہد، ایک عالم، ایک فقیہ اور ایک رؤیتاً صحابی و روایتاً تابعی کی زبان سے خطباتِ جمعہ و عیدین میں حضرت علیؓ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کیوں

کر تسلیم کر لی؟ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ حضرت مروانؓ کو ان "خلاف شرع" امور کا یقینی طور پر مرتکب گردانتے ہوئے ان پر طعن و تشنیع کے تیر بھی برسا دیے۔

صحابہ کرامؓ کے مابین جنگ جمل و صفین کے علاوہ متعدد دینی مسائل میں بھی اختلاف رہا ہے؛ کیا اختلاف کا بہانہ بنا کر کسی صحابی کی توہین و تنقیص کی گئی ہے؟

کیا اکابر صحابہؓ سے سرزد بعض افعال کی بناء پر دشمنانِ صحابہ نے انہیں ہدفِ تنقید نہیں بنایا؟ کیا کتب اہل سنت میں "مطاعن صدیقی، مطاعن فاروقی، مطاعن عثمانی، مطاعن خالد بن ولید، مطاعن ام المؤمنین و دیگر صحابہؓ کے مطاعن" کے ابواب نہیں قائم کیے گئے؟ کیا حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ولید بن عقبہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم پر حضرت مروان رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر زیادہ سخت الزامات عائد نہیں کیے گئے؟ کیا کتب اہل سنت میں صحابہ اور اکابرین امت کے "تفردات" نہیں پائے جاتے؟ جن پر وہ زندگی بھر عمل پیرا رہے ہیں۔ کیا خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کے بعض فیصلوں کو ہدفِ تنقید نہیں بنایا گیا؟

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے بارے میں "سکوت، توقف، امساک اور کف لسان" کا حکم نہیں دیا؟

اگرچہ تقدیم خطبہ قبل از صلوٰۃ عید کے چند نظائر حضرت مروانؓ کے سامنے تھے لیکن ان سے قطع نظر حضرت مروانؓ ایک فقیہ و مجتہد بھی تھے، انہوں نے لوگوں کے حالات میں تغیر آ جانے کی بناء پر اجتہاداً ایک آدھ مرتبہ خطبہ کو نمازِ عید سے مقدم کر دیا تھا جس میں انہیں زیادہ سے زیادہ "مخطی" قرار دیا جا سکتا ہے لیکن شریعت "مخطی" کو بھی ایک "اجر" کا مستحق سمجھتی ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسے حضرت مروانؓ کا اجتہاد ہی قرار دیا ہے کہ:

"و هذا يشعر بأن مروان فعل ذٰلك باجتهاد منه"

(فتح الباری جلد 2۔ص 450۔تحت کتاب العیدین۔باب الخروج إلى المصلی بغیر منبر)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت مروانؓ کا ایک اجتہادی فعل تھا اور مجتہد مخطی بھی ہو سکتا

ہے اور مصیب بھی۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ:

''چاروں امام وحدت حق کے قائل ہیں اور "المجتهد یخطی و یصیب" کے مدلول کو صحیح جانتے ہیں لیکن تاہم کسی مجتہد کے جھٹ پٹ خطی کا لفظ استعمال کرنے کو نازیبا اور خلاف احتیاط سمجھتے ہیں....

امام احمد کے اس کلام سے اندازہ کرو کہ ایسے بڑے بڑے جلیل القدر اور رفیع المنزلت ائمہ پر یقین رکھنے کے باوجود کہ ہر مسئلہ میں حق صرف ایک ہی ہوسکتا ہے پھر بھی اپنے مخالف کے تخطیہ میں کس قدر محتاط تھے۔ چنانچہ جو کچھ بھی حسن ظن ائمہ کرام کی نسبت آج باقی ہے وہ ان ہی پاک نفس بزرگوں کی احتیاط اور بے تعصبی اور فراخ دلی اور حسن تادیب کا نتیجہ ہے۔'' (ہدیہ سنیہ ص 40، 43)

اگر ائمہ اربعہ اور دیگر مجتہدین کے تخطیہ میں یہ احتیاط ملحوظ رکھی جا سکتی ہے تو کیا حضرت مروانؓ کے ساتھ ''حسن ظن'' اور ادب و احتیاط کا معاملہ اختیار نہیں کیا جا سکتا؟ جب کہ وہ اس معمولی ''خطاء'' پر قائم بھی نہیں رہے تھے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی حضرت علیؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

ہاں نبی کو احکام شرعیہ وحی سے معلوم ہوتے ہیں اور امام کو اجتہاد سے اور اجتہاد میں کبھی غلطی بھی واقع ہو سکتی ہے جیسا کہ ترمذی کے حوالہ سے حضرت عکرمہؒ کی ایک روایت گزر چکی ہے جس کا ماحصل یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے مرتدوں کو جلوا دیا تھا۔ اس کی خبر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ہوئی تو آپ نے اس پر نکیر فرمائی کہ ان کو قتل کرنا چاہیے تھا، جلانا نہیں چاہیے تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتد کو قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور آگ کے عذاب سے منع فرمایا ہے۔ جب حضرت علیؓ کو اس کہنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: ابن عباسؓ نے سچ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کی اجتہادی غلطی بھی موجب طعن و اعتراض نہیں، نہ اس پر ملامت کی گنجائش ہے؛ چہ جائیکہ بے خبری، عدم علم وہ بھی ایسے موقع پر جہاں اس سے واقف ہونا و باخبر ہونا ضروری نہیں، کیسے

ملامت و طعن کا محل بن سکتے ہیں؟" (تحفۂ اثناعشریہ ص 574۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ''خطاء'' حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی خطاء کی نسبت بہت سخت تھی؛ اگر حضرت علیؓ موجب طعن و اعتراض نہیں ہیں (کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کے باجود آگ کا عذاب دیا ہے) تو پھر حضرت مروانؓ کی ''خطاء'' کو کیوں کر موجب طعن و اعتراض بنا دیا گیا ہے؟

ناقدین و معاندین کا حضرت مروانؓ پر یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے، خطبہ کو نمازِ عید سے مقدم کیا تھا۔ ان حضرات کی طرف سے اس کے ثبوت میں عظیم وزنی دلیل "یـقـال" (کہا جاتا ہے) کی صورت میں پیش کی گئی ہے جس کی بنیاد پر دنیا کی کوئی غیر مسلم عدالت بھی کسی ''ملزم'' کو ''مجرم'' قرار دے کر سزا نہیں سنا سکتی مگر صد افسوس اس بے بنیاد، لغو اور ''نامعلوم'' گواہ کی شہادت قبول کر کے ہمارے بعض علماء نے حضرت مروانؓ کو ''مجرم'' قرار دے کر باقاعدہ سزا بھی دے ڈالی ہے۔

پھر جس طرح ''خطبہ'' کو نمازِ عید سے مقدم کرنے کے سلسلہ میں روایت میں حضرت مروانؓ کا نام پایا جاتا ہے اسی طرح بعض اکابر اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں مثلاً:

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ عید سے قبل سب سے پہلے خطبہ حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا تھا:

"عبدالرزاق عن ابن جریج قال: أخبرني یحییٰ بن سعید قال: أخبرني یوسف بن عبداللّٰه بن سلام قال:

اوّل من بدأ بالخطبة قبل الصّلوٰة یوم الفطر عمر بن الخطاب...

(المصنف لعبدالرزاق الجزء الثالث ص 283۔ رقم الحدیث 5644۔ باب أوّل من خطب ثم صلّی، مصنف ابن أبي شیبة ص 171۔ الجزء الثاني تحت "من رخص أن یخطب قبل الصّلوٰة)

عید الفطر کی نماز سے قبل جنہوں نے سب سے پہلے خطبہ ارشاد فرمایا وہ حضرت عمر بن

خطابؓ تھے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ قبل صلوٰۃ عید کا آغاز سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے کیا:

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ:

"و قیل بل سبقه الی ذٰلك عثمان۔وروی ابن المنذر باسناد صحیح الی الحسن البصری قال: أوّل من خطب قبل الصّلوٰة عثمان۔صلّی بالنّاس ثم خطبهم یعنی علی العادة۔فرأی ناساً لم یدرکوا الصّلوٰة ففعل ذٰلك۔أی صار یخطب قبل الصّلوٰة۔" (فتح الباری الجزء الثانی۔تحت کتاب العیدین۔باب المشی والرکوب الی العید بغیر أذان ولا اقامة ص 451-452مطبوعه دار النشر الکتب الاسلامیه 2۔شارع شیش محل لاہور)

اور کہا گیا ہے کہ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سبقت حاصل ہوئی ہے۔ابن منذر نے حضرت حسن بصری سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

نماز سے قبل جس نے سب سے پہلے خطبہ دیا وہ حضرت عثمانؓ تھے۔اپنی خلافت کے شروع شروع میں وہ حسب روایت و عادت پہلے نماز پڑھاتے پھر خطبہ دیتے تھے۔اس کے بعد جب انہوں نے محسوس کیا کہ اس ترتیب پر عمل کرنے سے بعض لوگ عید کی نماز سے محروم ہو جاتے ہیں تو انہوں نے نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کر دیا۔

علامہ انور شاہ کاشمیری نے بھی فرمایا ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ دینا حضرت عثمانؓ سے ثابت ہے:

"وثبت عن عثمان أیضاً تقدیم الخطبة علی صلوة العید لیدرك الناس صلوة العید۔" (ملاحظه ہو:العرف الشذی ص 229۔تحت ابواب العیدین باب فی صلوة العیدین قبل الخطبة)

علامہ ابن حجر عسقلانی بحوالہ محدث عبد الرزاق فرماتے ہیں کہ:

"و روی ابن المنذر عن ابن سیرین أن اوّل من فعل ذٰلك زیاد بالبصرة"

خطبہ قبل نمازِ عید سب سے پہلے زیاد (بن ابی سفیانؓ) نے بصرہ میں دیا تھا۔

(فتح الباری الجزء الثانی ص 452)

محدث عبدالرزاق ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ:

"اوّل من بدأ بالخطبة قبل الصّلوة معاوية (بن أبی سفيان) رضی اللّٰه عنهما۔" (المصنف لعبد الرزاق الجزء الثالث ص 384۔رقم الحديث 5646)

خطبہ قبل صلوٰۃ عید کی ابتداء سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

ابن قدامہ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ ساتھ عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق بھی کہا ہے کہ انہوں نے بھی نمازِ عید سے قبل خطبہ دیا تھا۔ملاحظہ ہو: (معارف السنن جلد 4۔ص 427)

بلکہ مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

"حدّثنا يعقوب بن ابراهيم قال حدّثنا أبی عن ابن اسحاق قال: حدّثنی وهب بن كيسان مولٰی ابن الزبير قال سمعت: عبداللّٰه بن الزبير فی يوم العيد يقول حين صلّی قبل الخطبة ثم قام يخطب النّاس يأيها النّاس كلّا سنة اللّٰه و سنة رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلم۔

(المسند للامام احمد بن حنبل جلد 12۔رقم الحديث 16053۔مطبوعه دارالحديث القاهرة)

حضرت مروانؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ دونوں باہم حریف تھے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں دونوں نے دعویٰ خلافت کر رکھا تھا اگر بالفرض حضرت مروانؓ نے ہی سب سے پہلے یہ "بدعت" جاری کی ہوتی تو متاخرین علماء کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس "خلافِ سنت" کام کو ہدفِ تنقید بناتے بلکہ الٹا خود حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی ایک مرتبہ اسی "بدعت" کو اپنایا اور پھر اپنے خطبہ عید میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

نمازِ عید سے پہلے یا بعد میں خطبہ دینا دونوں طریقے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اگر یہ فعل کیا تھا تو وحی کے مطابق ہی کیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد وہ واقعہ ہے جس کا ذکر سورۃ جمعہ کی آخری آیت میں آیا ہے:

چنانچہ امام بخاری... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

"بینما نحن نصلّی مع النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اذ أقبلت عیر تحمل طعاماً فالتفتوا الیھا حتّٰی ما بقی مع النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم الّا اثناء عشر رجلاً فنزلت ھٰذہ الآیۃ: "و اذا رأوا تجارۃ أو لھواً انفضّوا الیھا و ترکوك قائماً۔" (صحیح بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔باب اذ انفر النّاس عن الامام فی صلٰوۃ الجمعۃ فصلٰوۃ الامام و من بقی جائزۃ۔رقم الحدیث 936)

ایک بار ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں مصروف تھے کہ ایک غلہ بردار قافلہ آ پہنچا تو لوگ اس کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے، پس اس وقت (سورۃ جمعہ کی) یہ آیت نازل ہوئی: اور جب وہ کوئی تجارت یا لہو ولعب کا سامان دیکھتے ہیں تو ادھر دوڑ پڑتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔

علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

"و کانت خطبۃ الجمعۃ أیضاً بعدھا الّا أنّہ علیہ السلام کان یخطب فنفر النّاس کلھم زعماً منھم أنّ سمع الخطبۃ لیس بحتم فبقی اثنا عشر نفسا حولہ علیہ السلام فقدّمھا النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کما فی مراسیل أبی داوٗد۔" (العرف الشذی ص229۔تحت ابواب العیدین باب فی صلٰوۃ العیدین)

شروع میں جمعہ کا خطبہ بھی نماز کے بعد تھا اسے نماز سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ (غلہ بردار قافلہ کے آجانے کی وجہ سے) لوگ اس خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے کہ ان میں سے ہر ایک

کا خیال یہ تھا کہ خطبہ سننا ضروری نہیں ہے؛ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے تو یہ صورتِ حال دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا؛ جیسا کہ مراسیل ابی داؤد میں بیان کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری کی مذکورہ روایت اور حضرت شاہ صاحب کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلفائے اربعہ سمیت صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے جنہوں نے نماز تو ادا کر لی تھی لیکن قحط سالی کی وجہ سے خطبہ کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے مسجد سے باہر چلے گئے تھے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کو نماز جمعہ سے مقدم کر دیا۔

خطبہ جمعہ اور عیدین میں فرق پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ خطبہ جمعہ نماز کے لیے شرط کی حیثیت رکھتا ہے جب کہ خطبہ عید مسنون ہے اور اس کے بغیر بھی نماز درست ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سنت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے (بشرطِ صحت روایات) بعض اوقات حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاویہ، حضرت مروان، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور زیاد بن ابی سفیانؓ نے مصلحت کے پیشِ نظر اجتہاد و قیاس کرتے ہوئے خطبہ عید کو نماز سے مقدم کر دیا تھا۔

مولانا احمد علی سہارنپوری صحیح بخاری کی اس روایت (جس میں حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضرت مروانؓ سے فرمایا کہ: "غیّرتم باللّٰہ" ـــ اللہ کی قسم آپ نے خطبہ کو نماز سے مقدم کر کے تبدیلی کر دی) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے مروان رضی اللہ عنہ کے لیے سنت کو تبدیل کرنا کس طرح جائز ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ عید کی نماز میں نماز کو خطبہ پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے لہٰذا اس ترتیب کو ترک کرنا جائز ہے۔

ابن بطال کہتے ہیں کہ یہ سنت کو تبدیل کرنا نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

جمعہ کی نماز میں اس کے مثل عمل فرمایا ہے۔ اور اس لیے بھی (اسے سنت میں تبدیلی نہیں کہہ سکتے) کہ مجتہد اپنے اجتہاد کی بناء پر اولیٰ و افضل کو چھوڑ سکتا ہے جب اس فعل میں لوگوں کے لیے کوئی مصلحت ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو "تعیین" پر محمول کیا جب کہ حضرت مروانؓ نے اسے "اولیت" پر محمول کیا اور ترک اولیٰ کا عذر یہ بیان کیا کہ اب لوگوں کے حالات میں تغیر آ گیا ہے۔ حضرت مروانؓ کے خیال میں اصل سنت یعنی خطبہ کو غور سے سننے کی (جس کی تاکید صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہے) محافظت، ہیئت خطبہ کی رعایت سے بہتر تھی جب کہ یہ ہیئت خطبہ (کہ خطبہ نماز عید کے بعد ہو) خطبہ کے صحیح ہونے کی شرط بھی نہیں ہے۔"

(صحیح بخاری جلداول ص 131۔حاشیہ نمبر 10۔تحت کتاب العیدین باب الخروج الی المصلٰی بغیر منبر)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"و یقال أن اوّل من خطب قبل الصّلوۃ مروان بن الحکم۔"

اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید سے پہلے خطبہ دینا سب سے پہلے مروان بن الحکمؓ نے شروع کیا۔

جب کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے عمر بن الخطابؓ نے کیا۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفانؓ نے کیا۔ نیز بعض روایات میں اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ اور بعض میں زیاد کا نام آیا ہے۔ اس طرح بظاہر تعارض ہو جاتا ہے۔ نیز نماز عید سے قبل خطبہ کا جواز معلوم ہوتا ہے (اگر بالفرض یہ کام صرف حضرت مروانؓ ہی سے ثابت ہو تو ایک جائز کام پر طعن و تشنیع کرنا اور بدعت سیئہ کا مرتکب قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ از مؤلف کتاب ہٰذا)

(درس ترمذی جلد ثانی ص 308۔تحت باب فی صلٰوۃ العیدین قبل الخطبۃ)

خطبہ کو نماز سے مقدم کرنے کو اگر بالفرض حضرت مروانؓ کا ''تفرد'' بھی قرار دے دیا جائے تو پھر بھی انہیں اس فعل پر ''مطعون'' نہیں کیا جا سکتا کیونکہ "حجة الله في الأرض" جناب محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے تفردات سب صحابہ کے مقابلہ میں اہل سنت والجماعت نے قبول نہیں کیے مثلاً آپ عیدین سے پہلے اذان و اقامت کے بھی قائل تھے، ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کے بھی قائل تھے'' (تجلیات صفدر جلد 2۔ص 299)

پیچھے یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی خطبہ کو نمازِ عید سے مقدم کرتے تھے۔ اسی طرح نمازِ عید کے لیے ''اذان اور اقامت'' کے بھی قائل تھے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان اور اقامت کے بغیر نمازِ عید پڑھایا کرتے تھے۔ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نمازِ عید بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی جائے گی لیکن ''اعلان'' کے ذریعے لوگوں کو مطلع کرنا بھی صحیح اور جائز ہے۔

اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ''تفردات'' میں سے ایک تفرد یہ بھی تھا کہ "أنه أذن و أقام" ــــ وہ اذان اور اقامت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں نمازِ عید پڑھاتے تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ "و إختلف في أول من أحدث الأذان فيها" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"و روى ابن المنذر عن أبي قلابة قال: أول من أحدثه عبد الله بن الزبير" (فتح الباری جلد 2۔ص 453)

صحیح بخاری کی روایت سے بھی اس چیز کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اذان اور اقامت کے ساتھ نمازِ عید پڑھاتے تھے۔

امام بخاری نے تو باب کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ:

"باب المشي الركوب الى العيد بغير أذان والاقامة"

عید کی نماز کے لیے پیدل اور سوار ہو کر جانے اور بغیر اذان و اقامت کے نماز کا

بیان ۔ پھر اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں:

"أنّ ابن عباس رضی اللّٰه عنه أرسل الی ابن الزّبیر فی أوّل ما بویع له: انّه لم یکن یؤذّن بالصّلاة یوم الفطر و انّما الخطبة بعد الصّلوة۔"

(صحیح بخاری۔ کتاب العیدین۔ رقم الحدیث 959)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو جب ان کے لیے (یزید کی وفات کے بعد 64ھ میں) خلافت کی بیعت لی جا رہی تھی کہلا بھیجا کہ عید الفطر کے دن نماز کے لیے اذان نہیں کہی جاتی تھی اور خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا۔ اسی باب میں اس سے اگلی روایت میں عبداللہ بن جابرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں نے بیان کیا کہ:

"لم یکن یؤذّن یوم الفطر و لا یوم الاضحیٰ"

نہ تو عید الفطر کے دن اور نہ ہی عید الاضحیٰ کے دن اذان دی جاتی تھی۔

مولانا احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

''دوسری اہم بات یہاں یہ ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ عید کے لیے اذان اور اقامت کے قائل تھے اور بقول ہمارے حضرت شاہ صاحب (علامہ کاشمیری) کے یہ ان کے تفردات میں سے تھا اور ان کے تفردات پر بعض مباحث میں حافظ ابن تیمیہ نے بھی نقد کیا ہے جب کہ ہم لوگ خود حافظ ابن تیمیہ کے تفردات پر بھی نقد کرتے ہیں اور انوار الباری میں خاص طور سے یہ بات نمایاں ملے گی کہ تفردات اکابر کی نشاندہی کی گئی ہے اور جمہور سلف و خلف کے طریقے کو اعلیٰ و افضل ثابت کیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے جو حضرت ابن زبیرؓ سے سات سال بڑے تھے 64ھ میں جب ان کے لیے یزید بن معاویہ کی موت پر، بیعت خلافت ہو گئی تو ان کو کہلا بھیجا کہ پہلے عید کے لیے اذان و اقامت نہ تھی اور خطبہ بھی نماز کے بعد ہوتا تھا تا کہ حضرت ابن زبیرؓ اپنے تفرد مذکور کو ختم کر دیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوا کہ وہ پھر بھی اپنے تفرد پر ہی قائم رہے۔ (انوار الباری جلد 17۔196)

علامہ انور شاہ کاشمیری اور ان کے داماد مولانا بجنوری نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اعمال کو تو ''تفردات'' کا نام دے کر نظر انداز کر دیا ہے جب کہ حضرت مروانؓ کو اس سے بدرجہا کم درجے کے عمل پر بھی طعن و تشنیع اور ملامت کا خوب خوب نشانہ بنایا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ خطبہ کو نماز عید سے مقدم کرنے کی بقول حضرت تھانوی ''بدعت سیئہ'' اکیلے حضرت مروانؓ نے جاری نہیں کی تھی۔ان سے اگر بالفرض یہ فعل صادر ہوا ہے تو وہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے اتباع اور پیروی میں ہی ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قتل کرنے کا الزام

مشہور مؤرخ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے دشمنانِ صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کے زبردست پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے "قتل" کی نسبت سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کی طرف کردی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"57ھ میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فوت ہو کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں...آپ مروان کی مخالفت کیا کرتی تھیں کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہ تھے۔ مروان نے ایک روز دھوکے سے دعوت کے بہانے بلا کر ایک گڑھے میں جس میں ننگی تلواریں اور خنجر وغیرہ رکھ دیے تھے، آپ کو گرا دیا۔ آپ بہت ضعیف اور بوڑھی تھیں، زخمی ہوئیں اور ان ہی زخموں کے صدمہ سے فوت ہوگئیں۔"

(تاریخ اسلام۔ جلد دوم۔ ص 34۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

بعض شیعہ علماء نے قرار دیا ہے کہ مروان نے یہ کاروائی حضرت معاویہؓ کے حکم کی تعمیل میں بجالائی جب کہ بعض حضرات نے اسے خود حضرت معاویہؓ کا فعل قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر نور حسین جعفری سیالوی لکھتے ہیں کہ:

"ظالم معاویہ نے جناب ام المؤمنین بی بی عائشہ کو ایک گڑھے میں ڈال کر اوپر سے چونا بھر کر زندہ درگور کر دیا اور جناب رسالت مآبؐ کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور حضور انور کو ایذائے روحانی پہنچائی مگر پھر بھی اہل سنت کا صحابی بنا رہا..." (ثبوت خلافت جلد دوم ص 260)

سید حیدر علی نقوی لکھتے ہیں کہ:

"56ھ میں معاویہ مدینہ آیا اور ایک مکان میں گڑھا کھدوا کر اس کو خس پوش کر کے

آبنوس کی کرسی بچھوائی اور حضرت عائشہ کو دعوت کے بہانے بلا کر اس پر بٹھایا۔ حضرت عائشہ بیٹھتے ہی گڑھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط کرا دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔" (تاریخ ائمہ ص 148)

مشہور شیعہ مجتہد مرزا یوسف لکھنوی نے بھی اپنی کتاب میں "حبیب السیر" جلد دوم ص 85 مطبوعہ ممبئی کے حوالے سے یہی واقعہ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (وفات عائشہ ص 112)

ترجمان شیعیت غلام حسین نجفی "تاریخ حبیب السیر" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"جب معاویہ نے مدینہ میں آ کر یزید کی خاطر بیعت لینی چاہی تو حضرت عائشہ نے حجرے سے سر نکالا اور فرمایا: رک جا، رک جا۔ کیا پہلے بزرگوں نے بھی اپنی اولاد کی خاطر بیعت لی ہے؟ معاویہ نے کہا نہیں۔

عائشہ نے کہا پھر کس کی پیروی کر رہا ہے؟ معاویہ شرم سار ہوا، منبر سے اتر آیا اور حضرت عائشہ کی خاطر ایک گڑھا کھدوایا اور پھر مکر و حیلہ کیا اور جناب عائشہ کو گڑھے میں پھینک دیا اور بی بی جی مر گئی....

معاویہ اسلام کا ماموں تو بن بیٹھا مگر اس نے مسلمانوں کی ماں کو قتل کر کے اپنے تمام فضائل پر جھرلو پھیر لیا۔ جو نواصب باچھیں ٹیڑھی کر کے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ محبوب رسول اللہ تھیں وہ ہمیں بتائیں کہ اس محبوبہ رسول اللہ کی قبر کہاں ہے؟ معاویہ نے دنیا میں عائشہ کی قبر کا نشان ہی مٹا دیا۔" (خصائل معاویہ ص 248-249)

اہل تشیع نے تو صرف "گڑھے" کا ذکر کیا تھا جب کہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اس گڑھے میں سیدنا مروانؓ کے ذریعے ننگی تلواریں اور خنجریں بھی رکھوا دیں۔ موصوف نے یہ وضاحت نہیں کی کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ زخمی ہونے کے کتنے عرصہ بعد فوت ہوئیں؛ البتہ اہل تشیع کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ گرتے ہی وفات پا گئی تھیں اور معاویہ نے اس "گڑھے" کو پتھر اور چونے سے مضبوط کرا کے قبر کا نشان ہی مٹا دیا۔

سخت تعجب ہے کہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی جیسے نقاد مؤرخ نے حضرت عائشہ

صدیقہؓ کی وفات کے حوالے سے سیدنا مروانؓ پر الزام عائد کرتے ہوئے سراسر ایک لغو، باطل، بے بنیاد اور موضوع داستان کو اپنی کتاب "تاریخ اسلام" میں کیوں کر نقل کر دیا؟

پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ اس انتہائی مکروہ و ظالمانہ کاروائی پر ام المؤمنین کے روحانی فرزندوں (صحابہؓ و تابعینؒ) کی طرف سے کسی قسم کا "ردِ عمل" دیکھنے سننے اور پڑھنے میں نہ آیا۔

دراصل اس سلسلہ کی جملہ روایات حوزہ "علمیہ" قم کے گٹر کی عفونت پر مشتمل ہیں۔ یہ الزام اس قدر لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقعہ ہے کہ خود اہل تشیع کے اکابر علماء نے بھی اس کی تردید کی ہے۔

قدیم شیعہ مؤرخ احمد بن ابی یعقوب (م 284ھ) لکھتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ کے دورِ خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار ازواج مطہرات نے انتقال کیا.... عائشہ بنت ابی بکر 58ھ میں فوت ہوئیں۔ ان کی نماز جنازہ ابو ہریرہ نے پڑھائی جوان دنوں مروان کے نائب تھے۔" (تاریخ یعقوبی جلد دوم ص 328)

موصوف کا یہ کہنا کہ "دورِ خلافت معاویہؓ" میں چار ازواج مطہرات انتقال کر گئی تھیں، محل نظر ہے۔ جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ چھے ازواج مطہرات: 1۔ سیدہ ام حبیبہؓ (م 44ھ)، 2۔ سیدہ حفصہؓ (م 45ھ)، 3۔ سیدہ صفیہؓ (م 50ھ)، 4۔ سیدہ جویریہؓ (م 50ھ)، 5۔ سیدہ میمونہؓ (م 51ھ) اور 6۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ (م 58ھ) نے بالاتفاق حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں انتقال فرمایا تھا۔

محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی لکھتے ہیں کہ:

"نیز اسی سال میں عائشہ زوجہ رسولؐ کا انتقال ہوا۔ ابو ہریرہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

(منتخب التواریخ ص 21۔ فصل چہارم۔ امر دوم عائشہ دختر ابا بکر)

شیخ عبداللہ مامقامی لکھتے ہیں کہ:

"عدها الشيخ في رجاله من الصحابيات ....وتوفيت سنة ثمان

وخمسین"

(تنقیح المقال جلدسوم ص 81 من فضل النساء عائشة بنت ابی بکر)

ان کے شیخ نے عائشہ بنت ابی بکر کو اپنی رجال کی کتاب میں صحابیات میں شمار کیا ہے۔ ان کا انتقال 58ھ میں ہوا۔

سید العلماء سید علی نقوی رقم طراز ہیں کہ:

"امہات المؤمنین یعنی ازواج رسولؐ کی قبریں اسی بقیع میں تھیں۔ چنانچہ بوقت وفات حضرت عائشہ نے فرمایا کہ مجھ کو وہیں بقیع میں دفن کرنا جہاں میری اور بہنیں (ازواج النبیؐ) دفن ہیں۔" (قبہ وقبور ص 46)

مذکورہ اکابر شیعہ علماء نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات کے سلسلے میں زیر بحث داستان کا کوئی ادنیٰ سا بھی اشارہ نہیں کیا بلکہ ان کی طبعی موت، نماز جنازہ اور جنت البقیع میں تدفین کی صراحت کی ہے۔

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی چونکہ سنی ہیں (اگرچہ ایک دور میں غلام احمد قادیانی کے ساتھ ان کی نظریاتی وابستگی پائی جاتی تھی پھر بعد میں تائب ہوگئے تھے) اس لیے حضرت عائشہؓ کی وفات کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا نظریہ نذر قارئین کیا جاتا ہے:

امام بخاری (م 256ھ) روایت کرتے ہیں کہ:

حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے کے بعد اپنے بیٹے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ:

ان سے دریافت کریں کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن کیا جاؤں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ جگہ میں اپنے لیے پسند کرتی تھی لیکن میں آج حضرت عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب ما جاء فی قبر النبیؐ وابی بکر وعمر)

اسی باب میں خود حضرت عائشہؓ سے مروی یہ روایت بھی پائی جاتی ہے کہ:

انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو وصیت کی کہ مجھے ان لوگوں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا۔اس طرح میں ان سے برتری حاصل نہیں کرسکوں گی۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھر میں دفن نہ کرنا کیونکہ میں یہ بات پسند نہیں کرتی (کہ دوسری ازواج مطہرات کے مقابلے میں) مجھے کوئی برتر مقام دیا جائے۔

(صحیح بخاری۔کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ماجاء فی ذکر النبیؐ)

حضرت عائشہؓ کی کسر نفسی کا عالم یہ تھا کہ جب آخری بیماری کے دوران میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ عیادت کے لیے آئے اور آپ کی تعریف بیان کر کے تشریف لے گئے تو بعد میں حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے فرمایا کہ:

ابن عباسؓ آئے تھے سو انہوں نے میری تعریف کی مگر میری خواہش تو یہ ہے کہ میں گم نام اور بھولی بسری ہوتی۔

(صحیح بخاری۔کتاب التفسیر۔سورۃ النور باب وقولہ: "وَلَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ")

"وَدِدْتُ اَنِّیْ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا" کے جملہ سے حضرت عائشہؓ کے خوف الٰہی، کسر نفسی اور تقویٰ کے مقام بلند کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ محمد بن سعد نے بھی "کسر نفسی" پر مبنی چند اقوال نقل کیے ہیں کہ:

"جب حضرت عائشہؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمانے لگیں: کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی، کاش میں ایک درخت ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی میں رطب اللسان رہتی اور پوری طرح اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاتی، کاش مٹی کا ایک ڈھیلا ہوتی، کاش مجھے اللہ تعالیٰ پیدا نہ فرماتے....

ابن عباسؓ تعریف چھوڑ دو ۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری تو یہ تمنا ہے کہ میں بھولی بسری ہوتی ۔''

(طبقات ابن سعد اردو ۔ ص 100-102 جلد 8 ۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

سخت افسوس ہے کہ بعض علمائے اہل سنت نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جنت البقیع میں دفن ہونے کی وصیت اور ''کسر نفسی'' پر مبنی مذکورہ کلمات کو ''گناہ اور بدعت'' پر محمول کر کے دشمنان صحابہ و اہل بیتؓ کے باطل نظریہ کو تقویت پہنچا دی ۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

''بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ مجھے روضۂ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا ۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک جرم کیا ہے ۔

ابن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں ''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ'' تو اس قدر روتی تھیں کہ روتے روتے آنچل تر ہو جاتا تھا ۔'' (سیرت عائشہ ص 143 ۔ مطبوعہ مکتوبہ رحمانیہ لاہور)

''یہ ''جرم'' کیا تھا؟ علامہ ندوی نے اس کے لیے صحیح بخاری کتاب الجنائز، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور ابن سعد جزء نساء کا حوالہ دیا ہے لیکن راقم الحروف محولہ بالا مقامات میں ''مذکور جرم'' تلاش کرنے میں ناکام رہا ۔ البتہ طبقات ابن سعد میں ''ذکر عائشہؓ'' کے بالکل آخر میں یہ روایت موجود ہے کہ:

''سننے والے نے حضرت عائشہؓ سے سن کر بیان کیا کہ جب آیت ''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ'' (اپنے اپنے گھروں میں چمٹی رہو) پڑھتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے شرابور ہو جاتا ۔'' (طبقات ابن سعد اردو ۔ جلد 8 ۔ ص 109)

علامہ سید سلیمان ندوی کی اس ''جرم'' سے مراد سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا جنگ جمل میں شرکت کے لیے خروج ہے ۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے "حرم" کے بجائے "بدعت" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"پھر جنگ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہؓ کی ندامت کا عالم یہ تھا کہ جب تلاوت قرآن کریم کے دوران وہ سورہ احزاب کی اس آیت پر پہنچتیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خواتین کو یہ حکم دیا ہے کہ "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود آپ کے گھر میں سرکار دو عالمؐ کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن جنگ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

(جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ذی الحجہ 23ھ میں حضرت عمرؓ کو یہاں دفن ہونے کی اجازت دے کر اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا اور جنگ جمل تو اس ایثار کے 13 سال بعد 36ھ میں ہوئی تھی)

قیس بن ابی حازم مروی ہیں کہ:

حضرت عائشہؓ دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اب مجھے آپؐ کی دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا چنانچہ انہیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

حافظ ذہبی ان کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بدعت سے مراد حضرت عائشہؓ کی مراد جنگ جمل میں ان کا جانا تھا اس لیے کہ وہ اپنے اس عمل پر کلی طور پر نادم تھیں اور اس سے توبہ کر چکی تھیں۔ باوجودیکہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کا مقصد نیک تھا۔"

(عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص 43-42۔ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

سخت تعجب ہے کہ مفتی اعظم صاحب یہاں روایت تو نقل کر رہے ہیں "مستدرک

حاکم" سے لیکن اس مقام پر وہ امام ذہبی کی "تلخیص مستدرک" سے مطمئن نہ ہوئے تو موصوف نے امام ذہبی کی ایک دوسری تصنیف "سیر اعلام النبلاء" (جلد 2 ص 193) کا سہارا لے لیا جس سے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو "بدعت" کا مرتکب قرار دینے میں انہیں "سہولت" میسر آ گئی۔

مفتی اعظم صاحب کی متدل مذکورہ روایت کی "روایتی و درایتی" حیثیت معلوم کرنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب "حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ" از ص 575 تا 593 کی طرف مراجعت فرمائیں۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مفتی اعظم پاکستان نے صحیح بخاری کی روایات (جو ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے "مستدرک حاکم" کی نری غریب، فرد مطلق اور مرسل روایت کے مقابلے میں نہ صرف "اصح، ارجح واقوی" ہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اعلیٰ وارفع شان کے مطابق بھی ہیں) کو نظر انداز کر کے اس روایت کو ترجیح دے دی جس سے ام المؤمنینؓ کی توہین و تنقیص اور ان کے جائز، صحیح اور مشروع اقدام کی تغلیط ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ندوی اور مفتی اعظم پاکستان نے حضرت عائشہؓ کے جس "اقدام" کو "جرم" اور "بدعت" سے تعبیر کیا ہے اس سے حوصلہ پا کر ترجمانِ شیعیت غلام حسین نجفی نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

"بوقتِ موت جنگ جمل کا عائشہ کے گلے میں پھنس جانا بی بی جی کی غلطی پر ہونے کی ٹھوس دلیل ہے۔ بوقت موت جناب عائشہ بہت گھبرائیں اور بے چین و بے قرار ہوئیں، پوچھا گیا: اماں جی کیا بات ہے؟

بی بی جی فرمانے لگیں: میرے حلق میں جنگ جمل کا دن اٹک اور پھنس گیا ہے۔ جنگ جمل کا وقتِ موت بی بی کے گلے میں پھنس جانا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ یہ جنگ جناب عائشہ کی ایسی غلطی ہے جس کی معافی انہیں خدائے رحیم نے وقتِ موت تک نہیں دی۔" (بغاوتِ بنوامیہ ص 433)

غلام حسین نجفی کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جنگ جمل میں شرکت کرنے کی معافی موت کے وقت تک نہیں ملی لیکن ہمارے نامور علمائے کرام تو چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود آں معظّمہ رضی اللہ عنہا کو اس ''جرم و بدعت'' کی معافی نہیں دے رہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت عائشہؓ کے اس جائز، صحیح اور مشروع اقدام کو ''بدعت'' تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ''اجتہاد'' کا نام بھی دے رہے ہیں۔ یہ اقدام اگر ''بدعت'' ہے تو یقیناً اجتہاد نہیں ہوسکتا اور اگر ''اجتہاد'' ہے تو یقیناً ''بدعت'' کے زمرے میں نہیں آ سکتا۔ حضرت مفتی صاحب نے ''اجتماع ضدین'' کی صورت پیش کی ہے جو ایک امر محال ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ پر ''بدعت شرعیہ'' کا اطلاق ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ اس بدعت کی حد صحابہ کرامؓ کے بعد شروع ہوتی ہے اس لیے وہ خود ''بدعت شرعیہ'' کا موضوع نہیں بن سکتے۔ البتہ ان پر ''بدعت لغوی محمودہ'' کا اطلاق ہوسکتا ہے لیکن مفتی صاحب نے جس سیاق و سباق میں ایک شیعہ مصنف امام حاکم کی ''المستدرک'' سے ''حدیث بدعت'' نقل کی ہے اس پر تو العیاذ باللہ صرف ''بدعت لغوی نامحمودہ، سیئہ و مذمومہ'' کا ہی اطلاق ہوسکتا ہے کیونکہ انہوں نے بسلسلہ ''تغلیط اقدام عائشہؓ '' اسے بطور دلیل و ثبوت پیش کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عظیم اقدام کو ''جرم یا بدعت'' قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اقدام خالصتاً اجتہادی تھا اور جس مقصد عظیم کے لیے یہ اقدام اٹھایا گیا تھا وہ یقیناً دینی اور شرعی تھا۔ حضرت عائشہؓ کے سامنے ''بیعت رضوان'' کا منشاء اور ''آیت رضوان'' کی روح موجود تھی لہٰذا آپ سے یہ بے پروائی اور بے اعتنائی دیکھی نہ گئی اور خونِ عثمانؓ کے قصاص (جو نص صریح کے مطابق بھی فرض تھا) کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ یہ وہ فرض کفایہ تھا کہ اگر آپ اسے ادا نہ فرماتیں تو پوری امت گناہ گار قرار پاتی۔

سخت حیرت ہے کہ مفتی اعظم صاحب اور ان کے تصدیق کنندگان علمائے کرام اور مفتیانِ عظام نے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے والی خود ام المؤمنین کو ہی ''مجرم و بدعت'' کا مرتکب قرار دے ڈالا۔ فیا اسفا!

یہ ملحوظ رہے کہ حسب ذیل علمائے کرام نے مفتی اعظم کے زیر بحث فتویٰ کی توثیق، تائید و تصدیق فرمائی ہے:

1۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب

2۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب

3۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

4۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب

5۔ حضرت مولانا اطہر نعیمی صاحب

ملاحظہ ہو: (''عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت'' ص 1 5 تحت ''تصدیق کنندگان'' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

مذکورہ توضیح سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جنگ جمل میں شرکت فرما کر ہرگز کسی جرم یا بدعت کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ انہوں نے روضۂ رسولؐ میں عدم تدفین اور جنت البقیع میں دفن کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ دیگر ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ مساوات، برابری اور عدم برتری کے جذبہ کے تحت محض ''کسر نفسی'' کی وجہ سے کی تھی۔ صحیح بخاری کی روایت میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ ''لَا أُزَكَّى بِهِ أَبَدًا'' کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے کوئی ''جرم'' سرزد ہوگیا تھا جس کی بناء پر وہ روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے سے شرماتی تھیں بلکہ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ آں معظمہؓ دیگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ دفن ہونے کی خواہش رکھتی تھیں اور ان کے مقابلے میں اپنی تعریف اور برتری پسند نہیں کرتی تھیں جو روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے کی صورت میں انہیں حاصل ہوتی۔

حضرت عائشہؓ کی وفات راجح قول کے مطابق 17۔ رمضان المبارک 58ھ میں ہوئی۔ حسب وصیت رات کو ہی جنازہ اٹھالیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عروہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے آخری لمحات (علالت، عیادت اور تدفین سے متعلق وصیت) کتب حدیث، طبقات، سیرت اور تاریخ میں موجود محفوظ ہیں مگر سخت حیرت ہے کہ ان حقائق کے باوجود دشمنان صحابہ و اہل بیتؓ بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی سے حضرت مروانؓ یا حضرت معاویہؓ پر ان کے قتل کا الزام عائد کر کے ان کی طبعی موت کا انکار اور جنت البقیع میں ان کی عدم تدفین کا پرچار کر رہے ہیں۔

اگر کنواں کھدوا کر، اس میں ننگی تلواریں اور خنجر رکھ کر، اسے خس و خاشاک سے ڈھانپ کر، اس پر آبنوس کی کرسی بچھانے جیسی سازش کے ذریعے حضرت مروانؓ حضرت عائشہؓ کو قتل کرتے تو اس مقدس ماں کے لاکھوں روحانی فرزند بالخصوص ان کے افرادِ خاندان بھتیجے، بھانجے اور سب سے بڑھ کر حضرت مروانؓ کے سیاسی حریف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کیوں کر خاموش رہ سکتے تھے؟

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ 58ھ میں مدینہ منورہ کے گورنر حضرت سعید بن العاصؓ تھے۔ حضرت مروانؓ کو دربارِ خلافت سے اس منصب سے تو پہلے ہی معزول کر دیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل پیچھے کتاب کے حصہ اول میں زیرِ عنوان "سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بحیثیت گورنر گزر چکی ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے اکابر علماء کے متفقہ قول کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات بیماری اور طبعی طور ہوئی؛ لہٰذا حضرت مروانؓ یا حضرت معاویہؓ پر قتل عائشہؓ کا الزام سراسر بے بنیاد، باطل، لغو اور خلاف واقع ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر مظالم حرّہ میں حصہ لینے کا الزام

مولانا مودودی صاحب کے ترجمان اور وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مروان حرہ کے روز مسرف بن عقبہ کے ساتھ تھا اور اسے اہل مدینہ کے قتال پر ابھارتا رہا۔واضح رہے کہ ابن عقبہ یزید کا سپہ سالار تھا جس نے مدینہ منورہ میں ایسی غارت گری کی جس کے بیان سے زبانِ قلم عاجز ہے۔اس شخص کا نام مسلم بن عقبہ تھا لیکن مؤرخین نے اس کے حد سے گزرے ہوئے ظلم وستم کی بناء پر اس کا نام مسرف بن عقبہ رکھ چھوڑا ہے اور مروان اس کے مظالم میں برابر کا شریک وسہیم ہے۔بلکہ فتنہ حرہ کا بانی مبانی اور سرغنہ ہے۔اس کے باوجود کچھ لوگ ہیں جو اسے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں!ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے؟؟؟

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ۔ص 492،مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور)

علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے داماد مولانا سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

''واقعہ حرہ 63ھ میں بھی اگرچہ مروان امیر مدینہ نہیں تھا مگر اس نے اور اس کے بیٹے عبدالملک نے لشکر شام کو بنی حارثہ کے راستے سے مدینہ طیبہ میں داخل کرادیا تھا۔اس وقت یزید کی طرف سے عثمان بن محمد بن ابی سفیان گورنر مدینہ تھا اور اس کی غلط کاریوں کے سبب سے مدینہ طیبہ کے لوگ یزید سے بیزار ہو گئے تھے۔عثمان نے یزید کو خبر دی تو اس نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا لشکر جرار مدینہ طیبہ پر چڑھائی کے لیے روانہ کیا اور اہل مدینہ نے حضور علیہ السلام کے زمانے کی خندق کو کھود کر پھر سے کارآمد کرلیا اور ہر طرف سے مدینہ کو محفوظ کرلیا تھا۔

مسلم بن عقبہ کا لشکر مدینہ سے باہر آکر رک گیا اور کوئی صورت حملے کی نہ دیکھی تو مروان

اور اس کے بیٹے سے مدد چاہی اور ان دونوں نے خفیہ راستہ بتا کر مدینہ پر حملہ کرا دیا اور پھر لشکر یزید نے تین دن تک مدینہ طیبہ میں لوٹ مار اور قتل عام کا بازار گرم کیا۔ اور ایسے ایسے مظالم کیے جن کو لکھنے سے ہمارا قلم عاجز ہے۔ (انوار الباری۔ اردو شرح صحیح البخاری جلد 17 ص 193)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اگرچہ واقعہ حرہ میں حضرت مروانؓ کے کسی کردار کا ذکر نہیں کیا لیکن مظالم کی کچھ تفصیل دی ہے جن سے حضرت بجنوری اور ملک غلام علی صاحب کی ''شرعی شہادت'' سے ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت مروانؓ ان تمام مظالم میں برابر کے شریک و سہیم تھے۔ چنانچہ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد دوسرا سخت المناک واقعہ جنگ حرہ کا تھا جو 63ھ کے آخر اور خود یزید کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی مختصر روداد یہ ہے کہ:

اہل مدینہ نے یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دے کر اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس کے عامل (گورنر) کو شہر سے نکال دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سربراہ بنا لیا۔ یزید کو یہ اطلاع پہنچی تو اس نے مسلم بن عقبہ المرّی کو (جسے سلف صالحین مسرف بن عقبہ کہتے ہیں) بارہ ہزار فوج دے کر مدینہ پر چڑھائی کے لیے بھیج دیا اور اسے حکم دیا کہ تین دن تک اہل شہر کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہنا پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا اور جب فتح پالو تو تین دن تک کے لیے مدینہ کو فوج پر مباح کر دینا۔ اس ہدایت پر فوج گئی، جنگ ہوئی، مدینہ فتح ہوا اور اس کے بعد یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لیے فوج کو اجازت دے دی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کر لے۔

ان تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی، شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا گیا جن میں امام زہری کی روایت کے مطابق سات سو معززین اور دس ہزار کے قریب عوام (جو شاید معززین میں شامل نہیں تھے۔ از مؤلف کتاب ہٰذا) مارے گئے۔

اور غضب یہ کہ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں "حتی قیل أنه حبلت الف امرأة فی تلك الایام من غیـــــر زوج" کہا جاتا ہے ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں ۔(اور جن عورتوں کے حمل قرار نہ پا سکے وہ اس تعداد کے علاوہ ہیں ۔ از مؤلف کتاب ہذا)

(خلافت وملوکیت ۔ص 181 تا 182 مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لاہور)

علامہ عبدالرشید نعمانی بھی اس شعبہ میں متخصص ہیں اس لیے انہوں نے بھی مظالم حرہ کی تفصیلات جاری کرنے کے بعد آخر میں "متاثرہ" خواتین کی تعداد کا ذکر کیے بغیر اجمالاً یہ لکھ دیا ہے کہ مخدرات عصمت کی جو عصمت دری ہوئی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے قلم بھی شرماتا ہے۔" (حادثہ کربلا کا پس منظر ص 317 ۔مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور)

مخدرات عصمت کی عصمت دری کا ذکر کرتے ہوئے تو موصوف کا قلم نہیں شرمایا البتہ تعداد اور دیگر تفصیلات دینے سے ان کا قلم ضرور شرما گیا ہے کہ کہیں قارئین اس "اجمال" کو ہی نہ مسترد کر دیں۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "معارف السنن شرح ترمذی" میں رقم طراز ہیں:

"عمرو بن سعید كان والياً على المدينة من جهة يزيد بن معاوية و كان يجهز لقتال عبد الله بن الزبير معاونة ليزيد و عمرو بن سعيد هذا هو ابن العاص بن امية القرشي الاموي يعرف بالاشدق وملقب بلطيم الشيطان يكنى أبا امية....

فكان يزيد يامر ولاته على المدينة أيجهزوا لقتاله الجيش إلى أن ادّى ذلك وامثاله لخلع اهل المدينة بيعة يزيد فانتج ذلك وقعة الحرّة بالمدينة فقتل فيها مئون من الصّحابة و ابنائهم و افتض فيها الف عذراء على ما يقال و وقع شرّ عظيم و فساد كبير على ما يحدثناه التاريخ فانّا للّٰه وانّا اليه راجعون وذلك سنة ثلاث وستين من الهجرة النبوية على صاحبها الصلوات والتحية..."

عمرو بن سعید، مدینہ پر یزید بن معاویہ کی طرف سے والی بنایا گیا تھا اس نے یزید بن

معاویہ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ قتال کی تیاری کی۔ یہ عمرو بن سعید بن العاص ابن امیہ قرشی اموی ہے اور اس کو اشدق کے نام سے جانا گیا ہے اس کا لقب لطیم الشیطان ہے اور ابوامیہ اس کی کنیت ہے۔ لہذا یزید نے اپنے مدینہ کے ولاۃ کو حکم دیا کہ وہ ان (عبداللہ بن زبیر اور ان کے حامیوں) سے قتال کرنے کے لیے لشکروں کو تیار کریں (اور قتال پیش آیا) یہاں تک کہ ان کاروائیوں کا نتیجہ (یہ) نکلا کہ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت کو توڑ ڈالا جس کے صلے میں حرہ کا واقعہ پیش آیا اور اس میں کئی سو صحابہ مع اپنی اولاد کے شہید ہو گئے (اسی میں شرکائے حدیبیہ سب ختم ہوئے) اور ایک ہزار دوشیزہ لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی جیسا کہ کہا گیا ہے اور بہت بڑا فساد و فتنہ واقع ہوا جیسا کہ تاریخ کے بیان سے ظاہر ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ واقعہ 63ھ میں پیش آیا تھا....

(معارف السنن۔جلد6ص 7-8۔تحت ماجاء فی حرمة مكة)

حضرت بنوری نے "معارف السنن" میں سراسر "تہمت و بہتان" پر مبنی مرقومہ بالا واقعہ پوری "تحقیق" کے بعد بالکل صحیح سمجھ کر نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ موصوف "معارف السنن" میں اپنی "تحقیق"، محنت اور تلاش و جستجو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"میں نے اپنی قوت و طاقت، تخریج اور ماخذ کے مطلع ہونے پر پوری طرح صرف کی، ورق گردانی متوقع اور غیر متوقع مقامات سے مسئلہ نکالنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ کبھی میں ایک مسئلہ کی تلاش میں گھڑیاں ہی نہیں بلکہ کئی کئی راتیں اور دن گزارتا اور اس کے لیے ایک کتاب کی کئی مجلدات پڑھتا (یعنی مطالعہ کرتا) جب مجھے اپنی متاع گم شدہ مل جاتی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔

لہذا میں کتاب سیبویہ، رضی، شرح کافیہ، دلائل الاعجاز، اسرار البلاغۃ، عروس الافراح، کشف الاسرار، دیکھنے پر مجبور تھا جس طرح شروح حدیث کی اہم کتابیں "فتح الباری، عمدۃ القاری اور مذاہب فقہ میں شرح مہذب، مغنی لابن قدامہ اور رجال میں کتب رجال دیکھنے پر مجبور تھا...

معارف السنن کی تصنیف کے سلسلے میں مجھے مختلف کتابوں کے تقریباً دو لاکھ صفحات

پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا موقع ملا....

ڈابھیل کے قیام میں ایسا بھی ہوا کہ ایک ایک بات کی تحقیق کے لیے میں نے پانچ پانچ سو، ہزار ہزار، دو دو ہزار صفحات کا مطالعہ کیا....

میں جب ہدایہ پڑھتا تھا تو فتح القدیر، البحر الرائق اور بدائع الصنائع ان تینوں کتابوں کا دو سبق کے قریب مطالعہ کیا کرتا تھا اور میرا مطالعہ ہمیشہ استاد کے سبق سے آگے رہتا تھا۔

پھر مشکوۃ کے سال بدایۃ المجتهد اور حجۃ اللہ البالغۃ کا مطالعہ کرتا تھا اور ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت نصیب ہوئی اور حضرت شاہ صاحب کے پاس مذاہب اربعہ کی کتابیں تھیں۔ چنانچہ میں "کتاب الامؒ"، فقہ شافعی، "المغنی"، فقہ حنبلی اور المجموع شرح مهذب وغیرہ کا مطالعہ کرتا تھا۔ اس سے مجھے شوق پیدا ہوا اور میں نے مذاہب اربعہ کی اکثر کتب متداولہ کا مطالعہ کیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ یہ تمہارے (یعنی طلبائے دورہ حدیث) اندر مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کے لیے سنا رہا ہوں۔"

(ارشاداتِ اکابر ص 22۔ ملفوظ نمبر 27۔ بحوالہ "کامیاب طالب علم" ص نمبر 140، 141 مؤلفہ روح اللہ نقشبندی صاحب)

صدر وفاق المدارس العربیہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ:

یہاں روایت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اس کا تعلق 63ھ سے ہے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور یزید بن معاویہ کے لیے بیعت لی جانے لگی تو مدینے والوں کا ایک وفد یزید کی ملاقات کے لیے گیا، انہوں نے بعض نامناسب باتیں یزید میں دیکھیں اور مدینے واپس آ کر انہوں نے یزید کی اطاعت سے انکار کر دیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔ اس بات کی اطلاع جب یزید کو ملی تو اس نے ایک لشکر مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں مدینے کی طرف روانہ کر دیا۔ مسلم کو حد سے زیادہ ظلم ڈھانے کی وجہ سے لوگ مُسرِف بن عقبہ کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ اس نے حرہ واقم میں پڑاؤ ڈالا جو مدینے کے مشرقی جانب واقع ہے۔

ادھر سے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ میدان میں آئے، لیکن ریاست وحکومت کے سامنے ان کی پیش نہ گئی اور وہ اپنے سات بیٹوں کے ہمراہ شہید ہوئے۔

مسلم بن عقبہ کے لشکریوں نے خوب قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور بہت اودھم مچائی۔ تقریباً سترہ سو انصاری، تیرہ سو قریشی اور عام لوگوں میں بچوں اور عورتوں کے سوا دس ہزار افراد کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی گئی، مال و اسباب لوٹا گیا۔ پاکباز آزاد عورتوں کی عصمت دری کی گئی، آٹھ سو عورتوں کو اس زیادتی سے حمل ٹھہرا، ان بچوں کو جو اس حمل سے پیدا ہوئے تھے اولاد الحرۃ سے پکارا جاتا تھا۔"

(کشف الباری۔ کتاب الجہاد والسیر جلد دوم ص 106-107 تحت عنوان "واقعہ حرہ کی تفصیلات")

امام جلال الدین سیوطی (م 911ھ) فرماتے ہیں کہ:

"و فی سنة ثلاث وستین بلغه أنّ أهل المدینة خرجوا علیه و خلعوه فأرسل علیهم جیشاً کثیفاً و أمرهم بقتالهم ثم المسیر الی مکة لقتال ابن الزبیر۔ فجاؤا و کانت وقعت الحرّة علی باب طیبة۔ و ما أدراك ما وقعة الحرّة؟ ذکرها الحسن مرّة فقال: واللّٰه ما کاد ینجوا منهم أحد قتل فیها خلق من الصّحابة رضی اللّٰه عنهم و من غیرهم و نهبت المدینة واقتضّ فیه ألف عذراء۔ فانّا للّٰه و انّا الیه راجعون۔"

"63ھ میں یزید کو خبر ملی کہ اہل مدینہ اس پر خروج کی تیاری کر رہے ہیں اور انہوں نے اس کی بیعت توڑ دی ہے۔ یہ سن کر اس نے ایک بڑا بھاری لشکر اہل مدینہ کی طرف روانہ کیا اور ان سے جنگ کا حکم دیا پھر اس سے فارغ ہونے کے بعد اسی لشکر کو مکہ میں ابن زبیرؓ کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا۔ پھر وہ لشکر آ گیا اور واقعہ حرہ باب طیبہ پر واقع ہوا۔ واقعہ حرہ جانتے ہو کیا ہے؟ اس کی کیفیت حسن مرّۃ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب مدینہ پر لشکر کشی ہوئی تو مدینہ کا کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اس لشکر سے پناہ میں رہا ہو۔ ہزارہا صحابہ اور ان کے علاوہ

دوسرے لوگ ان لشکریوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔مدینہ شریف کو خوب خوب لوٹا گیا اور ایک ہزار باکرہ لڑکیوں کی بکارت زائل کی گئی (ان کے ساتھ مدینۃ النبیؐ میں زنا بالجبر کیا گیا)فانا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔"

(تاریخ الخلفاء للسیوطی۔تحت باب یزیدبن معاویۃ بن أبی سفیانؓ 60-64ھ جلد1۔ص182)

یہ ملحوظ رہے کہ بین القوسین عبارت "تاریخ الخلفاء" کے مترجم ادیب شہیر شمس بریلوی کے قلم سے ہے۔ملاحظہ ہو: (تاریخ الخلفاء اردو۔ص306)

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب خواتین کی "عصمت دری" کا اشارتاً ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"پھر63ھ میں فتنہ حرہ کا ظہور ہوا جس میں مدینہ کو مباح کر کے صحابہ، ابناء صحابہ اور اہل مدینہ تباہ کیے گئے،ان کی جانیں،آبروئیں تلف کی گئیں اور جو نہ ہونا تھا وہ ہوا۔"

(شہید کربلا اور یزید۔ص163۔مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور)

واقعہ حرہ کا زیر نظر کتاب "سیدنا مروان رضی اللہ عنہ ــــ شخصیت اور کردار" کے ساتھ براہ راست کوئی تعلق نہیں بنتا کیونکہ امیر یزید کے عہد خلافت میں حضرت مروانؓ کسی منصب پر فائز نہیں تھے لیکن چونکہ ملک غلام علی صاحب اور مولانا سید احمد رضا بجنوری نے انہیں "مظالم حرہ" میں برابر کا شریک و سہیم قرار دے دیا ہے اس لیے اس الزام کا بھی یہاں جائزہ لینا پڑا۔

سید احمد رضا بجنوری حضرت مروانؓ اور ان کے بیٹے عبدالملک کو واقعہ حرہ میں ملوث قرار دینے کے بعد "مظالم" کی تفصیل بتانے سے یہ لکھ کر دست بردار ہو گئے کہ:

"مروان اور اس کے بیٹے...نے ایک خفیہ راستہ بتا کر مدینہ پر حملہ کرا دیا اور پھر لشکر یزید نے تین دن تک مدینہ طیبہ میں لوٹ مار اور قتل عام کا بازار گرم کیا اور ایسے ایسے مظالم کیے جن کو لکھنے سے ہمارا قلم عاجز ہے۔"(انوار الباری جلد17۔ص193)

موصوف نے تین دن تک لوٹ مار اور قتل عام کا تو ذکر کر دیا لیکن ان کے علاوہ وہ کون

ہے "مظالم" تھے جن کو لکھنے سے ان کا قلم "عاجز" آ گیا تھا۔

اگر صرف جناب سیوطی اور سید مودودی صاحب ہی اس کی تفصیل بیان کر دیتے تو جماعت اسلامی کے علاوہ دیگر دینی حلقے اس سے زیادہ متاثر نہ ہوتے لیکن جب محدث وقت مولانا سید یوسف بنوری اور وفاق المدارس کے موجودہ سربراہ اور شارح بخاری مولانا سلیم اللہ خان صاحب بھی جناب مودودی صاحب کے موقف کی تائید وتصدیق کر بیٹھیں تو پھر "اکابر پرست" دیوبندی حلقے کے لیے "حرفِ انکار" کی سرے سے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مگر راقم الحروف مؤخر الذکر دونوں بزرگوں کی علمیت، دینی خدمات اور وثاقت کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ دونوں بزرگ "حق اور انصاف" کا خون کرتے ہوئے اس معاملے میں کلی طور پر سبائی پروپیگنڈے سے بری طرح متاثر ہو گئے تھے۔ جس کا "ثبوت" وہ "معارف السنن" اور "کشف الباری" میں دینی طبقہ کے لیے چھوڑ گئے۔

حضرت بنوری صاحبؒ نے مظالم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آخر میں جو "کلمہ استرجاع" یعنی "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون" لکھا تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کلمہ کا صحیح محل خود جناب سیوطی، سید مودودی، مولانا سید بجنوری، مولانا سید یوسف بنوری اور جناب مولانا سلیم اللہ خان کے زیرِ تبصرہ "اقتباسات" میں حسب ذیل جملہ ہے:

"واقتض فیها الف عذراء علی ما یقال ، حتی قیل أنه حبلت الف امرأة فی تلك الایام من غیر زوج"

معلوم نہیں کہ یہ جملہ لکھتے وقت انہوں نے اپنی بے پناہ علمیت وبصیرت سے کام کیوں نہ لیا؟ معلوم نہیں کہ ایسے نازک موقع پر انہوں نے محدثین عظام کے بتائے ہوئے "اصول روایت و درایت" سے اعراض کیوں فرمایا؟

واقعہ حرہ سے متعلق ان بزرگوں کے "منقولہ" جملے کا تجزیہ تو ایک الگ مستقل کتاب کا متقاضی ہے لیکن اس کے علاوہ ان کی دیگر "تفصیلات" بھی سراسر یک طرفہ اور خلاف واقع ہیں۔

مولانا سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

"اس وقت یزید کی طرف سے مدینے کا گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان تھا" جب کہ مولانا یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ:

"عمرو بن سعید کان والیاً علی المدینة من جهة یزید بن معاویة ....وعمرو بن سعید هذا هو ابن العاص بن امیّة القرشی الاموی یعرف بالاشدق و ملقب بلطیم الشیطان یکنی أبا امیّة۔"

حالانکہ جملہ مؤرخین کے نزدیک محرم 63ھ سے مدینہ کے گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان تھے۔ (ملاحظہ ہو: تاریخ ابن خلدون جلد 2۔ص 136، تاریخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی جلد دوم ص 66۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی و دیگر کتب تاریخ)

یزید نے حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب رجب 60ھ میں زمام خلافت سنبھالی تو اس وقت مکہ کے گورنر عمرو بن سعید بن العاص اور مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان تھے۔ رمضان 60ھ میں مدینہ کے امیر بھی عمرو بن سعید بنا دیے گئے۔ 60ھ کا حج بھی ان ہی کی زیر امارت ادا کیا گیا۔ جب کہ 61ھ اور 62ھ میں امیر حج ولید بن عتبہ تھے۔ گویا ان دونوں کے درمیان باہمی تبادلہ ہوتا رہا لیکن محرم 63ھ سے ذی الحجہ 63ھ تک عثمان بن محمد بن ابی سفیان مدینہ کے گورنر رہے جنہیں عبداللہ بن مطیعؓ نے دیگر اموی حضرات کے ساتھ پہلے حضرت مروانؓ کی حویلی میں محصور کیا پھر سب کو مدینہ سے نکال دیا۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے تو اصل تاریخی واقعہ سے قارئین کو بے خبر رکھتے ہوئے غلط تاثر دے دیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس پر وہ عنوان بھی "واقعہ حرہ کی تفصیلات" کا قائم فرما رہے ہیں۔

"اس کا تعلق 63ھ سے ہے۔ جب حضرت معاویہؓ کا انتقال ہوا اور یزید بن معاویہ کے لیے بیعت لی جانے لگی تو مدینے والوں کا ایک وفد یزید کی ملاقات کے لیے گیا، انہوں نے بعض نامناسب باتیں یزید میں دیکھیں اور مدینے واپس آ کر انہوں نے یزید کی اطاعت

سے انکار کر دیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر اہل مدینہ نے بیعت کر لی...."

جہاں تک یزید کی ولی عہدی کی بیعت کا تعلق ہے وہ تو اہل مدینہ نے 56ھ میں ہی کر لی تھی۔ حضرت معاویہؓ کی وفات 22 رجب 60ھ میں ہوئی تھی۔ رجب کے آخر میں ہی خلافت یزید کی بیعت اہل مدینہ سے لی گئی جس سے انکار کرتے ہوئے صرف حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مع رفقاء مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف چلے گئے تھے جب کہ مکہ پر بھی یزید ہی کی طرف سے گورنر مقرر تھا۔ 10 محرم 61ھ میں کربلا کا واقعہ پیش آ گیا جس میں حضرت حسینؓ کی شہادت واقع ہوئی تھی۔

واقعہ حرہ تو 63ھ کے بالکل آخر میں ذی الحجہ کے مہینے میں پیش آیا تھا۔ مولانا سلیم اللہ خان صاحب جس وفد کا ذکر فرما رہے ہیں وہ تو یزید کی بیعت تو پہلے ہی کر چکا تھا اور وہ وفد واقعہ کربلا کے بعد 63ھ میں خود گورنر مدینہ عثمان بن محمد بن بن ابی سفیان کی خواہش پر ہی شام گیا تھا۔ دار الخلافہ میں اس وفد کی خوب آؤ بھگت ہوئی اور اسے وظائف و تحائف سے نوازا گیا تھا۔

موصوف نے جن "نامناسب باتوں" کا اشارہ دیا ہے ان کی تردید تو اسی موقع پر حضرت حسینؓ کے بھائی اور حضرت علیؓ کے لخت جگر حضرت محمد بن علی (المعروف ابن حنفیہ) نے کر دی تھی کہ:

"قد حضرته و أقمت عنده فرأيته مواظبا على الصلوة متحريا للخير يسأل عن الفقه ملازماً للسنة" (البدية والنهاية۔ جلد 8۔ ص 243)

میں ان کے پاس گیا ہوں اور ان کے ہاں مقیم رہا ہوں۔ پس میں نے انہیں نماز کا پابند، کار خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے۔

وفد نے واپس آنے کے بعد یزید کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے لیے خلافت کی بیعت لینا شروع کر دی جب کہ مکہ میں خود حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کا باقاعدہ اعلان کر دیا تھا اور 63ھ کا حج بھی ان ہی کی زیر امارت ادا

ہوا لیکن مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے زیادہ ''شرعی احکام'' سے کون آگاہ ہوگا کہ ایک وقت میں دو خلیفے نہیں ہوا کرتے؟ کاش کہ وہ ''جمل و صفین'' کی طرح ''حرہ'' کے واقعہ کو بھی ''مشاجرات'' ''صحابہؓ'' پر محمول کرتے ہوئے کوئی ''فتویٰ'' دینے سے اجتناب کر لیتے۔ کیونکہ باقی اطراف میں جس نے بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت تسلیم کی ہے تو ایسا یزید کی وفات کے بعد ہی کیا ہے۔ نیز موصوف جب اہل مدینہ کی طرف سے ''خلع بیعت'' اور نئے خلیفہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ''بیعت'' تسلیم کر رہے ہیں تو وہ اس اشکال کو بھی رفع فرما لیتے جو حسب ذیل احادیث سے پیدا ہوتا ہے:

1۔ عن ابن عباسؓ عن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال:

من کرہ من امیرہ شیئاً فلیصبر علیہ فانّہ لیس أحد من النّاس یخرج من السلطان شبراً فمات علیہ الّا مات میتۃ الجاھلیۃ۔ ،

2۔ ....انّہ ستکون ھنات وھنات فمن أراد أن یفرّق امر ھذہ الأمۃ و ھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً من کان۔ ،

3۔ من اتاکم و أمرکم جمیع علی رجل واحد یرید أن یشقّ عصاکم أو یفرق جماعتکم فاقتلوہ۔،

4۔ اذا بویع للخلیفتین فاقتلوا الأخر منھا۔ ،

5۔ ستکون امراء فتعرفون و تنکرون فمن عرف برئ و من أنکر سلم ولٰکن من رضی و تابع۔ قالوا افلا نقاتلھم قال لا ما صلّوا۔

(صحیح مسلم الجلد الثانی ص 128۔تحت کتاب الامارۃ۔تحت باب حکم من فرق امر المسلمین و ھو مجتمع ، باب اذا بویع لخلیفتین ، باب وجوب الانکار علی الامراء فی ما یخالف الشرع و ترك قتالھم ما صلّوا ونحو ذٰلك)

1۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے حاکم سے بری بات دیکھے وہ صبر

کرے کیونکہ جو کوئی اپنے سلطان سے بالشت بھر جدا ہوا پھر اس حال میں اسے موت آ جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

2۔ عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قریب ہیں فتنے اور فساد پھر جو کوئی چاہے اس امت کے اتفاق کو بگاڑنا تو اسے تلوار سے قتل کر دو چاہے جو کوئی بھی ہو۔

3۔ عرفجہؓ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:
جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب ایک شخص پر مجتمع ہو اور وہ تم میں پھوٹ اور جدائی ڈالنا چاہے تو اس کو قتل کر دو۔

4۔حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
جب دو خلیفوں سے بیعت کی جائے تو جس سے اخیر میں بیعت ہوئی ہو اس کو قتل کر دو۔(اس لیے کہ اس کی خلافت پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے باطل ہے)

5۔ام المؤمنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
قریب ہے کہ تم پر امیر مقرر ہوں۔تم ان کے اچھے کام بھی دیکھو گے اور برے کام بھی۔پھر جو کوئی برے کام کو پہچان لے وہ بری ہوا۔اور جس نے برے کام کو برا جانا وہ بھی بچ گیا(گو دل سے ہی برا جان لے) لیکن جو راضی ہوا برے کام سے اور اس کی اس کام میں پیروی کی (تو وہ تباہ ہوا) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم ایسے امیروں سے قتال نہ کریں؟ فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے جن ''نامناسب'' باتوں کا محض اشارہ کیا ہے کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی ''نامناسب'' باتوں اور امور کے پیش نظر قتال سے منع کرتے ہوئے صبر کی تلقین نہیں فرمائی تھی؟ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان ''نامناسب'' باتوں سے بھی بڑھ کر 10 محرم 61ھ کو سانحہ کربلا کا وقوع نہیں ہوا تھا۔پھر اہل مدینہ تقریباً تین سال (10 محرم 61ھ تا ذی الحجہ 63ھ) تک شام سے وفد کی مدینہ منورہ واپسی کا ہی کیوں انتظار

کرتے رہے؟

پھر موصوف کی یہ بات بھی بالکل خلاف واقعہ ہے کہ:

''تمام اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کر لی۔''

اگر بفرض محال تمام اہل مدینہ بھی یزید کی بیعت فسخ کر کے آمادہ بغاوت ہو جاتے تو کیا وہ 65لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی وسیع وعریض سلطنت کی نمائندگی وترجمانی کا حق رکھتے تھے؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر آل ابی بکرؓ، آل عمرؓ، آل علیؓ، آل عباسؓ اور آل جعفرؓ (باستثنائے معدودے چند) نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ خود انصار کے سب سے بڑے قبیلے بنو عبدالاشہل نے بھی نہ صرف یہ کہ ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ ان ہی کے محلے کی طرف سے ''یزیدی لشکر'' مدینہ میں داخل ہوا تھا مگر صد افسوس کہ مولانا سید احمد رضا بجنوری نے اسے بھی حضرت مروانؓ کی سازش قرار دے دیا۔

کیا مدینہ منورہ کے جن حضرات نے نئے خلیفہ کا تقرر کر کے ان کی بیعت کی وہ ''اہل حل وعقد'' میں شمار ہوتے تھے؟ ذی الحجہ 35ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل مدینہ کی یہ حیثیت بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اہل حل وعقد یکے بعد دیگرے کوفہ اور دمشق دار الخلافوں میں منتقل ہو گئے تھے۔

کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے ایک ہفتہ قبل ذی الحجہ 23ھ میں مسجد نبوی میں جمعہ کے اجتماع سے اپنے مفصل ''پالیسی'' خطاب میں یہ نہیں فرمایا تھا:

''انّـه بلغنی أنّ قائلا منکم یقول: واللّٰه لومات عمر بایعت فلانا فلا یغترنّ امرؤ أن یقول: انّما کانت بیعة أبی بکر فلتة وتمّت۔

ألا و انّها قد کانت کذٰلك و لکنّ اللّٰه و قی شرّها و لیس فیکم تقطع الاعناق الیه مثل أبی بکر۔ من بایع رجلاً عن غیر مشورة من المسلمین فلا یبایع هو ولا الّذی بایعه تغرّة أن یقتلا۔''(صحیح بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب رجم الحبلٰی من الزنا اذا أحصنت۔)

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے کسی نے یوں کہا ہے (منیٰ میں حج کے موقع پر ایک شخص نے ایسا اعلان کیا تھا، حضرت عمرؓ وہیں اس کا جواب دینا چاہتے تھے لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایسے اجتماع میں ''پالیسی'' بیان جاری نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا) کہ اگر عمرؓ کا انتقال ہوگیا تو میں فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا۔ دیکھو تم میں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ابوبکر صدیقؓ سے بھی اچانک بیعت ہوئی تھی اور وہ مکمل ہوگئی تھی۔ آگاہ ہو جاؤ! اس وقت بے شک اسی طرح ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اچانک بیعت کے شر سے بچالیا اور اب ابوبکرؓ جیسا تم میں کون ہے؟ جس کی طرف غلے کے اونٹ چلائے جاتے ہوں (لوگ اس کی طرف سفر کرتے ہوں)

یاد رکھو! جس شخص نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کی تو بیعت کرنے والا اور جس کی بیعت کی گئی دونوں قتل کردیے جائیں گے۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب وامثالہ اہل مدینہ کی طرف سے خلافت ابن زبیرؓ کی جس بیعت کا ذکر کررہے ہیں وہ کسی طور پر بھی شرعی بیعت نہیں کہلاسکتی اور نہ ہی یہ چند ہزار نفوس وسیع مملکت میں پھیلے ہوئے لاکھوں افراد کے نمائندے اور ترجمان تھے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بالفرض ہزاروں افراد خلافت کے قائم ہوجانے کے بعد کسی خلیفہ کی بیعت نہ کریں یا بیعت توڑ دیں تو اس کی خلافت پر مطلقاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی مثالیں خود خلافت راشدہ بالخصوص حضرت علیؓ کے دور میں پائی جاتی ہیں۔ بہرحال جب خاص ایام حرہ سے کچھ ہی پہلے اس انتشار و شورش کا علم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ہوا تو وہ فوراً عبداللہ بن مطیعؒ کو سمجھانے کی غرض سے ان کے پاس تشریف لے گئے؛ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ:

جا عبد اللّٰه بن عمرؓ الی عبد اللّٰه بن مطیع کان من امر الحرّة ما کان زمن یزید بن معاویة فقال: اطرحوا لأبی عبدالرحمٰن وسادة۔ فقال انّی لم اتك لأجلس۔

اتیتك لأحدثك حدیثا سمعت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقول من خلع یداً من طاعة لقی اللّٰه یوم القیامة لا حجّة له و من مات لیس فی عنقه

بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔"(صحیح مسلم الجلد الثانی ص 128،تحت کتاب الامارۃ،باب حکم من فرّق امر المسلمین و ھو مجتمع)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مطیعؓ کے پاس گئے (تاکہ انہیں بغاوت سے باز رکھیں) عبداللہ بن مطیعؓ نے کہا: ابو عبدالرحمٰن یعنی عبداللہ بن عمرؓ کے لیے گدا بچھاؤ۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا:

میں تمہارے پاس اس لیے نہیں آیا ہوں کہ بیٹھوں، میں تو تمہیں ایک حدیث سنانے آیا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص اطاعت سے ہاتھ کھینچے تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

امام مسلم اس حدیث کو جس باب کے تحت لائے ہیں اس کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ "اس شخص کے حکم کے بارے میں جو مسلمانوں کے اتفاق میں خلل ڈالے۔ پھر جب عبداللہ بن مطیعؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مشورہ کو قبول نہ کیا اور خلیفۂ وقت کے خلاف اپنی تحریک جاری رکھی تو:

"جمع ابن عمر حشمہ و ولدہٗ فقال: انّی سمعت النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: ینصب لکلّ غادر لواء یوم القیامۃ و انا قد بایعنا ھٰذا الرجل علی بیع اللّٰہ و رسولہ و انّی لا أعلم غدراً أعظم من أن یبایع رجل علی بیع اللّٰہ و رسولہ ینصب لہ القتال و انّی لا أعلم أحداً منکم خلعہ و لا بایع فی ھٰذا الامر الّا کانت الفصیل بینی و بینہ۔"
(صحیح بخاری۔کتاب الفتن۔باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ۔رقم الحدیث 7111)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے گھر والوں لونڈی، غلاموں اور اولاد وغیرہ کو جمع کر کے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

ہر دغاباز کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا۔ اور یقیناً ہم اس شخص (امیر یزید) سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق بیعت کر چکے ہیں اور میں اس سے بڑھ کر کوئی دغابازی اور غداری نہیں سمجھتا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ایک شخص سے بیعت کی جائے پھر بیعت توڑ کر اس سے قتال کیا جائے۔

یعنی بیعت کرنے کے بعد اس سے قتال کرنا بدعہدی، دغابازی اور غداری ہے۔

سن لو! اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے امیر یزید کی بیعت توڑی تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے امیر یزید کے علاوہ عبدالملک بن مروانؒ کی بیعت بھی ان الفاظ کے ساتھ کی تھی کہ:

"انّی اقرّ باالسمع و الطاعة لعبد اللّٰه عبدالملك امیرالمؤمنین علی سنة اللّٰه و سنت رسول اللّٰه ما استطعت و انّ بنیّ قد اقر و المثل ذٰلك۔"

(صحیح بخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس۔رقم الحدیث 7203، 7205۔کتاب الاعتصام۔باب الاعتصام بالکتاب والسنة۔رقم الحدیث 7272)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور آل عمرؓ کے علاوہ بہت سے دوسرے حضرات بھی یزید کی بیعت پر قائم رہے اور شورش اٹھانے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ چنانچہ بیعت الرضوان (صلح حدیبیہ) میں شامل ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ:

"لمّا کان زمن الحرّة أتاه اٰتٍ فقال له: انّ ابن حنظلة یبایع النّاس علی الموت فقال: لا أبایع علی هٰذا أحداً بعد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم۔"

(صحیح بخاری کتاب الجهاد والسیر۔باب البیعة فی الحرب علی أن لا یفرّوا۔وقال بعضهم علی الموت۔رقم الحدیث 2959)

واقعہ حرہ کے زمانے میں ایک شخص ان کے پاس آ کر کہنے لگا کہ ابن حنظلہ لوگوں سے موت پر بیعت لے رہے ہیں تو عبداللہ بن زیدؓ فرمانے لگے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد موت پر کسی سے بیعت نہیں کروں گا۔

یہی روایت امام بخاری "غـزوۃ الحـدیبیۃ" میں بھی لائے ہیں جس کے آخر میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ کے لیے یہ الفاظ لکھے کہ:

"و کـان شهـد معـه الحـدیبیۃ" وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں حاضر تھے۔یعنی اتنے صاحب فضیلت مدنی صحابی حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کی بیعت سے انکار کررہے ہیں۔اس روایت کی سند کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام راوی مدنی ہیں جو واقعہ حرہ اور اس کے پس منظر اور اسباب سے بخوبی واقف ہیں۔ملاحظہ ہو:

(صحیح بخاری۔کتاب المغازی۔باب غزوۃ الحدیبیۃ۔رقم الحدیث 4167)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی مذکورہ روایات سے معلوم ہوگیا ہے کہ واقعہ حرہ میں تمام اہل مدینہ ہرگز شامل نہیں تھے۔

اسی طرح حضرت محمد بن عبدالرحمٰن ابو الاسود کا نام بھی لشکر یزید کے خلاف قتال کرنے والوں میں لکھا گیا تو انہوں نے بھی حضرت عکرمہ کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد انکار کردیا:

"فـلـقیت عکرمۃ فأخبرته فنهانی أشدّ النّهی ثم قال: أخبرنی ابن عباس أن أنـاسـاً من المسلمین کانوا مع المشرکین یکثّرون سواد المشرکین علی رسول الـلّـه صـلّـی الـلّـه علیه وسلّم فیأتی السهم فیرمی فیصیب أحدهـم فیقتله أو یضربه فیقتله فأنزل اللّه تعالی:

"انّ الّذین توفّاهم الملئکة ظالمی أنفسهم" (النساء97)

(صـحیـح بخاری۔کتاب الفتن۔باب من کره أن یکثّر سواد الفتن والظلم یعنی ظالموں اور مفسدوں کی جماعت بڑھانا منع ہے۔رقم الحدیث 7085)

محمد بن عبدالرحمٰن ابو الاسود فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مولیٰ عکرمہ سے ملا اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا۔حضرت عکرمہ نے مجھے اس لشکر میں شامل ہونے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی اور فرمایا کہ:

مجھے ابن عباسؓ نے خبر دی کہ بعض مسلمان مجبوراً کافروں و مشرکوں کے ساتھ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ان کی جماعت بڑھانے کے لیے آ گئے تھے اور (اگرچہ وہ لڑنے نہیں آئے تھے) پھر مسلمانوں کی طرف سے کوئی تیر آ کر انہیں لگتا یا تلوار کی ضرب پڑتی تو وہ مارے جاتے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی یہ آیت نازل کی یعنی جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (اور کفار کی فوج میں شامل رہے) جب فرشتوں نے ان کی جان نکالی تو ان سے پوچھا تم کس حال میں تھے....

حضرت عکرمہ کا مقصد یہ تھا کہ اگرچہ ان کمزور اور ضعیف مسلمانوں کی طرح تمہاری بھی نیت اس باغی لشکر میں شامل ہو کر لڑنے کی نہیں ہے تاہم اس آیت کی رو سے ایسے لشکر کے ساتھ رہنا اور ان کی تعداد میں اضافے کا موجب ہونا، گناہ ہے لہٰذا تمہیں ہرگز اس باغی لشکر میں نام نہیں لکھوانا چاہیے۔ (امام بخاری یہی روایت کتاب التفسیر میں بھی لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ النساء تحت "انّ الّذین توفّاھم الملئکة ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم..." رقم الحدیث 4596)

جن مسلمانوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان کا یہ واقعہ غزوہ بدر میں پیش آیا تھا۔ مکہ میں مقیم بعض مسلمانوں کو مشرکین اپنے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں زبردستی لائے تھے جن میں بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت عکرمہ نے ابوالاسود کو عبداللہ بن مطیعؒ کے لشکر میں شامل ہونے سے سختی کے ساتھ منع کرتے ہوئے اس موقع پر یہ واقعہ سنایا کہ اگر تم لڑنا نہیں بھی چاہتے تو پھر بھی ان کی تعداد بڑھ جائے گی لہٰذا لشکر یزید کے خلاف لڑنے کے لیے ابن مطیعؒ کے لشکر میں مت شامل ہو۔

یہ تمام تفصیل کسی تاریخ کی کتاب سے نہیں بلکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کی روشنی میں پیش کی گئی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا ہے کہ تمام اہل مدینہ یزید کے مخالف نہیں تھے بلکہ قریش کے علاوہ ایک کثیر تعداد دوسرے قبائل میں سے بھی یزید کی حامی تھی اور بیعت پر کاربند تھی۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے یزیدی لشکر اور اس کے مقتولین کی تعداد تو نہیں بتائی

لیکن شہدائے مدینہ کی تعداد بتانے میں بھی بڑی ''فیاضی'' سے کام لیا:

''تقریباً سترہ سو انصاری، تیرہ سو قریشی اور عام لوگوں میں بچوں اور عورتوں کے سوا دس ہزار افراد کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔'' جب کہ زخمیوں کی تعداد کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس حساب سے شہداء کی تعداد تیرہ ہزار تک پہنچ گئی۔

اکثر مؤرخین نے مسلم بن عقبہ کے لشکر کی کل تعداد دس ہزار لکھی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس لشکر نے دست بدست لڑائی میں مخالفین کے تیرہ ہزار افراد کو قتل کر دیا ہو؟ کیا کوئی ''کیمیاوی مواد'' پھینکا گیا تھا؟ یا اچانک شب خون مارا گیا تھا؟ اس پر مستزاد یہ کہ حملہ آور لشکر اجنبی ہونے کے علاوہ مقامی حالات سے بھی ناواقف تھا جب کہ دونوں لشکروں میں عوام الناس نہیں بلکہ باقاعدہ فوجی تربیت کے حامل افراد شامل تھے۔

1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران پاک فوج پر مشرقی پاکستان میں قتل عام کا الزام لگایا گیا جس میں ''30 لاکھ بنگالی مارے گئے اور 93 ہزار پاکستانی فوجی قیدی بنائے گئے تھے۔'' حال ہی میں سابق بھارتی و پاکستانی فوجیوں اور غیر ملکی دفاعی تجزیہ نگاروں کی ایک چشم کشا رپورٹ میں اس بات کی واضح طور پر تردید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ 6 ہزار لوگ مارے گئے تھے جسے 30 لاکھ ظاہر کیا گیا جب کہ بنگالیوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے پاکستانی سرکاری ملازمین اور کاروباری مقیم حضرات میں سے 30 ہزار افراد کو قتل کیا ہے۔ اسی طرح بنگال میں کل 34 ہزار فوجی تعینات تھے، معلوم نہیں کہ 93 ہزار فوجیوں نے کس طرح سرنڈر کر لیا تھا؟ ملاحظہ ہو: (روزنامہ دنیا 15۔ دسمبر 2014ء)

رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون نے شرفاء قریش و انصار کی تعداد 306 جب کہ دیگر قبائل و موالی کی تعداد کو اس سے ''دوچند'' بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(تاریخ ابن خلدون اردو۔ جلد دوم ص 139)

مولانا سلیم اللہ خان صاحب عنوان تو قائم فرما رہے ہیں ''واقعہ حرہ کی تفصیلات'' کا لیکن اس میں جنگ کی شروعات کا ذکر سرے سے ہی حذف کر گئے۔ جب کہ مولانا بجنوری

صاحب قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے یہ لکھ گئے کہ:

"اس (یزید) نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا لشکر جرار مدینہ طیبہ پر چڑھائی کے لیے روانہ کیا۔ مسلم بن عقبہ کا لشکر مدینہ سے باہر آ کر رک گیا اور کوئی صورت حملہ کی نہ دیکھی تو مروان اور اس کے بیٹے سے مدد چاہی اور ان دونوں نے ایک خفیہ راستہ بتا کر مدینہ پر حملہ کرا دیا.... "

اس سے تو یہ تاثر ملتا ہے کہ اہل مدینہ پر اچانک شب خون مارا گیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جن حضرات نے یہ تحریک شروع کی تھی انہیں نتیجے کا بخوبی علم تھا اور اس مقصد کے لیے انہوں نے باقاعدہ اسلحہ اور افراد اکٹھے کر رکھے تھے۔ پیچھے صحیح بخاری کے حوالے سے ایک "فہرست" کا بھی ذکر آیا ہے جس میں "محمد بن عبدالرحمٰن ابوالاسود" کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ان کی جنگی تیاری کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے گورنر مدینہ کو ایک ہزار امویوں سمیت ایک حویلی میں بند کر دیا تھا۔ بعد میں انہیں مدینہ سے نکال دیا۔ جب ان باتوں کی اطلاع دمشق پہنچی تو کافی غور و خوض کے بعد مدینہ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا گیا۔ امیر یزید، حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ کی قیادت میں وعظ و نصیحت کے لیے ایک وفد بھیج چکے تھے جو ناکام واپس آیا۔

یزیدی لشکر کے سربراہ مسلم بن عقبہ کوئی جذباتی نوجوان نہیں تھے بلکہ دانا، معمر اور عمر رسیدہ (80 سال سے متجاوز) ہونے کے علاوہ اس موقع پر بیمار بھی تھے۔ انہوں نے مدینہ کے باہر پڑاؤ کیا اور گورنر اور امویوں کی شہر بدری و دیگر تمام واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے اہل مدینہ سے گفت و شنید جاری رکھی۔ پھر آخر میں اہل مدینہ کو فیصلہ کا اختیار دیتے ہوئے تین دن کی مہلت دی۔ اس مہلت کے پورا ہونے کے بعد ان سے فیصلے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے یہی اعلان کیا کہ "بل نحارب" ہم صرف جنگ کریں گے۔ مسلم بن عقبہ نے پھر مہلت دی کہ "لا تفعلوا بل ادخلوا فی الطاعة" ایسا نہ کرو بلکہ اطاعت قبول کر لو۔ اہل مدینہ اپنی بات پر قائم رہے۔ جس کے بعد دونوں لشکروں میں باقاعدہ جنگ

چھڑ گئی۔ اہل مدینہ کے درمیان پہلے ہی اختلاف پایا جاتا تھا (جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے) اور قبیلہ بنو عبد الاشہل انصاری کے تعاون سے محض چند گھنٹوں میں شہر فتح ہو گیا۔ ابن خلدون کے مطابق مقتولین کی تعداد ایک ہزار سے بھی کم ہے باقی ماندہ حضرات نے اطاعت قبول کر لی اور عبداللہ بن مطیعؓ اور دیگر بہت سے حضرات موقع پا کر مکہ مکرمہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ اور وہیں عبدالملک بن مروان کی طرف سے حجاج بن یوسف کی زیر امارت بھیجے گئے ایک لشکر کے ہاتھوں 73ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ شہید ہو گئے۔

جنگ حرہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان لڑی گئی تھی اور اس سے پہلے مسلمان فوج کفار کے خلاف بیسیوں جنگیں لڑ چکی تھی، ان کے کئی شہر اور ملک فتح کیے لیکن کسی مسلم سپہ سالار نے مفتوح کافر قوم کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جس کا ذکر مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا سلیم اللہ خان وغیرہ نے ایک مسلم سپہ سالار کے حوالے سے اہل مدینہ کے بارے میں کیا ہے۔

تعجب ہے کہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب کو اس موقع پر بھی حضرت مروانؓ یاد آ گئے؛ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

''جب مسلم بن عقبہ کی فوج مدینے میں داخل ہو گئی آپ (عبداللہ بن حنظلہ) نے علم اسی طرح تھاما ہوا تھا اس وقت آپ کے ارد گرد پانچ آدمی بھی نہیں تھے۔ آپ نے جب یہ دردناک منظر دیکھا تو اپنی زرہ اتار پھینکی اور میدان میں کود پڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ مروان کا گزر آپ کی لاش پر ہوا، آپ کی انگشت شہادت اس وقت بھی اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر مروان کہنے لگا: بخدا اگر تم اس انگلی کو مرنے کے بعد اٹھائے ہوئے ہو تو تعجب کی بات نہیں۔ تم تو زندگی میں بھی اس انگلی کو ہماری طرف اٹھائے رہے یعنی ہم پر تنقید کرتے رہے۔'' (کشف الباری۔ کتاب الجہاد والسیر ص 107-108)

حضرت بجنوری نے واقعہ حرہ کے سلسلہ میں حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ انہوں نے یزید کے لشکر کو مدینہ میں داخل ہونے کا خفیہ راستہ بتایا جب کہ مولانا سلیم اللہ خان نے لاشوں کے ''معائنے'' کے موقع پر حضرت مروانؓ سے ایک میت کی انگلی کو اٹھی

ہوئی دیکھ کر اسے بھی قابلِ ملامت بنا دیا۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ موصوف واقعہ ''حرہ'' سے متعلق اکثر من گھڑت تفصیلات صحیح بخاری کی کتاب الجہاد والسیر میں بیان فرما رہے ہیں جس سے ایک قاری کو یہ مغالطہ ہو سکتا ہے کہ شاید امام بخاری اس واقعہ کو زیر بحث لائے ہوں۔ امام بخاری کی بیان کردہ روایت میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ تو یزید کے مقابلے میں عبداللہ بن مطیعؓ کی دعوتِ بیعت کا انکار کر رہے ہیں۔ پھر اس روایت کے تمام راوی بھی مدنی ہیں۔ خود حضرت عبداللہ بن زیدؓ اس روایت کو واقعہ حرہ کے ضمن میں لا رہے ہیں۔ مگر انہوں نے مولانا بنوری اور مولانا سلیم اللہ خان کی پیش کردہ تفصیلات کے بارے میں کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کیا۔

ہمارے علماء نے لوٹ مار اور قتل و غارت کا تو خوب بڑھ چڑھ کر ذکر کیا، اے کاش وہ یہ بھی بتا دیتے کہ شہر فتح کرنے کے بعد ان تیرہ ہزار مقتولین کو دفنانے کا فریضہ کس نے انجام دیا تھا؟ کیا یہ اودھم مچانے کے بعد شہر کا انتظام کیے بغیر اگلی معرکہ آرائی کے لیے مکہ چلے گئے تھے؟

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی واقعہ حرہ کی ''افسانہ'' نما داستان کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

''مدینۃ الرسولؐ کی تباہی، یزید کا سب سے سیاہ کارنامہ ہے لیکن اس کی ذمہ داری سے اہل مدینہ بھی بری نہ تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کی مخالفت کا انجام یہی ہوگا۔ اگر ابتداء سے وہ بیعت کر لیتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔ (تاریخ اسلام حصہ اول ص 388)

واقعہ حرہ سے متعلق علماء و مؤرخین کے اقوال پڑھنے کے بعد بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس میں بہت سے افسانے شامل ہو گئے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک مہلک ترین افسانہ وہ ہے جسے جناب سیوطی، سید مودودی، مولانا یوسف بنوریؒ اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے نقل فرمایا ہے کہ:

''واقتض فیها الف عذراء علی ما یقال۔''

اور ایک ہزار ''دوشیزہ'' لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی جیسا کہ کہا گیا ہے۔،

بقول سیوطی صاحب ایک ہزار ''باکرہ'' لڑکیوں کی بکارت زائل کی گئی۔''،

بقول مودودی صاحب "حتی قیل أنه حملت الف امرأة في تلك الايام من غير زوج" کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار "عورتیں" زنا سے حاملہ ہوئیں۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ "تحقیقی" کام شارح بخاری، صاحب کشف الباری اور صدر وفاق المدارس العربیہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا سامنے آیا ہے۔ یہ کتاب محض ان کے "افادات" پر ہی مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کے مسودے پر نظر ثانی کے بعد "مرتب" کو "کلماتِ تحجیع" سے نوازنے کی سعادت بھی انہیں حاصل ہے اور اس تمام کام پر حضرت فاضل مرتب کی ذاتی تحقیق اور عرق ریزی مستزاد ہے۔ چنانچہ وہ خود زیر عنوان "حرفِ آغاز" لکھتے ہیں کہ:

حقیقت یہ ہے کہ علمی اور تحقیقی کام کی تالیف و تسوید کے لیے جس جانکاہی، نا قابل شکست استقامت اور تلاش و جستجو کی ضرورت ہوتی ہے اس کا اندازہ شناورانِ فن ہی کو ہو سکتا ہے۔ بسا اوقات ایک نکتہ، ایک جزئیہ کی تلاش و جستجو کے لیے ہزاروں صفحات کھنگالنے پڑتے ہیں، کئی ضخیم جلدوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ یوں ایک طویل دورانیے کی جانکاہی کے بعد گوہر مراد تک رسائی حاصل ہوتی ہے...."

مولانا سلیم اللہ خان نے "قيل ويقال" کے تکلف کے بغیر واضح طور پر اپنی تحقیق پیش کر دی کہ:

"پاک باز آزاد عورتوں" کی عصمت دری کی گئی، آٹھ سو عورتوں کو اس زیادتی سے حمل ٹھہرا، ان بچوں کو جو اس حمل سے پیدا ہوئے تھے اولاد الحرۃ سے پکارا جاتا تھا۔"

(کشف الباری۔ کتاب الجہاد والسیر جلد دوم ص 107-106 ؛ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ کراچی)

یہ منفرد "تحقیقی کاوش" پیش کرنے پر مولانا سلیم اللہ خان صاحب بجا طور پر صرف اور صرف "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کی طرف سے "ڈاکٹریٹ" (یعنی پی ایچ ڈی Ph.D) کی اعزازی ڈگری کے مستحق ہیں۔ مذکورہ عبارات میں "زیادتی" کا شکار ہونے والی دوشیزاؤں کی تعداد میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے جب کہ حقیقتاً اس میں کوئی تضاد نہیں

ہے کیونکہ اکابر کی طرف ''خطاء'' کی نسبت ''سوء ادب اور گستاخی'' کہلاتی ہے۔جب کہ بعض کے نزدیک یہ ''صورتاً'' خطا ہے حقیقتاً نہیں ۔لہٰذا جناب سیوطی صاحب،سید مودودی صاحب اور حضرت بنوری صاحب نے صرف ایک ہزار ''حاملہ'' دوشیزاؤں کی جو تعداد بتائی ہے اس میں ضروری نہیں ہے کہ ان سب زیادتی کی شکار دوشیزاؤں کے ہاں بچے بھی تولد ہوئے ہوں ۔جب کہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے صرف ان آٹھ سو دوشیزاؤں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے باضابطہ طور پر بچے جنم دیے تھے۔بقیہ دو سو دوشیزائیں شاید ''اسقاطِ حمل'' کا شکار ہوگئی تھیں یا پھر ''ڈیلیوری'' سے قبل ہی وفات پاگئیں تھیں۔لا حول و لا قوۃ الّا باللّٰہ العلیّ العظیم۔فانّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

کاش ''معارف السنن'' شرح ترمذی اور صحیح بخاری کی شرح ''کشف الباری'' میں اس توہین آمیز عبارت کا ذکر ہی نہ کیا جاتا ۔اے کاش!ان کا قلم یہ تفصیلات لکھنے سے عاجز آجاتا۔

یزید سے نفرت دلانے کے لیے کیا ''سانحہ کربلا'' کافی نہ تھا کہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائشی پاکباز تابعیات کی توہین و تذلیل پر مبنی اس بدبودار الزام کا بھی اضافہ کردیا گیا؟

سخت تعجب ہے کہ اس دوران میں متاثرہ خواتین اور ان کی ماؤں یا دیگر لواحقین نے کوئی ''مزاحمت'' نہیں کی اور اگر کی ہے تو ''صاحبِ کشف الباری'' اگلے ایڈیشن میں ''مزاحمت کاروں'' اور اس ''کارروائی'' کے دوران زخمی یا شہید ہونے والوں کی ایک فہرست بھی شامل فرمادیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ صاحب کشف الباری نے بذریعہ ''کشف'' نومولود بچوں کی فہرست بھی حاصل کرلی جنہیں ''اولادالحرۃ'' سے پکارا جاتا تھا۔صدر وفاق المدارس کی کمال تحقیق ہے کہ پہلے باکرہ اور کنواری دوشیزاؤں کی چھانٹی کروائی پھر ''حمل'' کی تصدیق کرائی،پھر تقریباً 9 ماہ تک ''وضع حمل'' کا انتظار کیا،پھر نومولود بچوں کا شمار کرایا جو آٹھ سو بتائے گئے،پھر ان کی مدت رضاعت پوری ہوئی ،پھر چلنے پھرنے کے قابل ہوئے ،لوگ انہیں آتے جاتے دیکھ کر

''اولاد الحرۃ'' کے نام سے پکارتے رہے۔

حضرت کو اس بات کا بھی خیال نہیں رہا کہ جس یزید کے ساتھ نفرت میں شدت پیدا کرنے کے لیے وہ اس حد تک پہنچے یزید تو اس مفروضہ و مزعومہ موضوعہ واقعہ کے دو تین ماہ بعد اور ''اولاد الحرۃ'' کی پیدائش سے چھے، سات ماہ پہلے اس دنیا سے ہی رخصت ہو گیا تھا جس کے بعد مکہ مدینہ میں اب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت قائم ہو چکی تھی گویا یہ سارے مراحل (مدت حمل، وضع حمل اور مدت رضاعت وغیرہ) ان کی خلافت کے دوران میں ہی مکمل ہوئے تھے۔ فیا اسفا!

دنیا میں بڑے بڑے جھوٹ تراشے گئے لیکن اس سے بڑا جھوٹ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہ عظیم ''تحقیقی'' کاوش ''گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ'' میں شامل ہونے کے قابل ہے۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ ہمارے کچھ علماء و مشائخ تو اس 'صریح کذب و افتراء' کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہیں جب کہ باقی حضرات 'سکوت' اختیار کر کے اس کی تائید و تصدیق کے مرتکب ہیں۔ ''کشف الباری'' کی محولہ جلد تو 2010ء میں طبع ہوئی جب کہ ''معارف السنن'' کی اشاعت تو اس سے بہت پہلے ہو چکی ہے۔ معلوم نہیں کہ کس دیوبندی عالم نے اس ظلم عظیم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے؟ بلکہ الٹا ان کے متبعین اس 'صریح جھوٹ' اور صحابیات و تابعیات پر اس ''بہتان عظیم'' کو اپنی کتب میں نقل کر کے برابر فروغ دے رہے ہیں۔ چنانچہ 2003ء میں جب ''عالمی اتحاد'' امارت اسلامیہ افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بچے کھچے ''طالبان'' کے خون سے ہاتھ رنگین کر رہا تھا عین اس وقت پیر سید نفیس الحسن حسینی صاحب نے قاضی اطہر مبارک پوری کی تالیف ''علی و حسین رضی اللہ عنہما'' (طبع اپریل 1960ء) کی تلخیص مکتبہ سید احمد شہید سے شائع کرانے کی سعادت حاصل کی۔ موصوف نے اس ''ضخیم تلخیص'' کے آخر میں قاری ضیاء الحق صاحب کا مرتبہ رسالہ ''یزید اکابر علمائے اہل سنت دیوبند کی نظر میں'' بھی شامل کر دیا۔ اس کے صفحہ 408-409 پر حضرت بنوری صاحب کی طویل عبارت نقل کی گئی ہے۔ پھر حال ہی میں سید نفیس الحسن حسینی کے خلیفہ

میاں رضوان نفیس نے قاری ضیاء الحق کے اس رسالہ کو مزید اضافوں کے ساتھ شائع کرایا تو اس کے صفحہ 125-126 پر بھی یہ عبارت موجود ہے۔

اس نوعیت کے ایک مقدمے کے لیے بھی شریعت میں "چار عینی" گواہوں کا نصاب مقرر ہے اور ایک ہزار مقدمات کے لیے چار ہزار گواہوں کی ضرورت ہوگی۔ کیا دنیا کی کوئی غیر مسلم عدالت بھی "قیل ویقال" کے الفاظ یا "کشف الباری" کی زیر بحث عبارت کی بنیاد پر کسی کو مجرم قرار دے سکتی ہے؟ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ:

"لولا جاءوا علیہ باربعة شھدآء فاذلم یأتوا بالشّھدآء فاولٓئك عند اللّٰہ ھم الکاذبون" (سورۃ النور۔ آیت 13)

وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں۔

اے کاش! یہ حضرات اس "افك مبین" کو اپنی کتب میں نقل کر کے آگے پھیلانے کے بجائے اللہ کا یہ فرمان پیش کر دیتے:

"و لولآ اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنآ أن نتکلّم بھذا سبحٰنك ھٰذا بھتان عظیم۔" (سورۃ النور۔ آیت 16)

تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ (یا قلم) سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یا اللہ تو پاک ہے۔ یہ تو بڑا بہتان اور تہمت ہے۔

یہ لشکر یزید پر ہی بہتان نہیں ہے بلکہ خیر القرون کی پاکباز صحابیات و تابعیات پر بھی بہتان عظیم ہے۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "پاکباز آزاد عورتوں کی عصمت دری کی گئی" یہ یقیناً مدینۃ النبیؐ اور خیر القرون کی ان پاکباز خواتین پر "بہتان عظیم" اور "افک مبین" ہے۔ موصوف نے اسی "بہتان عظیم" پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ "اولاد الحرۃ" کے نام سے آٹھ سو ناجائز بچے بھی ان پاکباز بھولی بھالی باایمان خواتین

کے ذمے لگادیے۔"انّ الّذین یرمون المحصنٰت الغٰفلٰت المؤمنٰت ...."

سوال یہ ہے کہ موصوف نے کس ٹھوس شرعی شہادت کی بناء پر ایک ہزار یا آٹھ سو پاک باز عورتوں پر تہمت لگائی ہے۔مدینہ منورہ کو تین دن تک "مباح" قرار دینے سے متعلق امام طبری نے ابومخنف لوط بن یحیٰی کذاب سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی اس الزام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔جہاں تک مدینہ منورہ کو تین دن تک "مباح" قرار دینے کی روایات کا تعلق ہے تو ان روایات کی ڈاکٹر حمد محمد العریان نے سنداً و متناً، روایتاً و درایتاً انتہائی خوبصورت اور جامع تحقیق کی ہے۔ملاحظہ ہو:("اباحت المدینہ وحریق الکعبہ فی عھد یزید بن معاویہ۔بین المصادر القدیمہ والحدیثہ"طبع مکتبہ ابن تیمیہ الکویت تحت: "اباحۃ المدینہ ثلاث ایام، اباحۃ المدینہ فی المصادر، اباحۃ المدینہ فی الکتب الحدیثہ 38 تا 52)

پاکباز تابعیات کی عصمت دری کے حوالے سے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب جو یزید کے خلاف کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ "خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں اور نہ ہم اس سے حجت پکڑتے ہیں۔"

(خارجی فتنہ حصہ دوم۔ص 444۔تحت واقعہ حرہ)

مگر سید نفیس الحسینی صاحب اور ان کے پیروکار تو اس سے حجت پکڑتے ہوئے اپنی کتابوں میں اس کا ورد کر رہے ہیں۔

سید مودودی صاحب "قیل" لکھ کر جب کہ مولانا محمد یوسف بنوری صاحب "علی ما یقال" لکھ کر "ایف آئی آر" کی سطح پر ہی اپنا مقدمہ ہار گئے مگر "معارف السنن" میں اس "مکروہ ترین" واقعہ کو محفوظ کر کے اپنے "غالی معتقدین" کے لیے اسے بطور "حجت" چھوڑ گئے۔

حضرت بنوری صاحب امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی کتاب "تسکین الصدور" کے مضامین کی تصدیق کرتے ہوئے اس بات کی "دہائی" تو دیتے ہیں کہ:

"اس زمانہ میں شہادت حسینؓ کو افسانہ بنانے کی کوشش ہو رہی ہے"

(تسکین الصدور ص 23۔پندرہواں ایڈیشن مئی 2010ء)

حضرت بنوری صاحبؒ اس بات پر تو فریاد کناں ہیں کہ امر واقع کو کیوں افسانہ بنایا جا رہا ہے۔ جب کہ خواتین کی بے حرمتی کے حوالے سے خود "معارف السنن" میں خالصتاً اور سراسر ایک افسانے کو "امر واقع" بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ فیاللعجب!

ان حضرات نے "زیادتی" کی شکار باکرہ دوشیزاؤں کی تعداد تو ایک ہزار متعین کر دی ہے لیکن دوسری طرف وہ یہ نہ بتا سکے کہ "سزا" کے مستحق "لشکری" بھی کیا ایک ہی ہزار تھے یا کم و بیش، وہ شادی شدہ تھے یا غیر شادی شدہ، وہ سو سو کوڑوں کے مستحق تھے یا رجم کے؟

واقعہ حرہ کے مظالم کے بارے میں اکابر کی پیش کردہ "تفصیلات" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے مظالم بپا کرنے والے تمام اصلی مجرموں کو "وعدہ معاف" گواہ بنا کر صرف یزید کو ہی مرکزی "مجرم" قرار دے دیا ہے۔

پھر ایک اہم سوال یہ ہے کہ ان حضرات کے ممدوح اور معتبر و مستند "خالقین قصہ" کو ظلم و بربریت پر مبنی یہ کہانی کس نے سنائی؟ کیا ان کے سامنے ان لشکریوں نے خود اعتراف کیا تھا؟ یا پھر متاثرہ خواتین نے ان سے فریاد کی تھی؟

اگر مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے "راویوں" کو "حمل وغیرہ" سے معلوم ہوا تو اس بات سے انہیں کن عورتوں نے آگاہ کیا تھا؟ کیا یہ راوی حمل کے آثار ظاہر ہونے تک وہیں انتظار کرتے رہے؟

صاحب کشف الباری کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی نہ صرف حمل کے آثار ظاہر ہونے تک انتظار کرتے رہے بلکہ انہوں نے وضع حمل تک ان کی نگرانی بھی جاری رکھی کہ کس نے کب اور کتنے بچے جنے۔ البتہ حضرت شیخ الحدیث کو ان کے راویوں نے آٹھ سو بچوں کے پیدا ہونے کی رپورٹ پیش کی جو باقاعدہ "اولاد الحرۃ" کے نام سے مشہور تھے۔

موصوف نے مزید تفصیل کے لیے "معجم البلدان" جلد 2 ص 249/ عمدۃ القاری جلد 14 ص 224 کی طرف مراجعت کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

کیا ابو عبداللہ یاقوت الحموی الرومی (م 626ھ) صاحب معجم البلدان اور بدر الدین

ابو محمد بن محمود احمد العینی (م 855ھ) صاحب عمدۃ القاری یعنی ساتویں اور نویں صدی ہجری کی شہادت سے ذی الحجہ 63ھ میں مدینہ منورہ میں رونما ہونے والا واقعہ ثابت ہو جائے گا؟

کیا معجم البلدان اور عمدۃ القاری کا حوالہ دینے کے بعد موصوف بری الذمہ ہو جائیں گے؟

کیا صدر وفاق المدارس العربیہ اور صاحب کشف الباری پر قرآن حکیم کے اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا کہ:

یا ایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا.... (الحجرات آیت 6)

کیا مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدینہ منورہ کی پاکباز تابعیات کی عصمت دری کا واقعہ نقل کرتے وقت اس حدیث کو فراموش کر چکے تھے جس میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

کفی بالمرء کذبا ایحدث بکل ماسمع (صحیح مسلم جلد اول ص 8)

کیا صاحب کشف الباری نے طلبہ علوم حدیث کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

"فما کل منقول صحیح" (منھاج السنہ جلد 4۔ص 219)

ہر منقول چیز صحیح نہیں ہوتی۔

ایسی بے شمار چیزیں اور قصے ہیں جو منقول تو ہیں مگر صحیح نہیں ہیں۔

یہ واقعہ ہر اعتبار سے بے بنیاد، من گھڑت لغو اور باطل ہے۔ اس طرح کا کوئی ایک واقعہ بھی اگر رونما ہوا ہوتا تو پورے عالم اسلام میں آگ لگ جاتی اور تمام بنو امیہ کے خلاف نفرت پھیل جاتی اور ساری امت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیتی۔ اس صورت میں ایک دن کے لیے بھی اموی خلافت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ اس قصے کے لغو اور باطل ہونے کے دیگر بے شمار دلائل کے علاوہ ایک دلیل خلافت بنی امیہ کا 63ھ کے بعد 132ھ تک جاری رہنا بھی ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ حضرات عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم محمد بن علیؓ اور زین العابدین سمیت اکابر صحابہ و اہل بیت اپنی تمام تر جرأت وعزیمت اور حق

پرستی کے باوجود اس ''مبینہ زیادتی'' کے بعد بھی یزید اور خلافت بنو امیہ کی حمایت میں رہے۔

سخت حیرت ہے کہ ایک ہزار دوشیزاؤں کی ''عصمت دری'' کی گئی، ان کے حمل ٹھہرے اور بقول صاحب کشف الباری آٹھ سو بچے بھی پیدا ہوئے مگر اس کے باوجود حرمین شریفین، حجاز اور پورے عالم اسلام میں اس حوالے سے مکمل سکوت طاری رہا۔ جب کہ اس سانحہ کے تین ماہ بعد حجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت بھی قائم ہو گئی تھی مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنی آئینی اور شرعی ذمہ داری پوری نہیں کی۔

معلوم نہیں کہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی ''تحقیقی'' کاوش کشف الباری میں دی گئی ''واقعہ حرہ کی تفصیلات'' پر ہی ختم ہو گئی ہے یا ابھی جاری ہے۔ موصوف نے پیرانہ سالی میں جہاں اتنی زحمت اٹھائی کہ آٹھ سو کی تعداد میں ناجائز بچوں کا سراغ لگا لیا وہیں تھوڑی سی مزید محنت کر کے اس بات کا بھی انکشاف فرما دیں کہ ہزار میں سے باقی دو سو حاملہ خواتین کہاں روپوش ہو گئی تھیں؟ اگر موصوف ابن جوزی کی منقولہ مکذوبہ اس روایت کا سہارا لے لیں تو آٹھ سو کے بجائے ایک ہزار بچوں کی تعداد پوری ہو جائے گی کہ:

''ولدت الف امراة بعد الحرہ من غیر زوج'' واقعہ حرہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے بغیر شوہر کے بچے جنے۔ ملاحظہ ہو: (''الرد علی المتاثر العنید المانع من ذنب یزید'')

علاوہ ازیں حضرت موصوف یہ وضاحت فرما دیں کہ یہ آٹھ سو بچے اس کے بعد کہاں گئے؟ کیا یہ سارے پیدا ہونے کے ساتھ ہی مر گئے تھے؟ جو بظاہر ممکن نہیں ہے۔ کیا یہ بڑے ہوئے، کیا انہوں نے کسی دینی مدرسہ، جامعہ یا دارالعلوم میں بھی داخلہ حاصل کیا تھا؟ کیا وہ رشتۂ ازدواج میں بھی منسلک ہوئے تھے اور کیا آگے بھی ان کی نسل جاری رہی ہے؟ سوال یہ ہے کہ ''اولاد الحرہ'' کے نام سے لوگ انہیں آخر کب تک یاد کرتے رہے؟

یزید دشمنی میں بعض حضرات نے اس واقعہ میں براہ راست یزید کو ملوث قرار دیتے ہوئے یہ دعویٰ بھی کیا کہ یہ ساری کاروائی خود یزید کے حکم سے ہی عمل میں آئی تھی کیونکہ اس نے فتح کی صورت میں مدینہ منورہ کو لشکر کے لیے تین دن تک ''مباح'' قرار دے دیا تھا۔ یہ

دعویٰ بھی بوجوہ محل نظر ہے:

اوّلاً:۔

بشرطِ صحتِ روایت "مباح" کے حکم میں باکرہ دوشیزاؤں کی عصمت دری کو "حلال" سمجھنے کا جہاں تک تعلق ہے تو یزید کے متعلق ایسا سمجھنا عملاً و شرعاً و سیاستاً ہر لحاظ سے محال ہے کیونکہ اس نوعیت کی بعض روایات میں تین دن تک باغیانِ مدینہ کو اطاعت کے لیے مہلت دینے اور سمجھانے بجھانے کے باوجود اگر وہ جنگ پر آمادہ ہوں تو فتح کی صورت میں آئندہ کے لیے اس قسم کے اقدام سے بچنے کی خاطر باغیوں کا مال و اسلحہ لشکریوں کے لیے "مباح" قرار دینے کا ذکر ہے۔

ثانیاً:۔

یہ بات سیاسی حکمت عملی کے لحاظ سے بھی قابلِ تسلیم و یقین قرار نہیں پاتی کہ 65 لاکھ مربع میل سے زائد پر محیط عالم اسلام کا خلیفہ ایسا خلافِ شریعت و انسانیت حکم دے کر اور وہ بھی خاص مرکز انصار و مہاجرین مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے سیاسی مخالفین یعنی حامیانِ ابن زبیرؓ کو تقویت بخشے اور اپنے اقتدار کو اخلاقی و سیاسی لحاظ سے متزلزل کرنے کا خود ہی باعث بن جائے۔ جب کہ اس نے ایسا کوئی حکم باغیانِ مدینہ سے زیادہ خطرناک شیعانِ کوفہ یا دیگر مفتوحہ علاقوں کے لیے بھی کبھی نہیں دیا تھا۔

ثالثاً:۔

اگر یہ مبینہ و مفروضہ اجتماعی "عصمت دری" خلیفہ یزید کے کسی حکم صریح کے بغیر لشکر یزید نے اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری پر کی تھی، تو اس صورت میں یزید کو اس فعل قبیح کا براہ راست ذمہ دار قرار دینا ممکن نہیں البتہ اس صورت میں ایسے "بدکردار" لشکریوں پر حدِ شرعی جاری کرنا یزید کی شرعی و اخلاقی و آئینی ذمہ داری تھی مگر اس معاملہ میں مشکل یہ ہے کہ واقعہ حرہ (اواخر 63ھ) کے چند ماہ بعد (14۔ ربیع الاول 64ھ کو) یزید کا شام میں انتقال ہو گیا جس کی خبر سن کر یہی لشکر مکہ مکرمہ سے حضرت عبداللہ

بن زبیرؓ کا محاصرہ ختم کر کے براستہ مدینہ دمشق کے لیے روانہ ہوگیا تھا جو یزید کی وفات اور تدفین کے کئی روز بعد دمشق پہنچا۔ ایسی صورت میں یزید پر ایسے قبیح فعل کے مرتکب "مجرموں" پر حد و تعزیر جاری نہ کرنے کا الزام تو سرے سے عائد ہی نہیں ہوتا۔

رابعاً:۔

وفات یزید اور معاویہ ثانی کی خلافت سے دست برداری اور وفات کے بعد ارض حجاز پر 9 سال (64ھ تا 73ھ) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت قائم رہی (جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے) تو اس عرصہ میں اس ناقابل معافی اور سنگین ترین جرم کی تحقیق و تفتیش اور اکابر مدینہ اور ہزار سے زائد "زیادتی" کی شکار دوشیزاؤں اور خاندانوں سے تفصیلی بیانات حاصل کر کے ("ملزموں" کی عدم گرفتاری اور عدم موجودگی میں) مقدمہ کا کم از کم فیصلہ ہی سنا دینا خلافت ابن زبیرؓ کی شرعی ذمہ داری تھی مگر کتب تاریخ میں اس قسم کا کوئی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔

خامساً:۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ اس وقت جب عالم اسلام میں شام و حجاز میں حضرت مروانؓ (بعد ازاں عبدالملک) اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی دو متحارب و متوازی خلافتیں قائم ہو چکی تھیں تو حضرت ابن زبیرؓ کے کوفی و عراقی حامیان نے بنوامیہ کی مخالفت میں زیب داستان کے لیے مظالم حرہ کی تفصیلات میں دوشیزاؤں کی عصمت دری و استقرار حمل بروایت مولانا سلیم اللہ خان صاحب آٹھ سو (800) بچوں کی پیدائش کے پروپیگنڈے کا اضافہ کر کے "قیل و یقال" کے قائلین نامعلوم اور مجہول مؤرخین کو منتقل کر دیا ہو۔

مگر محض یزید و مروانؓ دشمنی میں اس منفی پروپیگنڈے کے ہزاروں شرعی گواہوں اور غیر جانبدارانہ تحقیق کے بغیر بعض علمائے اہل سنت کی طرف سے تصدیق کر دینا، شرعاً، قانوناً و اخلاقاً ہر لحاظ سے غلط قرار پاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو واضح طور پر یہ حکم دیا ہے کہ:

"یـایھـا الّذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبیّنوا أن تصیبوا قوماً م بجھالة فتصبحوا علٰی ما فعلتم نادمین" (سورة الحجرات ـ آیت 6)

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ (قیل و یقال سے مروی روایات کی بناء پر) نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

مگر صد افسوس ہمارے یہ بعض علماء بلا تحقیق "فساق و فجار" کی پھیلائی ہوئی جھوٹی افواہ کی بنیاد پر "أن تصیبوا قوما" کا مصداق بنتے ہوئے یزید، مروانؓ، لشکر یزید اور مدینة النبیﷺ کی پاک باز دوشیزاؤں پر ٹوٹ پڑے پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ان علماء کو اپنی بہتان طرازی پر نہ صرف یہ کہ کوئی ندامت و پشیمانی نہیں ہوئی بلکہ وہ اور ان کے متبعین اسے یزید و مروانؓ کے خلاف حجت قرار دیتے ہوئے بدستور نقل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ فیا اسفا!

یہ کوئی "عام خبر" نہیں ہے بلکہ اہم ترین خبر ہے اسے جوں کا توں آگے نقل کرنا اور پھیلانا جہاں "کفی بالمرء کذباً أن یحدث بکل ما سمع" کی وعید میں شامل ہونا ہے تو وہیں اس آیت کریمہ کا بھی مصداق بننا ہے کہ:

"انّ الّذین یحبّون أن تشیع الفاحشة فی الّذین امنوا...(النور-آیت 19)

پاک باز خواتین کی "عصمت دری" کی خبر انتہائی اہم تھی جس کی تحقیق کرنا ہماری ذمہ داری بھی نہ تھی پھر بھی اسے بلا تحقیق اور بلا کسی شرعی ثبوت کے قبول کر کے صحیح بخاری کی شرح کشف الباری میں محفوظ کرنا اور اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانا یقیناً بہتان طرازی میں شامل ہے۔ اس نوعیت کے ایک مقدمہ کے لیے چار عینی گواہوں کا نصاب مقرر ہے۔ اگر کسی مقدمہ میں تین گواہوں کے بیانات سے "جرم" ثابت ہو رہا ہو اور چوتھے گواہ کی گواہی کورد کر دیا گیا ہو تو پھر بھی اسے "مجرم" قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اہل تشیع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کیا ہے کہ انہوں نے چار گواہوں کی گواہی کے باوجود حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر "حد" لگانے سے درگزر کیا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز اس طعن کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

"اس طعن کا جواب یہ ہے کہ حد سے درگزر یا اسے ٹالنا اس وقت کہہ سکتے ہیں جب

ثبوت مکمل ہو گیا ہو۔ چونکہ چوتھے گواہ کی گواہی صحیح نہیں تھی اس لیے حد ثابت ہی نہیں ہوئی تو اسے ٹالنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟....

رہا گواہ کو سکھانے پڑھانے کا الزام تو یہ کھلا افتراء اور محض بہتان ہے۔

ابن جریر طبری، امام محمد بن اسماعیل بخاری، اپنی تاریخ میں حافظ عماد الدین بن اثیر، حافظ جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی اور شیخ شمس الدین مظفر سبط ابن جوزی او ر دوسرے ثقہ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جناب مغیرہ بن شعبہؓ بصرہ کے امیر تھے۔ بصرہ کے لوگ شرارت پر تلے ہوئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کو معزول کرائیں۔ انہوں نے ایک سازش کے تحت ان پر زنا کی تہمت لگائی اور چند جھوٹے گواہ اکٹھے کیے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے سامنے ان سے گواہی دلائیں۔ اسی سازش کے تحت بصرہ میں اس الزام کو شہرت دی گئی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ تک بھی یہ خبر پہنچی۔ آپ نے ان سب کو بلوایا۔

چنانچہ جناب مغیرہؓ مع چار گواہوں کے مجلس عدالت صحابہ کے روبرو جس میں جناب امیر المؤمنین (حضرت عمرؓ) خود بھی تشریف فرما تھے، پیش کیے گئے۔

اہل بصرہ نے بحیثیت مدعی دعویٰ دائر کیا کہ جناب مغیرہؓ نے ام جمیل نامی ایک عورت کے ساتھ زنا کیا۔ گواہ گواہی کے لیے آئے تو ایک نے کہا کہ میں نے ان کو اس کی دونوں رانوں کے بیچ میں دیکھا۔ اس پر امیر المؤمنین نے فرمایا:

"لا واللّٰه حتّٰی یشھد أنه یلج فیھا و لوج المرود فی الملحلة"

نہیں خدا کی قسم (اس وقت تک اس کی گواہی معتبر نہیں) جب تک یہ گواہی نہ دے کہ (اس نے عضو مخصوص کو) اس طرح اندر جاتے دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے۔

اس پر گواہ نے کہا "نعم أشھد علی ذٰلك۔" "ہاں میں اسی کیفیت کی گواہی دیتا ہوں۔

اس کے بعد دوسرے اور تیسرے گواہ نے بھی اسی طرح گواہی دی۔ جب چوتھا گواہ جو زیاد بن ابیہ تھا، گواہی کے لیے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تم بھی اپنے ساتھیوں کی طرح گواہی دیتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں اتنا جانتا ہوں کہ:

"رأیت مجلساً و نفساً حثیثاً و انبهاراً و رأیته مستبطناً و رجلین کأنهما اذنا حمار۔"

میں نے ایک نشست گاہ، پھولا ہوا سانس اور ایستادگی دیکھی اور ران کو اس کے پیٹ پر دیکھا اور دونوں پاؤں ایسے لگتے تھے جیسے گدھے کے دو کان۔

اس پر حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے ایسا دیکھا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے۔ اس نے کہا: نہیں اس طرح نہیں دیکھا۔

اب ایسی صورت حال کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ شرعاً حد ثابت ہوگئی؟ اور یہ مقدمہ بند کمرے کا تو تھا نہیں۔ صحابہ کی کھلی مجلس میں سب پیش تھے۔ سب کے سامنے سوال وجواب ہو رہے تھے۔ اس گواہ کو سکھانے پڑھانے کا معاملہ کہاں پیش آیا؟

اگر بر سر مجلس جناب عمرؓ ایسا کرتے تو کیا صحابہ کرام جن میں جناب علیؓ بھی موجود تھے اس کو گوارا فرما لیتے۔ یہ حضرات تو اتنے منصف مزاج، عادل اور جری تھے کہ بر سر منبر امیر المؤمنینؓ کو ٹوکتے اور رجواب طلبی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے اور پھر یہ معاملہ حدود اللہ کا تھا۔ امور شرع اور حدود کے اثبات میں کوئی کاہلی، سستی اور رواداری برتی جاتی تو صادقوں اور عادلوں اور سچے مسلمانوں کی یہ جماعت کثیر جو اسی مقصد اور فیصلہ کے لیے جمع ہوئی تھی، کب اسے برداشت کر سکتی تھی؟ ان اصحاب کرامؓ کی عادت تو امر ناحق و منکر کو چھپانے کی نہیں، آشکار کرنے کی تھی۔ وہ دین کے معاملہ میں نہ بے جا لحاظ کرتے تھے، نہ بے جا رواداری برتتے تھے۔ یہ سب کے سب ایسی غلط روش پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے اور جس پر حد ثابت ہو چکی ہو اس کو یوں ہی اچھوتا کیسے جانے دیتے۔ اگر امیر المؤمنین نے شاہد کو سکھایا ہوتا تو یہ حضرات فوراً ہی آپ کی گرفت کرتے...."

(تحفہ اثناعشریہ اردو ص 576-577۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

کسی کو "شرعی تحقیق" کے بغیر اس فعل قبیح کا مرتکب قرار دینا پھر ایک ہزار پاک باز خواتین کی عزت و ناموس کو داغ دار کرنا یقیناً اتنی ہی مرتبہ بہتان طرازی ہے۔ اس الزام کے ثبوت کے لیے چار ہزار عادل اور عینی گواہوں کی ضرورت ہے۔ بصورت

دیگر الزام لگانے والے حد قذف کے مستحق ہیں جو 80 درے ہے اور ایک ہزار پاکباز دوشیزاؤں پر الزام لگانے والے 80x1000=80,000 یعنی اسی ہزار دُرّوں کی سزا کے مستحق ہیں۔

امام بخاری نے ایک باب کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ:

"رمی المحصنات" پھر اس کے آغاز میں سورۃ النور کی آیات "انّ الذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا بأربعة شهدآء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة أبداً و اولٰئك هم الفاسقون الّا الّذين تابوا من بعد ذٰلك و أصلحوا فانّ اللّٰه غفور رّحيم o

انّ الّذين يرمون المحصنٰت الغافلات المؤمنات لعنوا في الدنيا والآخرة و لهم عذاب عظيم...(النور 4، 5، 23)

ان آیات کے بعد امام بخاری یہ حدیث لائے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اجتنبوا السّبع الموبقات قالوا: يارسول اللّٰه و ماهنّ؟ قال: الشرك باللّٰه ، والسّحر ، وقتل النفس الّتي حرّم اللّٰه الّا بالحق و أكل الرّبوا و أكل مال اليتيم والتولّي يوم الزّحف و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات۔"

(صحیح بخاری۔کتاب الحدود۔باب رمی المحصنات۔رقم الحدیث 6857)

سات تباہ کرنے والے گناہوں سے بچتے رہو۔لوگوں نے عرض کیا وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس جان کا اللہ نے مارنا حرام قرار دیا ہے اسے ناحق مارنا، سود کھانا، یتیم کا مال ناحق کھانا، جہاد میں پیٹھ دکھا کر بھاگنا اور آزاد بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔

سخت حیرت ہے کہ جس واقعہ کے نہ عینی شاہد موجود ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے مستند و معتبر ذریعہ سے ثابت ہے اسے علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے حدیث کی کتاب ''معارف السنن'' اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے بخاری کی شرح ''کشف الباری'' جیسی مستند کتب میں کیوں کر صحیح گردانتے ہوئے آگے نقل کر دیا۔پھر علماء کرام نے مزید ظلم یہ کیا کہ

حضرت مروانؓ کو بھی واقعہ حرہ کے تمام مظالم میں برابر کا شریک اور حصہ دار قرار دے دیا۔ اس طرح انہوں نے مسلم بن عقبہ کے ماتحت 10 ہزار کے لشکر میں سے صرف حضرت مروانؓ جو صغار صحابہ میں سے ہیں، دس سال سے زائد عرصہ تک مدینہ منورہ کے گورنر اور مسجد نبوی کے خطیب رہے انہیں "ایف آئی آر" میں بنام نامزد کر دیا۔ فیا اسفا!

سادساً:۔

واقعہ حرہ میں شامل لشکر یزید، باغیان مدینہ اور "عصمت دری" کی شکار خواتین سب کا تعلق عصر صحابہ سے تھا اور فرق مراتب کے باوجود از روئے حدیث "خیر النّاس قرنی ثم الّذین یلونھم ثم الّذین یلونھم" اور "خیر امّتی قرنی ثم الّذین یلونھم ثم الّذین یلونھم" (صحیح بخاری۔ رقم الحدیث 3650، 3651) خیر الناس اور خیر امت تھے؛ ان کے باہم شخصی اور سیاسی اختلافات سے قطع نظر ان کے بارے میں عرب و اسلام کی تمام تر مذہبی و اخلاقی اور سماجی روایات کے منافی ایسا گھناؤنا الزام لگانا اور وہ بھی ایک ہزار باکرہ غیر شادی شدہ دوشیزاؤں کے حاملہ ہونے اور آٹھ سو کی تعداد میں باقاعدہ بچے جننے کی تصریح کے ساتھ، یقیناً ایک ایسی شیطنت آمیز روایت ہے جس کے تباہ کن مضمرات و اثرات کا اندازہ قدیم و جدید دشمنانِ یزید و مروان بھی پوری طرح نہیں کر پائے۔ کیونکہ اگر عصر صحابہ سے تعلق رکھنے والے سیاسی مخالفین، عرب و اسلام کی تمام تر شاندار جنگی روایات کو توڑتے ہوئے خاص مدینة النبی ﷺ میں، یزید کے حامی اکابر صحابہ و اہل بیتؓ کی موجودگی میں سینکڑوں لشکری ایک ہزار باکرہ دوشیزاؤں کی عصمت دری کر کے سرِ عام اخلاق و کردار کا گھٹیا ترین مظاہرہ کر رہے تھے (العیاذ باللہ) تو عصر صحابہ سے تعلق رکھنے والوں کا یہ مبینہ و مزعومہ اخلاقی دیوالیہ پن (معاذ اللہ) ان کو اور قرن اول کے اسلام کو اس قابل کہاں چھوڑتا ہے کہ وہ آنے والے دور کے اہل اسلام اور پورے عالم انسانیت کی تا قیامت اخلاقی و اجتماعی اور دنیوی و اخروی حالت سدھارنے کے دعوے دار بن سکیں۔

اگر ایسا مکروہ ترین اور گھٹیا ترین الزام چودہ صدیاں بعد کے کسی دینی و مذہبی ادارے

یا کسی دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ یا کسی روحانی خانقاہ یا مذہبی جماعت کے قائدین و معتقدین پر عائد کیا جائے تو ان کی آنکھوں میں بھی خون اتر آئے اور مرنے اور مارنے پر تُل جائیں۔ جب کہ یہی الزام قرن اول کے ''خیار الناس و اخیار امت'' اور پاکباز تابعیات کے معاملے میں نہ صرف یہ کہ کمال تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے برداشت کیا جا رہا ہے بلکہ انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اسے ''معارف السنن'' اور ''کشف الباری'' جیسی کتب حدیث کے توسط سے آنے والی نسلوں کو منتقل بھی کیا جا رہا ہے۔

کتاب مکمل ہو چکی تھی کہ اس اثناء میں روزنامہ دنیا کی ایک خبر نظر سے گزری جسے اس موقع پر نذر قارئین کرنا نہایت ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''برطانیہ میں مقیم ایک معروف بنگلہ دیشی مصنف نے اپنی حالیہ کتاب میں انکشاف کیا ہے کہ سقوط ڈھاکہ کے وقت 30 لاکھ بنگالیوں کے قتل اور لاکھوں خواتین کی بے حرمتی کی باتوں کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ پاکستان کو بدنام کرنے اور 1971ء کے جنگی جرائم میں ملوث کرنے کے لیے بے بنیاد اور من گھڑت افسانے بنائے گئے۔ مصنف ڈاکٹر محمد البغل مومن چوہدری نے اپنی کتاب ''30 لاکھ کے فسانے کے پیچھے'' میں متعدد تاریخی واقعات نقل کر کے ان الزامات کو بے بنیاد ثابت کیا ہے۔''

(روزنامہ دنیا۔ اسلام آباد ص 8،6 تحت بقیہ نمبر 20۔ 11 دسمبر 2014ء)

اس ''افسانہ'' میں بنگلہ دیش کی مسلم خواتین کی عصمت دری کا الزام پاکستان کی مسلم فوج پر لگایا گیا۔ صرف 45 سال گزرنے کے بعد خود بنگلہ دیشی مصنف نے اپنی تحقیق کے ذریعے اس کی تردید کر دی۔ اس کے برعکس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان مولانا سلیم اللہ خان چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس کذب وافتراء پر مبنی گھٹیا ترین الزام کو حدیث کی کتابوں ''معارف السنن'' اور ''کشف الباری'' میں نقل کر کے اس کی تصدیق و توثیق فرما رہے ہیں۔ فیا للعجب!!! فیا أسفا!!! فإنّا للّٰہ و إنّا الیہ راجعون!!!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا سیدنا مروانؓ حدیث:"ھلاکۃ امتی" کا مصداق ہیں؟

مولانا سید احمد رضا بجنوری بحوالہ حافظ ابن حجر حدیث "ھلاکۃ امتی علی یدی أغیلمۃ سفھاء" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''بہت سی احادیث حکم اور اس کی اولاد کے ملعون ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جن کی تخریج طبرانی وغیرہ نے کی ہے۔ان میں زیادہ تو محل نظر ہیں مگر بعض جید بھی ہیں۔'' (انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد 17۔ص 194)

مولانا احمد علی سہارنپوری (م 1297ھ) نے بھی حدیث "ھلاك امتی ...." کے تحت طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"و قد وردت أحادیث فی لعن الحکم والد مروان وما ولد أخرجھا الطبرانی وغیرہ" (صحیح بخاری الجزء الثانی ص 246۔حاشیہ نمبر 3۔ کتاب الفتن باب قول النبیؐ: ھلاك امتی علی یدی أغیلمۃ سفھاء)

حدیث میں حکم والد مروان اور اس کی اولاد پر لعنت وارد ہے۔طبرانی اور دوسرے محدثین نے ان کی تخریج کی ہے۔

جناب بجنوری صاحب نے تو حضرت حکم رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد پر لعنت کے حوالے سے اکثر احادیث کو محل نظر قرار دیتے ہوئے بعض کو جید تسلیم کیا ہے کہ ان پر بلسان نبوت لعنت کی گئی ہے جب کہ سہارنپوری صاحب نے روایات کے محل نظر ہونے کا کوئی اشارہ نہیں دیا۔

اس طرح علامہ ابن حجر عسقلانی ، مولانا احمد علی سہارنپوری اور مولانا احمد رضا بجنوری صاحب نے حدیث "ھلاکۃ امتی ...." کے تحت حضرت حکمؓ اور حضرت مروانؓ کو "ملعون" تسلیم کرتے ہوئے حضرت مروانؓ کی اولاد کو بھی امت کی ہلاکت کا باعث قرار دے دیا۔ان حضرات نے جس حدیث کے تحت تشریح کی یہ ''کاروائی'' ڈالی ہے اس میں کسی کے نام کا

ذکر تک نہیں ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

عمرو بن یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے دادا سعید بن عمرو بن سعد نے بتایا کہ:

"کنت جالساً مع أبی ھریرۃ فی مسجد النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بالمدینۃ و معنا مروان ، قال أبوھریرۃ:سمعت الصادق المصدوق یقول:ھلکۃ امّتی علی یدی غلمۃ من قریش۔فقال مروان:لعنۃ اللّٰہ علیھم غلمۃ۔فقال أبوھریرۃ:لو شئت أن اقول بنی فلان بنی فلان لفعلت۔

فکنت أخرج مع جدّی الی بنی مروان حین ملکوا بالشام فاذا رآھم غلمانا أحداثا قال لنا عسٰی ھؤلاء أن یکونوا منھم۔قلنا أنت أعلم۔"

(صحیح بخاری۔کتاب الفتن۔باب قول النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ھلاك امّتی علی یدی أغیلمۃ سفھاء۔رقم الحدیث 7058)

میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا۔اس وقت مروانؓ بھی ہمارے ساتھ تھے۔حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: میں نے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں میری امت کی تباہی ہوگی۔

حضرت مروانؓ نے کہا:اللہ کی لعنت ہو ایسے لڑکوں پر۔حضرت ابو ہریرہؓ کہنے لگے:اگر میں چاہوں تو ان کے نام بیان کردوں فلاں کے بیٹے اور فلاں کے بیٹے۔

عمرو بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں اپنے دادا کے ساتھ مروان کی اولاد کے پاس جایا کرتا جب وہ شام کے حاکم بن گئے تھے تو میرے دادا نے ان کے کم عمر لڑکوں کو دیکھ کر کہا"شاید یہ لڑکے ہی اس حدیث کا مصداق ہوں۔ہم نے کہا: آپ زیادہ جانتے ہیں۔

یہ ہے وہ حدیث جس کی تشریح میں شارحین نے بڑے قصے اور کہانیاں وضع کی ہیں جن کی بناء پر بعض نے یزید کو اور بعض نے حضرت مروانؓ اور حضرت حکمؓ کو ملعون ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ آل مروانؓ کو بھی حدیث "ھلاك امّتی...." کا مصداق قرار دے دیا۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب زیر بحث حدیث

کی تشریح میں "صغرے کبرے" ملا کر اس کا مصداق یزید کو قرار دیتے ہیں:

"اس حدیث سے اتنا واضح ہے کہ امت کی تباہی کا ذریعہ چند قریشی لڑکے بنیں گے۔ لڑکوں کا لفظ تصغیر کے ساتھ لایا جانا ان کی توہین و تنقیص کی طرف اشارہ ہے کیونکہ امت میں عظیم و جلیل چیز کو تباہ کر دینے والا تعظیم و توقیر کا مستحق کیسے ہو سکتا تھا؟ چنانچہ فتح الباری کی پیش کردہ ایک روایت میں ان غلیمہ کی صفت سفھاء ذکر کی گئی ہے۔ یعنی یہ تباہی بدعقل لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی جن میں سفاہت ہوگی.... اس لیے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ___ ان لڑکوں کو صبیان سے تعبیر کرتے ہوئے ان کی عملی کیفیت یہ بیان فرمائی گئی ہے:

"اضاعوا الصّلوۃ واتبعوا الشّھوات فسوف یلقون غیًا۔

جو نمازوں کو ضائع کریں گے اور شہواتِ نفس کی پیروی کریں گے اور قریب ہی وادی جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔

اسی لیے حافظ ابن حجر نے صبیان او رغلیمہ کے لفظ کی مراد بتلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ: میں کہتا ہوں کہ صبی اور غلیم (چھوٹا لڑکا) کا لفظ تصغیر کے ساتھ کبھی ضعیف العقل، ضعیف التدبیر اور ضعیف الدین کے لیے بھی بولا جاتا ہے گو وہ جوان بھی ہو اور یہاں یہی مراد ہے۔

یعنی یہ امت کے دشمن نوخیز لڑکے گو عمر کے لحاظ سے تو بالغ ہوں گے مگر عقل و تدبیر اور دین کے لحاظ سے حقیر، کمزور اور طفل مکتب ہوں گے.... پھر اس حدیث بخاری میں یہ امت کا لفظ اس طرف بھی مشیر ہے کہ یہ ہلاکت شخصی یا انفرادی قسم کی نہ ہوگی بلکہ اجتماعی قسم کی ہلاکت ہوگی جس کی زد پوری امت پر پڑے گی اور اس کا اجتماعی شیرازہ اس ہلاکت کا شکار ہو ااور جب کہ اجتماعیت ہی کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام نے خلافت رکھی ہے تو امت کی اجتماعیت کی ہلاکت کے معنی صاف لفظوں میں خلافت کی تباہی کے نکل آتے ہیں۔ گویا حدیث نے چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں خلافت دین کی تباہی کی خبر دی ہے۔

اس سے متعین ہو گیا کہ جس امارۃ صبیان سے ابو ہریرہؓ پناہ مانگا کرتے تھے اور 60ھ کے جن صبیان کی بدعملی اور شہوت رانی حدیث ابو سعید خدریؓ میں مذکور تھی وہ یہی امارت تھی جس کا

اولین سربراہ یزید تھا جو چونتیس سالہ جوان تھا عمر بلوغ کی تھی مگر عقل وتدبیر اور دین کے لحاظ سے نابالغ اور صبی تھا۔" (شہید کربلا اور یزید ص 154-155، 160۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب قاری طیب صاحبؒ کے اس "استدلال" کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"جس بات کی کسی حدیث میں تصریح نہ ہو اور شارحین حدیث اپنے اپنے علم کے مطابق قرائن کی بناء پر حدیث کا محمل متعین کرنے کی کوشش کریں، تو شارحین کے بیان کردہ محامل کو حدیث کا درجہ نہیں دیا جاتا اور منقولہ بالا حدیث (ھلکۃ امتی علی أیدی غلمۃ من قریش) میں صراحتاً یا اشارتاً کوئی تعیین ان "چھوکروں" کی نہیں ہے۔ اب اگر کسی قرینہ کی بناء پر کسی عالم نے یہ لکھ دیا کہ اس میں یزید کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے تو اس بنیاد پر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ حدیث میں یزید کے ہاتھوں سے امت کی بربادی کی پیشن گوئی کی گئی ہے۔

زیادہ واضح لفظوں میں یہ کہ چند غیر متعین قریشی لڑکوں کے ہاتھوں امت کی بربادی کی خبر کو تو حق تسلیم کرنا اور اس پر آمنّا وصدّقنا کہنا ضروری ہے۔ لیکن یہ تسلیم کرنا کہ ان لڑکوں میں یزید بھی داخل ہے قطعاً ضروری نہیں ہے اس لیے کہ اس کی تصریح حدیث میں نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ شرح احادیث میں جو احتمالات محدثین ذکر کرتے ہیں، ان کو قطع و جزم کے صیغے سے بیان کرنا علمی دیانت کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح ان کی بنیاد پر حدیث کی کوئی مراد جزم کے ساتھ بیان کرنا یا ان احتمالات کو حدیث کے ساتھ جوڑ کر یہ کہہ دینا کہ حدیث کا یہ مضمون ہے ہمارے نزدیک "من یقل علیّ مالم أقلہ" کا مستحق بننا ہے۔

(قاری صاحب نے حافظ ابن حجر کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں حافظ نے "غلیمۃ" کی تاویل ضعیف العقل اور ضعیف التدبیر سے کی ہے۔ علامہ اعظمیؒ نے اس پر لکھا ہے:)

"اسی طرح یزید کو لفظ غلام کا مصداق ثابت کرنے کے شوق میں وہ ابن حجر کی اس تاویل کو بے تامل مان لیتے ہیں کہ غلام اپنی حقیقت پر نہیں ہے بلکہ مجازاً اس سے ضعیف العقل مراد ہے۔ مگر خود ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والا لفظ "غلمۃ" کو اس کے حقیقی معنوں

میں سمجھتا ہے اور بنو مروان کو نوخیز پا کر اس کا مصداق قرار دیتا ہے تو اس کی کوئی قیمت مہتمم صاحب کے نزدیک نہیں ہے۔ حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک حقیقت متعذر نہ ہو۔

نیز "غلمۃ" کی یہ تاویل اس لیے بھی قرین صواب نہیں ہے کہ دوسری روایت میں یہ حدیث بلفظ "غلمۃ سفھاء" وارد ہوئی ہے اور خود بخاری نے ترجمۃ الباب میں اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے لہٰذا "غلمۃ" میں تاویل کر کے اس کی مراد ضعفاء العقول قرار دینے کا مطلب یہ ہوا کہ آگے "سفھاء" کے اضافے سے اسی کی تاکید منظور ہے۔ حالانکہ اہل عربیت کے نزدیک تاکید سے اولیٰ تاسیس ہے۔ لہٰذا اس قاعدہ کی رو سے بھی اولیٰ یہی ہے کہ "غلمۃ" سے نوخیز لڑکے مراد لیے جائیں تا کہ لفظ "سفھاء" تاسیس کے لیے ہو۔

(قاری صاحبؒ نے حدیث "غلمۃ" سے یزید کے مراد ہونے کا فتح الباری کے حوالے سے یہ قرینہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دعا کیا کرتے تھے: "اللّٰھم لا تدرکنی سنۃ ستّین و لا إمارۃ الصّبیان" اے اللہ 60ھ کا زمانہ مجھ پر نہ گزرے نہ امارۃ صبیان مجھے پائے۔ علامہ اعظمی نے جواب میں لکھا ہے کہ:)

"دو چیزوں کی دعا مانگنے سے یہ کیوں کر لازم آتا ہے کہ داعی ان چیزوں میں معیت و مقارنت کا اعتقاد رکھتا ہے۔ کیا دو چیزوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ ان دونوں کا وقوع بھی ایک ہی ساتھ ہوگا؟

بلکہ یہ طرز تعبیر صاف بتا رہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ امارۃ صبیان کو 60ھ سے بالکل علیحدہ اور الگ ایک مستقل چیز سمجھتے تھے۔ اگر دونوں میں معیت کا تصور ان کو ہوتا تو لفظ "لا" کے اعادہ کے ساتھ اس کو پہلے پر عطف نہ کرتے بلکہ یوں کہتے "لا تدرکنی سنۃ ستین و امارۃ الصبیان۔"

(اس کے بعد علامہ اعظمی نے جو لکھا ہے وہ بہت غور طلب اور چشم کشا ہے۔ ان کی عبارت ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے:)

"حضرت ابو ہریرہؓ کا یہی اثر یا اس سے بالکل ملتا جلتا ایک اثر امام بخاری کی کتاب

"الأدب المفرد" میں مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"سمعت أبا هريرة يتعوّذ من امارة الصبيان والسفهاء"

حضرت ابو ہریرہؓ لڑکوں اور کم عقلوں کی امارت سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

راوی اس کے بعد بیان کرتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ اس کی نشانی یا پہچان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ رشتۂ قرابت قطع کیا جائے گا، بہکانے والوں کی بات مانی جائے گی اور صحیح راستہ بتانے والوں کی سنی نہ جائے گی۔

اب سوچیے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے دماغ میں اگر یہ بات ہوتی کہ امارت صبیان کی ابتداء 60ھ میں ہوگی، تو سائل کو جو پہچان انہوں نے بتائی ہے اس سے کہیں زیادہ آسان اور بسہولت گرفت میں آنے والی پہچان یہ تھی کہ وہ 60ھ میں شروع ہوگی لہٰذا حضرت ابو ہریرہؓ اس کو بتاتے مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ اس کا کوئی ذکر نہیں فرماتے۔

اسی طرح فتح الباری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایک مرفوع حدیث میں بھی امارۃ الصبیان سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے۔ اس میں بھی کسی سائل کے سوال پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پہچان بتائی ہے مگر 60ھ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ آگے لکھا ہے کہ امام حاکم نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حاکم کی نظر میں حضرت حذیفہؓ کے نزدیک "غلمة من قريش" کا مصداق قاتلین عثمان ہیں۔

اس کے بعد تاریخ ابن کثیر (231/8) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث:

"تعوّذوا باالله من سنة سبعين و من امارة الصبيان" نقل کر کے لکھا ہے کہ اس میں امارۃ الصبیان کا ذکر 70ھ کے ساتھ ہے۔ لہٰذا قاری صاحبؒ کے استدلال کے بموجب اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ساتھ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ امارۃ الصبیان کی ابتداء 70ھ سے یا 70ھ کے بعد ہوگی۔ پس حدیث نبوی اور دعائے ابو ہریرہؓ کے اشاروں میں تعارض ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے تعارض کے وقت حدیث نبوی کو ترجیح دی جائے گی...

پھر ابن کثیر کا ایک **قول**:"فاقرّ نوّاب أبیہ علی الأقالیم لم یعزل أحداً منھم وھذا من ذکائہ" نقل کر کے لکھا ہے کہ مہتمم صاحب نے یزید کی نسبت جو لکھا ہے کہ وہ شیوخ کو ہٹا کر صبیان کو مقرر کرتا تھا، تاریخ اس کی تکذیب کرتی ہے۔ولید بن عتبہ اور نعمان بن بشیرؓ کو معزول بھی کیا تھا تو ولید کو پھر مدینہ کا گورنر بنا دیا تھا اور حضرت نعمانؓ کو پہلے اپنے ہی پاس رکھ کر ان سے مشورہ لیتا تھا اور بعد میں ان کو حمص کا والی بھی مقرر کر دیا تھا۔"

{حیات ابوالمآثر (مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی) جلد ثانی ص 363-366۔مؤلفہ ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی۔مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ الہند}

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حدیث "ھلکۃ امتی علی یدی غلمۃ من قریش" کا مصداق یزید ہرگز نہیں ہے اور نہ اس کے ہاتھ سے خلافت کا خاتمہ ہو کر امت کی اجتماعی ہلاکت واقع ہوئی ہے۔

جہاں تک حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے وہ کسی صورت میں بھی اس حدیث کا مصداق نہیں ہو سکتے:

اوّلاً:۔

حضرت مروانؓ پر لفظ "غلمۃ" کا اطلاق لغوی طور پر بھی نہیں ہوتا کیونکہ منصب خلافت پر فائز ہوتے وقت ان کی عمر 62 سال تھی۔

ثانیاً:۔

حضرت قاری صاحبؒ نے لفظ "غلمۃ" کو "سفاہت، ضعیف العقل، ضعیف التدبیر اور ضعیف الدین" سے جو تعبیر کیا ہے تو حضرت مروانؓ پر ان میں سے کسی بھی تعبیر کا اطلاق ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔

ثالثاً:۔

جس وقت حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث مسجد نبوی میں بیٹھ کر سنائی تھی اس وقت حضرت مروانؓ نہ صرف ان کے پاس موجود تھے بلکہ وہ اس وقت گورنر بھی تھے۔ان کی

امت مسلمہ کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے خاندانِ قریش کا ایک معزز فرد ہونے کے باوجود کسی تعصب اور جانبداری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ قریشی لڑکوں کے ہاتھوں امت کی تباہی کی حدیث سنتے ہی فرمایا:

"لعنة الله عليهم غلمة" کہ ان قریشی لڑکوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

حافظ ابن حجر (م 852ھ) نے حضرت مروانؓ کے ساتھ تعصب کی بناء پر "لعنة الله عليهم غلمة" کے قول کی آٹھ سو سال بعد ایسی توجیہ و تنبیہ جاری کی کہ جس کا حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی حاصل نہ تھا کیونکہ صرف وہی "عليم بذات الصدور" ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ توجیہ کرتے وقت حافظ صاحب اللہ تعالیٰ کے ترجمان بن گئے تھے ورنہ بتایا جائے کہ حافظ صاحب کو اس بات کی اطلاع کس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مروان کے خلاف حجت قائم کرنے کی غرض سے قریشی لڑکوں پر لعنت کے الفاظ ادا کرائے ہیں۔

ظاہر ہے کہ حافظ صاحب کی تعصب و عناد پر مبنی یہ توجیہ و تنبیہ ان کے کسی ہم فکر، ہم عقیدہ اور ہم خیال ہی کو پسند آ سکتی تھی؛ چنانچہ ایسے ہی ایک ہم خیال کی زبانی یہ "توجیہ" نذر قارئین کی جاتی ہے:

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کے سابق استاذ حدیث مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

مروان کا مفسد لونڈوں پر لعنت کرنا:

نیز اس باب کے ختم پر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے جو "تنبیہ" فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے؛ فرماتے ہیں:

تنبیہ:۔ يتعجب من لعن مروان الغلمة المذكورين مع أن الظاهر أنهم من ولده فكأن الله تعالى اجرى ذلك على لسانه ليكون أشد في الحجة عليهم لعلهم يتعظون۔

و قد وردت أحاديث في لعن الحكم والد مروان و ما ولد اخرجها الطبراني وغيره غالبها فيه مقال وبعضها جيد و لعل المراد تخصيص الغلمة المذكورين بذلك۔

تنبیہ:۔ تعجب ہوتا ہے کہ مروان نے ان مذکورہ لونڈوں پر لعنت کی حالانکہ ظاہر ہے وہ اس کی اولاد ہی میں ہوئے ہیں پس گویا حق تعالیٰ شانہ نے یہ بات اس کی زبان سے کہلادی تا کہ ان لونڈوں پر سخت حجت قائم ہو جائے اور شاید اس بات سے وہ کچھ نصیحت پکڑیں۔

اور ہاں مروان کے باپ حکم اور اس کی اولاد پر حدیثوں میں لعنت وارد ہوئی ہے۔ان حدیثوں کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے جن میں سے اکثر روایات میں گفتگو کی گنجائش ہے مگر ان میں سے بعض روایات جید بھی ہیں اور غالباً لعنت ان ہی لونڈوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

مولانا احمد علی سہارنپوری (م 1297ھ) بھی حافظ ابن حجر کی پیروی کرتے ہوئے زیر بحث حدیث کی تشریح میں بعینہ یہی بات لکھ گئے مگر اس میں صرف یہ تبدیلی کی "تــنبیــــہ" اور "یتعجب" کے بجائے "العجب" سے شروع کیا۔اسی طرح آخر میں حضرت حکمؓ والد مروانؓ اور ان کی اولاد پر لعنت سے متعلق طبرانی وغیرہ کی اکثر احادیث کو جنہیں حافظ ابن حجر نے محل نظر کہتے ہوئے بعض کو جید قرار دیا تھا جب کہ محدث سہارنپوری نے اپنے قارئین کو اس بحث کی زحمت سے بچالیا کہ کون سی احادیث محل نظر ہیں اور کون سی جید؛ بلکہ یہ تاثر دیا کہ جن کے بارے میں یہ احادیث وارد ہوئی ہیں ان پر لعنت ثابت ہے۔

حالانکہ زیر بحث حدیث کی تشریح میں ان احادیث کے ذکر کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں بنتا کیونکہ خود حضرت مروانؓ امت کی ہلاکت کا باعث بننے والے قریشی لڑکوں پر لعنت بھیج رہے ہیں پھر معلوم نہیں کہ یہ حضرات کس طبقہ کی خوشنودی کی خاطر حضرت حکمؓ اور ان کی اولاد، حضرت مروانؓ وغیرہ کو لعنت کا مستحق قرار دے رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے جب مسجد نبوی میں یہ حدیث سنائی تھی اس وقت حضرت مروانؓ حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔وہ ان کی خلافت میں دو مرتبہ 42ھ تا 48ھ اور 54ھ تا 57ھ اس منصب پر فائز رہے۔ظاہر ہے کہ اسی دوران میں یہ حدیث سنائی گئی ہوگی۔جب کہ حضرت حکمؓ 32ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پا چکے تھے۔لہٰذا حضرت حکمؓ اس حدیث کا مصداق کیوں کر ہو سکتے

ہیں؟ علاوہ ازیں حضرت حکمؓ پر نہ تو "غلمۃ" کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ ہی انہوں نے کبھی امارت وخلافت کے فرائض انجام دیے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اور نعمانی صاحب جن احادیث کو جید قرار دے کر ان پر لعنت ثابت کررہے ہیں تو ان کی اکثر روایات کی طرح بعض "جید" بھی یقیناً محل نظر ہیں اس پر مفصل بحث پیچھے زیرعنوان "ملعون ابن ملعون" گزرچکی ہے۔

مزید برآں حضرت حکمؓ بالاتفاق صحابی رسولؐ ہیں، ان کی توہین و تنقیص اور ان پر طعن و تشنیع ازروئے کتاب و سنت حرام ہے۔

حضرات عسقلانی، سہارنپوری اور نعمانی کو حضرت مروانؓ کے "قریشی لڑکوں" پر لعنت کرنے کی وجہ سے تعجب ہو رہا ہے۔ انصاف اور حق کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں ان کے اس بالکل بے موقع، بے محل اور لغو، باطل اور موضوع روایات کے ذریعے حضرت حکمؓ اور ان کی اولاد کو ملعون کہنے پر سخت تعجب ہو رہا ہے۔

صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ "میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔" یہ حدیث سن کر حضرت مروانؓ نے ان قریشی لڑکوں سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے ان پر اللہ کی لعنت بھیجی جو ان کی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کے ساتھ سچی محبت کی عظیم دلیل ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے فقط یہ کہا ہے کہ:

"لو شئت أن أقول بنی فلان، بنی فلان لفعلت"

اگر میں چاہوں تو بتا سکتا ہوں کہ وہ بنی فلاں اور بنی فلاں ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے تو یہاں کسی کا نام نہیں لیا پھر شارحین کو کیوں کر معلوم ہوگیا کہ اس سے مراد "بنی مروان" ہیں؟ تو دوسری مرتبہ بنی فلاں کہنے سے کس کی اولاد مراد ہوگی؟ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ: إن شئت أن أسمیھم بنی فلان وبنی فلان"

(صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔رقم الحدیث 3605)

اگر میں چاہوں تو بنی فلاں اور بنی فلاں کے نام بتا سکتا ہوں۔

مگر اس کے باوجود اس سلسلے میں نہ تو ان سے کسی نے اصرار کیا اور نہ ہی انہوں نے ازخود کسی کے نام بتائے۔

حضرت حکمؓ کی طرح حضرت مروانؓ بھی زیر بحث حدیث کا مصداق نہیں بن سکتے۔ وہ اگرچہ 9 ماہ تک سریر آرائے خلافت رہے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرح ان کی خلافت پر بھی پوری امت نے اتفاق نہیں کیا تھا۔

زیر بحث حدیث کے آخر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والے سعید بن عمرو نے اپنے شام کے دورے میں جن قریشی لڑکوں کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی کہ غالباً یہ وہی لوگ (لڑکے) ہیں جن کا حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ذکر ہے۔

گویا سعید بن عمرو نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث حضرت مروانؓ کے دور امارت میں چالیس ہجری کی دہائی میں سنی تھی اور بنی مروان پر اس کا اطلاق 70ھ کے بعد کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ بھی راوی سعید بن عمرو کا بنی مروان کے ساتھ "ذاتی اختلاف" ہے کیونکہ خلیفہ عبدالملک بن مروان اموی نے راوی حدیث سعید اموی کے والد "عمرو بن سعید اموی" کو 70ھ میں قتل کرادیا تھا۔ یہ عمرو بن سعید وہ ہیں جنہیں یزید بن معاویہ کی طرف سے مکہ کا گورنر بنایا گیا تھا۔ یہی وہ گورنر ہیں جن کا ذکر مولانا محمد یوسف بنوری نے یزیدی کارناموں بالخصوص واقعہ حرہ کے ضمن میں بایں الفاظ کیا ہے کہ:

"عمرو بن سعيد كان واليا على المدينة من جهة يزيد بن معاوية .... وعمرو بن سعيد هذا هو ابن العاص بن امية القرشى الاموى يعرف بالاشدق و ملقب بلطيم الشيطان يكنى ابا امية قتله عبدالملك بن مروان بعد أن امنه سنة سبعين كما هو مذكور تفصيله فى البداية والنهاية لابن كثير فى الجزء الثامن ...."

(معارف السنن جلد6۔ص 7۔تحت باب ما جاء فى حرمة مكة)

عمرو بن سعید مدینہ پر یزید بن معاویہ کی طرف سے والی بنایا گیا تھا.... یہ عمرو بن سعید

بن العاص ابن امیہ قرشی اموی ہے اور اس کو "اشدق" کے نام سے جانا گیا ہے۔ اس کا لقب لطیم الشیطان ہے اور ابوامیہ اس کی کنیت ہے۔ عبدالملک بن مروان نے 70ھ میں اس کو امان دینے کے بعد قتل کر دیا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل البدایہ والنہایہ کی جلد 8 میں موجود ہے۔

ایک روایت میں "عمرو بن سعید کا صرف نام دیکھ کر علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

"لا یتمسك بقوله هذا فانّه عامل یزید و یزید فاسق بلا ریب"

(العرف الشذی ص 311۔تحت ابواب الحج)

عمرو بن سعید کے اس قول سے تمسک درست نہیں ہے کیونکہ وہ یزید کا عامل تھا اور یزید بلاشبہ فاسق تھا۔

حالانکہ حضرت شاہ صاحب کی یہ دلیل درست نہیں ہے کہ وہ چونکہ یزید کا عامل تھا اس لیے اس کے قول سے تمسک نہیں کیا جاسکتا۔ یزید کے عامل تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

بہر حال حضرت شاہ صاحب اور بنوری صاحب کی مذکورہ تصریحات سے اتنی بات تو واضح ہوگئی ہے کہ زیر بحث حدیث کے راوی سعید کے والد "ابوامیہ عمرو بن سعید بن العاص القرشی الاموی، الاشدق، لطیم الشیطان" کو 70ھ میں عبدالملک بن مروان نے قتل کرادیا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی زیر بحث حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"و أبوه عمرو بن سعید(بن العاص ابن أمیة)هو المعروف بالأشدق قتله عبدالملك بن مروان لمّا خرج علیه بدمشق بعد السبعین ...."

(فتح الباری جلد13۔ص9۔تحت کتاب الفتن باب قول النبیؐ:هلاك امتی علی یدی أغیلمة سفهاء)

سخت حیرت ہے کہ زیر بحث حدیث کے راوی سعید بن عمرو نے حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں 40ھ کی دہائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث سنی تھی اس کے بعد کربلا، حرہ اور محاصرہ مکہ جیسے "سانحات" رونما ہوئے مگر سعید بن عمرو تازہ تازہ سنی ہوئی حدیث

کا مصداق متعین نہ کر سکے۔ پھر 70ھ یا اس کے بعد جب ان کے والد عمرو بن سعید عبدالملک بن مروان کے ہاتھوں قتل ہو گئے تب انہیں امت کو ہلاک کرنے والے قریشی لڑکے یاد آ گئے کہ وہ تو یہی بنی مروان ہیں۔ پھر اس روایت میں اس بات کی بھی کوئی تصریح نہیں ہے کہ راوی سعید بن عمرو نے اپنے پوتے "عمرو بن یحیٰ" کے ہمراہ بنی مروان میں سے کس کس نوخیز لڑکے کو دیکھا تھا۔

اس کے برعکس صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں بارہ خلفاء کے متعلق یہ بشارت دی گئی ہے کہ:

"یکون اثنا عشر امیرا ....، لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنا عشر خلیفۃ ....، لا یزال ھذا الدین قائم حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ کلھم تجتمع علیہ الامۃ...." ملاحظہ ہو: (صحیح بخاری۔ کتاب الاحکام۔ رقم الحدیث 7222، صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش۔ الجلد الثانی ص119، سنن ابی داؤد کتاب الفتن۔ باب الملاحم جلدثانی ص239)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میرے بعد بارہ امیر ہوں گے وہ سب قریش میں سے ہوں گے، اسلام بارہ خلفاء کے دور تک ہمیشہ غالب رہے گا جو سب قریش میں سے ہوں گے جب کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں "بارہ خلفاء" کے ساتھ اس بات کی بھی تصریح پائی جاتی ہے کہ ایسے بارہ خلفاء جن پر امت کا اجماع ہو۔

امام طبرانی نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں کہ ان بارہ خلفاء کو کسی دشمن کی عداوت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر حضرات صحیح بخاری کی حدیث "یکون اثنا عشر امیرا" میں خلفاء اربعہ کے علاوہ حضرت معاویہؓ، یزید بن معاویہؒ، عبدالملک (73ھ کے بعد)، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز بن مروان، یزید ثانی بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک (41ھ تا 125ھ ماسوائے معاویہ ثانی اور مروانؓ کا ایک

سالہ عہد خلافت) کو شامل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(فتح الباری جلد13ص214، منہاج السنۃ لابن تیمیہ جلد 4۔ص206، تاریخ الخلفاء اردو للسیوطی مترجمہ شمس بریلوی ص 75۔الصواعق المحرقۃ لابن حجر ہیتمی ص 21، شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص 84، تکملہ فتح الملہم للشیخ محمد تقی عثمانی جلد 3 ص 284۔سیرت النبیؐ مؤلفہ سید سلیمان ندوی جلد 3 ص 604 تحت اخبار غیب یا پیش گوئی)

یہ حضرات تو یزید کے علاوہ صرف بنی مروان میں سے 6 خلفاء کو حدیث بارہ خلفاء میں شامل کر رہے ہیں جن پر "غلمۃ من قریش" کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے دور میں "امت ہلاک" ہوئی بلکہ ان کی خلافت پر امت متفق و مجتمع تھی اور ان کے دور میں اسلام غالب رہا۔

پورے عالم اسلام کا ایک ہی سیاسی مرکز تھا، ایک خلیفہ کا حکم حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) سمیت پوری اسلامی مملکت میں نافذ تھا اور نہ صرف اندرونِ ملک اسلام غالب تھا بلکہ کسی بیرونی قوت کو خلافت اسلامیہ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں ان خلفاء کو یہ شرف بھی حاصل رہا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور یہ سعادت بھی ان ہی خلفاء کو حاصل رہی کہ وہ صحابہ کرامؓ کی زیر سرپرستی اور ان کی رائے اور مشاورت سے امور خلافت سرانجام دیتے رہے۔

حدیث "اثنا عشر خلیفۃ" کے علاوہ ایک دوسری حدیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ بنو امیہ و بنو مروانؓ کے دور میں 120ھ تک اسلام غالب رہے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تدور رحی الاسلام لخمس و ثلاثین أو ستٍ و ثلاثین أو سبع و ثلاثین فان یھلکو فسبیل من ھلك و ان یقم لھم دینھم یقم لھم سبعین عاما۔قلت أمما بقی أو ممّا مضی؟ قال ممّا مضی۔"(سنن ابی داؤد بحوالہ مشکوۃ المصابیح کتاب الفتن ص 465)

اسلام کی چکی پینتیس (35) برس یا چھتیس (36) برس یا سینتیس (37) برس تک چلتی رہے گی۔ پھر اگر لوگ ہلاک ہوں (یعنی اختلاف کریں) تو وہ ان کی راہ پر ہوں گے جو ہلاک ہوئے اور اگر ان کا دین باقی رہے تو پھر اس کا سلسلہ ستر (70) برس تک رہے گا۔

میں نے عرض کیا یہ ستر (70) برس ان سالوں سے بعد ہوں گے جن کا ذکر ہوا یا بشمول ان کے؟ فرمایا: جو زمانہ گزرا، اس کے بعد۔

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بجائے حضرت عمرؓ کا نام آیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (ازالہ الخفاء جلد اول تحت مقصد اول۔ فصل چہارم ص 286)

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصریح کے مطابق 35ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت سے جہاد کا نظام متاثر ہو گیا تھا جو حضرت معاویہؓ کے دور سے از سر نو شروع ہوا۔ اس طرح 41ھ سے 70 برس شمار کیے جائیں تو 110ھ میں اور اگر حدیث کے الفاظ 36 برس یا 37 برس کو بھی شامل کیا جائے تو پھر یہ مدت 112ھ میں پوری ہوتی ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ 41ھ سے 112ھ تک یہ مدت 72 برس جمع کرنے کی صورت میں بنتی ہے جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس مدت سے عبدالملک بن مروان کا (65ھ تا 72ھ) آٹھ سالہ غیر متفقہ اور متنازعہ دور خلافت منفی کر کے اسے 112ھ میں جمع کیا جائے گا کیونکہ حدیث "اثنا عشر خلیفۃ" کی ایک روایت میں "تجتمعُ علیہ الامۃ" کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ مدت 70 برس جمع کرنے سے 118ھ اور 72 برس جمع کرنے کی صورت میں 120ھ میں پوری ہوتی ہے جس کے بعد بنو امیہ (بنو مروانؓ) کی خلافت زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ گویا اسلام کی چکی ایک مرتبہ پھر اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی۔

حدیث "اثنا عشر خلیفۃ" اور حدیث "رحی الاسلام" کی روشنی میں امت کے متفق علیہ بارہ خلفاء میں خلفائے اربعہؓ کے بعد حسب ذیل آٹھ خلفاء پر 70 برس کی مدت پوری ہوتی ہے:

1۔ حضرت معاویہؓ 41ھ

2۔امیر یزید 60ھ (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت مروانؓ "تجتمع علیہ الامۃ" کی شرط پر پورے نہیں اترتے)

3۔عبدالملک بن مروان (اگر چہ یہ 65ھ میں منصب خلافت پر فائز ہو گئے تھے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد 73ھ میں ان پر امت کا اتفاق ہو گیا تھا)

4۔ولید بن عبدالملک بن مروانؓ 85ھ

5۔سلیمان بن عبدالملک بن مروانؓ 96ھ

6۔عمر بن عبدالعزیز بن مروانؓ 99ھ

7۔یزید بن عبدالملک بن مروانؓ 101ھ

8۔ہشام بن عبدالملک بن مروانؓ 105ھ تا 125ھ۔

ہشام بن عبدالملک کے بعد بنی مروان میں سے چار مزید اموی خلفاء

(1۔ولید ثانی بن یزید ثانی بن عبدالملک 2۔یزید ثالث بن ولید ثانی

3۔ابراہیم بن ولید ثانی 4۔مروان ثانی بن محمد بن مروانؓ)

نے 132ھ تک خلافت کے فرائض سرانجام دیے لیکن امت ان کے ادوار میں بھی تباہ نہیں ہوئی۔زیادہ سے زیادہ خلافت بنوامیہ و بنی مروان کے ہاتھوں سے نکل کر بنوعباس کو منتقل ہو گئی تھی۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ زیر بحث حدیث میں کسی قریشی نوجوان کا بنام ذکر نہیں تھا اور 70ھ کے بعد سعید راوی حدیث نے عبدالملک بن مراونؓ کے ہاتھوں اپنے والد عمرو بن سعید (المعروف بہ الاشدق لطیم الشیطان) کے قتل ہو جانے کے بعد ذاتی مخاصمت کی وجہ سے بلا تصریح نام بنی مروان کے چند نوجوانوں کو دیکھ کر اس احتمال کا اظہار کیا کہ "عسی ھؤلاء أن یکونوا منھم" شاید یہ لڑکے ہی اس حدیث کا مصداق ہوں۔

لہٰذا راوی کے محض احتمال کی بناء پر قطع و جزم کے ساتھ بنی مروانؓ پر امت کی تباہی و ہلاکت کا الزام لگانا جہاں علمی دیانت کے خلاف ہے وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی افتراء باندھنا ہے۔أعاذنا اللہ منہ

جہاں تک زیر بحث حدیث کے اصل راوی حضرت ابو ہریرہؓ کا تعلق ہے تو انہوں نے بھی حضرت مروانؓ کے ان قریشی لڑکوں پر لعنت بھیجنے کے بعد صرف اتنا فرمایا کہ:

اگر میں چاہوں تو بنی فلاں، بنی فلاں کے نام بتا سکتا ہوں۔ اگر موصوف کے علم میں بنی مروانؓ کے نام ہوتے تو وہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی نیابت کیوں کر کر سکتے تھے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی جب کہ انہوں نے حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر محاصرہ کے دوران مسلح پہرہ دیا تھا اور یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے بعد بھی حضرت معاویہؓ کی خلافت کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور 59ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت معاویہؓ کے بھتیجے اور گورنر مدینہ جناب ولید بن عتبہ بن ابی سفیانؓ نے پڑھائی۔

پھر یہ بات بھی انتہائی قابل غور ہے کہ زیر بحث حدیث میں "غلمۃ من قریش" کے الفاظ آئے ہیں جب کہ "ھلکۃ امتی" سے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے ''خلافت دین'' کی تباہی مراد لی ہے؛ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''پھر اس حدیث بخاری میں یہ امت کا لفظ اس طرف بھی مشیر ہے کہ یہ ہلاکت شخصی یا انفرادی قسم کی نہ ہوگی کیونکہ ایک دو یا سو پچاس افراد کی ہلاکت، امت کی ہلاکت نہیں کہی جا سکتی بلکہ اجتماعی قسم کی ہلاکت ہوگی جس کی زد پوری امت پر پڑے گی اور اس کا اجتماعی شیرازہ اس ہلاکت کا شکار ہوگا اور جب کہ اجتماعیت ہی کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام نے خلافت رکھی ہے تو امت کی اجتماعیت کی ہلاکت کے معنی صاف لفظوں میں خلافت کی تباہی کے نکل آتے ہیں۔ گویا حدیث نے چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں خلافتِ دین کی تباہی کی خبر دی ہے۔'' (شہید کربلا اور یزید ص 155۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

حضرت قاری صاحبؒ نے "ھلکۃ امتی" کا نہایت ہی درست اور جامع مفہوم بیان فرمایا ہے کہ "اس سے مراد امت کی اجتماعی ہلاکت ہے جس کی زد پوری امت پر پڑے گی، اس کا اجتماعی شیرازہ اس ہلاکت کا شکار ہوگا جس کا معنی صاف لفظوں میں خلافت کی تباہی ہے۔"

مگر صد افسوس کہ وہ اس نتیجۂ فکر کا صحیح انطباق کرنے میں ناکام رہے اور اصل بنیاد کو نظر انداز کر گئے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نتیجہ فکر کے صحیح مصداق قاتلین عثمانؓ ہیں (حضرت حذیفہؓ کا قول پیچھے گزر چکا ہے) یہی وہ فتنہ کبریٰ ہے جس میں خلافت کی تباہی ہوئی اور امت کا اجتماعی شیرازہ منتشر ہوا۔ قتل عثمانؓ امت کے درمیان مزید بہت سے فتنوں کے پیدا ہونے کی بجا طور پر اصل بنیاد قرار پایا جس کا نقد نتیجہ جمل و صفین کے معرکوں کی صورت میں سامنے آیا اور اس کے سبب سے امت آج تک افتراق و انتشار کا شکار ہے۔ حضرت علیؓ جو اس وقت بلاشبہ افضل امت احق خلافت تھے لیکن چونکہ فتنہ کی آگ بھڑک چکی تھی اور اختلاف وافتراق پیدا ہو چکا تھا اس لیے خلافت کے بحال ہونے کے بعد بھی امت کی اجتماعی شیرازہ بندی نہ ہو سکی۔ اس فتنہ نے اسلامی شہروں اور مرکز خلافت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور نہ صرف یہ کہ اسلامی فتوحات کا سلسلہ بند ہوا بلکہ بعض مقامات پر مسلمانوں کو پیچھے بھی ہٹنا پڑا؛ یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ نے زمام خلافت سنبھالنے کے بعد اس سلسلہ کو دوبارہ جاری کیا۔

زیر بحث حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا حال یہ تھا کہ جب یہ حادثہ یاد آتا تھا ہائے ہائے کر کے رونے لگتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے شہادت عثمانؓ کے بعد کہا کہ: اللہ کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ اللہ کی قسم اب قریش میں اس کثرت سے موت اور قتل واقع ہوگا کہ اگر کوئی ہرن اپنے مسکن میں جائے گا تو وہاں بھی کسی قریشی کے جوتے پڑے ملیں گے۔ عبداللہ بن سلامؓ مشہور صحابی ہیں، ان کو شہادت کی اطلاع ہوئی تو بے ساختہ زبان سے نکلا:

"الیوم ھلکت العرب" آج عرب تباہ ہو گئے۔

انہوں نے مزید فرمایا: "لوگوں نے عثمانؓ کو قتل کر کے اپنے اوپر ایسے فتنے کا دروازہ کھول لیا ہے جو قیامت تک بند نہ ہوگا۔ اب جو تلواریں کھنچ گئی ہیں وہ قیامت تک میان میں بند نہ ہوں گی۔

یہ "فتنہ کبریٰ" اگرچہ سبائی گروہ کا پیدا کردہ تھا لیکن اس میں کچھ "غلمۃ من قریش" کا بھی کردار تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کو غیر مستحکم بلکہ ختم کرنے کے لئے سبائیوں

کی بالواسطہ اور بلاواسطہ اعانت کی تھی۔

معلوم نہیں کہ حدیث نبویؐ کا قریب ترین اور حضرت قاری صاحبؒ کے نتیجہ فکر کے عین مطابق "اصل مصداق" کو زیر بحث حدیث کی تشریح میں کیوں نظر انداز کر دیا گیا؟ حالانکہ اس وقت حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ بھی بقید حیات تھے اور شہادت عثمانؓ کے حوالے سے ان کے تاثرات بھی پیش کیے جا چکے ہیں۔

کیا یہ بات باعث حیرت نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں "غلمۃ من قریش" (قریشی لڑکے) اور حضرت ابو ہریرہؓ اس کی توضیح "بنی فلاں، بنی فلاں" (فلاں کے، فلاں خاندان کے) کے الفاظ سے کریں لیکن اس کو بنوامیہ اور بنومروان کے ساتھ مختص کرتے ہوئے یہ فیصلہ صادر کر دیا جائے کہ امت کی ہلاکت کی یہ پیش گوئی یزید اور بنی مروان کے ہاتھوں پوری ہوئی۔فانا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ بھی کیا کوئی کم ستم ظریفی ہے کہ حدیث "اثنا عشر خلیفۃ" (جس میں علمائے کرام کی تصریحات کے مطابق بنوامیہ کے آٹھ خلفاء شامل ہیں) کی فہرست میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی کے علاوہ باقی خلفاء کے نام خارج کر دیے جائیں کہ یہ خاندان اس فضیلت کا حامل نہیں ہو سکتا۔ گویا ان حضرات کے نزدیک تمام برائیاں بنوامیہ میں پائی جاتی ہیں اور تمام خوبیاں قریش کے دیگر خاندانوں بالخصوص بنوہاشم ہی کا مقدر ہیں۔یہ عجیب معاملہ ہے کہ حدیث "غلمۃ من قریش" میں "قریش" کا لفظ دیکھ کر امت کی ہلاکت کا تمام ملبہ قریش کے ایک خاندان "بنوامیہ" پر گرا دیا جاتا ہے اور جب حدیث "اثنا عشر خلیفۃ ــــ کلھم من قریش" میں قریشی ہونے کی بناء پر تاج خلافت بنوامیہ کے سر پر رکھا جاتا ہے تو دشمنان بنوامیہ خم ٹھونک کر میدان میں کود پڑتے ہیں کہ کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنوامیہ ہی کو الاٹ کی گئی ہے۔ چنانچہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کے سابق استاذ حدیث حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی فرماتے ہیں کہ:

"بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت

کے استحقاق کا دعویٰ کیا گیا تو اس سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑی؟ خلافت کا حق قریش کے لیے نص سے ثابت ہے۔ کیا بنی ہاشم جو خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، قریش سے خارج ہیں؟ کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنی امیہ ہی کے لیے الاٹ کردی گئی تھی؟ اور بنی امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لیے جو یزید کی ولی عہدی ضروری ٹھہری۔"

(حادثہ کربلا کا پس منظر۔ص 190-191۔ مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور)

موصوف کا تعصب دیکھیے کہ قریش میں کل 920 سال تک خلافت قائم رہی جس میں بنوامیہ نے (بشمول حضرت عثمانؓ) 104 سال تک خلافت کے فرائض سرانجام دیے جب کہ بنوہاشم 804 سال تک سریر آرائے خلافت رہے۔ کیا اس مدت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ "خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنوامیہ ہی کے لیے الاٹ کردی گئی تھی؟"

موصوف کی "نگارشات" میں بنوامیہ کے لیے عناد صاف "چھلک" رہا ہے۔ اگر ان کے سر سے تاجِ خلافت نہ اتارا جاسکے تو پھر ان خلفاء کو "شر الملوك" کا نام دے دیا جاتا ہے۔ فیا اسفا!

حالانکہ بنوامیہ کو ان کی صلاحیت و اہلیت کے پیشِ نظر امارت و سپہ سالاری وغیرہ کے مناصب خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے عطا کیے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ امت کے افتراق و انتشار سے پریشان اور امت کے اتحاد کے خواہاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہؓ جمل و صفین کے معرکوں میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد غیر جانبدار صحابہؓ نے بھی حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ 60ھ کی دہائی میں جب مکہ حجاز میں اختلاف ابھرا تو حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے دونوں گروہوں سے اظہارِ ناراضگی کیا اور دونوں کو دنیا کے لیے قتال کرنے والا قرار دیا۔ حالانکہ وہ بھی اپنے اپنے اجتہاد پر ہی عمل پیرا تھے لیکن حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ ہی اس قسم کا تبصرہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ امام بخاری یہ حدیث اسی "کتاب الفتن" کے تحت لائے ہیں جس میں حدیث "غلمۃ من قریش" بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ابوالمنہال روایت کرتے ہیں کہ:

"لمّا کان ابن زیاد و مروان بالشام و وثب ابن الزبیر بمکّۃ و وثب القرّاء بالبصرۃ۔

فانطلقت مع أبی الی أبی برزۃ الأسلمی حتّٰی دخلنا علیه فی دارہ و ھو جالس فی ظلّ علیّۃ له من قصب۔فجلسنا الیه فأنشأ أبی یستطعمه الحدیث فقال:

یا أبا برزۃ ألا تریٰ ما وقع فیه النّاس؟ فأوّل شیء سمعته تکلّم به إنّی احتسبت عند اللّٰه أنّی أصبحت ساخطاً علی أحیاء قریش۔إنّکم یا معشر العرب کنتم علی الحال الّذی علمتم من الذلّۃ والقلّۃ والضّلالۃ و إنّ اللّٰه أنقذکم بالاسلام و بمحمّد صلّی اللّٰه علیه وسلّم حتّٰی بلغ بکم ما ترون۔

و ھٰذہ الدنیا الّتی أفسدت بینکم إنّ ذاك الّذی بالشّام واللّٰه إن یقاتل الّا علی الدنیا و إن ھؤلاء الّذین بین أظھرکم واللّٰه إن یقاتلون الّا علی الدنیا و إنّ ذاك الّذی بمکّۃ واللّٰه إن یقاتل إلّا علی الدنیا۔(صحیح بخاری۔کتاب الفتن۔باب إذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافه۔رقم الحدیث 7112)

جب ابن زیاد اور حضرت مروانؓ شام میں حاکم ہوئے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مکے میں متمکن ہوئے، ادھر خارجیوں (قــــرّاء) نے بصرے میں زور جمایا تو میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کے پاس گیا۔ہم ان کے گھر میں گئے وہ بانس کے ایک بالاخانے کے سائے میں بیٹھے تھے۔ہم بھی ان کے پاس جا کر بیٹھے۔میرے والد نے ان سے کچھ گفتگو کرنے کی خواہش کی؛ چنانچہ انہوں نے کہا:

ابو برزہ آپ لوگوں کا حال دیکھ رہے ہیں (کہ وہ کس اختلاف میں مبتلا ہو گئے ہیں)

ابو برزہؓ نے سب سے پہلے جو بات کی وہ میں نے سنی۔انہوں نے فرمایا:

میں صرف رضائے الٰہی کے لیے ان قریش کے لوگوں سے ناراض ہوں۔میرا اجر اللہ کے پاس ہے۔

اے عرب قوم! تم جانتے ہو پہلے تمہارا کیا حال تھا؟ (زمانہ جاہلیت میں) ذلت، کمتری اور گمراہی میں گرفتار تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تمہیں اس بری حالت سے نجات دی حتیٰ کہ تم اس مقام پر فائز ہوئے (دنیا کے حاکم بن

گئے)پھر اسی دنیا نے تمہیں خراب کر دیا۔

دیکھو! یہ شخص جو شام میں حاکم بن بیٹھا ہے (یعنی حضرت مروانؓ) دنیاوی اقتدار کے لیے لڑتا ہے۔اور یہ خارجی لوگ جو تمہارے ارد گرد جمع ہیں (اور اپنے تئیں بڑا قاری کہتے ہیں) اللہ کی قسم یہ بھی دنیاوی اقتدار کے لیے لڑتے ہیں۔اور یہ شخص (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ) جو مکہ میں (خلیفہ بن بیٹھا) ہے، اللہ کی قسم! یہ بھی دنیاوی اقتدار کے لیے لڑتا ہے۔

اس روایت سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے اہل شام اور اہل حجاز کے مابین تصادم میں "غلمة من قریش" کے تحت صرف اموی نوجوانوں کو ہی مراد نہیں لیا بلکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خاندان (بنو اسد) کو بھی برابر کا حصہ دار قرار دیا ہے۔

اہل اسلام کے باہمی تصادم میں قریش کے جملہ خاندانوں یا شاخوں کے علاوہ دیگر قبائل بھی منقسم تھے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے اس روایت میں صرف بنو امیہ اور بنو اسد کا نام نہیں لیا بلکہ یہ فرمایا:

"أنی أصبحت ساخطاً علی أحیاء قریش" میں قریش کے گھرانوں سے ناراض ہوں کہ آپس میں برسر پیکار ہونے کے بجائے یہ اسلام کے دشمن کفار کے خلاف علم جہاد بلند کریں۔

بہر حال زیر بحث حدیث کی روشنی میں صرف بنو امیہ اور خاص طور پر بنو مروانؓ کو امت کی ہلاکت کا ذمہ دار قرار دینا انصاف و دیانت اور حقائق کے خلاف ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بنو امیہ نے کسی کی خلافت کے خلاف کبھی بھی حصہ نہیں لیا۔جنگ صفین، جنگ جمل کی طرح قصاص عثمانؓ کے لیے لڑی گئی تھی جو بالآخر صلح پر منتج ہوئی۔باقی اسلام کسی کو بھی "دفاعی اقدام" سے محروم نہیں کرتا۔اس دوران میں خطاؤں کا ارتکاب بھی ہوا ہوگا کیونکہ یہ حضرات معصوم نہ تھے۔اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگزر کرتے ہوئے ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تھا؟

حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے ایک بھرپور زندگی (2ھ تا 65ھ) گزاری اور بالآخر "كل نفس ذائقة الموت" کے کلیہ کے تحت ان پر بھی وہ وقت موعود آ گیا جو ہر ذی روح پر آنا مقدر ہے اور جس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

امام ذہبی کی تصریح کے مطابق حضرت مروانؓ کی وفات "من أول رمضان سنة خمس و ستين" (سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث ص479) یکم رمضان 65ھ میں بعمر 63 برس واقع ہوئی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی "ومات في رمضان سنة خمس وستين" (الاصابہ الجزء الثالث ص478) کا قول نقل کیا ہے۔

حضرت مروانؓ کی یہ دوہری سعادت ہے کہ انہیں رمضان المبارک جیسے مہینے میں اور 63 برس کی عمر میں موت نصیب ہوئی جس سے انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا "طبعی" اتباع نصیب ہوا۔

حضرات صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحین موت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "طبعی اتباع" کی خواہش کرتے رہے۔ حضرت معاویہؓ کی عمر جب 63 سال کی ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

"مات رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو ابن ثلاث و ستين و أبو بكر وعمر وانا ابن ثلاث و ستين۔"

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات 63 سال کی عمر میں واقع ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اسی عمر میں فوت ہوئے اور میری عمر بھی اس وقت 63 سال ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یعنی کیا بعید ہے کہ مجھے بھی یہ طبعی اتباع نصیب ہو جائے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی اس لیے کہ ان کا وصال تقریباً 80 سال کی عمر میں

ہوا۔ حضرت عثمانؓ کا ذکر اس حدیث میں نہیں کیا حالانکہ ان سے بہت خصوصیت تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کا انتقال 80 سال سے زیادہ عمر میں ہوا اور اس بارے میں طبعی اتباع حضرات شیخینؓ کو ہی نصیب ہوا۔"

(شمائل ترمذی۔ مع اردو شرح خصائل نبویؐ۔ ص 414)

حضرت معاویہؓ کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی جب کہ حضرت مروانؓ کو یہ طبعی اتباع بھی نصیب ہو گیا۔ رمضان المبارک اور 63 سال کی عمر میں موت۔ کے علاوہ حضرت مروانؓ کو "شہادت" کی موت بھی نصیب ہوئی ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار حضرت مروانؓ کی وفات۔ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"مصر اور شام کی از سر نو فتوحات نے اس طاقت ور امیر کا جسم مضمحل کر دیا جو اپنی جوانی کے خوف ناک زخموں ہی سے پوری طرح کبھی شفایاب نہ ہوا تھا۔ اس دراز قامت، چھریرے، جھریوں بھرے ضعیف العمر امیر کی قسمت میں بھی اس وبائے عظیم کا شکار ہونا لکھا تھا جو مشرقی ممالک میں پھیل رہی تھی۔

64ھ میں یہ طاعون عراق سے ملک شام میں بھی پہنچ گیا اور آغاز ہی میں معاویہ ثانی اس کا شکار ہوا جو مروانؓ کا ضعیف و نحیف پیش رو تھا۔

اسی طرح ولید بن عتبہ کو بھی جو ان دونوں کا رشتہ دار تھا اور آخر میں اسی وبائی مرض نے بانی سلسلہ مروانیہ مروان بن الحکمؓ کو 65ھ /684ء میں ہلاک کر دیا۔"

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد 20۔ ص 477)

حضرت مروانؓ کی خوش بختی کی انتہاء ہے کہ انہیں 63 سال کی عمر میں اور رمضان المبارک جیسے مبارک مہینے میں شہادت کی موت نصیب ہوئی۔"

عاش سعيداً و مات سعيداً

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"ما تعدون الشهيد فيكم قالوا يا رسول الله من قتل في سبيل الله فهو

شهيد قال: إنّ الشهداء امّتي إذاً لقليل قالوا: فمن هم يا رسول الله؟ قال: من قتل في سبيل الله فهو شهيد و من مات في سبيل الله فهو شهيد و من مات في الطاعون فهو شهيد و من مات في البطن فهو شهيد والغريق شهيد۔"

(صحیح مسلم الجلد الثانی ص 142۔ کتاب الامارة۔باب بیان الشهداء)

تم اپنے درمیان شہید کس کو شمار کرتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ جو شخص اللہ تعالٰی کے راستہ میں مارا جائے اس کو شہید سمجھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو میری امت کے شہید بہت کم ہوں گے۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر شہید کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

جو اللہ تعالٰی کی راہ میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اللہ کی راہ میں مر گیا وہ بھی شہید ہے اور طاعون میں اور پیٹ کی بیماری میں مرنے والا اور غرق ہونے والا شہید ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"الطاعون شهادة لكلّ مسلم" (حوالہ مذکور)

طاعون میں مرنا ہر ایک مسلمان کے لیے شہادت ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے یہ حدیث بالفاظ ذیل روایت کی ہے:

"وما تعدّون الشّهادة قالوا: القتل في سبيل لله۔ فقال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: الشهداء سبعة سوى القتل في سبيل لله۔ المطعون شهيد والغرق شهيد و صاحب ذات الجنب شهيد والمبطون شهيد والحرق شهيد والّذي يموت تحت الهدم شهيد والمرأة تموت بجمع شهيد۔"

(الموطّأ للامام مالك۔ کتاب الجنائز۔باب النهي عن البكاء ص 216)

تم شہادت کس کو شمار کرتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ:

ہم اللہ تعالٰی کے راستہ میں قتل کیے جانے والے کو شہید کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلکہ شہداء مقتول فی سبیل اللہ کے علاوہ سات قسم پر ہیں:

1۔طاعون میں مرنے والا شہید ہے

2۔پانی میں ڈوبنے والا شہید ہے

3۔پسلی کے درد میں مرنے والا شہید ہے

4۔ہیضہ یا اسہال میں مرنے والا شہید ہے

5۔آگ میں جلنے والا شہید ہے

6۔کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے

7۔اور عورت جو زچگی کے دوران مر جاتی ہے وہ بھی شہید ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشادات کے مطابق حضرت مروانؓ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی کیونکہ وہ طاعون کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے فوت ہوئے تھے۔

لیکن ناقدین مروانؓ یہ ''سعادت'' کیوں کر برداشت کر سکتے تھے اس لیے انہوں نے ایک دوسری داستان وضع کر کے ان کے واقعۂ موت کو بھی ہدفِ تنقید بنا ڈالا۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر (م 463ھ) لکھتے ہیں کہ:

"و هم معدود فی من قتله النساء"

(الاستیعاب مع الاصابة الجزء الثالث ص428)

حضرت مروانؓ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں عورتوں نے قتل کیا ہے۔

امام ذہبی نے اس واقعہ کو ''مات خنقاً'' سے تعبیر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث ص 478)

یعنی ان کی موت گلا گھونٹنے یا دم گھٹنے سے واقع ہوئی۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں کہ:

''عام خیال یہ ہے کہ اس کی بیوی ام خالد نے اسے مار ڈالا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مروان کو سیاسی حالات کی بناء پر مجبور ہو کر خالد بن یزید کو ولی عہد ماننا پڑا تھا لیکن اس کی ولی عہدی اس کی نگاہ میں برابر کھٹکتی تھی۔ چنانچہ خالد کی تذلیل کے لیے اس کی بیوہ

ماں سے شادی کر لی اور ایک موقع پر اس نے اعلانیہ خالد اور اس کی ماں دونوں کے لیے نازیبا کلمات استعمال کیے۔ خالد نے اپنی ماں سے اس کی شکایت کی اس نے زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ (تاریخ اسلام اولین ص 399)

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی اس واقعہ میں مزید رنگ بھرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس (یعنی اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بنانے) کے بعد مروان نے خالد بن یزید کے اثر و قبولیت کو نقصان پہنچانے کی کوششیں جاری رکھیں اور اس کی تذلیل و تخفیف کے درپے رہا پھر اس پر صبر نہ کر کے اس کے قتل کی تدبیریں کرنے لگا۔ خالد نے اپنی ماں یعنی مروان کی بیوی سے شکایت کی کہ مروان میرے قتل پر آمادہ ہے۔

ام خالد نے کہا تم بالکل خاموش رہو میں مروان سے پہلے ہی انتقام لے لوں گی۔ چنانچہ اس نے اپنی چار پانچ باندیوں کو آمادہ کیا۔ رات کو مروان محل سرائے میں آ کر لیٹ گیا۔ ام خالد کے حکم کے موافق عورتوں نے مروان کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر کہ آواز بھی نہ نکال سکے اور قابو کر کے گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ یہ واقعہ 3۔ رمضان المبارک 65ھ کو وقوع پذیر ہوا۔" (تاریخ اسلام حصہ دوم ص 88 مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی لکھتے ہیں کہ:

"مروان لطف حکومت سے لطف اندوز ہونے کے لیے زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا، رمضان المبارک 65ھ میں یکا یک اس کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے پہلے اس نے خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے ولی عہد قرار دیا تھا اور لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لیے اس نے خالد کی ماں سے نکاح بھی کر لیا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ خالد بن یزید کو ولی عہدی سے خارج کرنے کے بعد ایک دن بھرے دربار میں مروان نے اس کی توہین کی تھی۔ خالد نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے مروان کو سوتے ہوئے گلا گھونٹ کر مار دیا۔"

(تاریخ ملت جلد اول ص 383 ۔مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

شیعہ مجتہد مفتی جعفر حسین شارح ''نہج البلاغہ'' لکھتے ہیں کہ:

لیکن ابھی نو مہینے اٹھارہ دن ہی حکومت کرتے ہوئے گزرے تھے کہ 3 رمضان 65ھ میں 63 برس کی عمر میں قضا نے اس طرح آ گھیرا کہ اس کی بیوی اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر بیٹھ گئی اور اس وقت تک الگ نہ ہوئی جب تک اس نے دم نہ توڑ دیا۔''

(نہج البلاغہ ص 232 ۔مطبوعہ امامیہ پبلی کیشنز لاہور)

مولانا سید احمد رضا بجنوری اس ''قتل'' کی ایک عجیب توجیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''64ھ میں مروان کو بھی 9 ماہ کے لیے حکومت مل گئی تھی اور اس کی موت اس کی بیوی کے ذریعے ہوئی تھی جس نے اس کو ایک بے ہودہ حرکت کی وجہ سے سونے کی حالت میں گلا دبا کر قتل کر دیا تھا اور اس کا بیٹا بدلہ بھی نہ لے سکا اس بدنامی سے ڈر کر کہ لوگ کہیں گے کہ مروان ایسا بڑا بادشاہ ایک عورت کے ہاتھوں مارا گیا۔

(انوار الباری اردو شرح صحیح البخاری جلد 17 ۔ص 194)

حضرت مروانؓ کی وفات کے متعلق بعض علمائے ''اہل سنت'' اور اہل تشیع دونوں کا موقف تقریباً یکساں ہے۔ کیا اس طرح کی تفتیش اور ''قیل و قال'' کے صیغوں سے بیان کردہ گواہی کی بناء پر ''جرم'' ثابت ہوا کرتا ہے۔ پھر بھلا اس میں مقتول کا کیا قصور ہے؟

بہر حال اس کہانی کے اعتبار سے بھی حضرت مروانؓ کو بوقت وفات تین سعادتیں حاصل ہو جاتی ہیں یعنی رمضان المبارک میں وفات، 63 سال کی عمر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کا طبعی اتباع اور شہادت کی موت خواہ طاعون کی بیماری سے ہو یا گلا گھونٹ کر مار دینے کی وجہ سے۔

سب سے زیادہ حیرت تو عالمی تبلیغی جماعت کے ہر دلعزیز اور مقبول بین الاقوامی رہنما مولانا طارق جمیل پر ہوتی ہے کہ وہ رمضان المبارک 1435ھ/2014ء کے آخری عشرے کے آغاز میں پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگرام ''روشنی کا سفر'' میں کروڑوں

مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مروانؓ کی وفات کے متعلق رطب و یابس اور گھسی پھسی ہوئی سبائی روایات کی بناء پر ان کی توہین کا ارتکاب کر بیٹھے۔ حالانکہ ان کا جس جماعت کے ساتھ طویل عرصہ سے تعلق چلا آ رہا ہے اس کے نصاب اور بیانات میں با قاعدہ طور پر ''اکرام مسلم'' کا نمبر شامل ہے جسے تبلیغی جماعت کا ایک ادنیٰ کارکن بھی جانتا، سمجھتا اور بیان کرتا رہتا ہے۔

صد افسوس کہ مولانا طارق جمیل صاحب جن کے دل میں رافضیوں، ملحدوں، کھلاڑیوں، گلوکاروں اور فلمی اداکاروں حتیٰ کہ بے حیائی و فحاشی اور عریانی کے میدان میں عالمی شہرت یافتہ ''وینا ملک'' کے لیے بھی بے حد ''احترام و اکرام'' کا جذبہ پایا جاتا ہے مگر انہوں نے بھی خیر القرون کی ایک ممتاز دینی و سیاسی شخصیت صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا مروانؓ کو کروڑوں سامعین و ناظرین کے سامنے وفات کے وقت بھی نہ بخشا اور اصل واقعہ کو مسخ کرنے کی پوری کوشش کی اور کہا کہ مرنے کے بعد اس کی شکل تبدیل ہو گئی تھی اور ان کا چہرہ قبلہ سے ہٹ گیا تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ان کے علاوہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی اکثر نوازشات کرتے رہتے ہیں بہر حال سیدنا مروانؓ کی وفات سے متعلق ''قیل و یقال'' کے الفاظ سے جو من گھڑت قصہ مؤرخین و ''علماء'' نے نقل کیا ہے وہ ''تناقضات'' سے پُر ہے۔ اس قصہ پر سطحی نظر ڈالنے سے بھی یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ بوڑھی سبائی عورتوں نے اس کو گھڑا ہے جسے ''علماء و مؤرخین'' نے بلا سوچے سمجھے مروانؓ دشمنی میں بیان کرنا اور نقل کرنا شروع کر دیا جو بالکل لغو، بے بنیاد اور خلافِ حقیقت ہے۔

حضرت مروانؓ کی موت طبعی تھی یا طاعون کے سبب ہوئی یا بیوی نے خود گلا گھونٹا یا دیگر چار یا پانچ عورتوں کے ذریعے یہ مقصد حاصل کیا یا زہر دے کر انہیں مارا گیا؟

کیا اس قتل کا سبب خالد بن یزید کو بھرے دربار میں گالی دینا تھا؟ کیا خالد کی ماں سے خالد کی تذلیل کے لیے نکاح کیا گیا تھا؟ کیا مستقبل میں ان (مروانؓ) کے بیٹوں عبد الملک

یا عبدالعزیز کو ولی عہدی کے مسئلے میں خالد سے کوئی خطرہ تھا جسے وہ قتل کرا کے قبل از وقت ہی راستے سے ہٹانا چاہتے تھے؟

روایات کا یہ تناقض اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اصل حقیقت کسی کو معلوم نہیں اور جن روایات میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بیوی نے خود یا بعض لونڈیوں کے ذریعے سے قتل کرا دیا تھا یہ روایات سنداً و متناً، روایتاً و درایتاً دیوار پر مار دینے کے قابل ہیں۔

یہ بیوی (ام خالد بنت ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس بن عبدمناف) قریش کے ایک معزز خاندان کی ایک معزز خاتون تھی جب کہ شوہر بھی اس کا قریبی رشتہ دار، ایک صحابی، مدبر، سیاستدان، عالم و فاضل اور خلیفہ وقت بھی تھا۔

پھر یہ بیوی کوئی معمولی خاتون بھی نہ تھی خلیفہ وقت کی بیوی اور اس کے پیش رو خلیفہ (معاویہ بن یزید) کی ماں تھی۔ ایسا گھٹیا کام شریف زادیوں کو زیب نہیں دیتا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر بالفرض ام خالد نے ایسا گھٹیا کام کر ہی دیا تھا تو پھر خلیفہ وقت جیسی اہم ترین شخصیت کے قتل ہو جانے کے بعد خاندان میں اس کے اثرات کیوں رونما نہ ہوئے؟ سخت تعجب ہے کہ اس اہم واقعہ کے بعد بھی نہ خاندان میں کوئی اختلاف پیدا ہوا اور نہ ہی کہیں سے قصاص کے مطالبہ کی کوئی آواز اٹھی۔ پھر اس تعجب میں مزید اضافہ اس وقت ہوتا ہے جب مقتول خلیفہ کے بعد بلا اختلاف اور بلا شرکت غیرے زمامِ خلافت بھی اس کے صلبی بیٹے (عبدالملک) کے ہاتھ میں آ گئی تھی مگر اس کے باوجود اس نے کوئی ''قصاص'' نہیں لیا۔ اس قصہ کے جھوٹا اور باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جس خالد بن یزید کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے حضرت مروانؓ کو قتل کیا گیا تھا اس کا مقام و مرتبہ اور عزت و احترام خلیفہ عبدالملک کے ہاں برقرار رہا۔ پھر اگر اس کہانی میں ذرہ برابر بھی کوئی صداقت ہوتی تو بات صرف قتل مروانؓ پر ہی ختم نہ ہو جاتی بلکہ جس مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے یہ قتل کیا گیا تھا اسے ضرور پایہ تکمیل تک پہنچایا جاتا۔

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (اختتامیہ)

"خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ"(المطففین۔آیت26)

زیرِ نظر کتاب کے پہلے حصہ میں سیدنا مروانؓ کے والد سیدنا الحکمؓ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر قبول اسلام کے بعد سیدنا مروانؓ کی صحابیت، سیرت و کردار، خدمات اور علمی مقام پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

جب کہ حصہ دوم میں سیدنا مروانؓ پر عائد کیے گئے چوبیس(24)اعتراضات کا مفصل، مدلل اور مسکت جواب دیا گیا ہے۔ یہ بحث انتہائی تکلیف دہ تھی کیونکہ "الزامات" لگانے والے سارے کے سارے "یگانے" ہی تھے۔ظاہر ہے کہ اس تاریخی "گند" کی تطہیر پر "مامور" ہونے کی بناء پر تقریباً دو ماہ تک "تعفن زدہ" ماحول میں رہنا پڑا۔الحمدللہ! اس کی مکمل "تطہیر" کے بعد اس کا اختتام "خِتٰمُهٗ مِسْكٌ" کے عنوان سے کیا جارہا ہے تا کہ اس "تعفن زدہ" ماحول کا ازالہ صحابیت کی کستوری جیسی خوشبو سے ہو سکے۔

علاوہ ازیں منقولہ بالا آیت میں دفاع صحابہ کا کام کرنے والوں کے لیے تشویق و ترغیب بھی ہے کہ عمل کرنے والوں کو ایسے عملوں میں ایک دوسرے سے سبقت کرنی چاہیے۔اسی کی ترغیب ایک دوسری آیت میں بھی دی گئی ہے:

"لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ؀"(الصافات۔آیت61)

ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

حضرت معاویہؓ وغیرہ کے بارے میں تو اکابر کی مجمل ومبہم یا قابل اعتراض باتوں کی کوئی نہ کوئی تاویل یا توجیہ کی جاتی رہی ہے لیکن سیدنا مروانؓ کے بارے میں خود انہوں نے ہی "تاویل و توجیہ" کا دروازہ بند کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے "فی الواقع" سیدنا مروانؓ کو ان "افعال" کا مرتکب اور "مجرم" قرار دیا ہے۔

ممتاز بزرگ اور جید عالم دین مولانا محمد نافع صاحب فرماتے ہیں کہ:

''اس سلسلہ میں اس مسئلہ پر غور کرنا ہے کہ اگر الحکم اور اس کی اولاد مروان وغیرہ پر لعن طعن کی مذکورہ بالا روایات درست ہیں اور اگر لسان نبوت سے الحکم اور اس کی اولاد ملعون ہے تو پھر مندرجہ ذیل چیزیں کیسے صحیح ہوئیں؟ مثلاً:

1۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان رضی اللہ عنہ کو اپنا داماد کیسے بنایا گیا؟

2۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت مروانؓ کو اپنا کاتب کیسے تجویز فرمادیا؟

3۔ حضرت عثمانؓ نے مروانؓ کو بحرین کا حاکم اور والی کیسے بنا دیا؟

4۔ حضرت عثمانؓ نے الحکم کو بمع اس کی اولاد کے مدینہ میں قیام کی کیسے اجازت دے دی؟ کیا حضرت عثمانؓ کو حضور علیہ السلام کے یہ لعن طعن کے فرمودات معلوم نہیں تھے؟ یا پھر ان فرامین نبوت سے متاثر نہ ہوئے؟ کون سی بات درست ہے؟ حضرت عثمانؓ کی دیانت داری و جان نثاری کے مقام کو مد نظر رکھیں اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں۔

5۔ اگر یہ خاندان زبانِ رسالت کے ذریعے لائق نفرت، قابل حقارت اور لعن کا مورد ہے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنوامیہ (جس کی الحکم اور اس کی اولاد ایک بڑی شاخ ہے) کے حق میں مذکورہ بالا فضیلت و منقبت کے اقوال کیسے فرمادیے اور ان کے عمدہ خصائل کس طرح شمار کر دیے؟

6۔ نیز حضرات حسنینؓ نے جنگ جمل میں مروان کی گرفتاری پر مروان کو رہا کرانے کے لیے حضرت علیؓ کے ہاں سفارش کس طرح کر دی؟ اور پھر حضرت علیؓ نے اس کے حق میں سفارش کیسے منظور فرمائی؟

7۔ سہل بن سعد (صحابی)، علی بن الحسین ہاشمی (یعنی زین العابدین) تابعی، عروہ بن زبیر تابعی، سعید بن المسیب تابعی وغیرہم اکابرین امت نے مروان کی دیانت پر کیسے اعتماد کیا اور اس سے روایاتِ حدیث کیسے حاصل کیں؟

8۔ امام مالک نے اپنے ''موطأ'' میں مسائل شرعی میں اعتماد کرتے ہوئے مروان

سے متعدد مسائل کیسے نقل کر دیے؟

9۔ امام محمد بن حسن الشیبانی نے اپنے ''موطا'' میں مروان سے بہت سے مسائل شرعی کیسے نقل کر دیے؟

10۔ مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پر ایسے مروان کا نائب مناب اور قائم مقام ہونا کیسے گوارا کرتے تھے؟

11۔ حضرت سیدنا زین العابدین کا قول اموی خلفاء کے حق میں کیسے صحیح ہوا؟ جب کہ ایک شخص کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"بل تصلّی خلفهم و تناكحهم بالسنّة"

یعنی ہم بنی امیہ کے خلفاء کے پیچھے نمازیں پڑھیں گے اور ان کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق سنت کے مطابق قائم کریں گے۔

12۔ سیدنا زین العابدین کے حق میں علامہ زہری کا قول کس طرح صحیح ہوگا؟ وہ فرماتے ہیں کہ: "احسنهم طاعة احبّهم الی مروان و عبدالملك بن مروان۔"

یعنی اہل بیت حضرات میں سے سیدنا زین العابدین، مروان و عبدالملک بن مروان کے نہایت عمدہ تابعدار ہیں اور اس کی طرف زیادہ محبت رکھنے والے ہیں۔

13۔ مزید تدبّر فرمائیے: اگر بالفرض فرمان نبوی کے اعتبار سے بنی امیہ مذموم و مبغوض ہیں اور خصوصاً الحکم اور اسکی اولاد مروان وغیرہ ملعون ہے تو پھر ایسے منحوس خاندان کے ساتھ حضرت علی المرتضٰیؓ کی اولاد شریف نے رشتہ داری کے نسبی تعلقات کیسے قائم فرما دیے؟ اور لطف یہ کہ متعدد رشتے حضرت علیؓ کی اولاد نے مروان کی اولاد کو دیے ہیں ان سے لیے نہیں مثلاً: رملہ بنت علیؓ بن ابی طالب مروان کے بیٹے معاویہ کے نکاح میں تھی۔

حسن مثنی کی لڑکی زینب مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک بن مروان کے نکاح میں تھی۔

امام حسنؓ کی پوتی نفیسہ بنت زید بن امام حسنؓ مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک بن مروان کے نکاح میں تھی۔

امام حسنؓ کی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن الحسن، مروان کے بھائی الحارث بن الحکم کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث کے نکاح میں تھی۔ اسی خدیجہ کو ام کلثوم کے نام سے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

خدیجہ ہٰذا کے نکاح کے بعد ان کی چچا زاد بہن حمادہ بنت الحسن المثنّٰی بن امام حسنؓ مروان کے حقیقی بھائی الحارث بن الحکم کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث کے نکاح میں تھیں۔

قابل غور یہ بات ہے کہ کیا حضرت علیؓ کی اولاد نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام فرمودات (جن میں بغض، کراہت، لعن وغیرہ مذکور ہے) یکسر فراموش کرتے ہوئے خاندان مروان سے دائمی تعلقات رشتوں کی صورت میں استوار کر لیے یا یہ روایات ان کے دور میں ان لوگوں کے سامنے ہی نہیں آئی تھیں بلکہ بعد میں راویوں نے اپنے اپنے مقاصد کی خاطر تصنیف فرما کر قوم میں نشر کر دیں۔

ناظرین کرام میں بڑے بڑے فہیم، ذہین، فطین، ذکی مفکر موجود ہیں ہم نے گویا اس مسئلہ کی مختلف جوانب پیش کر دی ہیں۔ منصفانہ غور و خوض فرما کر امید ہے بہتر نتائج خود بر آمد کر سکیں گے۔ ہماری طرف سے صرف اتنی گذارش ہے کہ گروہی تعصب سے بالاتر ہو کر غور فرماویں۔"

(مسئلہ اقرباء نوازی۔ رحماء بینھم۔ ص 309-312۔ تحت "مذکورہ روایات عقل و درایت کی روشنی میں" مطبوعہ جامع محمدی شریف ضلع جھنگ۔ اپریل 1981ء)

یہ ملحوظ رہے کہ مولانا محمد نافع صاحب نے اس کتاب میں ص 242 تا 313 "مروان بن الحکمؓ کے متعلقات" تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بلاشبہ امت مسلمہ کی ایک جلیل القدر شخصیت ہیں۔ انہیں تیرہویں اور چودہویں صدی کے "ناقدین و معترضین" کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے صحابہؓ و تابعین اور اخیار امت کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔

سیدنا مروانؓ ''رؤیتاً'' صغار صحابہ میں شامل ہیں جب کہ ''روایتاً'' کبار تابعین میں سے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر جب ان کے والد سیدنا حکم رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کی عمر 6 برس تھی جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت 8 سال کی عمر تھی۔ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت مسور بن مخرمہؓ کے ہم عمر اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے عمر میں کچھ بڑے تھے۔ فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر انہیں ''رویت'' کا شرف حاصل ہوا۔ اس اعتبار سے وہ ''احترام صحابیت'' کے کم از کم درجے کے تو یقیناً مستحق ہیں۔

خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں اکابر صحابہ کی زیر نگرانی ان کی تربیت ہوئی۔

حضرت عثمانؓ نے ان کے تقویٰ اور تدین کے پیش نظر نہ صرف انہیں شرف دامادی بخشا بلکہ ان کی توقیر و تعظیم بھی کرتے تھے:

''قد كان عثمان بن عفان رضي الله عنه يكرمه و يعظمه''

(البداية والنهاية الجزء الثامن ص 238)

حضرت علیؓ نے انہیں نوجوانان قریش کا سردار قرار دیا:

و هو سيد من شباب قريش ''(سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث ص 477)

کاتب وحی، برادر نسبتی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ نے انہیں خلافت کا اہل قرار دیتے ہوئے حسب ذیل اوصاف جلیلہ سے نوازا:

''القارى لكتاب الله ، الفقيه في دين الله ، الشديد في حدود الله مروان بن الحكم''

(البداية والنهاية الجزء الثامن ص 238 ، سير اعلام النبلاء الجزء الثالث ص 477)

حضرت ابوہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی ان کے نائب اور قائم مقام کے طور پر فرائض ادا کرتے رہے۔

اکابر صحابہ و تابعین 10 سال تک مسجد نبوی میں ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے

رہے جن میں حضرت حسنؓ اور حسینؓ بھی شامل تھے۔

"إنّ الحسن و الحسین کانا یصلّیان خلف مروان و لا یعیدانها"

(البدایة والنهایة الجزء الثامن ص 238۔سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث ص 477، المصنف لابن أبی شیبة۔الجزء الثانی ص 378 ، تاریخ صغیر للامام بخاری المجلد الاول ص136 ۔طبع دار المعرفة بیروت۔لبنان)

سیدنا مروانؓ نے حضرت معاویہؓ کی نیابت میں 5 سال تک (43ھ، 45ھ، 48ھ، 54ھ، 55ھ) "امیر حج" کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی صحابی رسولؐ نے ان کے صدق و دیانت پر اعتماد کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے۔

صحابہ کرامؓ ان کی مجلس شوریٰ میں شامل تھے انہیں جب بھی کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ صحابہ کرامؓ اور ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کی طرف مراجعت کر کے مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے۔

"إذا وقعت معضلة جمع من عنده من الصحابة فاستشارهم فیها...."

(البدایة والنهایة الجزء الثامن ص 239)،

"و کان مروان فی ولایته علی المدینة یجمع اصحاب رسول الله صلّی الله علیه وسلم یستشیرهم و یعمل بما یجمعون له علیه"

(طبقات ابن سعد الجزء الخامس ص30 تحت تذکرة مروان بن الحکمؒ)

جامعہ ازہر کے فاضل استاذ ڈاکٹر ابراہیم علی شعوط حضرت مروانؓ کا علمی مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اگر چہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ہم عصر تھے لیکن بعض علمی مسائل میں ان سے بھی سبقت لے گئے۔(پھر اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ایک عورت کی نذر کا مسئلہ بیان کیا جس میں سب حاضرین نے حضرت مروانؓ کے فیصلہ کی تائید کی)ملاحظہ ہو:(اباطیل یجب أن تمحی من التاریخ ص 315۔ تحت مکانته العلمیة)

حضرت مروانؓ نے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم، حضرت عبدالرحمٰن بن الاسود اور حضرت سیدہ بسرۃ بنت صفوان سے روایات لی ہیں اور خود ان سے تابعین کی ایک جماعت (زین العابدین، عروہ بن زبیرؒ سعید بن مسیّب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ وغیرہم) نے احادیث بیان کی ہیں۔

علامہ محب الدین الخطیب نے ناقدین سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ:

”و کلّھم أعلٰی مرتبة فی الاسلام من الّذین یردون الغل الّذی فی قلوبھم بالطعن فی مروان“(العواصم من القواصم ص89)

سیدنا مروانؓ سے روایت کرنے والے تمام حضرات اسلام میں ان لوگوں کی بہ نسبت نہایت ہی اعلیٰ مقام و مرتبہ کے حامل ہیں جو سیدنا مروانؓ پر طعن و تشنیع کر کے اپنے دلوں میں پوشیدہ بغض و کینہ کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔

قاضی ابوبکر ابن العربی (م 543ھ) نے ناقدین و معترضین کو جو مسکت اور دندان شکن جواب دیا ہے وہ یقیناً ”آبِ زر“ سے لکھنے کے قابل ہے:

”و أمّا قول القائلین فی مروان والولید فشدید علیھم وحکمھم علیھا بالفسق فسق منھم۔

مروان رجل عدل من کبار الامة عند الصّحابة والتابعین وفقھاء المسلمین أمّا الصّحابة فانّ سھل بن سعد الساعدی روی عنه۔ و أمّا التابعون فأصحابه فی السنّ و إن کان جازھم باسم الصحبة فی أحد القولین۔

و أمّا فقھاء الامصار فکلّھم علی تعظیمه و اعتبار خلافته والتلفّت إلی فتواہ والانقیاد الی روایته۔

و أمّا السفھاء من المؤرخین والادباء یقولون علی اقدارھم۔“

(العواصم من القواصم ص89-90)

سیدنا مروانؓ اور ولید کے متعلق ناقدین کا قول اور ان دونوں پر فسق کا حکم ان ہی پر شدید اور خود ان کے اپنے فسق کی دلیل ہے۔

سیدنا مروانؓ و تابعین اور فقہائے مسلمین کے نزدیک عادل و ثقہ اور اس امت کے عظیم اور بڑے لوگوں میں سے تھے۔

صحابہؓ میں سے حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ نے ان سے روایت کی ہے۔ جب کہ تابعین تو عمر کے اعتبار سے ان کے ساتھیوں میں سے ہیں اگرچہ سیدنا مروانؓ دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق باعتبار صحبت ان تابعین سے فائق ہیں۔ فقہائے زمانہ تو سب کے سب سیدنا مروانؓ کی تعظیم پر اور ان کی خلافت کی حجیت پر، ان کے فتاویٰ کے لائق اعتنا ہونے پر اور ان کی روایات کی پیروی پر متفق ہیں۔

لیکن ناسمجھ و بے وقوف مؤرخین و ادباء اپنے فہم اور ظرف کے مطابق سیدنا مروانؓ کے خلاف باتیں گھڑتے رہتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (م 728ھ) لکھتے ہیں:

”فلا یمکن الجزم بنفی رؤیته للنبیّ صلّی الله علیه وسلّم ....بل أخرج اهل الصحاح عدة أحادیث عن مروان وله قول مع أهل الفتیا۔“

(منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعة والقدرية الجزء الثالث ص 189)

(حضرت مروانؓ) کے والد نے لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا اس وجہ سے انہوں نے حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوگا اور شاید وہ مدینہ منورہ بھی گئے ہوں) پس یقین کے ساتھ ان سے نبی اکرمؐ کی روئیت کی نفی نہیں کی جا سکتی.... محدثین صحاح نے ان سے متعدد احادیث کی تخریج کی ہے اور ان کا قول اہل فتویٰ میں شمار کیا ہوتا ہے۔

امام ابن کثیر (م 774ھ) لکھتے ہیں کہ:

”کان مروان من سادات قریش و فضلائها ....القاری لکتاب الله، الفقیه فی دین الله، الشدید فی حدود الله .... کان عند مروان قضاء و کان یتبع

قضایا عمر بن الخطاب۔" (البدایۃ والنہایۃ الجزء الثامن ص 257-258)

سیدنا مروانؓ قریش کے سادات اور فضلاء میں سے تھے ___ یہ کتاب اللہ کے قاری، دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود کے قیام میں بہت سخت ہیں ___ ان کے پاس "قضاء" کا بھی منصب تھا اور وہ اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کے فیصلوں سے رہنمائی لیتے تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) لکھتے ہیں کہ:

"و کان یُعَدُّ فی الفقھاء۔" (الاصابہ الجزء الثالث ص 477)

حضرت مروانؓ اپنے دور میں فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

علامہ ابن حسن دیاربکری (م 982ھ) حضرت مروانؓ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:

"انّہ کان اقرأ الناس للقرآن ....و کان مروان فقیھا عالماً ادیباً۔"

(تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص 397۔تحت مروان بن الحکمؓ)

سیدنا مروانؓ لوگوں میں سے سب سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرنے والے تھے ....اور وہ ایک فقیہ، عالم اور ادیب تھے۔

ملا علی قاری (م 1014ھ) سیدنا مروانؓ کی توہین و تنقیص پر مبنی روایات کو موضوع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"و من ذٰلك الأحادیث فی ذمّ معاویة و ذمّ عمرو بن العاص و ذمّ بنی امیّة و مدح المنصور والسفاح و کذا ذمّ یزید والولید ومروان بن الحکم۔"

اور موضوع روایات میں سے وہ احادیث بھی ہیں جو حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور بنی امیہ کی مذمت میں ہیں اور جو ابوالعباس سفّاح اور منصور عباسی کی مدح و توصیف میں ہیں، اسی طرح وہ روایات بھی موضوع ہیں جو یزید، ولید اور مروان بن حکمؓ کی مذمت میں ہیں۔(الموضوعات الکبیر ص 169-170)

علامہ ابن قیم (م 751ھ/1350ء) نے بھی ولید اور مروان بن الحکمؓ کی مذمت میں بیان کردہ تمام احادیث کو جھوٹ اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

"احادیث ذم الولید و ذم مروان بن الحکم کذب"

(المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ـ القاھرہ مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ ص 117 بحوالہ فصل الخطاب فی مواقف الاصحاب ص 77 ـ مؤلفہ محمد صالح الغرسی ـ دار السلام مصر الطبعۃ الاولی 1416ھ 1996ء)

متاخرین علماء میں محدث جلیل مولانا ظفر احمد عثمانی (م 1394ھ 1974ء) لکھتے ہیں کہ:

"حافظ ابن حجر نے تہذیب التھذیب میں حضرت مروانؓ کو رجال بخاری اور سنن اربعہ کے رواۃ میں شمار کیا ہے اور صحابہ میں ان کا شمار قسم ثانی میں یعنی ان صحابہ میں کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے مگر سماع ثابت نہیں۔

بہر حال ان کے صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے اگر صرف رویئت کو صحابیت کے لیے کافی سمجھا جائے اور یہی جمہور کا قول ہے تو اب ان لوگوں کے اقوال پر التفات نہ کیا جائے گا جو ان میں کلام کرتے ہیں یعنی تنقید کرتے ہیں۔"

(براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص 38-39 ـ مطبوعہ مجلس خدام صحابہ پاکستان ملتان ـ جنوری 1966ء)

جمعیت علمائے ہند کے ممتاز رہنما، مصنف "علمائے ہند کا شاندار ماضی" اور صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ امینیہ دہلی مولانا سید محمد میاںؒ (م 1395ھ 1975ء) فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے لیے تو مودودی صاحب کا یہ انداز تحریر بھی لرزہ خیز ہے ـ مروان اور حکم جیسے بھی ہوں ان کو یہ سعادت حاصل تھی کہ سید الانبیاء، رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت حاصل ہوئی تھی، متاع ایمان بھی ان کے پاس تھا، شرف مشاہدت بھی حاصل ہوا تھا۔

دنیا بھر کے اربوں اور کھربوں انسانوں میں صرف ڈیڑھ یا دو لاکھ انسان ہیں جن کو متاع ایمان کے ساتھ سعادتِ زیارت اور شرفِ ہم کلامی حاصل ہوا ـ ان کی یہ سعادت باعث رشک اور موجب صد احترام ہے ـ یہ مودودی صاحب (اور ان جیسے حضرات) ہی کی جسارت ہے کہ ان کے متعلق وہ انداز اختیار کر رہے ہیں جیسے کسی بازاری شخص کے ساتھ

جو مجرم اور ملزم بھی ہو۔'' (شواہد تقدس اور تردید الزامات ص 153)

مفکر اسلام مولانا محمد اسحاق سندیلوی (م 1416ھ 1995ء) مودودی صاحب کی یہ عبارت: ''جب حضرت حکم کو خارج البلد کیا گیا ہے تو مروان اس وقت 8/7 برس کا تھا'' نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

''اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی صحابیت سے انکار کی گنجائش مودودی صاحب کے لیے بھی نہیں رہی۔ اس لیے کہ اس عمر بلکہ اس سے کم عمر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت رتبۂ صحابیت تک پہنچا دینے کے لیے کافی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے بھی کم عمری ہی میں آنحضورؐ کی زیارت کی تھی۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد ایسے حضرات ہیں جنہوں نے اس سے بھی کم عمر میں شرف زیارت حاصل کیا تھا۔ ان کا شمار بھی جمہور علمائے اہل سنت نے صحابہ میں کیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو صحابی نہ سمجھا جائے۔''
(اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت جلد اول ص 264)

ممتاز سلفی عالم مولانا حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مروانؓ کے کردار کو جس طرح آج کل مسخ کر کے پیش کیا جا رہا ہے وہ انتہائی نامناسب حرکت ہے۔ مروانؓ صغار صحابہ کے اس زمرے میں شامل ہیں جس میں حضرت حسنؓ و حسینؓ کا شمار ہے۔ ان حضرات کی بعض کوتاہیوں کو بنیاد بنا کر سرے سے ان کے شرف صحابیت کا انکار کر دینا یا کم از کم ان کا وہ احترام ملحوظ نہ رکھنا جو تقاضائے صحابیت ہے، اہل سنت کے مزاج وعقیدے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ کسی صحابی کا کبار صحابہ میں نہ ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ احترام صحابیت کے کم از کم درجے کا بھی مستحق نہ رہے۔ یہ انداز فکر عام ہو جائے تو اس طرح ان ہزاروں اصحاب رسولؐ کی عزت وناموس خاک میں مل جائے گی جن کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے جن میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی شامل ہیں۔ یہ تینوں بھی مروان کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

وصال کے وقت عہد طفولیت میں تھے۔" (خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت۔ ص249۔مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور۔اضافہ شدہ ایڈیشن فروری 1985ء)

قارئین کرام کی خدمت میں دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ عدم تحقیق کی بناء پر یا سبائی پروپیگنڈے سے متاثر بعض علماء کے الزامات کولغو اور بے بنیاد قرار دیتے ہوئے سیدنا مروانؓ کی اس عدالت وجلالت ،علمیت وفضیلت ،تفقہ واجتہاد اورعظمت وبزرگی کوتسلیم کریں جوموطاً امام مالک،موطاً امام محمد،مسند احمد بن حنبل،صحیح بخاری،سنن اربعہ کی روایات سے سامنے آتی ہے اور سیدنا مروانؓ کے بارے میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین ،فقہاء و محدثین اور علمائے اسلام کی منقولہ بالا آراء ہی کو ترجیح دیں۔

جن علمائے اہل سنت کی زبان وقلم سے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کی توہین وتنقیص پرمبنی کلمات عدم تحقیق کی بناء پر سہواًیا لاشعوری طور پر صادر ہوگئے ہیں باری تعالیٰ اس خطا کو ان کی بسلسلہ دین مبین دیگر خدمات کے عوض معاف فرمادے۔آمین

اللہ تعالیٰ سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کے دفاع میں اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطافرمائے۔غلطیوں اور خطاؤں کومعاف کرے۔زیرنظر کتاب کو ناقدین ومعترضین اوران کے متبعین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے امت مسلمہ کوقبائلی تعصب اورخاندانی عناد سے محفوظ رکھے۔ہم سب کوجملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا مروانؓ اوران کے والد سیدنا الحکمؓ کے بارے میں سوءظن اوربدگمانی سے بچاکرحسن ظن نصیب فرمائے۔ آمین

إن أريد إلّا الاصلاح ما استطعت و ما توفيقي الّا باللّٰه

(پروفیسر) قاضی محمد طاہرعلی الہاشمی
خطیب مرکزی جامع مسجد
سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں، ہزارہ

مصادر و مراجع

نمبر شمار	نام	
1	القرآن الکریم	
	کتب تفسیر:	
2	تفسیر روح المعانی	سید محمود آلوسی (م 1270ھ)
3	تفسیر قرطبی	امام ابو عبداللہ قرطبی (م 671ھ)
4	تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب (م 1396ھ)
5	مناهج المفسرین"	مؤلفہ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف صاحب
	کتب حدیث و اصول حدیث:	
	متون حدیث:	
6	صحیح بخاری	امام بخاریؒ (م 256ھ)
7	صحیح مسلم	امام مسلمؒ (م 261ھ)
8	سنن ابی داؤد	ابو داؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی م 275ھ
9	سنن ترمذی	ابو عیسیٰ ترمذی (م 279ھ)
10	سنن نسائی	ابو عبدالرحمٰن بن شعیب بن علی النسائی (م 303ھ)
11	سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ (م 273ھ)
12	الموطا امام مالك	امام مالک (م 179ھ)
13	الموطا امام محمد	امام محمد (189ھ)
14	المصنف لعبدالرزاق	محدث عبدالرزاق (م 211ھ)
15	مصنف ابن أبی شیبہ	مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
16	مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل (م 241ھ)
17	سنن سعید بن منصور	(م 227ھ) مجلس علمی کراچی

نمبر	کتاب	مصنف
18	مسند البزار	حافظ ابو بکر احمد بن عمرو البزار (م 292ھ)
19	السنن الکبریٰ للبیهقی	امام بیہقی (م 458ھ)
20	المستدرک للحاکم	امام حاکم (م 405ھ)
21	تلخیص مستدرک امام ذہبی	امام ذہبی (م 748ھ)
22	کشف الاستار عن زوائد البزار علی الکتب الستة	الحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی)(م 807ھ)
23	الموسوعة الحدیثیة	ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی
24	المجموعة فی الاحادیث الضعیفة والموضوعة	ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

شروح حدیث:

نمبر	کتاب	مصنف
25	التقریر للترمذی	شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (م 1339ھ)
26	تقریر ترمذی	مولانا شاہ اشرف علی تھانوی (م 1362ھ)
27	حاشیہ بخاری	مولانا احمد علی سہارنپوری صحیح بخاری
28	درس ترمذی	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
29	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدر الدین عینی (م 855ھ)
30	العرف الشذی ، فیض الباری	علامہ محمد انور شاہ کاشمیری (م 1352ھ)
31	فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ)
32	الکوکب الدرّی	مولانا رشید احمد گنگوہی (م 1323ھ)
33	کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان صاحب
34	معارف السنن شرح ترمذی	مولانا سید محمد یوسف بنوری

اصول حدیث و موضوعات:

35 الاسرار المرفوعة فی اخبار الموضوعة　　ملا علی قاری (م 1014ھ)

کتب اسماء الرجال

36 الاصابہ فی تمییز الصحابة　　حافظ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ)
37 الاستیعاب فی معرفة الاصحاب　　علامہ ابن عبد البر اندلسی (م 463ھ)
38 التاریخ الصغیر　　امام بخاری (م 256ھ)
39 تاریخ بغداد　　ابوبکر الخطیب البغدادی (م 463ھ)
40 تہذیب التہذیب　　حافظ ابن حجر العسقلانی (م 852ھ)
41 تاریخِ صغیر　　امام بخاری (م 256ھ)
42 تذکرة الحفاظ　　شمس الدین الذہبی (م 748ھ)
43 سیر اعلام النبلاء　　شمس الدین الذہبی (م 748ھ)
44 طبقات ابن سعد　　محمد بن سعد (م 230ھ)
45 کتاب الجرح والتعدیل　　امام ابو حاتم رازی
46 کتاب المجروحین　　ابن حبان (م 458ھ)
47 لسان المیزان　　حافظ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ)
48 میزان الاعتدال　　امام ذہبی (م 748ھ)
49 معجم البلدان　　ابو عبد اللہ یاقوت الحموی الرومی (م 626ھ)
50 المغنی فی الضعفاء　　شمس الدین الذہبی (م 748ھ)

کتب تاریخ:

51 اخبار الطوال　　الدینوری الشیعی
52 أباطیل یجب أن تمحی من التاریخ　　ڈاکٹر ابراہیم علی شعوط

53	انساب الاشراف	امام بلاذری (م 279ھ)
54	البدایہ والنہایہ	امام ابن کثیر الدمشقی (م 774ھ)
55	تاریخ الخمیس	علامہ ابن حسن دیار بکری (م 982ھ)
56	تاریخ خلیفہ بن خیاط	علامہ خلیفہ بن خیاط (م 240ھ)
57	تاریخ الطبری	ابن جریر طبری (م 310ھ)
58	تاریخ الخلفاء للسیوطی	امام جلال الدین سیوطی (م 911ھ)
59	تاریخ الخلفاء اردو	مترجم ادیب شہیر شمس بریلوی
60	تاریخ ابن خلدون اردو	عبدالرحمن ابن خلدون (م 808ھ)
61	تاریخ اسلام	مولانا شاہ معین احمد ندوی (م 1974ء)
62	تاریخ اسلام	اکبر شاہ خان نجیب آبادی
63	تاریخ مدینہ منورہ	مؤلفہ ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی
64	تاریخ ملت	مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی
65	تسلیۃ الطالب فی دفاع ثعلبۃ بن حاطب	مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلویؒ (م 2006ء)
66	جمہرۃ انساب العرب	ابن حزم اندلسی (456ھ)
67	حیوۃ الحیوان	علامہ کمال الدین دمیری (م 808ھ)
68	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد (م 230ھ)
69	فتوح البلدان	علامہ بلاذری (م 279ھ)
70	کتاب المعارف	ابن قتیبہ (م 270ھ)
71	مقدمہ ابن خلدون	عبدالرحمن ابن خلدون (م 808ھ)
72	منتخب التواریخ	محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی
73	نسب قریش	مصعب زبیری

74 **کتب سیرت :**

75 خلفائے راشدینؓ — مولانا عبدالشکور لکھنوی (م 1381ھ)

76 رحماء بینھم — مولانا محمد نافع صاحب (م 2014ء)

77 سیرت النبیؐ — علامہ شبلی نعمانی (م 1914ء)

78 سیرت حضرت امیر معاویہؓ — مولانا محمد نافع صاحب (م 2014ء)

79 سیرت امیر معاویہؓ — پروفیسر حافظ ظہر محمود

80 سیدنا عثمان بن عفانؓ شخصیت اور کارنامے — ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

81 سیدنا حسن بن علیؓ ـ تاریخ کے آئینہ میں — جناب حکیم محمود احمد ظفر

82 سیر الصحابہؓ — مولانا شاہ معین الدین (م 1974ء)

83 سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے — ڈاکٹر علی محمد ، محمد الصلابی مترجمہ شمیم احمد خلیل السلفی، عبدالمعین بن عبدالوہاب مدنی

84 سیرت کے سچے موتی — امیر حمزہ صاحب

85 سیرت عائشہؓ — علامہ سید سلیمان ندوی (م 1952ء)

86 سیرت ابن ہشام — امام عبدالملک بن ہشام (م 218ھ)

87 عثمان ذوالنورین — مولانا سعید احمد اکبرآبادی (م 1985ء)

متفرقات:

88 "التنبیہ لطالب علی عدم نفاق ثعلبۃ بن حاطب" — مولانا خان بادشاہ

89 بیوت الصحابہ رضی اللہ عنھم حول المسجد النبوی الشریف — ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی

90 تطہیر الجنان واللسان — علامہ ابن حجر ہیتمی (م 974ھ)

91 زاد المعاد — علامہ ابن قیم الجوزی (م 748ھ)

92 العواصم من القواصم — قاضی ابوبکر ابن العربی (م 543ھ)

93 عبقات — علامہ خالد محمود

94 العقد الفرید — ابن عبد ربہ (م 328)

95 فصل الخطاب فی مواقف الاصحاب — محمد صالح الغرسی ۔ دار السلام مصر الطبعۃ الاولٰی (1416ھ 1996ء)

96 الفصل فی الملل والاھواء والنحل — عبد الکریم شہرستانی

97 کتاب المحبر — ابی جعفر بغدادی

98 لسان العرب — علامہ ابن منظور افریقی مصری

99 المنهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة والقدرية — شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (م 728ھ)

100 النبراس شرح الشرح العقائد — علامہ عبد العزیز پرہاروی (م 1239ھ)

101 الناھیۃ عن طعن امیر المؤمنین معاویۃ رضی اللہ عنہ — علامہ عبد العزیز پرہاروی (م 1239ھ)

102 **اردو کتب:**

103 آپ کے مسائل اور ان کا حل — مولانا محمد یوسف لدھیانوی (م 2000ء)

104 ارشاد الشیعہ — مولانا محمد سرفراز خان صفدر (م 2009ء)

105 اردو دائرہ معارف اسلامیہ — پنجاب یونیورسٹی لاہور

106 احسن الکلام — مولانا محمد سرفراز خان صفدر (م 2009ء)

107 اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ ۔ اردو — علامہ ابن اثیر جزری (م 630ھ) مترجم مولانا عبد الشکور لکھنوی (م 1381ء) مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور۔

108 انبیائے عظام اور صحابہ کرامؓ پر اعتراضات کا علمی جائزہ　ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف
109 اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت　مولانا محمد اسحاق سندیلویؒ (م 1416ھ)
110 ارشادات اکابر　مولانا محمد سرفراز خان صفدر (م 2009ء)
111 ادب العرب　ڈاکٹر زبیر احمد دہلی
112 ازالۃ الخفاء اردو　شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م 1176ء)
مترجمہ مولانا عبدالشکور لکھنوی (م 1381ھ)
113 امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز　پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
114 انوار الباری شرح صحیح البخاری　مولانا سید احمد رضا بجنوری (م 1995ء)
115 ایضاح الادلہ بتصحیح مولانا اصغر حسین صاحب　مطبع قاسمی دیوبند و باہتمام مع حواشی مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی
116 براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ　مولانا ظفر احمد عثمانی ۔ مطبوعہ مجلس خدام صحابہ پاکستان ملتان ۔ جنوری 1966ء)
117 سیدنا امیر المؤمنین حضرت مروان بن الحکمؓ　قاضی محمد شمس الدین ۔ ہری پور (م 1991ء)
مطبوعہ مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ ضلع سرگودہا
118 امیر المؤمنین حضرت مروان بن حکمؓ　حکیم فیض عالم صدیقی
119 سیدنا مروان بن حکمؓ ایک مظلوم شخصیت　حکیم محمود احمد ظفر
120 پرانے چراغ　مولانا ابوالحسن علی ندوی (م 1999ء)
121 تجلیات صفدر　جناب محمد امین صفدر اوکاڑوی (م 2000ء)
122 تذکرۃ الرشید　مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ

123 تسکین الصدور ــ مولانا محمد سرفراز خان صفدر (م 2009ء)

124 تسہیل ادلہ کاملہ ــ تسہیل از مولانا سعید احمد پالنپوری محدث دار العلوم دیوبند ـ مطبوعہ قدیم کتب خانہ کراچی

125 تحفہ خلافت ــ مولانا عبد الشکور لکھنوی (م 1381ھ) مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت پاکستان جہلم

126 حادثہ کربلا کا پس منظر ــ مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور مولانا عبد الرشید نعمانی (م 1420ھ

127 حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ ــ پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

128 حیات ابو المآثر (مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی ــ ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی ـ مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ الہند

129 حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ــ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

130 حدیث کلاب حوأب پر قیل وقال کا علمی محاسبہ" ــ مفتی تفضل علی

131 خلافت و ملوکیت ــ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی (م 1399ھ)

132 خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ــ ملک غلام علی

133 خلافت و ملوکیت اور علمائے اہل سنت ــ چوہدری محمد اسلم

134 ذخیرۃ الجنان ــ امام مولانا سرفراز خان صفدر (م 1430ھ/2009ء)

135 راہ سنت ــ امام مولانا سرفراز خان صفدر (م 1430ھ/2009ء)

136 زبان کی حفاظت ــ مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

137 شہید کربلا اور یزید ــ مولانا قاری محمد طیب صاحب (م 1983ھ)

138 شواہد تقدس اور تردید الزامات ــ مولانا سید محمد میاںؒ (م 1395ھ 1975ء)

139 شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی ــ مولانا محمد زکریا (م 1982ء)

140 الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب ــ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی (م 1957ء)

141 عصمت انبیاء و حرمتِ صحابہؓ | مولانا محمد یوسف بنوری (مطبوعہ مدرسہ اظہار العلوم چکوال
142 عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت | مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی
143 فتاویٰ عزیزی | شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (م 1239ھ)
144 کامیاب طالب علم | مؤلفہ روح اللہ نقشبندی صاحب
145 کوثر النبیؐ | علامہ عبد العزیز پرہاروی (م 1239ھ)
146 مسئلہ اقربا نوازی | مولانا محمد نافع صاحب (م 2014ء)
147 مشاہیر علماء دیوبند | ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن صاحب
148 ملفوظات اعلیٰ حضرت | مولانا احمد رضا خان بریلوی (م 1921ء)
149 مسجد نبویؐ کے پاس صحابہ کے مکانات | مؤلفہ ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی
150 مقالاتِ نیلوی | مولانا محمد حسین شاہ صاحب نیلوی (م 2006ء)
151 مقام صحابہ اور سیدنا معاویہؓ | پروفیسر حافظ اظہر محمود
152 ہدیہ سنیہ | شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی (م 1949ء)
153 ہدیۂ مجیدیہ اردو ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ | شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م 1239ء)
154 ہمارے عائلی مسائل | شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی
155 یزید اکابر علماء اہل سنت دیوبند کی نظر میں | مطبوعہ شاہ نفیس اکادمی لاہور
156 کتب شیعہ:
157 اصول کافی | محمد بن یعقوب کلینی (م 329ھ)
158 الاستبصار | ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی (م 460ھ)
1598 اعیان الشیعۃ | الامام السید محسن الامین
160 الانوار النعمانیہ | سید نعمت اللہ الجزائری
161 بغاوتِ بنوامیہ | غلام حسین نجفی

162 تنقیح المقال　　شیخ عبداللہ الما مکانی (م 1323ء)

163 تاریخ ائمہ　　سید حیدر علی نقوی

164 تاریخ یعقوبی　　احمد بن ابی یعقوب (م 284ھ)

165 تذکرۃ الاطہار ترجمہ کتاب الارشاد　　آیت اللہ علامہ شیخ مفید، مترجمہ سید صفدر حسین نجفی (حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر لاہور) مطبوعہ امامیہ پبلی کیشنز لاہور

166 ثبوت خلافت　　ڈاکٹر نور حسین جعفری سیالوی

167 جلاء العیون　　ملا باقر مجلسی (م 1110ھ)

168 حق الیقین　　ملا باقر مجلسی (م 1110ھ)

169 خصائل معاویہ　　غلام حسین نجفی

170 عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب　　سید جمال الدین

171 مروج الذہب　　ابوالحسن علی بن حسین مسعودی (م 346ھ)

فروع کافی　　محمد بن یعقوب کلینی (م 329ھ)

172 قبہ وقبور　　سید علی نقوی

173 کیا ناصبی مسلمان ہیں؟　　غلام حسین نجفی

174 کردار یزید　　غلام حسین نجفی

175 معاویہ کا نبی اور آل نبی کو گالیاں دینا　　غلام حسین نجفی

176 نہج البلاغہ　　سید ابوالحسن شریف محمد رضی

177 نہج البلاغہ مترجمہ　　مفتی جعفر حسین شارح نہج البلاغہ

178 وفات عائشہ　　مرزا یوسف لکھنوی

رسائل و جرائد:

179　ماہنامہ الاحرار ملتان، مئی 2014ء

180　ماہنامہ البلاغ کراچی ذی الحجہ 1390ھ

181　ماہنامہ البلاغ۔جمادالاولی 1391ھ/جولائی 1971ء

182　ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک۔نومبر 2014ء

183　الشریعہ۔خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

184　ماہنامہ تجلی دیوبند نومبر 1962ء

185　ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر 1997ء

186　ماہنامہ حق چاریار مارچ، اپریل 2005ء قائد اہل سنت نمبر۔اشاعت خاص

187　ماہنامہ شمس الاسلام دسمبر 2012

188　ماہنامہ نصرت العلوم گوجرانوالہ۔جنوری 1998ء

189　ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ستمبر 1997ء

190　ہفت روزہ ضرب مومن۔15۔اکتوبر 2004ء

191　روزنامہ دنیا۔اسلام آباد 11 دسمبر 2014ء

192　روزنامہ دنیا۔اسلام آباد 15۔دسمبر 2014ء

☆☆☆☆☆☆

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی علمی و تحقیقی کتب

نمبر شمار	نام کتاب	صفحات
1	اصلاح معاشرہ	96
2	تحقیق نکاح سیدہ	144
3	اہل بیت رسول ﷺ کون؟ طبع جدید مع اضافات	448
4	فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ	240
5	حدیث کلاب حوأب کا مصداق کون؟	144
6	حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی، اور علمی محاکمہ	608
7	سرگذشت ہاشمی (سوانح قاضی چمن پیر الہاشمیؒ)	344
8	حج مبرور	448
9	کھلا خط بنام مولانا اللہ وسایا	52
10	زلزلۂ لولاک اور آفٹر شاکس	368
11	عمر عائشہؓ پر تحقیقی نظر ــــ ایک تقابلی مطالعہ	448
12	شیعیت ــــ تاریخ و افکار	824
13	سقوط جامعہ سیدہ حفصہؓ	908
14	تعارف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	96
15	تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	488
16	سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ	576
17	عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ	832
18	ملی یکجہتی کونسل ــــ ایک تنقیدی جائزہ	432
19	سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین۔ طبع جدید مع اضافات	464
20	امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز	832
21	توضیحات امام طبری کون؟ المعروف بہ کھلا خط بنام چیف ایڈیٹر روزنامہ اسلام	400
22	سیدنا مروان رضی اللہ عنہ ــــ شخصیت و کردار	576
23	گلزار یوسف اور توہین انبیاءؑ۔ زیر طبع	
24	روداد مقدمات۔ زیر طبع	